



تخریج شدہ ایڈیشن

مُسِنِ انسانیت کی سیرت پُمنفرد اسلوب کی خالی ایک جامع کتاب



# سیاستِ الرسول

تألیف

علّامہ شبیل عمانی

علّامہ سید عباین ندوی

[www.KitaboSunnat.com](http://www.KitaboSunnat.com)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب و سنت ذات کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب .....

عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔ ←

مجلس التحقیق الاسلامی (Upload) کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد آپ لوڈ

کی جاتی ہیں۔ ←

دعویٰ مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔ ←

### ☆ تنبیہ ☆

کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔ ←

ان کتب کو تجارتی یا مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔ ←

«اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاؤشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں»

نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔ ←

[kitabosunnat@gmail.com](mailto:kitabosunnat@gmail.com)

[www.KitaboSunnat.com](http://www.KitaboSunnat.com)



محسن انسانیت کی سیرت پر منفرد اسلوب کی خالی ایک جامع کتاب

اس حصے میں ۹ تا ہجری سے ۱۱ ہجری تک کے حالات و واقعات اور کیفیات منقول ہیں۔ مثلاً شماکل و خصائص، معمولات و عادات، حسن اخلاق، جنتۃ الوداع، تتمیل دین، اولاد و ازواج مطہرات کا بیان اور آپ ﷺ کی وفات کا تذکرہ ہے۔

تالیف

علامہ شبیل نعماںی

علامہ سید عیاذ ندوی

مکتبہ پٹلامیہ

جملہ حقوقی سچی ناشر محفوظ ہیں

سیف الدین

کتاب

تالیف ..... علامہ شبیح نعافی، علامہ سید علیان زدہ

ناشر ..... محمد رضا عجمی

اشاعت ..... اکتوبر 2012ء

قیمت

ملنے کا پتا

مکتبہ اسلامیہ

بالمصالح و ممان مارکیٹ غریب اردو بازار لاہور۔ پاکستان فون: 042-37244973 فیکس: 042-37232369

سیمسٹ سست بینک بالقابل شیل پڑول پپ کوتالی روڈ، فیصل آباد۔ پاکستان فون: 2034256، 041-2631204

E-mail: matabaaislamiapk@gmail.com

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

دیباچہ

### سیرت نبوی صَلَّی اللّٰہُ عَلٰیْہِ وَاٰلِہٖۤہِ قَوْمٍ مُجَلَّدٌ دُوْمٌ

سیرت نبوی صَلَّی اللّٰہُ عَلٰیْہِ وَاٰلِہٖۤہِ قَوْمٍ مُجَلَّدٌ دُوْمٌ (۱۹۲۰ھ) میں شائع ہوئی۔ اب مجلد دوم (۱۳۳۸ھ) میں شائع ہوئی۔ شائقین کا تقاضا ہے کہ جلد سے جلد اس کی جلدیں شائع ہوتی رہیں، لیکن شاید اُن مشکلات کا اُن کو علم نہیں جو عالمگیر جنگ نے زندگی کے ہر شعبہ میں پیدا کر دی ہیں، گواہیک سال سے زیادہ ہوا کہ جنگ کا عملاء خاتمه ہو گیا، لیکن باس ہر حقیقت یہ ہے کہ صلح کا آغاز نہیں ہوا اور اس خاتمه جنگ سے زندگی کی مشکلات میں ذرا کمی نہیں ہوئی۔ جلد اول کے تکلیف دہ تجربہ کے بعد یہ طے کر لیا گیا تھا کہ دوسرا جلد خود مطعن معارف میں چھپے گی لیکن مشکل یہ تھی کہ ہمارے پاس مشین نہ تھی۔ بڑی علاش جتوجو سے مشین ہاتھ میں آئی تو کاغذ کا قحط نظر آیا۔ جلد اول میں جن اصناف کے کاغذ لگ پکے تھے ان کا ملنا دشوار ہو گیا، دیسی کاغذ کے ۲۰۰ رم بھی یہ وقت نہیں سکے۔ یہ وقت کسی طرح ختم ہوئی تو لوح (تائیپل پیچ) کے کاغذ کی مشکل پڑی ہکھٹو سے لے کر کلکتہ اور سبھی تک کے کارخانے چھان مارے گئے، مگر خاطر خواہ کاغذ دستیاب نہ ہوا، آخر جو بھی مل سکا اور جس طرح بھی بنایا جلد اختتام کو پہنچی۔ والحمد لله علی ذلك۔

پہلی جلد نبوت کے پُرآشوب عہد غزوہ اس پر مشتمل تھی اور دوسرا جلد نبوت کی سہ سالہ امن کی زندگی کی تاریخ ہے۔ نبوت کی بست سہ سالہ زندگی میں پہلی جلد بیس سال کے کارناموں کا مجموعہ تھی اور یہ جلد بقیہ آخری تین سال کے واقعات کا ذخیرہ ہے اور اس کے بعد اخلاق و شکل شریفہ اور از و از مطہرات و اولاد کرام کا تذکرہ ہے۔

مصنف مرحوم کی وفات کے بعد جب اس جلد کا تمام قلمی سرمایہ میرے ہاتھ میں آیا تو مجھے اس میں بہت سے ابواب کی کمی محسوس ہوئی جن کے اضافے کے بغیر یہ جلد ناتمام نظر آتی تھی، لیکن مصنف کے مسودہ میں اضافہ کی بہت نہیں ہوتی تھی، آخر کار مدت کے جیسے بیس کے بعد میں نے طے کر لیا کہ اُن کو لکھنا ہی چاہیے، چند روز کے بعد مجھے اتفاقاً مولا نا کے ہاتھ کی ایک یادداشت ملی، جو وفات سے پانچ ماہ پیشتر ایک سفینہ میں لکھی تھی۔ اس کا عنوان ”یادداشت اخیر“ تھا، اس یادداشت کو پڑھ کر میری سرفت کی انجانہ رہی، جب میں نے یہ دیکھا کہ جن ابواب کو میں ضروری سمجھتا تھا، مصنف مرحوم نے بھی اپنی آخری یادداشت میں ان کا اضافہ ضروری قرار دیا تھا اور گویا وہ ایک وصیت نامہ تھا، جس کو فرشتہ غیب نے اُن کے دست قلم سے میری تسلی کے لیے پہلے ہی لکھوا دیا تھا۔

ع حل ایں عقدہ ہم ازرو نے نگار آخر شد  
 اخلاق کے باب کو مصنف مرحوم نے تکیل کوئی پہنچایا تھا، بہت سے عنوانات سادہ تھے، بہت سے عنوانات کو شروع کر کے آئندہ اضافے کے لیے تمام بصورت بیاض چھوڑ دیا تھا، جامع نے ان کو لکھ کر بطور تکملہ کتاب میں شامل کر دیا، بہت سے ضروری حواشی بھی جا بڑھائے گئے ہیں، چنانچہ جیسا کہ جلد اول کے دیباچہ میں ذکر کیا گیا ہے، اضافہ اور تکملہ اور حواشی کی تمام عبارتیں ہلاکین کے اندر کر دی گئی ہیں، تاکہ مصنف اور جامع کی عبارتیں باہم مخلط نہ ہونے پائیں۔

جامع  
سید سلیمان ندوی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

## اسلام کی امن کی زندگی

۹۷، نہ اور اللہ

قیامِ امن، اشاعتِ اسلام، تاسیسِ خلافت، تکمیلِ شریعت

قیامِ امن

گزشتہ ابواب ۹۷ پڑھ لینے کے بعد یہ حقیقت محتاج بیان نہیں رہتی کہ اس وقت گوفٹری صلاحیت و استعداد کی رو سے عرب کا ذرہ ذرہ ستارہ تھا لیکن وہ کسی ایک نظامِ شمشی کے تابع نہ تھا۔ یوں تو تمام جزیرہ عرب ایک واحد ملک اور ایک متحد قوم تھا، تاہم نہ تو کبھی تاریخ نے اس کی ملکی و قومی اتحاد کا نشان دیا اور نہ سیاسی حیثیت سے کسی زمانہ میں تمام عرب ایک پرچم کے نیچے جمع ہوا، جس طرح گھر گھر کا الگ الگ خدا تھا، اسی طرح قبیلہ قبیلہ کے جدار بیس تھے، جنوبی عرب میں حیری اذاء، اور اقبال کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں۔ شمالی عرب میں گبر، تغلب، شیان، ازد، قضاۓ، کندہ، حم، جذام، ہونجینہ، طے، اسد، ہوازن، غطفان، اوس، خرزنج، ثقیف، اور قریش وغیرہ کی الگ الگ ٹولیاں تھیں، جو دون رات خانجگیوں میں بٹلاری تھیں۔ بکرو تغلب کی چہل سالہ جنگ کا بھی ابھی خاتمه ہوا تھا، کندہ اور حضرموت کے قبائل کٹ کٹ کٹ کر فراہو چکے تھے، اوس وغزر ج لڑکر اپنے ایک ایک سردار کو کھو چکے تھے، خاص حرم اور اشهر حرم میں بنقیس اور قریش کے درمیان حرب فیوار کا سلسہ جاری تھا اور اس طرح تمام ملک معرکہ کا رزار بنا ہوا تھا۔ پیاراؤں اور صحراؤں میں خود مختار جرام پیشہ قبائل آباد تھے، تمام ملک قتل و غارت گری، سفا کی، خوزہ زیزی کے خطرات میں گھرا تھا، تمام قبائل غیر مختتم سلسہ جنگ کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ انتقام، شار، اور خون بہا کی پیاس سینکڑوں اور ہزاروں اشخاص کے قتل کے بعد بھی نہیں بچھتی تھی۔ ملک کا ذریعہ معاش غارت گری کے بعد دفظ تجارت تھی لیکن تجارت کے قافلوں کا ایک جگہ سے دوسری جگہ تک گزرنما محال تھا۔ جیرہ کے عرب بادشاہ اگرچہ شامی عربستان میں اثر اور اقتدار رکھتے تھے، تاہم ان کا تجارتی سامان بھی عکاظ کے بازاروں میں آسانی پہنچ سکتا تھا۔ شہروں ج عملًا عرب کے مقدس میئے تھے، بایں بھہ لڑائیوں کے جواز کے لئے وہ کبھی بڑھا اور کبھی گھٹا دیے جاتے تھے، ابوعلی قابی نے کتاب الاماں میں لکھا ہے:

وَذَالِكَ لَا نَهُمْ كَانُوا يَكْرَهُونَ إِنْ تَتَوَالَّ عَلَيْهِمْ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ لَا تَمْكِنُهُمْ

الاغارة فيها لان معاشهم كان من الاغارة۔

”یہ اس لئے کہ وہ پسند نہیں کرتے تھے کہ تمیں میئے متصل ان پر غارت گری کے بغیر گز رجا کیں،

پورا باب اضافہ از صفحہ ۱۰۰۱ء۔ جلد اس: ۲۰۸

کیونکہ غارتگری، ہی ان کا ذریعہ معاش تھا۔“

بہت سے جرائم پیشہ قبائل کے ذریعہ معاش کے لیے یہی موسم بہار تھا۔ مکہ کے آس پاس اسلام وغفار وغیرہ قبائل آباد تھے، جو حاجیوں کا اسباب چڑھنے میں بدنام تھے، ۱۰ طے، نہایت ممتاز اور نامور قبیلہ تھا، لیکن دزدان طے بھی اپنی شہرت میں ان سے کم نہ تھے ۱۱ سلیک ابن السکلہ اور تاباطا شاعر عرب کے مشہور شاعر تھے لیکن ان کی شاعری کا تمام تر سرمایہ صرف اپنی چوری اور حیله گری کے پُر فخر کارنا سے تھے۔ ملک میں اضطراب اور بد امنی کا یہ حال تھا کہ عبدالقیس جو بحرین کا ایک طاقت ورقبیلہ تھا ۱۲ تک مصری قبائل کے ذریعے اشہر حرم کے سوا اور منہینوں میں چجاؤ کاروں خنبیس کر سکتا تھا۔ ۱۳ فتح مکہ کے بعد بھی جب ملک میں مسکون شروع ہو چکا تھا، مدینہ سے مکہ تک سفر خط رنا ک تھا اور اب بھی لوگ ڈا کے ڈالتے رہتے تھے۔ ۱۴ بھرت کے پانچ چھ برس کے بعد بھی شام کے تجارتی قافلے دن دہائے لوٹ لئے جاتے تھے۔ ۱۵ یہاں تک کہ کبھی کبھی خود دار الاسلام کے چراگا ہوں میں بھی چھاپے مارے جاتے تھے ۱۶ آنحضرت ﷺ جب لوگوں کو ملک کے امن و امان کی بھارت دیتے تھے کہ ایک زمانہ آئے گا جب حرم سے ایک خاتون محمل نشین تنہا سفر کرے گی اور اللہ کے سوا کسی کا اس کو خوف نہ ہو گا ۱۷ تو لوگوں کو تعجب آتا تھا۔ ۱۸ میں ایک شخص نے آکر عکایت کی کہ میرا مال ڈاکوؤں نے لوٹ لیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”عنقریب وہ زمانہ آئے گا جب مکہ کو قافلہ بے نگہبان جایا کرے گا۔“ ۱۹ اتنے بڑے ملک میں صرف حرم کی سرزی میں ایسی تھی جہاں لوگوں کو طمینان میسر آسکتا تھا۔ خدا نے قرآن مجید میں اہل مکہ پر اپنا سب سے بڑا احسان یہی جتنا یا ہے:

**فَلِيَعْدُ وَارِبٌ هَذَا الْبَيْتُ الَّذِي أَطْعَمَهُمْ ثُمَّ جَوَعَهُ وَأَمْسَهُمْ ثُمَّ خَوْفٌ**

(١٠٦) / قریش: (٤-٣)

”ان کو چاہیے کہ اس گھر کے اس مالک کو پوچھیں جس نے ان کو بھوک میں کھانا دیا اور بد امنی کو دور کر کے ان کو مامن بخشنا۔“

**﴿أَوْلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا أَمِنًا وَيَخْتَصِفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ﴾**

(٢٩) / العنكبوت:

”کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے ایک امن والا حرم ان کے لیے بنایا اس کے باہر بدانٹی کا یہ عالم ہے کہ اس کے چاروں طرف سے آدمی اچک لئے جاتے ہیں۔“

٤ صحيح بخاري، كتاب المناقب، باب ذكر اسلم وغفار: ٣٥١٦۔ ٥ صحيح بخاري، كتاب المناقب، باب علامات النبوة: ٣٥٩٥۔ ٦ صحيح بخاري، كتاب الایمان، باب اداء الخمس من الایمان: ٥٣۔ ٧ ابو داود، كتاب الادب، باب في الحذر من الناس: ٤٨٦١۔ ٨ طبقات ابن سعد، جزء مغارى، ص: ٦٣، ٦٤، ٦٥۔ ٩ دیکھو سیرۃ النبي ﷺ، ج ١، ص: ٢٥٩ غرہہ سویں غرہہ غابہ۔ ١٠ صحيح بخاري، كتاب المناقب، باب علامات النبوة: ٣٥٩٥۔ ١١ بخاري، كتاب الزکوة، باب الصدقة قبل الرد: ١٤١٣۔

خود اسلام کا کیا حال تھا؟ آنحضرت ﷺ عام الحزن کے بعد تین برس تک مصل تمام قبل کے سامنے اپنے آپ کو پیش کرتے رہے کہ مجھے امان میں لے کر صرف اتنا موقع دلا دو کہ اللہ کی آواز لوگوں تک پہنچا سکوں لیکن کوئی حادی نہیں بھرتا تھا، ﴿تمام مسلمان عرب کی فضائیں سانس تک نہیں لے سکتے تھے۔ تلاش امن کے لئے افریقہ و جیش کے ریگستانوں میں مارے مارے پھرتے تھے جو عرب میں رہ گئے وہ ہدف مظالم گوناگوں تھے۔ قرآن مجید مسلمانوں کی اسی حالت کا ذکر ان آیتوں میں کرتا ہے:

﴿وَإِذْ كُرُّوا إِذَا أَنْتُمْ قَلِيلٌ مُّسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ تَحْاْفُونَ أَنْ يَتَعَظَّفَ كُمُّ النَّاسُ﴾

(الانفال: ۲۶)

”یاد کرو جب تم ملک میں ٹھوڑے اور کمزور تھے، ڈرتے تھے کہ لوگ تم کو اچک نہ لیں۔“

اسی ملکی شورش اور بد امنی کا یہ نتیجہ تھا کہ ملک میں کوئی تحریک بھی بغیر خود ہماقٹی فوجی تدبیر کے کامیاب نہیں ہو سکتی تھی، سرورِ عالم ﷺ کا اصلی فرض اسلام کی دعوت تھی، اس کے لئے تنخیج اور فوج و لشکر کی حاجت نہ تھی لیکن ایک طرف تو شمن پر حملہ کرتے چلے آتے تھے اور دوسری طرف ہر جگہ دعاۃ اسلام کی جانب معرض خطر میں رہتی تھیں، تجارت کے قافلے جن پر اصل میں ملک کی معاش کا درود مدار تھا غیر مامون تھے۔ چنانچہ اس قسم کے تفصیلی واقعات غزوتِ نبوی ﷺ کے اسباب و انواع میں گزر چکے ہیں۔

### بیرونی خطرات

بہر حال یہ تو ملک کی اندر ورنی حالت تھی، بیرونی خطرات بھی کچھ کم نہ تھے، ملک کے تمام سربراہ و ذرخیز صوبے روم و فارس و عظیم الشان طاقتوں کے پنجہ میں تھے، تقریباً ساٹھ برس سے ایرانی یمن، عمان اور بحرین کے مالک بن بیٹھے تھے اور ان کے زیر اقتدار برائے نام عرب رو سا حکمران تھے۔ حدود عراق میں آل منذر کی حکومت کو مٹا کر ایرانیوں نے اندر ورنی ملک میں بھی پیش قدی شروع کر دی تھی، جہاز میں اسلام کی جو تحریک پھیل رہی تھی اس کو بھی وہ اپنے ہی حدود میں سمجھتے تھے چنانچہ ۸ھ میں شاہ ایران نے پہن کے ایرانی گورنر کو فرمان بھیجا کہ ”میرے غلام کو جو جہاز میں مدی نبوت بنائے گے، فقار کر کے میرے پاس بیچ دو۔“ رومیوں نے حدود شام میں قبضہ کر لیا تھا۔ آل غسان اور چھوٹے چھوٹے عرب رو سانے جھنوں نے مت سے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا اُن کی ماحتی قبول کر لی تھی۔ ۸ھ کے بعد رومی اور عیسائی رو سانے عرب کی مدد سے مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کر رہے تھے جس کا ظہور و اتفاق تبوك اور موئہ وغیرہ کی صورت میں ہوا۔

### یہودیوں کی قوت

رومیوں نے دوسری صدی عیسوی میں یہودیوں سے شام و فلسطین کی برائے نام حکومت بھی چھین لی تھی

﴿سیرت ابن ہشام، عرض رسول اللہ ﷺ نفسہ علی القبائل، ج ۱، ص ۲۵۵﴾

اور وہ مجبور احمد و شام سے قلب حجاز تک پہنچ پہت آئے تھے اور اپنے لئے مدینہ سے شام تک متصل تلے قائم کر لیے تھے یہ مقامات ان کے جنگی استحکامات بھی تھے اور تجارتی گودام بھی قریظہ، نسیر، قیفیقاع، نبیر، فدک، تیما، وادی الفرقی وغیرہ ان کی بڑی بڑی چھاؤنیاں تھیں ۔ قرآن مجید میں حسب ذیل آیات میں یہودیوں کے انہی قلعوں کی طرف اشارہ کیا ہے:

﴿لَا يَقُولُونَ لَمْ جَعِلَ اللَّهُ فِي قَرْيَةٍ مُّحَصَّنَةً أَوْ مِنْ وَرَاءِ جُدُرٍ﴾ (۱۴/ الحشر: ۵۹)

”یہ بھی اکٹھے ہو کر (کھلے میدان میں) تمہارا مقابلہ نہ کریں گے لزاں گے بھی تو قلعہ بند بستیوں میں بیٹھے کر یاد یواروں کے پیچھے چھپ کر۔“

﴿وَأَنْزَلَ اللَّذِينَ ظَاهِرُوهُمْ قَوْنَ أَهْلَ الْكِتَابِ مِنْ صَيَّابِهِمْ﴾ (۲۶/ الاحزاب: ۲۳)

”اللہ نے ان یہودیوں کو جنخنوں نے ان کی مدد کی تھی ان کے قلعوں سے اتارا۔“

زمانہ قدیم میں مالی کاروبار کی وسعت نے اپنیں اور دیگر ممالک یورپ میں ان کو جس طرح ملک کی پالیکس کا خطرناک عنصر بنادیا تھا یعنی سبی حال ان کا عرب میں بھی تھا ان چند قلعوں کے برتنے پر وہ اسلام کی قوت کو بالکل خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کو متعدد لڑائیاں صرف ان کی شرارت سے لڑنی پڑیں۔ بدرا میں جب مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی تو یہ خیریہ کہتے تھے ”بے چارے مکہ کے قریش لڑنا کیا جائیں؟ مسلمانوں کو ہمارے قلعوں سے مقابلہ پرے تو معلوم ہو۔“ ۲ غرض عرب کاملک اس قدر متعدد اور مختلف اندر وہی اور بیرونی خطرات میں بٹلا تھا کہ اس کی اصلاح و تدبیر کے لیے عام انسانی دست و بازو بے کار تھے خدا کا غیر مریٰ ہاتھ محمد رسول اللہ ﷺ کی آسمیں میں پوشیدہ تھا ۳ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلِكِنَ اللَّهُ رَمَى ۙ ۴ ۴) ہجرت کے بعد آٹھ برس کی متوالی کوششوں اور یہیم اصلاحات کا یہ نتیجہ ہوا کہ حمال نے امکان بلکہ واقع کی صورت اختیار کر لی۔ عرب کے سیاسی ضعف کا تمام تر راز نا تقاضی اور باہمی جگہ وجدال میں مضر تھا اور اس نا تقاضی اور خانہ جنگی کا سبب صرف یہ تھا کہ تمام عرب مختلف خاندانوں اور نسلوں میں منقسم تھا۔ تمام ملک کے اجتماع اور اتحاد کے لئے ان میں کوئی مشتمک رشتہ موجود نہ تھا، محمد رسول اللہ ﷺ نے تمام عرب کی شیرازہ بندی کے لیے اسلام کا رشتہ قائم کیا ۵ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ ۚ (۴۹/ الحجرات: ۱۰) اور دفعۃ اس روحاںی رشتہ نے خون، قرابت اور نسل کے تارو پوادا ہیڑ دیے اور صرف ایک کلمہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدُ رَسُولُ اللَّهِ کی بر قی روابط تمام عرب کی اتحادی روح کو حرکت دے رہی ہے۔ خدا نے قرآن مجید میں اس اجتماع اور اتحاد کے وجود کو اپنی مخصوص نعمت فرمایا:

۱ کتب مغازی و سیر میں ان کے حالت پر مدور ۲ مجمع البلدان، باب قوت میں ان مقامات کے عالات دیکھو، بخاری، کتاب المغازی، باب قتل ابی رافع: ۴۰۲۸۔ ۳ طبقات ابن سعد، ذکر مغازی، جزء ثانی، قسم اول، ص: ۹۲؛ سیرت ابن هشام ”امر بن فیتفاع“ ج ۲، ص: ۵۶۔

﴿وَإِذْ كُرُوا نَعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بَعْتَهُ إِخْوَانًا﴾

(آل عمران: ١٠٣)

”خدا کے اس احسان کو یاد کرو کہ تم باہم ایک، وسرے کے دشمن تھے، خدا نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا پھر اس کے لطف و محبت سے بھائی بھائی بن گئے۔“

خدا نے خود آنحضرت ﷺ کو مناسب کر کے فرمایا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایہ تیرا کام نہ تھا اس میں خود جا امد  
مقلب القلوب کا باہم کام کر رہا تھا۔

﴿هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرَةٍ وَإِلَيْهِ الْمُؤْمِنُونَ ۚ وَالَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ ۖ لَوْا نَفْقَتَ مَا فِي الْأَرْضِ  
جَمِيعًا مَا أَلْفَتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَيَنْ أَلْهَمَ الَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَلِيمٌ﴾<sup>۱</sup>

(الانفال: ٦٣)

”وہ خدا ہی ہے جس نے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی نصرت اور مسلمانوں کے ذریعے سے جھوکوتوں بخشی اور اسی نے مسلمانوں کے دل باہم جوڑ دیئے اگر تم تمام دنیا کے خزانے بھی لوٹادیتے تو بھی ان کے دلوں کو نہ جوڑ سکتے لیکن خدا نے ان کے دل باہم جوڑ دیئے، وہ زبردست، حکمت والا ہے۔“

تہجیرت کے بعد آنحضرت ﷺ نے مجاہرین و انصار کے درمیان جو موافقاً اور برادری قائم کرائی تھی وہ اس سلسلہ کی پہلی کڑی تھی اور اس کی آخری کڑی وہ خطبہ تھا جو فتح مکہ کے موقع پر دیا گیا۔ قرآن مجید نے اپنے متواتر ارشادات میں فتنہ فساد فی الارض کو مردہ ترین فعل انسانی قرار دیا اور اس فعل کے منکب کے لئے سخت سزا میں مستقر کیں۔ پوری کے لئے قطع یہ کی سزا متعین کی، رہبری کے لئے قتل، پھانسی، قطع یہاں اور جلاوطنی کی تعزیریں بجاري کیں۔ سورہ مائدہ میں خون ریزی اور قتل و سفا کی کے انداد کے لئے قصاص کا قانون تازل ہو اعمالاً ملک میں قیام امن کے لئے آنحضرت ﷺ نے متعدد بار فوجیں بھیجنیں، رہبر قبائل پر چھاپے مارے <sup>۲</sup> جماز میں جن قبائل کا پیشہ چوری تھا اس تاب ہو کر مسلمان ہو گئے۔ <sup>۳</sup> فوجداری اور دیوانی کے مقدمات کے نیچلے کے لئے قوانین وضع ہوئے اور جا بجا عممال کا تقرر ہوا۔

لیکن یہ سب جو کچھ ہوا وہ انسان کی ظاہری فطرت کی پابندی تھی، ورنہ ایک پیغمبر کا فرض ایک مقتلن اور ایک عام مدبر کے فراپن سے بدر جا بلند ہے۔ اسلام کے قانون تعریرات نے جو کچھ کام کیا قرآن کا روحانی اثر اور خاتم الانبیاء ﷺ کا فیض تلقین اس سے پہلے فرد قرارداد جرم کی دفعات کو بالکل مٹا دیتا تھا۔ قانون و خوف تعزیر صرف بازاروں میں اور انسانوں کے عام مجموعوں میں جرام سے باز رکھ سکتا ہے لیکن دعوت اسلام کے فیض اثر نے دلوں کو بالکل خدا کے سامنے کر دیا جو رات کی تاریکیوں میں بھی دیکھتا تھا اور متفقہ دروازوں کی

<sup>1</sup> سیرت النبی ﷺ ج ۱، دیکھو فزادت نبوی پر دوبارہ نظر۔

<sup>2</sup> صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب ذکر اسلام و غفار۔ ۳۵۱۶۔

کھڑکیوں سے بھی جھاٹکتا تھا اور اب تک تمام ملک میں امن و امان تھا اور یہ عدی، بن حاتم نے شہادت دی کہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کی پیشیں گوئی کے مطابق لوگ صنائع سے جزا تک تن تہا سفر کرتے تھے اور خیثت الہی کے سوا کوئی اور خوف راستہ میں نہ تھا۔ ۲۱ ایک یورپیں مؤرخ نے جس کے قلم نے پیغمبر اسلام ﷺ کی مدح کے لئے بہت کم جنبش کی ہے (مارگولیتھ) وہ بھی ان الفاظ میں اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے:

”محمد ﷺ کی وفات کے وقت ان کا سیاسی کام غیر مکمل نہیں رہ گیا تھا۔ آپ ایک سلطنت کی جس کا ایک سیاسی و مذہبی دارالسلطنت مقرر کیا گیا تھا بنیاد ڈال چکے تھے۔ آپ ﷺ نے عرب کے منتشر قبائل کو ایک قوم بنادیا تھا۔ آپ ﷺ نے عرب کو ایک مشترک مذہب عطا کیا اور ان میں ایک ایسا رشتہ قائم کیا جو خاندانی رشتہ سے زیادہ مستحکم اور مستقل تھا۔“ ۲۲

بیرونی خطرات کے انسداد کے لئے خدا نے عجیب و غریب سامان پیدا کر دیے قریش اور منافقین مدینہ کے اشتعال سے یہودیوں نے اسلام کو پامال کرنا چاہا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خود چور ہو گئے۔ ۲۳ یہ سے لے کر یہ تک متواتر لڑائیاں پیش آئیں اور آخوند فتح نبیر پران کی سیاسی قوت کا خاتم ہو گیا۔ رومیوں نے اور حدود شام کے عیسائی عربوں نے اسلام کے استیصال کا یہڑہ اٹھایا۔ عیسائی رو سائے عرب میں سب سے زیادہ طاقت و روا در پر زور غسانی تھے جو رومیوں کے ہاتھ میں کٹھ پلی کی طرح کام کرتے تھے۔ بہراء، واکل، بکر، لخم، جذام اور عاملہ وغیرہ عرب قبائل ان کے ماتحت تھے۔ ان کے علاوہ دو مرد الجندل، الجبل، جرباء، اذرح، تباہ اور جرش وغیرہ کے چھوٹے چھوٹے عیسائی اور یہودی ریکھیں تھے۔ غسانیوں کے حملہ کی ابتداء جس طرح ہوئی وہ اوپر گزر چکا ہے۔ حارث بن عمیر رض جو شاہ بھری کے دربار میں دعوت اسلام کا خط لے کر گئے تھے ان کو غسانیوں نے راستہ میں قتل کر دیا۔ ۲۴ آنحضرت ﷺ نے تمیز ہزار مسلمانوں کا ایک دستہ تادیب و انتقام کے لئے روانہ فرمایا غسانی ایک لاکھ کا مذہبی دل لے کر میدان میں آئے اور خبر تھی کہ روی بھی اس قدر فوج لئے ہوئے موت سے قریب مواب میں پڑے ہیں۔ تاہم مٹھی بھر مسلمان آدمیوں کے اس جنگل سے نہ ڈرے اور کچھ عزیز جانیں کھو کر فوج کو میدان جنگ سے ہٹالائے۔ اس جنگ کا نام غزوہ موتتہ ہے۔

اس کے بعد ۲۵ میں غزوہ تبوک پیش آیا۔ دم بدم خبریں آتی رہتی تھیں کہ روی حملہ آوری کے لئے عیسائی عربوں کی ایک فوج گراں ترتیب دے رہے ہیں اور ایک سال کی پیشگی تباہ بھی فوج کو تقدیم کر چکے ہیں۔ یہ بھی خبر تھی کہ غسانی فوج کی آرائی میں مصروف ہیں اور گھوڑوں کی نعل بندی بھی کر رہے ہیں۔ اس بنا پر آنحضرت ﷺ نے تمیز ہزار صحابہ کے ساتھ پیش قدمی فرمائی اور پیش دن تک دشمنوں کی آمد کا انتظار کرتے

۲۱ صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبیہ قبل الاسلام: ۳۵۹۵۔

۲۲ لائف آف محمد صلی اللہ علیہ وسلم مارگولیتھ، ص: ۴۷۱۔ ۲۳ زرقانی، باب غزوہ موتتہ، ج ۲، ص: ۳۰۹۔

رہے لیکن کوئی مقابلہ نہ آیا تاہم اس پیش قدمی کا فائدہ یہ ہوا کہ غسانیوں کے علاوہ تمام رؤسائے رومیوں کو چھوڑ کر اسلام کی حمایت قبول کر لی۔ ﴿ میں زمانہ مرض الموت میں آنحضرت ﷺ نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے زیر افسری رومیوں کے مقابلہ کے لئے پھر فوجیں روانہ فرمائیں لیکن اس مہم کا اختتام عبد صدیقی میں ہوا۔ ایرانیوں کی حکومت زندگی کے آخری دور کو پہنچ چکی تھی۔ میں دعا ذہلام کے پہنچنے کے ساتھی بے مقابلہ و جنگ نہیں، عمان اور بحرین میں ان کی قبائے حکومت کا تاریخ را لگ ہو گیا۔

غرض نو دس برس کی متواتر اور پیغم کوششوں سے اور مافوق طاقت بشری، تائیدات کے سبب سے اب تمام ملک میں امن و امان قائم ہو گیا۔ قریش اور یہودی سازشوں کا ظسم نٹ گیا۔ قباکل کی خانہ جنگیاں مست گئیں۔ تمام رہنمن اور رذاؤ کو جھٹے رام ہو گئے۔ بیرونی خطرات کا انسداد ہو گیا اب موقع ملا کہ صلح و آشتی کے ساتھ حب فرمان الہی اصل مقصود کی طرف توجہ کی جائے۔

♦ اوپر کے تمام واقعات کی تفصیل اور حوالے غزہ مودہ اور توبہ کے ذکر میں گزر چکے ہیں۔

## تبليغ و اشاعت اسلام

سردِ کائنات ﷺ کا اصلی کام تمام عالم میں دعوت اسلام کا اعلان کرنا تھا اور نہ صرف اعلان بلکہ ہر قسم کے جائز اور صحیح وسائل سے تمام عالم کو حلقہ اسلام میں لانا تھا، اس کے لئے تن و خیز اور فوج و عسکر کی ضرورت نہ تھی، بلکہ صرف اس قدر کافی تھا کہ دعوت حق کی صد اطراف عالم میں پہنچ جانے پائے۔ لیکن مکہ میں تیرہ برس تک اعدادے اسلام اسی کے سدر را رہے۔ حج کے موقع پر عرب کے تمام قبائل دور دراز مقامات سے آتے تھے۔ آنحضرت ﷺ ایک ایک کے پاس جاتے اور صرف یہ درخواست کرتے کہ قریش مجھ کو پیغام پہنچانے سے روکتے ہیں تم اس کا موقع ولادو اور خود و لیکن قریش کے اثر سے بڑا لوں لاکھوں میں سے ایک بھی اس کی حمایت نہیں بھرتا تھا۔ تاہم آفتابِ حق کی کرنیں ان کثیف بادلوں میں سے بھی چھن چھن کر سطح قلوب پر پڑتی تھیں اور اکناف و حوالی کو روشن کرتی جاتی تھیں۔ اسلام کو صرف اشتہار اور اعلان کی ضرورت تھی اور یہ کام خود اعدادے اسلام نے انجام دیا جب حج کا زمانہ آتا تو رو سائے قریش عام گزر گا ہوں پر خیسے لگاتے باہر کے لوگ ان سے ملنے آتے، اور چونکہ بخشش نبوی ﷺ کا حج چاپھیں چکا تھا، لوگ اس کی حقیقت دریافت کرتے اور نہ کرتے تو قریش خود حفظ ماقدم کے لئے ان سے کہتے کہ ہمارے شہر میں ایک بد عقیدہ پیدا ہوا ہے جو ہمارے معبدوں کی توہین کرتا ہے یہاں تک کلاس و عزیزی تک کوبرا کھتا ہے۔

بعد عقیدہ کو عربی میں ”صابی“ کہتے ہیں، اسی مناسبت سے یا اس وجہ سے کہ اسلام کے بعض فرائض مثلاً: نماز کی صورت، حسابین گے اعمال سے ملتے جلتے ہیں قریش نے آنحضرت ﷺ کو صابی کا لقب دیا تھا اور بالآخر اس لقب سے تمام عرب میں آپ ﷺ کا نام مشہور ہو گیا۔ ۱) صحیح بخاری کتاب المغازی میں ایک صحابی سے روایت ہے کہ میں جب چھوٹا تھا تو مک کے آنے جانے والوں سے سننا کرتا تھا کہ مک میں ایک مدی نبوت پیدا ہوا ہے۔ ۲) ملک میں جب آپ ﷺ کا نام مشہور ہوا تو اگرچہ جمہور عالم پر مخالف اثر پڑا اور ان میں سے کسی شخص نے آپ ﷺ کی طرف رخ نہیں کیا لیکن اتنا بڑا وسیع ملک ان لوگوں سے خالی نہیں ہو سکتا تھا جن کو یہ شوق پیدا ہوا کہ اصل واقعہ کیا ہے؟ عرب میں ایسے لوگوں کی خاصی جماعت پیدا ہو گئی تھی جو بت پرستی سے تنفس ہو چکے تھے اور حق کے محسوس تھے۔ بعض لوگ اس حد سے ترقی کر کے حنفی بن گئے تھے جن کا تذکرہ آغاز کتاب میں گزر چکا ہے حافظ ابن حجر عسقلانی نے اصحاب میں متعدد ایسے صحابہ کا ذکر کیا ہے جو یمن وغیرہ دور دراز مقامات سے آنحضرت ﷺ کی تحقیق حال کے لئے مک میں آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور مخفی طور سے اسلام لا کر واپس گئے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعیٰ رضی اللہ عنہ یعنی (اور طفیل بن عمر و دوی بیمنی رضی اللہ عنہ)

کے خاندان میں جو اسلام پھیلایا اس کی ابتداء قیامِ مکہ میں ہوئی تھی۔

۱) صحیح بخاری، کتاب التیم، باب الصعید الطیب و ضوء المسلم۔ ۳۴۴۔

۲) صحیح بخاری، کتاب المغازی۔ ۴۳۰۲۔

مصللہ و من بضلله فلا هادی له و اشهدان لا اله الا الله وحدہ لا شریک له و اشهد ان محمدا عبده و رسوله۔ ان فقردوں نے خناد پر غیر معمولی اثر کیا۔ عرض کی دوبارہ ارشاد فرمائی۔ آپ ﷺ نے پھر اعادہ فرمایا۔ خناد نے پھر تیری بار پڑھوایا، اب وہ بالکل محور تھے، بولے کہ ”میں نے کاہنوں کی باتیں، جادوگروں کے منتر اور شاعروں کے قصائد نئے ہیں لیکن ایسا کلام میں نے نہیں سنایا، یہ تو دریا کی تہہ تک میں بھی اثر کر جائے گا، لیے ہاتھ لائیے، میں اسلام پر بیعت کرتا ہوں۔“ آپ ﷺ نے اُن سے بیعت لی۔

### قبیلہ از د کا اسلام

پھر فرمایا: ”اپنے پورے قبیلہ کی طرف سے بھی بیعت کرو۔“ چنانچہ انہوں نے پورے قبیلہ کی طرف سے بیعت کر لی اور وہ ان کی دعوت سے مسلمان ہو گیا۔ ایک دفعہ ایک لڑائی میں مسلمان سپاہیوں کا ادھر سے گزر ہوا تو افسر نے پوچھا کہ کسی نے اس قبیلہ کی کوئی چیزیں ہے۔ ایک سپاہی نے کہا: ایک لوٹا میرے پاس ہے۔ اس نے حکم دیا کہ واپس کر دو۔

### حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا اسلام

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا واقعہ اس موقع پر خاص طرح پر ذکر کے قبل ہے۔

غفار کا قبیلہ جو قریش کی شامی تجارت کے راستے میں آباد تھا، جب وہاں یہ چرچا پھیلا تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ جو بت پرستی سے تفتخر ہو چکے تھے اور حق کی تلاش میں تھے، انہوں نے اپنے بھائی (انیس) سے کہا کہ تم مکہ جاؤ اور دیکھو یہ شخص جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اس کی تعلیم اور تلقین کیا ہے؟ انیس مکہ آئے واپس جا کر بیان کیا کہ وہ مکار م اخلاق کی تعلیم دیتا ہے اور جو کلام پیش کرتا ہے وہ شاعری سے الگ ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو اس مختصر سے جواب سے تسلیم نہیں ہوئی، خود گئے، زاد افسر کے لئے مشک میں پانی اور کچھ کھانے کو لے لیا۔ کہہ میں آئے تو ڈر کے مارے کسی سے آنحضرت ﷺ کا نام پوچھنیں سکتے تھے۔ حرم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہو گئی انہوں نے گھر پر لا کر مہمان رکھا لیکن تین دن تک ان سے بھی کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ بالآخر خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ ”یہاں آنے کی کیا غرض ہے؟“ انہوں نے ڈرتے ڈرتے بتایا لیکن پھر قول و اقرار لے لیا کہ کسی پر ازالہ نہ ہونے پائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لائے اور آپ ﷺ نے اسلام کی تلقین کی اور فرمایا کہ اس وقت گھر واپس جاؤ۔ پھر میں جو کچھ کھلا سمجھوں گا اس کی تعمیل کرنا لیکن ان کو اسلام کا جوش تھا، عرض کی کہ میں تو اسلام کا اعلان کر کے رہوں گا۔ غرض حرم میں آئے اور زور سے پکارے کہ اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمدا رسول الله اس آواز کا سنسنا تھا کہ لوگ چاروں طرف سے دوڑ پڑے اور ان کو مارنا شروع کیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ آ کر بچایا اور لوگوں سے کہا کہ تم یہ نہیں سمجھتے کہ تمہاری تجارت کا راستہ غفار کی آبادی سے ہو کر گزرتا ہے اور یہ

اسی قبیلے کے آدمی ہیں۔ اس وقت لوگوں نے چھوڑ دیا، لیکن دوسرے دن حضرت ابوذر ؓ نے حرم میں جا کر پھر اسی طریقہ سے اسلام کا اعلان کیا اور نتیجہ بھی وہی ہوا جو کل ہو چکا تھا، آج بھی اتفاق سے حضرت عباس ؓ آگئے اور انہوں نے جان بچائی۔ ﴿

### قبیلہ غفار کا اسلام

حضرت ابوذر ؓ مکہ سے جب واپس گئے اور اپنے قبیلہ کو اسلام کی دعوت دی تو آدھا قبیلہ اسی وقت مسلمان ہو گیا۔ بقیہ آدمیوں نے کہا کہ اس وقت تک اسلام کا اظہار نہیں کریں گے جب آنحضرت ﷺ مدینہ میں آ جائیں چنانچہ جب آپ ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو باقی آبادی بھی مسلمان ہو گئی۔ ﴿

### قبیلہ اسلام کا اسلام

غفار سے قریب اسلام کا قبیلہ آباد تھا اور دونوں قبیلوں میں قدیم تعلقات تھے۔ غفار کے اثر سے انہوں نے بھی اسلام قبول کر لیا ﴿ (حالانکہ یہ دونوں قبیلے اسلام سے پہلے چوری میں بدنام تھے ﴿ اور ان کو معلوم تھا کہ اسلام اس فعل شیعہ کا دشمن ہے)

### اوں و خریج کا اسلام

موسم حج میں عرب کے اکثر قبائل کا اجتماع ہو جاتا تھا۔ آپ ﷺ اس موقع پر ایک ایک قبیلہ کے قیام گاہ پر جاتے اور اسلام کی دعوت دیتے تھے چنانچہ مدینہ کے قبائل اوس و خریج کی معتقد جماعت نے اسی موقع پر اسلام قبول کیا۔ اس کے بعد جب حضرت مصعب بن عمير ؓ مدینہ منورہ بھیج گئے تو ان کے فضل تلقین سے چند ہی مہینوں میں دونگرانوں کے سوابقیہ تمام گھرانے مسلمان ہو گئے۔

### قیام مدینہ میں اشاعت اسلام

بھارت کے بعد جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو آس پاس کے قبائل میں جیسا کہ اوپر گزرا، غفار و اسلام نے اسلام قبول کر لیا۔

### بدر کے بعض قریشیوں کا اسلام

کچھ ہی دنوں کے بعد بدر کا معرکہ پیش آیا جس میں قریش کو شکست ہوئی اور سترا شخص مسلمانوں کے ہاتھ میں قید ہوئے۔ ان قیدیوں کی رہائی کے لئے قریش نے مدینہ میں آمد و رفت شروع کی۔ اس تقریب سے لوگوں کو مسلمانوں سے ملنے جانے کا اتفاق ہوا اور اس اثر سے متعدد شخص مسلمان ہو گئے۔

۱۔ یہ روایت تمام صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب قصہ اسلام ابی ذر: ۳۵۲۲ سے مأخوذه، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب فضائل ابی ذر: ۶۳۵۹ میں یہ واقعہ جس طرح مقول ہے اس میں بہت سی باتیں اس سے زائد اور مختلف ہیں۔ حافظ ابن حجر ۃ الرؤوفۃ الباری، حج، ج ۱۳۷ میں لکھتے ہیں کہ ان دونوں روایتوں میں تین مکہن ہے۔

۲۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل ابی ذر: ۶۳۵۹۔

۳۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب ذکر اسلام و غفار: ۳۵۱۴، ۳۵۱۵۔ ۴۔ (بحوالہ سابق)۔

(ان میں) بہت سے لوگ ایسے تھے کہ اتفاقیہ آن کے کافوں میں قرآن مجید کی آواز پڑ گئی اور باوجود سخت عدالت کے ان کا دل پتھر سے نوم بن گیا۔ جبیر بن مطعم بدر کے قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑانے کے لئے آئے تھے اور قیدیوں کے ساتھ اسیر تھے، ایک دن آنحضرت ﷺ آپسین رُثہرے تھے:

**﴿أَمْ حَلَقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَلَقُونَ﴾** أَمْ خَلَقُوا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بَيْنَ لَا

بِيُوقَنُونَ ط٤ (٣٦، ٣٥) / الطور:

”کیا یہ یوں ہی آپ سے آپ پیدا ہو گئے یا ان لوگوں نے خود اپنے آپ کو پیدا کیا، یا ان

لوگوں نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا بلکہ یہ بات سے کہ ان کو یقین نہیں ہے۔“

جیسر بن مطعم رضی اللہ عنہ کا اسلام

جبیر بن مطعم ظائف نے یہ آئیں سن لیں تو ان کا بیان ہے کہ مجھ کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ میر ادل پر وا ذکر  
سپا۔ صحیح بخاری سورہ طور میں یہ واقعہ مذکور ہے۔

(مکہ میں روم و فارس کی جنگ کے متعلق آنحضرت ﷺ نے جو پیشین گوئی فرمائی تھی وہ ٹھیک فتح بدر کے موقع پر پوری اتری اور قرآن مجید کی پیشین گوئی کے مطابق سات برس کے بعد رومیوں نے فارس پر فتح گئی پائی۔ اس عظیم الشان میجرہ کا یہ نتیجہ ہوا کہ ایک خلق کیش نے اسلام کی صداقت کا اقرار کیا) پیشین گوئی روم کا اثر

غرض اس طرح آپ ہی آپ لیکن نہایت آہستگی اور تدریج کے ساتھ اسلام پھیلتا جاتا تھا۔ ۵۵ میں  
قریش، کنانہ، غطفان، اسد اور دیگر قبائل نے متحد ہو کر مدینہ پر حملہ کیا اور شکست کھائی اس معرکہ کا نام  
ازباب ہے۔ جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے اس شکست نے قریش کا عالمگیر اڑکسی قدر کم کیا اور وہ قبائل جو  
قبول اسلام کے لئے آمادہ تھے لیکن قریش کے ذریعے ان کو اظہار اسلام کی ہمت نہیں ہوتی تھی، انہوں نے  
آنحضرت ﷺ کی خدمت میں وفاد بھی شروع کئے۔

قبیلہ مزینہ کا اسلام

سب سے پہلی جو سفارت آئی وہ قبیلہ مزینہ کی تھی، جس میں چار سو آدمی شریک تھے، انہوں نے یہ بھی خواہش ظاہر کی کہ اگر ارشاد ہو تو بھرت کر کے مدینہ میں آ جائیں لیکن آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”کتم جہاں رہو، مہا جر جو۔“ ﴿

قبلہ اشیع کا اسلام

قبیلہ الشجع کا اسلام

اسی زمانہ میں قبیلہ اشیخ کے سفراء جن کی تعداد سو (۱۰۰) تھی، مدینہ میں آئے اور آنحضرت ﷺ سے

٣٥٠:- بخاري، كتاب الجهاد، باب فداء المشترٰ كتب

<sup>2</sup> جزء طبقات ابن سعد متعلق وفود، جزء اول، قسم ثانی، ص: ۳۸.

کہا کہ ہم آپ ﷺ سے لڑائیں چاہتے بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ صلح کا معابدہ ہو جائے اُنحضرت ﷺ نے قبول فرمایا، اس وقت تک یہ لوگ کافر ہے، لیکن جب صلح ہو چکی تو انہوں نے خود بخدا اسلام قول کر لیا۔ \* قبیلہ جہینہ کا اسلام

جہینہ بھی انہی قبائل کے آس پاس آباد تھے، آنحضرت ﷺ نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور وہ فوراً ایک ہزار کی جمیعت لے کر مدینہ آئے اور مسلمان ہو گئے اور اس کے بعد وہ اکثر غزوات میں مسلمانوں کے شریک حال رہے \* (غفار، اسلم، مزینہ، اٹھ اور جہینہ کی سہی اطاعت اور مسابقت اسلام تھی جس کی بنابر آپ ﷺ نے ان کے حق میں دعاۓ خیر فرمائی) \*

صلح حدیبیہ کا اثر

صلح حدیبیہ کے زمانہ میں جیسا کہ ہم حدیبیہ کے ذکر میں لکھا ہے ہیں، کفار اور مسلمان نہایت آزادی کے ساتھ آپس میں ملتے جلتے اور اس لئے مکروں کو خلوت و جلوت میں مسلمانوں کی تلقینیات کے سنتے کا موقع ملا۔ اس کا نتیجہ \* یہ ہوا کہ اس سے پہلے باوجود غزوات اور محاربات کے جس قدر لوگ اسلام لائے تھے صرف دو برس میں یہ تعداد اس سے اضعافاً مضاعفہ بڑھ چکے جب آنحضرت ﷺ حدیبیہ کے سال اداۓ عمرہ کے ارادہ سے مدینہ طیبہ سے نکلے تو صرف ڈیڑھ ہزار شخص ساتھ تھے اب دو برس کے بعد فتح مکہ کو چلے تو دس لاہر مسلمانوں کا لشکر جرار ساتھ تھا۔ صلح حدیبیہ کا اثر اگرچہ تمام عرب پر محیط تھا، کیونکہ اس معابدہ میں صرف قریش اور کنانہ شریک تھے اس لئے جو لوگ براہ راست قریش کے زیر اثر یا ان کے حليف اور ہم عہدہ تھے وہ اب بھی مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کرتے رہتے تھے اور ان کے دفاع کے لئے آنحضرت ﷺ کی کامیابی کو کچھ کچھ فوجیں بھیجنی پڑتی تھیں، بتا ہم جن موقعوں پر امن کا گمان ہوتا تھا وہاں داعیان اسلام بھیجے جانے لگے کہ لوگوں کو اسلام کی طرف بلا کیں لیکن چونکہ حفاظتِ خود اختیاری کی غرض سے ان داعیوں کے ساتھ تھوڑی بہت جمیعت بھی ہوتی تھی، اس لئے ارباب سیران تبلیغی جماعتوں کو بھی سریا یا تعبیر کرتے تھے۔

فتح مکہ کا اثر

**تمام عرب توییث کعبی وجہ سے قریش کو مذہبی رہبر سمجھتا تھا اس لئے وہ انتظار کر رہے تھے کہ قریش کا کیا**

\* جزء طبقات ابن سعد مذکور، ص: ۴۸۔ \* اصحابہ تذكرة بشیر بن عرفطة، ج ۱، ص ۱۵۳ مطبع السعادة مصر ۱۳۲۸ھ۔ \* صحيح بخاری، کتاب المناقب، باب ذکر غفار و سلم و جہینہ: ۳۵۱۴، ۳۵۱۳۔ \* طبری میں امام زہری کا قول ہے: فلما کانت الهدنة ووضعت الحرب او زارها وأمن الناس كلهم بعضهم بعضًا فالتفقا وتفاوضوا في الحديث والمنازعة فلو يكلم أحد بالاسلام يعقل شيئا الادخل فيه فلقد دخا في تلك المستعين في الاسلام مثل ما كان في الاسلام واكثر۔ (ج ۳، ص ۱۵۵) مطبع بریل نیدن: ۱۸۸۲/۱۸۸۱، ”جب صحیح ہو گئی اور جگہ موقوف ہو گئی“ ایک دوسرے سے لوگ بے خوف ہو گئے ہاں ملے جلے باتیں جھیں ہو گئی تو کوئی تلقینہ ایسیں تھا جس سے اسلام کے متعلق عقائد ہوئی اور اس نے قبول نہ کر لیا چنانچہ جتنے لوگ ابتداء سے اس وقت تک مسلمان ہوئے تھے صرف ان دو برسوں میں ان کے برابر بکنان سے زیادہ تعداد میں لوگ مسلمان ہو گئے۔

انجام ہوتا ہے۔ عمر بن سلمہ رض ایک صحابی تھے جو مدینہ سے دور ایک گزرگاہِ عام پر رہتے تھے، ان کے یہ الفاظ صحیح بخاری میں مقول ہیں:

كانت العرب تلوم باسلامهم الفتح فيقولون اتر كوه و قومه فانه ان ظهر عليهم

فهو نبى صادق فلما كانت وقعة اهل الفتح بادر كل قوم باسلامهم۔

”عرب قریش کے اسلام کا انتظار کرتے تھے، وہ کہتے تھے کہ محمد ﷺ کو ان کی قوم (قریش) پر چھوڑ دو، اگر محمد ﷺ ان پر غالب آگئے تو بے شبهہ چیز پیغمبر ہیں۔ پس جب کہ فتح ہوا تو ہر قبلی نے اسلام کی طرف پیش دستی کی۔“

ابن ہشام نے زیادہ صاف لکھا ہے:

وأَنَّمَا كَانَتِ الْأَرْبَابُ تُرْبَصُ بِالْأَسْلَامِ أَمْرُ هَذَا الْحَيِّ مِنْ قَرِيشٍ وَأَمْرُ  
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَلِكَ أَنْ قَرِيشًا كَانُوا إِمَامَ النَّاسِ وَهَادِيهِمْ وَاهْلَ الْبَيْتِ  
وَالسَّحْرُومُ وَصَرِيحُ وَلَدُ اسْمَاعِيلَ بْنَ ابْرَاهِيمَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ وَقَادِهِ الْأَرْبَابُ لَا  
يُنَكِّرُونَ ذَلِكَ وَكَانَتْ قَرِيشٌ هِيَ الَّتِي نَصَبَتْ لِحَرْبِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
وَخَلَافَهُ فَلَمَّا افْتَحَتْ مَكَّةُ وَدَانَتْ لَهُ قَرِيشٌ وَدَخَلُوا إِلَّا سَلَامٌ عَرَفَتْ  
الْأَرْبَابُ أَنَّهُ لَا طَاقَةَ لَهُمْ بِحَرْبِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا عَدَاوَتِهِ فَدَخَلُوا فِي  
دِينِ اللَّهِ كَمَا قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ افْوَاجًا۔ (الخ)

”اور عرب اسلام کے باب میں صرف قریش کا انتظار کر رہے تھے اور وہ یوں کہ قریش تمام ملک کے سردار اور پیشو اور کعبہ و حرم کے متولی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی خاص اولاد اور عرب کے قائد تھے اور صرف قریش نے آنحضرت ﷺ کی مخالفت کے لئے جنگ برپا کی تھی تو جب مکہ فتح ہو گیا اور قریش نے سپرڈاں دی اور اسلام مکہ میں چھا گیا تو عرب کو یقین ہو گیا کہ ان کو آنحضرت ﷺ کی جنگ اور عداوت کی طاقت نہیں ہے تو وہ خدا کے دین میں داخل ہو گئے جیسا کہ اللہ عزوجل نے قرآن میں کہا ہے یعنی ﴿إِذَا جَاءَهُمْ نَصْرًا اللَّهُ وَالْفَتْحُ﴾۔“

غرض اسلام کی چھائی اور سادگی اور عرب کی تیز پیشی اور ذہانت کے لحاظ سے اسلام کے چھلنے میں جو دریں گئی، وہ زیادہ ترقی اور خاندانی مخالفت کی وجہ سے تھی اب جبکہ باطل کا سنگ راہ ہٹ گیا تو حق کے آگے بڑھنے میں دریت تھی۔

فتح مکہ کے بعد اسلام کے لئے یہ خطرہ نہیں رہا کہ اس کے دعاۃ جہاں جائیں بے دریغ قتل کر دیے جائیں، اس بنا پر آنحضرت ﷺ نے تمام اطراف عرب میں دعاۃ بھیج دیے کہ لوگوں کو اسلام کے فضائل و

❶ صحیح بخاری، کتاب المغازی، فتح مکہ: ۴۲۰۲۔

❷ سیرت ابن ہشام، ذکر واقعات سیرو و فود، ج ۲، ص: ۳۶۲۔ مطبع محمد علی صبیح: ۱۳۴۶۔

محسن بتا کر ان کو اسلام کی ترغیب دلائیں دعاۃ حسب ذیل طریقہ سے مقرر کئے گئے۔

۱۸) حفاظت خود احتیاری کی غرض سے کسی قد فوج ساتھ کردی جاتی تھی کہ ان کو کوئی شخص ضرر نہ پہنچانے پائے اور وہ آزادی سے تبلیغ اسلام کر سکیں حضرت خالد بن الحسنؑ کو آنحضرت ﷺ نے یمن بھیجا تو فوج بھی ساتھ کردی، لیکن تاکید تھی کہ بہ جبر پیش نہ آئیں۔ چنانچہ پورے چھ مہینے تک ان کی دعوت اسلام پر کسی نے توجہ نہیں کی اور وہ کچھ نہ کر سکے حضرت خالد بن الحسنؑ سے سالا اور فتح تھے، داعظ اور صاحب ارشاد نہ تھے، اس بنا پر آنحضرت ﷺ نے اب حضرت علیؓ کو بھیجا، انہوں نے قبائل کے سامنے جب اسلام کی تبلیغ کی تو دفعہ ملک کا ملک مسلمان تھا۔

یہی وہ دعا ہے جن کو علامہ طبری نے ان لفظوں سے تعبیر کیا ہے:

قد کان رسول اللہ ﷺ بعث فیها حوال مکہ السرا ایا تدعوا الی اللہ عزو جل

ولم يأمرهم لقتال۔

”آنحضرت ﷺ نے مکہ کے اطراف میں کچھ نکڑیاں بھیجی تھیں کہ لوگوں کو خدا کی طرف بلاعیں لیکن ان کو لڑنے کا حکم نہیں دیا تھا۔“

حضرت خالد بن الحسنؑ کو قبیلہ بنی جذیر کے پاس بھی اسی طرح دعوت اسلام کے لئے بھیجا تھا لیکن جب انہوں نے کشت و خون کیا اور آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ ﷺ کھڑے ہو گئے اور قبلہ رخ دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا کہ ”خدایا! میں خالد کے فعل سے بری ہوں۔“ پھر حضرت علیؓ کو بھیجا، انہوں نے ایک ایک مقتول کا خون بہا ادا کیا، یہاں تک کہ کتوں کا بھی۔

(اشاعتِ اسلام کی غرض سے جو سلیح جماعت اطرافِ ملک میں بھیجی جاتی تھی، اس میں کبھی کبھی آپ ﷺ ایک ایک فرد کا امتحان لیتے تھے، ان میں جو صاحب سب سے زیادہ حافظِ قرآن ہوتے تھے ان کو اس کا امیر مقرر فرماتے تھے، چنانچہ آپ ﷺ نے ایک بار اسی قسم کی فوج روانہ کرنا چاہی۔ تو ایک ایک شخص سے قرآن پڑھوا کر سنا، ان لوگوں میں ایک کم من نوجوان تھے آنحضرت ﷺ ان کے پاس آئے پوچھا: ”تمہیں کیا یاد ہے؟“ انہوں نے کہا: مجھ کو سورہ بقرہ اور فالاں فلاں سورتیں یاد ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ”تو تم ہی اب سب کے امیر ہو۔“

۱۹) جو ممالک زیر اثر آتے تھے اور وہاں زکوٰۃ اور جزیہ کے وصول کرنے کے لئے عمال بھیجے جاتے تھے وہ

تاریخ طبری، ج ۲، ص: ۱۶۴۹۔ ۲) بخاری، کتاب المغازی، باب بعث النبي ﷺ خالد بن الولید: ۴۳۳۹۔

۳) تاریخ طبری ج ۲، ص: ۱۶۵۱، ۱۶۵۰۔ ۴) اس روایت میں اگرچہ یہ تصریح ہے کہ یہ فوج اشاعتِ اسلام کے لئے بھیجی گئی ہے صرف یہ الفاظ ہیں: بعث بعثاً و هم ذو عدد یعنی آپ ﷺ نے ایک بڑی جماعت بھیجی تاہم قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مقصد صرف اشاعتِ اسلام تھا کیونکہ اگر لڑائی متصور ہوئی تو پھر حافظِ قرآن کی ضرورت نہیں ہوتی اور نہ آپ ﷺ ہر ایک سے قرآن پڑھوا کر سخن۔ ۵) ترمذی، ابواب فضائل القرآن، باب ما جاء في سورة البقرة، آیت الکرسی: ۲۸۷۶۔

اکثر اس درجے کے لوگ ہوتے تھے جن کا تقدیس، زہد اور پاکیزگی مسلم ہوتی تھی اس کے ساتھ عالم اور واعظ بھی ہوتے تھے اور اس لئے و تحلیل مال کے ساتھ تبلیغ اسلام کی خدمت بھی انجام دے سکتے تھے ان میں سے بعضوں کے نام حسب ذیل ہیں:

نام	مقام	کیفیت
مہاجر بن ابی امریہ رضی اللہ عنہ	صنعاۃ یکن	حضرت ام مسلم شیعشا (زوجہ نبوی) کے بھائی تھے
ریاض بن لمیہ رضی اللہ عنہ	حضرموت	یہ اُن اصحاب میں ہیں جو غزوہ مدینہ میں شریک تھے۔
خالد بن سعید رضی اللہ عنہ	صنعاۃ یکن	ساقین اولین اور مہاجرین جوش میں ہیں اُب سے پہلا نبی نے کاغذات پر اسم اللہ الراحمن الرحیم لکھا۔
عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ	قبیلہ طیل (یکن)	مشہور صحابی ہیں حاتم طائی اُنہی کا باپ تھا۔
علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ	بھرین	
حضرت ابو میث شعری رضی اللہ عنہ	زید و عدن	ان کی دعوت اسلام سے قریباً تمام لوگ مسلمان ہو گئے، مشہور صاحب علم صحابی ہیں۔
حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ	جند	مشہور صاحب علم صحابی ہیں۔
جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ	ذوالکافع حمیری	جریر مشہور صحابی ہیں، ذوالکافع حمیری یکن کے سلاطین کے خاندان سے تھے ایک موقع پر لا کھآدمیوں نے ان کو وجہ کیا تھا۔ جریر شیعہ کی دعوت پر یہ اسلام لائے تو اس کی خوشی میں چار ہزار غلام آزاد کئے۔

بعض \* لوگ خاص اشاعتِ اسلام کی غرض سے بیحیج جاتے تھے، تفحص سے اس قسم کے دعاۃ کے نام حسب ذیل ہیں:

نام	مقام دعوت	نام	مقام دعوت
علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ	اطراف مکہ	قابیلہ ہمدان و جنديہ و مدح	خالد بن ولید رضی اللہ عنہ
مغیرہ بن شبہ رضی اللہ عنہ	عمان	نجران	عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ
وہر بن تحسین رضی اللہ عنہ	بظر حارث بن عبد کلال	ایتائے فارس	مہاجر بن ابو ایمه
محیصہ بن مسعود رضی اللہ عنہ	شہزادہ یکن	فڈک	
احف		قبیلہ سیمیم *	

روسانے قبائل بارگاہ نبوت میں آ کر مسلمان ہو جاتے تھے اور کچھ روز یہاں قیام کر کے اپنے اپنے قبائل میں دعوت اسلام کی غرض سے واپس جاتے تھے ان اشخاص کے نام یہ ہیں:

\* یہ اور آگے کی فہرست حدیث، سیر اور طبقات کی کتابوں سے مرتب و ماخوذ ہے۔

\* اشارہ ذکر اسلام ایتائے یکن۔ \* مسند احمد، ج ۵، ص: ۳۷۲۔

نام	مقام	کیفیت
طیل بن عمر و دودی	قبيله دوس	
عروة بن مسعود	ثقيف	
عاصم بن شهر	بهران	
ضمام بن شعبان	بنو سعد	
منقذ بن حبان	بحرين	
شامة بن امثال	اطراف نجد	

ان مبلغین اور دعاۃ کے اثر سے اسلام ہر جگہ تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا، قمکے بعد جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، دعاۃ اطرافِ مکہ میں بھیج دیے گئے تھے اور لوگ خوش خوشی مسلمان ہوتے جاتے تھے۔ قرآن پاک کی یہ آیتیں اسی موقع کی طرف اشارہ کرتی ہیں:

﴿إِذَا جَاءَ نَصْرًا مِّنَ اللَّهِ وَالْفُتُحِ لَوْرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفَمَا حَاجَ﴾

(١١٠) / النصوص

”جب خدا کی فتح و نصرت آئی اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ فوج درفوج خدا کے مذہب میں داخل ہو رہے ہیں۔“

فتح مکہ کے تین مہینے کے بعد ذوالحجہ ۹ھ کے موسم حج میں اعلان برائت ہوا، اس واقعہ کے بعد بلا استثنائی عالم طور سے اسلام قبول کر لیا۔

ملکِ عرب کے تمام صوبوں میں یمن سب سے زیادہ زرخیز اور سیر حاصل ہے اور نہایت قدیم زمانے سے تمدن و تجارت کا مرکز ہے۔ سبا اور حسیر کی عظیم الشان حکومتیں یہیں قائم ہوئی تھیں۔ ولادتِ نبوی سے تقریباً پہلے ۵۲۵ء میں عاشی عیسایوں نے یمن پر قبضہ کر لیا تھا۔ ولادتِ نبوی ﷺ کے چند سال بعد اہل ایران یہاں کے مالک بن گئے تھے۔ ان کی طرف سے یہاں ایک گورنر ہوتا تھا جو یمن ریاست کرتا تھا یعنی

١ طبری واقعات ٩ ج ٤، ص: ١٧٠٦ و ساعد

میں اسلام کی تحریک کے لئے متعدد عوائق موجود تھے، مثلاً اختلاف جنسیت کہ اہل یمن تحفظی تھے، داعی اسلام اسما علیٰ۔ اہل یمن کو اپنے قدیم جاہ و جلال اور تمدن حکومت پر ناز تھا اور تمام عرب بجا طور سے ان کی پیش روی کو تسلیم کرتا تھا اور تمام عرب میں وہی حکومت کے مستحق سمجھے جاتے تھے۔ ملک میں جہاں کہیں باقاعدہ حکومت تھی وہ نہ لاؤ اسی خاندان سے شمار ہوتی تھی چنانچہ جب یمن سے قبیلہ کندہ کا وفد آیا ہے جو یمن کا ایک شاہی خاندان تھا تو آنحضرت ﷺ کو ایک عرب فرماز روا کیجھ کر رکھیں وفد نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ ﷺ اور ہم، ہم خاندان نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «ہم نظر بن کنانہ کے خاندان سے ہیں، نہ اپنی ماں پر تھمت رکھ سکتے ہیں اور نہ اپنے باپ سے انکار کر سکتے ہیں۔» \*

یمن میں اشاعت اسلام کا سب سے بڑا عائق یہ ہو سکتا تھا کہ وہ پوشیکل حیثیت سے ایرانیوں کے ماتحت تھے اور باشندے نہ ہبہا علی العوم یہودی یا یوسائی تھے، لیکن قبول حق کے لئے کوئی چیزان میں سے مانع نہ آئی یمن میں اسلام کی دعوت بھارت سے بہت پہلے پہنچ چکی تھی یمن میں دوں ایک ممتاز قبیلہ تھا۔ اس قبیلہ کا سمجھ طفیل ﷺ نے ان بن عرب و اتفاق سے مکہ آیا اور مسلمان ہو گیا اسی زمانہ میں کندہ کا قبیلہ حج کے لئے مکہ آیا تھا آنحضرت ﷺ نے ان کو اسلام کی دعوت دی لیکن انہوں نے انکار کیا۔ \* کے ہیں آنحضرت ﷺ نے خبر میں تشریف فرماتھے۔ دوں کا قبیلہ مسلمان ہو کر دارالاسلام میں منتقل ہو گیا یمن کا ایک مشہور قبیلہ اشعر تھا وہ بھی مہاجرین جبکہ کی معیت میں اس زمانہ میں بلا تحریک خود بخود اسلام لایا اور آستانتہ ثبوت پر حاضر ہوا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ دوں اور ابو ہمداد اشعری رضی اللہ عنہ اسی قبائل کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔

یمن میں ہمدان سب سے بڑا کثیر التعداد اور صاحب اثر خاندان تھا۔ آنحضرت ﷺ نے (۸) کے آخر میں) اُن کو دعوت اسلام دینے کے لئے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ خالد رضی اللہ عنہ چھ مہینے تک اُن کو اسلام کی دعوت دیتے رہے، لیکن اُن لوگوں نے قبول نہیں کیا بالآخر آنحضرت ﷺ نے خالد کو بالایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو جمع کر کے رسول اللہ ﷺ کا نامہ مبارک پڑھ کر سنایا اور ساتھ ہی سارے کا سارا قبیلہ مسلمان تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب اس واقعہ کی اطلاع بارگاہ رسالت میں دی تو آنحضرت ﷺ نے سجدہ کیا اور سراٹھا کر دو دفعہ فرمایا: ((السلام علی همدان)) \*

\* مسند احمد بن حنبل، حدیث اشعت بن قیس، ج ۵، ص: ۲۱۱ و زاد المعاد، ج ۲، ص: ۳۲ مطبع میمہ مصر۔

\* ابن هشام ذکر عرض الاسلام علی القبائل، ج ۱، ص: ۴۱۔ حصل والتدبیر بخاری جزء

\* زرقانی بسنده صحيح از بیهقی الوفد الحادی عشر (وفد همدان) ج ۴، ص: ۴۱۔ حصل والتدبیر بخاری جزء غزوات: ۴۳۴۹۔ میں موجود ہے، لیکن ہمدان کی اس میں تفصیل نہیں اور نہ ان کے اسلام کا اس میں ذکر ہے اس واقعہ کے تعلق اور اسی روایتیں ہیں لیکن وہ صحیح نہیں چنانچہ خود موہب لد نہیں تسلیم کیا ہے۔ ان روایتوں کا مفہوم ہے کہ ہمدان کے لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذریعے اسلام قبول کر لیا لیکن یہ ادیلوں کا من ظن ہے واقعہ نہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ہمدان کو حکم دیا کہ وہ توقیف سے بہبشه لو اکریں اور ان پر غارت گری کیا کریں لیکن حافظ اہن قیم جو اسی نے تصریح کی ہے کہ یہ روایت بالکل غلط ہے۔ ہمدان یمن کا قبیلہ تھا اور توقیف کے پاس طائف میں تھا یہ حکم تو وہ مساقیبیوں کو یا جاسکتا تھا لازم اسلام، جزء ثانی، ص: ۳)

بعض روایتوں میں ہے کہ ہمدان نے جب اسلام کا غافلہ سنا تو عامر بن شہر کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا کہ یہ مذہب اگر تم کو پسند آئے تو ہم سب اُس کے قبول کے لئے تیار ہیں اور اگر ناپسندیدہ تھبیرے تب بھی ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ عامر بن شہر جب دربارِ رسالت سے واپس آیا تو اس کا دل نور اسلام سے معمور تھا اور ساتھ ہی سارا قبیلہ بھی مسلمان تھا ممکن ہے کہ یہ دونوں واقعے ہوں اور دونوں کی کوشش سے یہ کامیابی حاصل ہوئی ہو۔ یمن میں حضرت علیؓ سے لوگ مانوس ہو گئے تھے۔ ربع الاول نہیں میں تین سو سواروں کی فراخ طی میں آنحضرت ﷺ نے پھر ان کو یمن کے قبیلہ مدحج میں تبلیغ اسلام کے لئے نامزد فرمایا اور ساتھ ہی یہ تاکید فرمادی کہ جب تک وہ حملہ آور نہ ہوں پیش وستی نہ کرنا، حضرت علیؓ جب مدحج کی سر ز میں میں پہنچو تو مال گزاری وصول کرنے کے لئے ادھر ادھر لوگوں کو متعین کیا۔ اسی اثنامیں قبیلہ مدحج کی ایک جمیعت نظر آئی۔ حضرت علیؓ نے ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی، لیکن ادھر سے اس احسان کا جواب تیر اور پھرروں کی زبان سے ملا۔ یہ دیکھ کر حضرت علیؓ نے بھی اپنے ساتھیوں کی صفائی کی۔ مدحج اپنے نیس آدمی مقتول چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب نہ کیا کہ ان کا مقصد وصرف مدافعت تھا، اس کے بعد وہ سائے قبیلہ خود حاضر ہوئے اور انہوں نے اسلام قبول کیا اور دوسروں کی طرف سے نیابتہ اسلام کا اعلان کیا۔

یمن میں فارس کے جو رؤس اقیام پذیر ہو گئے تھے ان کو اینا کہتے تھے آنحضرت ﷺ نہیں میں وہ بر بن عبسؓ کو ان کے پاس دعوت اسلام کے لئے بھیجا، وہ نعمان بن بزرگ (بزرگ) کے گھر ان کے مہمان ہوئے اور فیروز دیلی، مرکبود، وہب بن منبه کے پاس دعوت اسلام کے خطوط بھیجے، سب نے اسلام قبول کیا۔ صناعات میں سب سے پہلے جس نے قرآن مجید حفظ کیا وہ مرکبود کے صاحزادے عطاء اور وہب بن منبه تھے۔

عام کین ۳ میں تبلیغ اسلام کے لئے آنحضرت ﷺ نے معاذ بن جبلؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ نے معاذ بن جبلؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ کو نامزد فرمایا۔ دونوں صاحب یمن کے ایک ایک ضلع میں بھیجے گئے تھے۔ چلتے وقت آپ ﷺ نے ان لوگوں کو جو باتیں تعلیم فرمائیں، وہ درحقیقت اسلامی تبلیغ کے اصول ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «اسہولت سے کام کرنا، بخت گیری نہ کرنا، لوگوں کو خوش خبری سنانا، بفرت نہ دلانا، دونوں مل کر کام کرنا تم کو ایسے لوگ ملیں گے جو پہلے سے کوئی مذہب رکھتے ہیں جب ان کے ہاں پہنچتا تو پہلے ان کو توحید اور رسالت کی دعوت دینا، جب وہ اس کو تسلیم کر لیں تو کہنا کہ خدا نے تم پر روز و شب میں پانچ وقت کی نماز بھی فرض کی ہے، جب یہ بھی مان لیں تو ان کو سمجھانا کہ تم پر زکوٰۃ بھی واجب ہے، تم میں جو امیر ہوں ان سے لے کر جو غریب ہیں ان کو دے دی جائے گی دیکھو جب وہ زکوٰۃ دینا منظور کر لیں تو چن کر اچھی اچھی چیزیں نہ لے لینا، مظلوموں کی بد دعا سے ڈرتے

حضرت علیؓ کی ہم یمن کا وحدت نام حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے لیکن یہ تفصیل ابن سعد، جو ثانی، قلم اول، ذکر مغازی، ص: ۱۲۲ سے مأخوذه ہے۔ طبری، واقعات سنہ: ۱۰ هجری، ص: ۱۷۶۳۔ ۳ اضافات بحرین۔

رہنا کہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں۔“ حضرت ابو موسیٰ اشعریؑ نے پوچھا: یا نبی اللہ! ہمارے ملک یمن میں جواہر شہد کی شراب نہیں ہے، کیا یہ بھی حرام ہے؟ آپؑ نے فرمایا: ”ہر شے جو نہ پیدا کرے حرام ہے۔“ \*

## نجران

یمن کے پاس ہی نجران کا ضلع ہے، نجران عرب میں عیسائیت کا خاص مرکز تھا۔ آنحضرتؑ نے عیسیٰ بن شعبہؑ کو جو صلح حدیبیہ کے وعہ سے پہلے اسلام لا پکھے تھے، دعوت اسلام کے لئے نجران بھیجا۔ عیسائیوں نے قرآن پر اعتراضات شروع کئے۔ یہ جواب نہ دے سکے اور واپس چلا آئے۔ \* اس کے بعد آنحضرتؑ نے دعوت اسلام کا ان کو خط لکھا جس میں تحریر تھا۔ اگر اسلام قبول نہ ہو تو اسلام کی سیاسی اطاعت قبول کرو اور جزیہ دو۔ \* اہل نجران نے راہبوں اور نہبی پیشواؤں کی ایک جماعت کو دریافت حال کے لئے مدینہ بھیجا اس وفد کا تفصیل بیان آگئے آئے گا۔ فضاری کے علاوہ نجران میں مشرکین کی بھی کچھ آبادی تھی، ان میں ایک قبیلہ بنو حارث بن زیاد تھا جو مدان نام ایک بٹ کو پوچھتا تھا اور اس لئے عبد المدان کے نام سے مشہور تھا۔ رجیع الآخر \* میں آنحضرتؑ نے خالد بن ولیدؑ کو وہاں دعوت اسلام کے لئے بھیجا، حضرت خالدؑ وہاں پہنچنے تو سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ حضرت خالدؑ نے یہاں تھوڑے دن قیام کیا اور قرآن اور احکام اسلام کی تعلیم دی۔ \*

## اہل یمن کے لیے دعائے خیر

اہل یمن کا بغیر کسی ترہیب و تر غیب کے خلوص دل سے قبول اسلام کوئی ایسا واقعہ نہ تھا جو خاص رحمت الہی کا مستوجب نہ ہو جب اشعریوں کی آمد کی خبر ہوئی تو آنحضرتؑ نے مسلمانوں کو بشارت دی کہ کل اہل یمن آتے ہیں جو رقیق القلب اور زرم دل ہیں۔ \* جب ہمان مسلمان ہوا تو آپؑ نے سجدہ شکردا کیا اور ان کو سلامتی کی دعا دی۔ حسیر اور تمیم کا وفد آیا تو آپؑ نے پہلے تمیم کی طرف خطاب کیا، تمیم بشارت قبول کرو۔ بتومیم نے کہا کہ یا رسول اللہ! ہم نے بشارت تو قبول کر لی، کچھ عطا بھی فرمائیے۔ آپؑ نے بتومیم نے من پھیر لیا کہ بشارت سے بڑھ کر کیا چیز ہو سکتی تھی؟ \* پھر اہل یمن کی طرف رُخ کر کے فرمایا: ”اے اہل یمن! تمیم نے بشارت قبول نہ کی تم قبول کر لو۔“ اہل یمن بے اختیار بول اٹھی: اے خدا کے رسول! ہم نے قبول کیا۔ \* پھر آپؑ نے عام طور سے فرمایا: ”ایمان یمن کا ایمان ہے اور دنائی یمن کی دنائی ہے۔“ \* مبلغین یمن میں سے حضرتؑ اور ابو موسیٰؑ جیہے الدواع کے موقع پر یمن سے واپس آئے اور آنحضرتؑ کے ساتھ

\* یہ پورا واقعہ بخاری جزء غزوات: ۴۳۴ تا ۴۳۴ میں مذکور ہے، ہم نے بخاری کی مختلف روایتوں کو سمجھا کر لیا ہے۔

\* ترمذی، ابوبالتفہیم، باب ومن من سورۃ مریم: ۳۱۵۵۔ \* زرقانی بحوالہ بیهقی، ج ۴، ص ۴۹۔

\* زرقانی، ج ۳، ص: ۱۱۶۔ \* بخاری، کتاب المغازی، باب قدوم الاشعرین و اهل الیمن: ۴۳۹۰۔

\* زرقانی بحوالہ بیهقی، ج ۴، ص: ۴۱۔ \* بخاری، کتاب المغازی، باب قدوم الاشعرین: ۴۲۸۶۔

\* ایضاً: ۴۳۸۸۔

حج کیا۔ ان مبلغین کے ساتھ یمن کے بہت سے نو مسلم بھی حج و زیارت کو آئے۔

### بحرین میں اسلام ۸ھ

بحرین ایران کی حدود حکومت میں داخل تھا، عرب کے قبائل وادیوں میں آباد تھے جن میں مشہور اور بااثر خاندان عبدالقیس، بنک بن والل اور تمیم تھے، ان میں سے عبدالقیس کے قبیلہ میں سے منقد بن جبان تجارت کے لئے نکلے، راہ میں مدینہ پر تھا وہاں ہجرت، آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو ان کے پاس تشریف لے گئے اور اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے اسلام قبول کیا اور سورہ فاتحہ اور اقراء سے مدد حاصل کیا۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو ایک فرمان عنایت کیا، وہ سفر سے واپس گئے تو چند روز تک کسی سے اس کا اظہار نہیں کیا لیکن ان کی بیوی نے ان کو نماز پڑھتے دیکھا تو اپنے باب منذر بن عائذ سے شکایت کی۔ انہوں نے منقد سے دریافت کیا بحث مباحثہ کے بعد منذر بھی مسلمان ہو گئے اور آنحضرت ﷺ کا نامہ مبارک لوگوں کو سنایا سب نے اسلام قبول کر لیا۔ \*

صحیح بخاری (کتاب الجموعہ) میں روایت ہے کہ مسجد نبوی ﷺ کے بعد سب سے پہلا جمعہ جس مسجد میں ادا کیا گیا وہ بحرین کی مسجد تھی جو جواثی میں واقع ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بحرین میں ابتدائی زمانہ میں اسلام کی اشاعت ہو چکی تھی اسلام قبول کرنے کے بعد ان لوگوں نے چودہ شخصوں کی ایک سفارت آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجی جس کے افسر منذر بن الحارث تھے، ان کا قافلہ کاشانہ نبوت کے قریب آیا تو یہ لوگ اس قدر بے تاب ہوئے کہ سواریوں سے کوڈ پڑے اور آنحضرت ﷺ کے ہاتھ چوٹے لیکن منذر کو پاس ادوب ٹھوڑھا انہوں نے تیام گاہ پر جا کر کپڑے بدے لے پھر خدمت میں حاضر ہو کر دست بوسی کی۔ \*

۸ھ میں آنحضرت ﷺ نے علام حضری شیخ الشیخ کو تبلیغ اسلام کے لئے بحرین بھیجا اس زمانہ میں یہاں ایران کی طرف سے منذر بن ساوی گورنر تھا اس نے اسلام قبول کیا اور اس کے ساتھ تمام عرب اور کچھ عمجم جو یہاں مقیم تھے مسلمان ہو گئے۔ \*

بحرین کے علاقہ میں ”بھر“ ایک مقام ہے یہاں ایران کی طرف سے سینجت حاکم تھا، آنحضرت ﷺ نے اس کے نام بھی خط بھیجا اور اس نے بھی اسلام قبول کیا۔ \*

### عمان میں اسلام ۸ھ

اس شہر پر قبیلہ از د کا قبضہ تھا اور عبد و جعفر یہاں کے رئیس تھے ۸ھ میں آنحضرت ﷺ نے ابو زید

زرتانی بخواہ کر لائی، ج ۲، ص: ۲۴۳: کار قبیلہ عبدالقیس کی ایک سفارت کا ذکر صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب اداء الخمس من الایمان: ۵۳، میں ہے اور وہ اس زمانہ کے بعد کی ہے۔ بخاری کی روایت سے کہیں اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ عبدالقیس اس سفارت سے پہلے ایمان لا چکے تھے۔ اصحاب (ج ۲، ص: ۲۲۵) میں اس شایین سے جو روایت ہے وہ گورنر تانی کی روایت سے مختلف ہے اور کہیں سفارت کے نام میں اختلاف ہے، تاہم اس قدر روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلی سفارت ۶ھ سے پہلی کی ہے۔ \*

بخاری، کتاب الجمعة، باب الجمعة فی القرى والمدن: ۸۹۲، و کتاب المغازی، باب وفد عبدالقیس: ۴۳۷۱۔ \*

زرقانی برایت یہقی بسند جید، ج ۴، ص: ۱۸۔ \*

فتح البلدان، ذکر بحرین، ص: ۸۵ مطبع موسوعات مصر۔ \*

ایضاً ذکر بحرین۔

انصاری رضی اللہ عنہ کو جو حافظ قرآن تھے اور عمر و بن العاص رضی اللہ عنہ کو دعوت اسلام کا خط دے کر بھیجا۔ دونوں رئیسین نے اسلام قبول کیا اور وہاں کے تمام عرب آن کی ترغیب سے اسلام لائے۔ ❷

### حدود شام میں اسلام ۹

شام کے اطراف میں جو عرب آباد تھے آن میں متعدد ریاستیں تھیں ان میں سے معان اور اس کے اصلاح فروہ بن عمرہ کے زیر حکومت تھے لیکن خود فروہ رضی اللہ عنہ روی سلطنت کی طرف سے گویا گورنر تھے۔ انہوں نے اسلام سے واقفیت پیدا کی تو مسلمان ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اظہار اسلام کے ساتھ ایک خپر ہدایہ کے طور پر بھیجا (عیسائی) رومیوں کو ان کے اسلام کا حال معلوم ہوا تو آن کو گرفتار کر کے سُولی دے دی اس وقت یہ شعر ان کی زبان پر تھا: ❸

بلغ سراة المسلمين بانني  
مسلم لربى اعظمى و مقامى  
”مسلمان سرداروں کو میرا یہ پیغام پہنچا دو کہ میرا جسم اور میری عزت سب اپنے پروردگار  
کے نام پر شار ہے۔“

(شام اور عرب کے درمیان عذرہ، بلی، جذام، وغیرہ قبائل آباد تھے، قبیلہ بلی میں حضرت عمر و بن العاص رضی اللہ عنہ کا نامہاں تھا، اس لئے ایک جماعت کے ساتھ وہ ان اطراف میں بھیجے گئے۔ ❹ جب وہ جذام کے تالاب پر پہنچے تو آن کو حملہ کا خوف ہوا۔ دربار نبوت میں اطلاع کی، وہاں سے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی مانعیتی میں بغرض حفاظت کچھ فونج بھیج دی گئی۔ اس کو اہل سیر کی اصطلاح میں غزوہ ذات السلاسل کہتے ہیں)

❶ ایضاً ذکر فتح عمان، ص: ۸۳۔ ❷ ابن هشام اسلام فروہ، ذکر وفود: ج ۶، ص: ۳۸۲۔

❸ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ السلاسل: ۴۳۵۸، آنگے کی تفصیل فتح الباری، کتاب المغازی، غزوہ ذات السلاسل، ج ۸، ص: ۵۹، ۵۸ میں ہے، نیز دیکھیے طبقات ابن سعد، ذکر مغازی، قسم اول جزء ثانی، ص: ۹۵۔

## فوڈ عرب

(جن لوگوں نے مبلغین اسلام کی دعوت قبول کر لینے کے بعد خود بارگاونبوت میں جا کر اپنے اسلام کا اعلان کرنا چاہا۔ ارباب سیر ”فوڈ“ کے عنوان سے ان کا ذکر کرتے ہیں اس قسم کے فوڈ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ابن اسحاق نے صرف پدرہ فوڈ کا، حال لکھا ہے، ابن سعد میں ۷۰ فوڈ کا ذکر ہے۔ دمیاطی، مغلطائی، زین الدین عراقی بھی یہی تعداد بیان کرتے ہیں، لیکن مصنف سیرت شامی نے زیادہ استقصا کیا ہے اور ایک سو چار فوڈ کے حالات ہم پہنچائے ہیں، اگرچہ ان میں کہیں کہیں خیف رواںتوں سے استفادہ کیا گیا ہے اور اکثر فوڈ کے نام مہم ہیں، تاہم یہ مسلم ہے کہ اصل تعداد ابن اسحاق کی روایت سے کہیں زیادہ ہے۔ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اور قسطانی رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت تحقیق اور احتیاط کے ساتھ ان میں سے صرف ۳۲ فوڈ کی تفصیل کی ہے)۔

اصل یہ ہے کہ تمام عرب مکہ کے فیصلہ اخیر کا انتظار کر رہا تھا۔ مکہ فتح ہو چکا تو یہ انتظار جاتا رہا، اب ہر قبیلہ نے چاہا کہ خود دارالاسلام میں جا کر کوئی فیصلہ کرے، اہل عرب کو یہ بات تو معلوم ہو چکی تھی کہ اب وہ اسلام کے مقابلہ میں سرکشی نہیں کر سکتے، لیکن خبر وغیرہ کی نظیروں سے یہ بھی جانتے تھے کہ اسلام لانے پر وہ مجبور نہیں ہیں، بلکہ جز یہ یا کسی اور طریقہ سے صلح کر کے ان کی سابق حالت قائم رہ سکتی ہے۔

فتح مکہ کے ساتھ ہی ہر طرف سے سفارتیں آئی شروع ہو گئیں اور بجز چند کے باقی جس قدر سفارتیں آئیں انہوں نے بارگاہ نبوت میں پہنچ کر وہ کچھ دیکھا کہ واپس آئے تو ایمان کی دولت سے مالا مال آئے۔

عرب کے سب سے طاقتور قبیلے جن کا اثر دور تک پھیلا ہوا تھا، بنخیم، بنوسعد، بنو حنفیہ، بنواسد، کنده، سلطانیں حمیر، ہمدان، ازدواج طے تھے۔ ان تمام قبائل کی سفارتیں دربار نبوت میں آئیں۔ ان میں سے بعض ملکی حیثیت رکھنی تھیں یعنی جن کا مقصد صرف یہ تھا کہ بہیثیت فاتح کے آنحضرت ﷺ کے ساتھ معاہدہ کر لیں لیکن اکثر اس غرض سے آئیں کہ اسلام کی حقیقت سے مطلع ہو کر اس کے حلقوں میں آ جائیں۔ یہ فوڈ زیادہ تر فتح مکہ کے بعد ۸۵۹ھ اور ۱۰۰ھ میں آئے لیکن تسلسل بیان کے لیے اس سے پہلے کے چند فوڈ کا ذکر کرنا بھی موزوں ہو گا۔

### مزینہ

یہ ایک بڑا قبیلہ تھا جو مضریہ کے پیغمبر قریش کے خاندان سے مل جاتا ہے۔ نعمان بن مقرن رضی اللہ علیہ مسیح شہور صحابی جو فتح مکہ میں قبیلہ مزینہ کے علم بردار تھے، اسی قبیلہ سے تھے، اصفہان انبی نے فتح کیا تھا۔ ۵ھ میں اس قبیلہ کے چار شخص قبیلہ کے سفیر بن کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور اسلام لائے۔ عراقی نے سیرت منظوم میں لکھا ہے۔

❶ اصحاب فی تمییز الصحابة، ترجمة نعمان بن مقرن جزء ثالث، ص: ۵۶۵ مطبع سعادت مصر: ۱۳۲۸ھ  
وابن سعد جزء اول، قسم ثانی ذکر وفود، ص: ۳۸۔

سنہ خمس و فدوا مزینہ  
وہ مزینہ کا قبیلہ تھا جو ۵۰۰ ہمیں آیا  
سب سے پہلا و فد جو مزینہ میں آیا

## بنو تمیم

بنو تمیم کے وفوڈ بڑی شکست و شان سے آئے، قبیلہ کے تمام بڑے بڑے رؤسائیں اور افرع بن حابس، زیر قان، عمر و بن الاعظم، نعیم بن یزید، ۱ سب اس سفارت میں شامل تھے۔ عینہ بن حصن فزاری جو مذہب کے حدود تک حملہ آور ہوا کرتا تھا وہ بھی ساتھ تھا۔ یہ لوگ اگرچہ اسلام قبول کرنے کی غرض سے آئے تھے، تاہم عربی فخر و غور کا نشہ سر میں اب بھی باقی تھا۔ دربار نبوت یعنی مسجد نبوی میں پہنچنے تو آنحضرت ﷺ گھر میں تشریف رکھتے تھے، آستانہ قدس پر جا کر پکارے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) باہر آؤ، آنحضرت ﷺ باہر تشریف لائے، تو بولے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم اس لیے آئے ہیں کہ تم سے مفاخرہ کریں، آپ نے اجازت دی، عطا دادیں حاجب جو مشہور خطیب تھا اور جس نے نوشیروال کے دربار سے حسن تقریر کے صدر میں کھواب ۲ کا خلعت حاصل کیا تھا، اٹھا اور اپنی قوم کے مفاخر پر ایک پرزو تقریری کی جس کا خلاصہ یہ تھا:

”خدا کا شکر ہے جس کے اطاف کی بدولت ہم صاحب تاج و تخت، خزانہ ہائے گراں بہا کے مالک اور مشرق میں تمام قوموں سے معزز ترین ہیں، ہماری برابری آج کون کر سکتا ہے، ہماری ہم رتگی کا جس کو دعویٰ ہو یہ شخص اور اوصاف گنانے جو ہم نے گنانے ہیں۔“

عطار و خطبہ دے کر بیٹھ گیا تو آنحضرت ﷺ کو جواب دینے کا اشارہ کیا، انہوں نے جو تقریری کی اس کا حاصل یہ تھا:

”اس خدا کی تعریف جس نے زمین اور آسمان بنائے، اس نے ہم کو بادشاہت دی اور اپنے بندوں میں سے بہترین شخص کو انتخاب کیا جو سب سے زیادہ شریف النسب، سب سے زیادہ راست گفتار، سب سے زیادہ شریف الاخلاق تھا، وہ تمام عالم کا انتخاب تھا، اس لیے خدا نے اس پر کتاب نازل کی، اس نے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو سب سے پہلے مهاجرین اور اس کے بعد ہم (انصار) نے دعوت اسلام پر لیکی کہا، ہم لوگ انصار الہی اور وزراء رسالت ہیں۔“

تقریریں ہو چکیں تو اشعار کی باری آئی، سفارت کی طرف سے تمیم کے مشہور شاعر زبر قان بن بدر نے

قصیدہ پڑھا:

نَحْنُ الْكَرَامُ فَلَا حَيْ يَعْدُلُنَا  
مِنَ الْمُلُوكِ وَفِينَا تَنصَبُ الْبَيْعُ ۚ  
”ہم شرقے قوم ہیں، کوئی قبیلہ ہمارا ہم سر نہیں ہو سکتا۔ ہم میں تخت نشین ہیں اور ہم کلیساوں کے بانی ہیں۔“

۱ تاریخ طبری، ج ۴، ص: ۱۷۱۱ ۲ مکر طبقات ابن سعد، ج ۱، قسم ثانی، ص: ۴۰ پر یزید کے بجائے زید کھا۔

۳ اصحابہ فی تمیز الصحابة جزء رابع، ص: ۲۴۵ ۴ طبری، واقعات، ج ۹، ص: ۱۷۱۴؛

سیرت ابن هشام، ج ۲، ص: ۳۶۴ ۵ طبقات ابن سعد، جزء اول، قسم ثانی، ص: ۴۰۔

رواتیوں میں آیا ہے کہ ایک شخص نے مدینہ میں آ کر خطبہ دیا تو اس کی خوبی تقریر نے تمام حاضرین کو حیرت زدہ کر دیا۔ اس وقت آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((ان من البيان لسحر)) ”یعنی بعض بعض تقریروں میں جادو ہوتا ہے۔“ اصحاب فی احوال الصحابہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے زبرقان ہی کی تقریر پر یہ الفاظ ارشاد فرمائے تھے۔ غرض جب زبرقان تقریر کرچکے، آنحضرت ﷺ نے دربار رسالت کے شاعر یعنی حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا، انہوں نے برجستہ کہا:

ان الدُّوَائِبِ مِنْ فَهْرٍ وَأَخْوَنَهُمْ قَدْ يَبْتَوَا سَنَةً لِلنَّاسِ تَبْعَثُ

”شرفے قبیل فہر و برادران فہر نے لوگوں کو وہ راستہ بتا دیا ہے جس کی وہ پیروی کرتے ہیں۔“

ارکان سفارت میں اقرع بن حابس عرب کا مشہور حاکم تھا، یعنی قومی مقدمات کا مارفعت اس کے پاس جاتا تھا اور اس کے فیصلوں پر لوگ گردن جھکا دیتے تھے، وہ اسلام لانے سے پہلے جوہی تھا، اس کو یہ دعویٰ تھا کہ جب سفارت کے ساتھ دربار رسالت میں آیا تو آنحضرت ﷺ سے کہا:

انْ حَمْدَى لِزِينٍ وَانْ ذَمَى لِشَينٍ

”میں جس کی تعریف کر دوں وہ چمک جاتا ہے اور جس کو برآ کہ دوں اس کو داغ لگ جاتا ہے۔“

نظم و نشر کی معرکہ آرائی ہو چکی تو سفارت نے اعتراف کیا کہ دربار رسالت کے خطیب اور شاعر دنوں ہمارے شاعر اور خطیب سے افضل ہیں۔ پھر سب نے اسلام قبول کیا۔  
بنو سعد

بنو سعد نے ضمام بن غلبہ کو سفیر بنا کر بھیجا، وہ جس طرح آنحضرت ﷺ کے دربار میں آئے اور جس طریقے سے سفارت ادا کی اس سے عرب کی اصلی ادا ٹیکی اور آزاد روی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ صحیح بخاری میں متعدد موقوں پر اس کا ذکر ہے۔ کتاب العلم کی روایت حسب ذیل ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ دربار رسالت میں حاضر تھے، ایک شخص ناقہ پر سوار آیا اور صحن مسجد میں آ کر ناقہ سے اڑا پھر حاضرین سے پوچھا: ”محمد (ﷺ) کس کا نام ہے؟“ لوگوں نے آنحضرت ﷺ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ ”یہ گورے رنگ کے جو نکلے لگائے بیٹھے ہیں۔“ پاس آ کر کہا ”اے عبد المطلب کے بیٹے!“ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”میں جواب دے چکا۔“ بولا کہ ”میں تم سے کچھ باتیں پوچھوں گا، لیکن جتنی سے پوچھوں گا، اس پر ناراض نہ ہوتا“ ارشاد ہوا کہ ”جو پوچھنا ہو پوچھو، بولا کہ“ اپنے خدا کی قسم کھا کر کہو، کیا تم کو خدا نے تمام دنیا کے لیے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے؟“ آپ نے فرمایا: ”ہاں۔“ پھر قدم دلا کر پوچھا کہ ”کیا تم کو خدا نے بخش و قدر نماز کا حکم دیا ہے؟“ اسی طرح رکوہ، روزہ، حج کی نسبت پوچھا اور آپ برابر ”ہاں“ فرماتے جاتے تھے، جب سب احکام ن لیے تو کہا کہ ”میرا نام ضمام بن غلبہ ہے اور مجھ کو میری قوم نے

\* ایضاً، زاد المسعود، ج ۲، ص: ۵۱۴، ۵۱۳۔ \* اصحابہ، تذکرۃ اقرع بن حابس، جزء اول، ص: ۵۸۔

بھیجا ہے، میں جاتا ہوں اور جو تم نے بتایا ہے میں اس سے ایک ذرہ نہ زیادہ کروں گا نہ کم۔“ وہ جا پڑ کا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”اگر یقین کہتا ہے تو اس نے فلاح پائی۔“ ۱

ضام نے واپس جا کر اپنی قوم سے کہا کہ ”لات و عزیٰ کوئی چیز نہیں“ لوگوں نے کہا ”کیا کہتے ہو، تم کو جنون یا جذام نہ ہو جائے۔“ انہوں نے کہا: ”خدا کی قسم اور نہ پکھ فا نکدہ پہنچا سکتے ہیں نہ ضرر، میں تو خدا اور محمد ﷺ پر ایمان لاتا ہوں۔“ ان کی مختصر تقریر کا یہ اثر تھا کہ شام نہیں ہونے پائی تھی کہ قبیلہ کا قبیلہ زن و مرد و پچھے سب مسلمان تھے۔ ۲

### ashr-e-been

یمن کا ایک نہایت معزز قبیلہ اشتریین کا تھا۔ ابو موسیٰ اشعریٰ اسی قبیلہ سے ہیں۔ ان لوگوں نے جب آنحضرت ﷺ کی بعثت کی خبر سنی تو ترین شخصوں نے مدینہ کی بھرت کا قصد کیا، اسی قافلہ میں حضرت ابو موسیٰ اشعریٰ علیہ السلام بھی تھے۔ یہ لوگ جہاز میں سوار ہو کر چلے، لیکن ہواۓ مختلف نے جہاز کو جوش میں پہنچا دیا، وہاں حضرت جعفر طیار علیہ السلام موجود تھے، وہ اپنے ساتھ لے کر عرب کو روانہ ہوئے۔ اس زمانہ میں خبر فتح ہو چکا تھا اور آنحضرت ﷺ یہیں تشریف فرماتے، چنانچہ یہیں لوگوں نے شرف باریابی حاصل کیا۔

یہ صحیح مسلم (فضائل اشعریین) کی روایت ہے۔ ۳ صحیح بخاری میں ہے کہ جب اشعریوں کا وفد آیا تو آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: ”تمہارے ہاں یمن کے لوگ آتے ہیں جو نہایت رقیق القلب اور نرم دل ہیں۔“ ۴ منداد بن خبل ۵ میں حضرت انس علیہ السلام سے روایت ہے کہ جب اشاعرہ کا وفد آیا تو یہ لوگ جوش سرت سے یہ بجز پڑھتے تھے:

غدا نلقی الا حبة  
محمددا وحزبه

”کل ہم دوستوں سے ملیں گے<sup>۶</sup>  
یعنی محمد ﷺ اور پیر والی محمد سے“

(بارگاہ نبوت میں پہنچ تو عرض کی) ”یا رسول اللہ! ہم اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ اپنے مذہب کے کچھ احکام یکھیں اور ابتدائی کائنات کے کچھ حالات پوچھیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ”پہلے خدا تھا اور کچھ نہ تھا، اس کا تخت پانی پر تھا۔“ ۷

### dokla

دوں عرب کا ایک مشہور قبیلہ ہے، حضرت ابو ہریرہ علیہ السلام اسی قبیلہ سے ہیں اس قبیلہ کے مشہور شاعر اور

۱ روایت صحیح بخاری میں مختلف ابواب میں مقول ہے ویکھو: کتاب العلم، باب القراءة والعرض على المحدث: ۶۲۔

۲ ابن هشام، قدول ضمام بن تعلبة و افادا عن بنی سعد بن بکر، ج ۴، ص ۲۱۰، سیر اعلام النبلاء، ج ۲، ص ۹۸۔ ۳ فضائل اشعریین کے بھائے اس کے بعد من فضائل جعفر بن ابی طالب کی روایت میں ہے۔

۴ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل جعفر بن ابی طالب الحج: ۶۴۱۰۔

۵ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب قدول الاشعریین و اهل الیمن: ۴۳۹۰۔ ۶ نیزو و یکھزاد المعاد، ج ۲، ص ۳۲۔ ۷ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ما جاء في قول الله الحج: ۳۱۹۱، ۳۱۹۰۔

رئیس طفیل بن عمرو تھے، وہ بھرت سے پہلے مکہ گئے قریش نے ان کو منع کیا تھا کہ آنحضرت ﷺ کے پاس نہ جائیں، لیکن اتفاق سے ایک دفعہ یہ حرم میں گئے، آنحضرت ﷺ نماز پڑھ رہے تھے قرآن مجید کر متاثر ہوئے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ آپ مجھ کو اسلام کی حقیقت سمجھائیں، آپ نے اسلام کی تبلیغ کی اور قرآن مجید کی آیتیں سنائیں، وہ نہایت خلوص سے اسلام لائے، وطن جا کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دی، لیکن ان کے قبیلہ میں زنا کا بہت رواج تھا لوگ سمجھے کہ اسلام کے بعد اس آزادی سے محروم ہو جائیں گے، اس لیے لوگوں نے تامل کیا طفیل رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آ کر یہ حقیقت بیان کی، آپ نے دعا فرمائی کہ ”خدا یا ادوس کو ہدایت دے۔“ پھر طفیل رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ ”جا کر زمی اور ملاطفت سے لوگوں کو اسلام کی دعوت دو۔“ غرض (دعاۓ نبوی کی برکت اور طفیل رضی اللہ عنہ کی) ترغیب اور ہدایت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا اور اسی خاندان جن میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، بھرت کر کے مدینہ میں چلے آئے۔ ④

## بنو حارث بن کعب ۹

یہ بحران کا ایک نہایت معزز خاندان تھا آنحضرت ﷺ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو ان کے پاس دعوت اسلام کے لیے بھیجا، یہ لوگ نہایت خلوص کے ساتھ اسلام لائے۔ آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کو مدینہ میں بلا بھیجا، چنانچہ قیس بن الحصین و یزید بن عبد المدان وغیرہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، چونکہ اکثر معروف کوں میں قبائل عرب پر غالب رہے تھے، آپ نے ان سے پوچھا: ”تمہارے غلبہ کے کیا اسباب تھے۔“ بولے کہ ہم مشتقت ہو کر لڑتے تھے، اور کسی پڑام نہیں کرتے تھے، آپ نے قیس کو ان کا نئیں مقرر کیا۔ ⑤

## قبیلہ میں ۹

یہ میں مٹنے ہی نہایت نامور قبیلہ تھا۔ اس قبیلہ کے رو ساز یہ انجیل و عدی بن حاتم طائی تھے اور ان کے حدود حکومت الگ تھے۔ زید۔ زمانہ جالبیت کے مشہور شاعر، خطیب، خوش بھال، فیاض، بہادر تھے۔ ۹۔ میں یہ چند معزز اشخاص کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے ان کو اسلام کی دعوت دی، انہوں نے میں اپنے ساتھیوں کے نہایت صدق دل سے اسلام قبول کیا۔ شہسواری کی وجہ سے یزید انجیل کے لقب سے مشہور تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اس لقب کو یزید الخیر سے بدل دیا۔ ⑥

## عدی بن حاتم ۹

عدی، مشہور حاتم طائی کے بیٹے اور قبیلہ مٹنے کے (سردار اور مذہب ایسا تھے) سلطنت عرب کی طرح

۱۔ اصحابہ، جزء ثالث، ص: ۲۸۷ اور زاد المعاد جزء ثانی، ص: ۳۴ اور ابن سعد جزء ثانی ذکر و فود، ص:

۲۔ اصحابہ، جزء سادس، ص: ۳۴۵ تذکرہ یزید بن عبدالمدان وزادالمعاد، جزء ثانی، ص: ۳۳۔ ۸۲، ۸۰۔

۳۔ ایضاً، ص: ۲۱۔

ان کو بھی آمدی کا چوتھا حصہ ملتا تھا، جس زمانہ میں اسلامی فوجیں یمن گئیں، یہ بھاگ کر شام چلے گئے، ان کی بین گرفتار ہو کر مدینہ میں آئیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو بڑی حرمت و حوصلہ سے رخصت کیا۔ وہ اپنے بھائی کے پاس چل گئیں اور کہا کہ جس قدر جلد ہو سکے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو۔ وہ پیغمبر ہوں یا بادشاہ ہوں یا حال میں ان کے پاس جانا مفید ہے۔ غرض عدی مدینہ آئے، آنحضرت ﷺ مسجد میں تھے۔ عدی نے مسجد میں جا کر اسلام کیا۔ آپ نے جواب اسلام کے بعد نام پوچھا، پھر ان کو لے کر گھر کی طرف چلے، اسی اثناء میں ایک بڑھایا آگئی، اس نے آپ کو روک لیا، اور دریک آپ سے کسی کام کے متعلق باتیں کرتی رہی، عدی خود ریسیں تھے، شام میں رو میوں کا دربار دیکھا تھا، ان کو حیرت ہوئی کہ شہنشاہ عرب ایک بڑھایا کے ساتھ اس مساوات سے پیش آتا ہے، اسی وقت ان کو خیال ہوا کہ یہ شخص بادشاہ نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ گھر میں تشریف لائے، چڑھے کا ایک گدا تھا۔ اس کو عدی کی طرف بڑھایا، یا اصرار کے بعد اس پر بیٹھے، پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”کیوں عدی! تم اپنی قوم سے مرباع لیتے تھے، لیکن یہ تو تمہارے مذہب (نصرانیت) میں جائز نہیں ہے۔“ ❶ پھر فرمایا: ”خدا کے سوا کوئی اور خدا ہے؟“ بولے کہ نہیں! پھر پوچھا: ”خدا سے کوئی برا ہے؟“ بولے کہ نہیں، آپ نے فرمایا کہ ”یہودیوں پر خدا کا غضب نازل ہوا ہے اور عیسائی گمراہ ہو گئے ہیں۔“ ❷

غرض عدی نے اسلام قبول کیا اور اس قدر ثابت قدم رہے کہ روزہ کے زمانہ میں بھی ان پر کچھ اثر نہیں پڑا باب کی حکایت کا اثر ان پر بھی تھا، ایک دفعہ ایک شخص نے ان سے سورہ پے طلب کئے، بولے کہ تم حاتم کے بیٹھے سے اس قدر حظیر رقم مانگتے ہو، بخدا! ہرگز نہ دوں گا۔ ❸

### وفد ثقیف

(یاد ہوگا کہ) جب آنحضرت ﷺ طائف کا محاصرہ چھوڑ کر روانہ ہونے لگے تو صحابہؓ نے عرض کی تھی کہ آپ ان کے حق میں بددعا فرمائیں، آپ نے جن لفظوں میں دعا فرمائی تھی یہی:

(اللَّهُمَّ اهْدِ ثَقِيفًا وَأَنِّي بِهِمْ) ”اے خدا! ثقیف کو ہدایت دے اور ان کو میرے پاس بھج۔“

(یہ دعائے نبوی کا اعجاز تھا کہ وہ قبیلہ جو تواریخ زیرینہ ہو سکتا تھا، دفعہ جلال نبوت نے آستانہ اسلام پر اس کی گردی جھکا دی اور پورا فقیلہ مسلمان ہو گیا)۔

طائف دوستیوں کے قبضہ میں تھا، جن میں ایک عروہ بن مسعود تھے۔ جن کی نسبت کفار کے کہا کرتے تھے کہ کلام اللہ مکہ میں اترتا تو ان پر اترتا۔ عروہ اگرچہ اب تک اسلام نہیں لائے تھے لیکن مادہ قبل رکھتے تھے۔ حدیثیہ کی صلح بھی انہی کی سفارت سے انجام پائی تھی۔ آنحضرت ﷺ جب طائف سے واپس چلے تو خدا نے ان کو اسلام کی توفیق دی۔ آنحضرت ﷺ مدینہ نہیں پہنچنے پائے تھے کہ وہ خدمتِ اقدس میں حاضر

❶ ابن هشام ”اسلام عدی بن حاتم، ج ۲، ص: ۳۷۴، ۳۷۵۔“

❷ ترمذی، ابواب تفسیر القرآن، ومن سورة فاتحة الكتاب: ۲۹۵۳۔

❸ مسند احمد، ج ۴، ص: ۲۵۸؛ اصحابہ فی تمییز الصحابة ذکر عدی، جزء رابع، ص: ۲۲۹۔

ہوئے اور اسلام لَا کرو اپس گئے۔ وابس جا کر انہوں نے اسلام کا اظہار کیا اور لوگوں کو اسلام کی ترغیب دی، لوگوں نے ان کو بہت برا بھلا کہا۔ صحیح کو جب اپنے بالا خانہ پر اذان دی تو ہر طرف سے تیروں کا مینہ برسا، یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے۔ مرتبہ وقت وصیت کی کہ محاصرہ طائف میں جو مسلمان شہید ہو چکے ہیں انہی کے پہلو میں دفن کیے جائیں۔

(عروہ کا خون رایگاں نہیں جاسکتا تھا، اصغر بن عیلہ رئیس احمد یہ سن کر کہ آنحضرت ﷺ طائف کا محاصرہ کئے ہوئے ہیں، کچھ سوار لے کر چل کھڑا ہوا تھا، اتفاق سے اس وقت پہنچا جب آپ طائف چھوڑ کر مدینہ کی طرف مراجعت فرمائچے تھے، اصغر نے عہد کیا کہ جب تک اہل طائف آنحضرت ﷺ کی اطاعت قبول نہ کر لیں گے، میں قلعہ کا محاصرہ نہ چھوڑوں گا، آخر اہل طائف نے اطاعت قبول کر لی۔ اصغر نے خدمت نبوی ﷺ میں اطلاع کی تو آپ نے مسجد نبوی میں تمام لوگوں کو جمع کیا، اور احمد کے لیے دس بار دعا فرمائی) ①  
چند روز کے بعد اہل طائف نے باہم مشورہ کیا کہ تمام عرب اسلام لاچکا، اب ہم اکیلے کیا کر سکتے ہیں۔ غرض یہ رائے قرار پائی کہ چند سفر مقرر کر کے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیج جائیں۔

ان کی سفارت نے مدینہ کا رخ کیا تو مسلمانوں کو اس قدر صبر ہوئی کہ سب سے پہلے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ دوڑے کہ آنحضرت ﷺ کو جا کر خبر کریں، راہ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ مل گئے ان کو معلوم ہوا تو مغیرہ رضی اللہ عنہ کو قسم دلائی کہ یہ خوش خبری مجھ کو پہنچانے دو۔ مغیرہ نے ان لوگوں کو تعلیم دی کہ دربار رسالت میں جانا تو اس طریقہ سے سلام عرض کرنا، لیکن یہ لوگ اسی قدیم دستور کے موافق آداب بجالائے۔

عبد یا لیل، طائف کا مشہور رئیس امیر الوفد تھا، آنحضرت ﷺ نے اس کو (حالانکہ اب تک وہ کافر تھا) مسجد نبوی میں اتارا (کہ مسلمانوں کی محیت و استغراق کو دیکھ کر متاثر ہو) یہ لوگ مسجد میں خیمنے نصب کر کر ٹھہرائے گئے۔ ② نماز اور خطبہ کے وقت یہ لوگ موجود رہتے تھے، گوخدش تریک نہیں ہوتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کا معمول تھا کہ خطبوں میں اپنا نام نہیں لیتے تھے۔ ان لوگوں نے آپس میں تذکرہ کیا کہ محمد ﷺ ہم سے تو اپنی پیغمبری کا اقرار لیتے ہیں، لیکن خطبہ میں خود اپنی پیغمبری کا اقرار نہیں کرتے۔ آنحضرت ﷺ نے ساتو فرمایا کہ ”میں سب سے پہلے شہادت دیتا ہوں کہ میں فرستادہ الہی ہوں۔“

جماعت سفراء میں عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سب سے کم عمر تھے۔ سفراء دربار نبوی میں آتے تو ان کو پچھہ کر قیام گاہ میں چھوڑ آتے۔ عثمان گوکس تھے لیکن سب سے زیادہ تیز فہم اور مائل تحقیق تھے، ان کا معمول تھا کہ جب سفراء و ان کو قیلول کرتے تو یہ چکے سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور قرآن مجید اور مسائل اسلام سیکھتے، یہاں تک کہ کثیر ضروری مسائل سیکھ لیے۔ ③

① ابو داود، کتاب الخراج، باب اقطاع الارضین: ۳۰۶۷۔

② ابو داود، کتاب الخراج باب ماجاء فی خبر الطائف: ۳۰۲۶۔ مسند احمد، ج ۴، ص: ۲۱۸۔

③ سیرت ابن ہشام، ذکر امر و فد ثقیف و اسلامهم، ج ۲، ص: ۳۴۹۔

آنحضرت ﷺ ہمیشہ ان لوگوں کو اسلام کی تبلیغ کرتے (نماز عشاء کے بعد ان کے پاس تشریف لے جاتے اور کھڑے کھڑے ان سے ہاتھیں کرتے۔ زیادہ تر مکہ میں قریش کے ہاتھ سے جواہر یعنی اٹھائی تھیں ان کو بیان فرماتے۔ ﴿ مدینہ میں آ کر جو لڑائیاں پیش آئیں ان کا بھی تذکرہ فرماتے) بالآخر ان لوگوں نے اسلام پر آمدگی ظاہر کی، لیکن یہ شرطیں پیش کیں:

- ① زنا ہمارے لیے جائز رکھا جائے کیونکہ ہم میں سے اکثر مجرم درہتے ہیں اور اس لیے ان کو اس سے چارہ نہیں۔
- ② ہماری قوم کا تمام کار و بار اور ذریعہ معاش سود ہے اس لیے سود خواری جائز رکھی جائے۔
- ③ شراب سے نہ روکا جائے، ہمارے شہر میں کثرت سے انگور پیدا ہوتا ہے اور یہ ہماری بڑی تجارت ہے۔ لیکن یہ تینوں درخواستیں نامنظور ہوئیں، بالآخر ان لوگوں نے کہا: اچھا ہم یہ شرطیں واپس لیتے ہیں، لیکن ہمارے معبد (ٹالائف کا سب سے بڑا بات، جس کا نام لات تھا) کی نسبت کیا ارشاد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”وَهُوَرُدِيَا جَاءَنَّا“ یعنی کران کو سخت حرمت ہوئی کہ کیا کوئی شخص ان کے خدامے عظیم کو ہاتھ بھی لگا سکتا ہے اب لوے کہ اگر ہمارے معبد کو معلوم ہو جائے کہ آپ کا یہ ارادہ ہے توہ تمام شہر کو تباہ کر دے گا، حضرت عمر بن الخطاب سے ضبط نہ ہوسکا، لوے کہ تم لوگ کس قدر جاہل ہو، منات صرف ایک پتھر ہے، ان لوگوں نے کہا: عمر! ہم تمہارے پاس نہیں آئے، یہ کہہ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ ہم منات کو ہاتھ نہیں لگا سکتے، آپ جو چاہیں کریں، لیکن ہم کو اس جرأت سے معاف رکھا جائے، آپ ﷺ نے یہ درخواست منظور کر لی۔ ﴿

ان لوگوں نے نماز، زکوٰۃ اور جہاد سے مستثنی ہونے کی بھی درخواست کی۔ نماز سے معافی تو کسی حالت میں ممکن نہ تھی، وہ ہر روز پانچ دفعہ ادا کرنے کی چیز ہے! لیکن زکوٰۃ سال بھر کے بعد واجب ہوتی ہے، اور جہاد فرض کفایہ ہے، ہر شخص پر واجب نہیں ہے اور واجب بھی ہو تو اس کے خاص موقع ہیں روز کا کام نہیں، اس بنا پر ان وقت ان دونوں باتوں پر ان کو مجبور نہیں کیا گیا کیونکہ یہ معلوم تھا کہ جب وہ اسلام قبول کر لیں گے تو رفتہ رفتہ خود ان میں صلاحیت آ جائے گی، حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ میں نے اس واقعہ کے بعد آنحضرت ﷺ کو یہ کہتے سنائے ”جب یہ ایمان لاچکیں گے تو زکوٰۃ بھی دینے لگیں گے اور جہاد بھی کریں گے۔“ ﴿ (چنانچہ دو ہی برس کے بعد جب جہاد الوداع کا موقع آیا تو کوئی ثقہ ایسا نہ تھا جس نے اسلام نہ قبول کر لیا ہو۔) ﴿

سفرت جب واپس چلی تو آنحضرت ﷺ نے ابوسفیان اور مغیرہ بن شعبہؓؑ کو بھیجا کہ شرط کے موافق ٹالائف کے صنم عظیم (لات) کو جا کر توڑ آئیں۔ مغیرہ نے ٹالائف پہنچ کر بت کرہ کوڈھانا چاہا تو مستورات روئی ہوئی ننگے سرگھروں سے نکل آئیں اور یہ اشعار پڑھتی جاتی تھیں۔ ﴿

\* ابو داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب تحزیب القرآن: ۱۳۹۲۔ \*\* زاد المعاد، ج ۲، ص: ۲۴، ۲۵، ۲۶۔

بحوالہ مغازی موسیٰ بن عقبہ: سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص: ۳۴۷۔ تا ۳۵۰۔

\* ابو داؤد، کتاب الخراج والاماارة، باب ماجاء فی خبر الطائف: ۲۰۲۵۔

\* اصحاب ترجمہ جبیر بن حبہ ثقہ جز اول، ص: ۲۳۵۔ \*\* تاریخ طبری، ج ۴، ص: ۱۶۹۲۔

الابکین دفاع  
اسلمها الرضاع لم يحنوا المصاع  
”لوگوں پر رود کہ پست ہمتوں نے اپنے ہتوں کو دشمنوں کے پروردگر دیا اور معرکہ آ رائی  
نہ کر سکے۔“

(عربوں میں کثیر الازدواجی کی عام عادت تھی، قبیلہ ثقیف کے ایک نامور سردار غیلان بن سلمہ کی وسیلیاں  
تھیں، جب وہ مسلمان ہوا، احکام اسلام کے مطابق چار کے سواتnam بیویوں سے اُس کو مفارقت کرنی پڑی) ②  
وفد بحران ۹۷

بحران مکہ معظمه سے یمن کی طرف سات منزل پر وسیع ضلع کا نام ہے، جہاں عیسائی عرب آباد تھے،  
یہاں عیسائیوں کا ایک عظیم الشان کلیسا تھا جس کو وہ کعبہ کہتے تھے اور حرم کعبہ کا جواب بھجتے تھے، اس میں بڑے  
بڑے مذہبی پیشوar ہتھے تھے، جن کا القلب سید اور عاقب تھا، عرب میں عیسائیوں کا کوئی مذہبی مرکز اس کا ہمسرنہ  
تھا، اعشی اسی کی شان میں کہتا ہے:

وکعبة نجران حتم عليك  
حتى تناخي بابوها  
نزور يزيد او عبدالمسيح  
وقيساهم خير اربابها  
يـكعبـةـتـيـنـ سـوـكـهـاـلـوـنـ سـگـنـدـکـیـ شـکـلـ مـیـںـ بـنـایـاـ گـیـاـ تـھـاـ،ـ جـوـخـصـ اـسـ کـےـ حدـودـ مـیـںـ آـ جـاتـاـ تـھـاـ،ـ وـہـ مـامـونـ ہـوـ  
جـاتـاـ تـھـاـ۔ـ اـسـ کـعبـةـ کـےـ اوـقـافـ کـیـ آـمـدـنـ دـوـلـاـ کـسـالـاـ تـھـیـ۔ـ ③

آنحضرت ﷺ نے ان کو دعوت اسلام کا خط لکھا تو اس کعبہ کے محافظ اور ائمہ مذہب ساٹھ آدمیوں  
کے ساتھ مدینہ میں آئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو مسجد میں اترا، تھوڑی دیر کے بعد نماز کا وقت آیا تو ان  
لوگوں نے نماز پڑھنی چاہی، صحابہ نے روکا، لیکن آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”پڑھنے دو۔“ چنانچہ ان  
لوگوں نے مشرق کی طرف مدد کر کے نماز ادا کی۔ ابو حارث جولا رڈیش پ تھا، نہایت محترم اور فاضل شخص تھا، پھر  
روم نے اس کو یہ منصب عطا کیا تھا اور اس کے لیے گرجے اور معبد بنوائے تھے۔ ④

ان لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے مختلف مذہبی مسائل پوچھے اور آپ نے وہی کی رو سے ان کا  
جواب دیا۔ ان کے زمانہ قیام میں سورہ آل عمران کی ابتداء کی اتنی آسیں اتریں، ان آسمیوں میں ان کے  
سوالات کا جواب تھا۔ جس آیت میں دعوت اسلام کی تشریح تھی وہ یہ ہے:

﴿فُلِّيَاهْلَ الْكِتَابَ تَعَالَوْا إِلَى الْكِلْمَةِ سَوَاءٌ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ لَا نَعْبُدُ إِلَّا اللَّهُ وَلَا نُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا  
وَلَا يَكُونُ بَعْدَنَا بَعْضًا أَرِيَادَاهُنْ دُونَ اللَّهِ فَإِنْ تُولُوا فَقُولُوا الشَّهَدُ وَإِنَّا مُسْلِمُونَ ⑤﴾

۱۔ تفصیل طبری سے ماخوذ ہے دیکھوں ۲، ص: ۲۶۹۲: اور ما قبل؛ سیرت ابن ہشام میں لٹکیں ہے: ص: ۲۲: میں لٹکیں ہے: ص: ۳۵۰۔

۲۔ جامع ترمذی، ابواب النکاح، باب ماجاء فی الرجل بسلم الخ: ۱۱۲۸۔

۳۔ یہ تمام تفصیل معجم البلدان ذکر نجران، ج: ۸، ص: ۲۰۹ و ما بعد میں ہے، پہلا فقرہ فتح الباری، ج: ۸، ص: ۲۳، میں ۳۵۔

(۶۴/آل عمران: ۳)

”کہہ دے کہ اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کو مان لیں جو ہم تم دونوں میں مشترک ہے، وہ یہ کہ ہم خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو خدا کا شریک نہ بنائیں اور ہم میں کوئی کسی کو خدا کے سوارب نہ قرار دے، پھر اگر یہ لوگ نہ مانیں تو کہہ دو کہ تم گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں۔“

آنحضرت ﷺ نے جب ان کو اسلام کی دعوت دی تو ان لوگوں نے کہا ہم تو پہلے سے مسلمان ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”جب تک تم صلیب پوچھتے ہو، عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہتے ہو کیونکہ مسلمان ہو سکتے ہو؟“ جب یہ لوگ اسی پر راضی نہ ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے وحی کے مطابق ان سے کہہ دیا کہ اچھا مبارکہ کرو، یعنی ہم تم دونوں اپنے اہل و عیال کو لے کر آئیں اور دعا کریں کہ جو شخص جھوٹا ہو اس پر خدا کی لعنت ہو۔

**﴿فَمَنْ حَاجَكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَنْتَآءَنَا وَأَنْتَأَنُّهُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَهُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَهُمْ تُمْبَتَمَلْ فَنَجْعَلُ لَعْنَةَ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ﴾**

(۶۱/آل عمران: ۲)

”تو جو شخص تجھ سے علم آئے پیچھے جھٹکا کرتا ہے اس سے کہہ دے کہ آؤ اپنی اولاد اور اپنی عورتوں کو اور خود اپنے آپ کو بلائیں، پھر مبارکہ کریں اور خدا سے دعا کریں کہ ہم میں سے جو جھوٹا ہو، اس پر خدا کی لعنت ہو،“

لیکن جب آنحضرت ﷺ حضرت فاطمہ زہراؓ اور امام حسن و حسینؑ کو لے کر مبارکہ کے لیے نکل تو خود ان کی جماعت میں سے ایک شخص نے رائے دی کہ مبارکہ نہیں کرنا چاہیے، اگر یہ شخص واقعی پیغمبر ہے تو ہم لوگ ہمیشہ کے لیے تباہ ہو جائیں گے، غرض ان لوگوں نے کچھ سالانہ خراج قبول کر کے صلح کر لی۔

## بُنَاسَدٌ ۹

یہ وہ قبیلہ ہے جو لا ایسوں میں قریش کا دست و بازو تھا۔ طیبہ بن خوید جس نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا، اسی قبیلہ سے تھا۔ میں یہ لوگ بھی اسلام لائے اور سفارت بھیجی لیکن اب تک ان کے دماغ میں فخر کا نش باتی تھا۔ سفر اور بار بر سالت میں آئے تو احسان کے لجه میں کہا کہ آپ نے ہمارے پاس کوئی مہمنہیں بھیجی بلکہ ہم نے خود اسلام قبول کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

**﴿يَمْنُونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا طَفْلٌ لَا تَمْنُونَ عَلَيْكَ إِسْلَامَكُمْ بَلِ اللَّهُ يَعْلَمُ عَلَيْكُمْ أَنْ هَذَا كُمْ لِلْأَيْمَانِ إِنْ لَكُمْ صِدِّيقُينَ﴾**

(۴۹/الحجرات: ۱۷)

”یہ لوگ تم پر احسان رکھتے ہیں کہ ہم اسلام لائے، کہہ دو کہ مجھ پر اپنے اسلام کا احسان نہ رکھو، بلکہ خدا تم پر احسان رکھتا ہے کہ تم کو ایمان لانے کی ہدایت کی، اگر تم چچے ہو،“

\* صحیح بخاری، کتاب المغمازی، باب قصہ اہل نجران: ۴۳۸۔ \* زاد المعاد، ج ۲، ص: ۴۵۔

## بنو فزارہ ۹

یہ نہایت سرکش اور زور آور قبیلہ تھا، عینہ بن حصن اسی قبیلہ سے تھے اسی قبیلہ نے رمضان ۲۹ میں جب آنحضرت ﷺ تجوہ کے ساتھ اپنے شریف لائے اپنا وند بھیجا اور اسلام قبول کیا۔ \*

## کنده ۱۰

یہ حضرموت (یمن) کے اضلاع میں سے ایک شہر تھا۔ یہاں کنڈی خاندان کی سلطنت تھی اس زمانہ میں اس خاندان کے حاکم اشعشٹ بن قیس تھے۔ یہ اسی میں اسی سوروں کے ساتھ بڑی شان و شوکت سے، حیرہ کی چادریں جن کے سنجاف حریر کے تھے کاندھوں پر ڈالے بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے، یہ پہلے اسلام قبول کر چکے تھے، آنحضرت ﷺ نے ان کو دیکھ کر فرمایا: ”کیا تم اسلام نہیں لا چکے ہو؟“ بولے ہاں، ”آپ نے فرمایا کہ ”پھر یہ حریر کیسا؟“ ان لوگوں نے فوز اچادریں پھاڑ پھاڑ کر زمین پر ڈال دیں۔ \*

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں اپنی بہن (ام فروہ) سے ان کی شادی کر دی تھی، نکاح ہو چکا تو فوراً اٹھ کر کوئوں کے بازار میں پہنچ اور جواونٹ سامنے آیا تکوar سے اس کی گوچیں اڑا دیں، تھوڑی دری میں میسوں اونٹ زمین پر پڑے تھے، لوگوں کو حیرت ہوئی، انہوں نے کہا: میں اپنی دارالریاست میں ہوتا تو اور نی سرو سامان ہوتا، یہ کہہ کر کوئوں کے دام دے دیے اور لوگوں سے کہا: یہ آپ کی دعوت ہے۔ \* یہ جنگ قادریہ ویرموق میں شریک تھے اور صفين میں حضرت علیؑ کے ساتھ تھے۔

## عبد القیس

یہ قبیلہ جیسا کہ اوپر گزر چکا، بحرین کا باشندہ تھا، یہاں اسلام کا اثر بہت پہلے پہنچ چکا تھا، سب سے پہلے اس قبیلہ کے تیرہ آدمی ۵۵ میں یا اس سے آگے پیچھے زمانہ میں خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے پوچھا: ”تم کون لوگ ہو؟“ عرض کی، یا رسول اللہ! ہم خاندان ربیعہ سے ہیں، فرمایا: ”مر جبا لا خزایا ولا ندامی“ پھر ان لوگوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! ہمارا ملک بہت دور ہے (بحرین) اور شیخ میں کفار مضر کی آبادیاں ہیں، ہم اشرحرم کے سوا اور مہینوں میں نہیں آسکتے، چنان لیکی با تین تلقین فرمائے جن پر نمیشہ عمل کریں، اور اپنے اہل وطن کو بھی ان کی تعلیم دیں، ارشاد ہوا کہ میں تم کو چار باتوں کا حکم دیتا ہوں۔ خدا کو ایک جانو، نماز پڑھو، روزہ رکھو اور حس دو اور چار چیزوں سے منع کرتا ہوں، دباء، حظیم، تغیر، مرفت۔

دباء، حظیم، تغیر، مرفت، یہ عرب میں چار قسم کے برتن ہوتے تھے، جن میں رکھ کر شراب بنا جاتی تھی، آنحضرت ﷺ کی عادت شریف یہ جاری تھی کہ جس قبیلہ میں جو مخصوص عیوب ہوتے تھے، ان کے پندو موعظت میں انہیں کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرماتے تھے، لوگوں کو تعجب تھا کہ حضور ﷺ نے ان ظروف کا

\* زرقانی، ج ۴، ص: ۵۹۔ \* ابن هشام و فد کندة، ج ۲، ص: ۳۷۸۔ \* اصحابہ، جز اول، ص: ۵۱۔

کیوں مخصوص طور سے ذکر فرمایا، چنانچہ انہوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ اتفیر کے متعلق آپ کو کیا معلوم ہے؟ ارشاد فرمایا: ”ہاں بھور کی موئی لکڑی کو اندر سے ھوڑ کر تم اس میں پانی ڈالتے ہو جب ابال کم ہو جاتا ہے تو اُس کو پی کر اپنے بھائیوں پر تلوار چلاتے ہو۔“ اتفاق یہ کہ وہ میں ایک صاحب ایسے تھے جن پر یہی واقعہ گزرا تھا، ان کی پیشانی پر تلوار کا داغ بھی تھا، اور اس کو وہ شرم سے چھاتے تھے۔ \*

بعض روایتوں میں ہے کہ عبد القیس نے خود پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ اہم کو کیا پینا چاہیے؟ اس کے جواب میں آپ نے ان چاروں چیزوں کا ذکر فرمایا۔ \*

### بُنْ عَامِرٌ

بنو عامر \* کا قبیلہ عرب کے مشہور قبیلہ قیس بن عمیان کی شاخ تھا، بنو عامر میں اس وقت تین رئیس تھے، عامر بن طفیل، اربد بن قیس اور جبار بن سلمی۔ عامر اور اربد صرف حصول جاہ کے خواہاں تھے، یہ عامر وہی شخص تھا جو اس سے پہلے متعدد فتنوں کا باعث ہو چکا تھا اور اس وقت بھی شر کی نیت سے آیا تھا، جبار اور قبیلہ کے عام لوگ البتہ خلوص قلب سے صداقت کے طالب تھے۔

عامر مدینہ پہنچ کر خاندان سلوک کی ایک خاتون کا مہمان ہوا، جبار اور مشہور صحابی کعب بن مالک بن عوف میں پہلے کے مراسم تھے، اس لئے وہ تیرہ دیموں کے ساتھ انہیں کے گھر مہمان اترے اور اسی تقریب سے کعب بن عوف میں ان کو لے کر خدمت القدس میں حاضر ہوئے۔ بنو عامر نے سلسلہ کلام میں آنحضرت ﷺ سے خطاب کر کے کہا ”أَنْتَ سَيِّدُنَا“ ”حضور ﷺ ہمارے آقا ہیں“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”السَّيِّدُ اللَّهُ“ ”آقا خدا ہے“ انہوں نے پھر عرض کی، حضور ﷺ ایم میں سب سے افضل اور سب سے بڑھ کر فیاض ہیں، ارشاد ہوا، بات بولو تو اس کا لحاظ ہے کہ شیطان تم کو بسکانہ لے جائے یعنی یہ تکلف اور تملق بھی ایک قسم کا جھوٹ ہے۔ \*

عامر بن طفیل نے کہا، ”محمد ﷺ میں باقی ہیں، اہل بادیہ پر قسم حکومت کرو، اور شہر میرے قبضہ میں ہوں، اگر یہ نہیں تو اپنے بعد مجھے اپنا جانشین بنانا جاؤ، اگر یہ بھی مظہور نہ ہو تو میں غطفان کو لے کر چڑھاؤں گا۔“ عامر نے اربد کو یہ سمجھا دیا تھا کہ میں ادھر محمد ﷺ کو باقیوں میں لگاؤں گا، ادھر تم ان کا کام تمام کر دینا، اب عامر نے جو دیکھا تو اربد میں جنبش تک نہ تھی، نبوت کے غیر مرکزی جاہ و جلال نے اس کی آنکھیں خیر کر دی

-----

\* صحيح بخاری، کتاب الایمان، باب اداء الخمس من الایمان: ۵۳، ۸۷ و صحیح مسلم باب الایمان، باب الامر بالایمان: ۱۱۶ تا ۱۲۰۔ (تفیر کے تعلق سوال کا ذکر بخاری کے بجائے مسلم میں ہے) ”ض“

\* مسلم اور دیگر کتب صحاح میں عبد القیس کے اسی وند کا ذکر ہے، اسی منہ وہ ولایتی وغیرہ نے اس قبیلہ کے ایک اور وفد کا ذکر کیا ہے جس میں آدمی شریک تھے اس ناپر علماء قسطلانی نے اسی قبیلہ کے دو وفد ارادیے ہیں (ارشاد الساری، ج ۱، ص: ۱۲۹؛ دار الطبااعة مصر: ۱۲۸۸ھ) پہلا تقدیر بڑا ہے میں اور دوسرا احمد میں حافظ ابن حجر بنیانی نے کتاب المغازی میں یعنیہ بھی تحقیق کی ہے (ج ۸، ص: ۲۶) لیکن کتاب الایمان کی شرح میں دونوں روایتوں کو ایک ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ (ج ۱، ص: ۱۲۱) \* اضافہ۔

\* مشکوہ، باب المفاخرة بحوالہ ابو داود، کتاب الادب، باب فی کراہیۃ التمام، ج ۴، ص: ۴۸۰۶۔

تھیں، دونوں اٹھ کر چلے آئے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”خدا یا ان کے شر سے بچانا۔“ عامر کو طاعون ہو گیا۔ عرب میں صاحبِ فراش ہونا شرم کی بات تھی، عامر نے کہا: مجھے گھوڑے پر بٹھا دو، گھوڑے پر بٹھا دیا گیا اور اسی پر اس نے دم توڑا۔ جبار اور عام اشخاص ایمان کی دولت سے مالا مال ہو کر دارالسلام سے واپس آئے۔

### حیر وغیرہ کی سفارت

حیر میں مستقل سلطنت نہیں رہی تھی، سلاطین حیر کی اولاد نے چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر لی تھیں اور برائے نام بادشاہ کہلاتے تھے۔ عربی میں ان کا لقب قیل تھا، یہ لوگ خود نہیں آئے لیکن قادر بھیج کر ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے۔

اسی زمانہ میں بہرام، بوبکا وغیرہ کی سفارتیں بھی آئیں۔

❶ عام واقعات ابن احیا ورقانی سے مأخذ ہیں، عامر کی تصریح اور اس کی موت کا واقعہ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوہ الرجیع: ۴۰۹۱ میں مذکور ہے۔

❷ تاریخ طبری، ج ۴، ص: ۱۷۲۰، واقعات ۹۷۔

## تاسیس حکومتِ الہی استخلاف فی الارض

﴿لَيَسْتَخْلِفُنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفُوا إِلَيْهِمْ وَمِنْ قَبْلِهِمْ﴾ (۲۴/ النور: ۵۵)  
 (تیرہ) ۱۰ دنارتوں کے بعد سیدہ صبح نمودار ہوتا ہے۔ گھنگھوڑگھٹائیں جب چھٹ جاتی ہیں تو خورشید تباہ خیاگستری کرتا ہے۔ دنیا گناہ گاریوں اور ظلم و ستم کی تاریکیوں سے گھری ہوئی تھی کہ دفعتاً صبح سعادت نے ظہور کیا، اور حق و صداقت کا آفتاب پر تو افلن ہوا، عرب جس طرح ایک خدا کو پوچنے لگا تھا ب وہ صرف ایک ہی حکومت کے ماتحت تھا۔  
 خدائے پاک نے وعدہ فرمایا تھا:

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَبَدُوا الصَّلَاحَتِ لَيَسْتَخْلِفُنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفُوا إِلَيْهِمْ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيَنَهُمُ الَّذِي أَرَضُى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ حُكْمِهِمُ أَمْنًا يَعْبُدُونَ تَمَّى لَأَيُّشِرِّكُونَ إِنْ كَفَيْجَاطٌ﴾ (۲۴/ النور: ۵۵)

”خدانے تم میں سے ایمانداروں اور نیکوکاروں سے وعدہ کیا ہے کہ ان کو بے شہز میں میں اپنی خلافت اسی طرح عطا کرے گا جس طرح کہ گزشتہ امتوں کو اس نے اپنی خلافت عطا کی تھی اور ان کے اس مذهب کو جس کو اس نے ان کے لیے پسند کیا تھا، یقیناً قوت بخشے گا اور ان کی بے منی کو امن سے بدل دے گا، کہ مجھ کو پوچھیں اور کسی کو میرا شریک نہ بنا میں۔“

حکومتِ الہی و استخلاف فی الارض نبوت کے ضروری لوازم نہیں، لیکن جب دعوتِ الہی سیاست ملکی کی دیواروں سے آ کر نکراتی ہے، یا جب اصلاحات کا دامن ملک کی بد امنی و انتشار حال کے کاموں میں الجھ جاتا ہے تو پیغمبر ابراہیم ﷺ و موسیٰ علیہما السلام کے قالب میں آ گے بڑھتا ہے اور قوم و ملک کو نبرد و فراعنة کی غلامی سے آزادی دلاتا ہے۔ پیغمبروں میں عیسیٰ اور مسیح علیہما السلام بھی بزرے ہیں جن کو حکومت کا کوئی حصہ نہیں ملا تھا اور موسیٰ اور داؤ و سلیمان علیہما السلام بھی جو قوموں اور ملکوں کی قسمت کے مالک تھے، لیکن محمد رسول اللہ علیہ السلام عیسیٰ و مسیح علیہما السلام بھی تھے اور موسیٰ و داؤ و علیہما السلام بھی۔ عرب کے خزانے دست قصرف میں تھے لیکن کاشانہ نبوت میں نہ کوئی زم بستر تھا، نہ غذاۓ لطیف، نہ جسم مبارک پر خلعت شاہانہ تھا، نہ جیب و آسمیں میں درہم و دینار، عین اس وقت جب اس پر کسری و قیص کا دھوکا ہوتا تھا وہ گلیم پوش، مکہ کا یتیم اور آسمان کا معصوم فرشتہ نظر آتا تھا۔

اسلام کی حکومت کی غرض و غایت جس کو خدا نے خود اپنے الفاظ میں ظاہر فرمایا ہے یہ تھی:

۱۔ یہ پورا باب اضافہ ہے۔ ”س“ ۲۔ حضرت ابراہیم علیہما السلام پر قبیلہ کے شیخ تھے۔ چار سو غلاموں کی فوج ساتھ رہتی تھی۔ شام و اطراف بالل کے کئی بادشاہوں سے ان کو لڑنا پڑا اور خدا نے ان سے وعدہ کیا کہ ان کی اولاد کو ارضی مقدس کی حکومت عطا کرے گا۔ (توراۃ سفر تکوین اصحاب ۱۲، ص: ۱۸، ۱۹، مطبوعہ مدرسہ اسکنفورڈ ۱۸۹۰ء)

﴿أَذْنَ لِلَّذِينَ يُقْتَلُونَ بِأَنَّهُمْ طَلَمُواٰطَ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَى نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ إِلَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حِقٍّ إِلَّا كَمْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ وَكَلَّا ذَفْنَ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضُهُمْ بَعْضَ لَهُمْ مَا صَوَّا مِعَ وَيْمَ وَصَلَوةٍ وَمَسِيْدُ دِيدُ كُرْ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرٌ وَكَلِّيْنَ اللَّهِ مَنْ يَنْتَصِرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَكَوْنٌ عَزِيزٌ إِلَّذِينَ إِنْ مَلَّتْهُمْ فِي الْأَرْضِ أَكَمُوا الصَّلَاةَ وَاتَّوَ الْزَكُوْةَ وَأَمْرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ﴾ (۲۲ / الحج: ۴۱ تا ۳۹)

”مسلمان جن سے ( بلا سبب ) جنگ کی جاتی ہے، اب ان کو بھی جنگ کی اجازت دی گئی کہ وہ مظلوم ہیں اور خدا ان کی مد پر قادر ہے۔ وہ جو ناحق اپنے گھروں سے نکال دیے گئے سوا اس کے ان کا اور کوئی قصور نہ تھا کہ وہ یہ کہتے تھے کہ ہمارا پروردگار ہی ہمارا خدا ہے۔ اگر دنیا میں ایک قوم کو دوسری قوم سے بچایا نہ جائے تو بہت سی خانقاہیں، مکیسے، عبادت گاہیں مسجدیں جن میں اکثر خدا کا نام لیا جاتا ہے، بر باد کروی جائیں، جو خدا کی مدد کرتا ہے خدا اس کی مدد کرتا ہے۔ خدا طاقتور اور غالب ہے۔ ( مسلمان وہ ہیں ) جن کو اگر خدا زمین میں قوت عطا کرے تو عبادت الہی کریں، مستحقین کی مالی اعانت کریں، ( زکوٰۃ دیں ) لوگوں کو نیکیوں کی تاکید کریں، برا نیکوں سے روکیں، انجام کار خدا ہی کے ہاتھ میں ہے۔“

ان آئیوں میں بالا بھال یہ بتایا گیا ہے کہ اسلام میں غزوہات کی ابتداء کیوں اور کیوں ہوئی؟ اسلام کی حکومت کے کیا اغراض و مقاصد تھے اور انتلاف فی الارض کے کیا فرافاض ہیں اور دنیا کی عام حکومتوں سے وہ کن امور میں ممتاز ہے؟ ان مباحثت کا اصولی اور مفصل بیان کتاب کے دوسرے حصوں میں آئے گا۔ یہاں عرب کے نظم و نسق کے متعلق عام اور جزئی باتیں بیان کرنی تھیں۔

صفحات بالا سے معلوم ہو چکا ہے کہ اب تمام عرب میں امن و امان قائم ہے۔ سیاسی مشکلات کا خاتمه ہو چکا ہے ملک کے ہر گوشہ میں دعا اسلام پھیلے ہوئے ہیں، قبائل دور راز صوبوں سے بارگاہ نبوت کا رخ کر رہے ہیں فتح مکہ اسلام کی شہنشاہی کا پہلا دن تھا، جو رمضان ۸ هـ کا واقعہ ہے، اسی کے بعد آنحضرت ﷺ نے قبائل میں مصلحین زکوٰۃ کا تقرر فرمایا لیکن اصل خلافت الہی کے تمام اجزاء اور اخراج ہی میں زمانہ جتنہ الوداع کے قریب تکمیل ہوئے۔

یورپ کی نا آشنا نگاہ میں اگرچہ آپ ﷺ کی زندگی کا یہ دور جدید ایشیائی شاہانہ زندگی کا ایک طرب انگیز مظہر تھا لیکن آشیان حقيقة کو شہنشاہ عرب پھٹے پرانے کپڑوں میں، مدینہ کی گلیوں کے اندر غلاموں اور مسکنیوں کے کام کرتا ہوا نظر آتا ہے، وہ تاج و تخت سے بے نیاز قصر والیوں سے مستغفی، حاجب و دربان سے بے پروا، مال و زر سے خالی، خدم و حشم کے بغیر لوں پر حکومت کر رہا تھا، نہ اس کی حکومت میں پولیس تھی، نہ بڑے بڑے انتظامی دفاتر، نہ کثیر التعداد ارباب مناصب، نہ وزراء شوری، نہ امراء سیاست، نہ الگ

الگ حکام و قضاۃ، وہ ایک ہی ذات تھی جو ہر فرض و خدمت کی خود زمداد رکھی لیکن یا بیس ہمسوہ اپنے آپ کو عام مسلمانوں سے اونٹ کے ایک ہاں کے برابر بھی زیادہ مستحق نہیں سمجھتا تھا، اس کے عدل و انصاف کے آگے فاطمہؓ نے اپنی جگر گوشہ نبوت اور عام مجرم برابر تھے۔

آنحضرت ﷺ کی اصل بعثت کا مقصد دعوت مذہب، اصلاح اخلاقی، اور تزکیہ نفوس تھا، اس کے علاوہ اور تمام فرائض محض ضمی تھے۔ اس بنا پر انتظامات ملکی آپ نے اسی حد تک قائم کئے جہاں تک ملکی بدامنی کے باعث دعوت توحید کے لئے عوائق پیش آتے تھے، تاہم یہ کام بھلی پکھا ہم نہ تھا۔

انتظامی

عمر شریف اس وقت ساٹھ برس کی تھی لیکن اس عمر میں بھی اس حکومت کے تمام کام خود انجام دیتے تھے، ولادہ اور عمال کا تقریب رموزہ نہیں اور ائمہ کا تعین، مصلحتیں زکوٰۃ و جزیہ کی نامزدگی، غیر قوموں سے مصالحت، مسلمان قبائل میں جائیدادوں کی تقسیم، فوجوں کی آرائشی، مقدمات کا فیصلہ، قبائل کی خانہ جنگیوں کا انسداد، وفاد کے لیے تعین و ظائف، اجرائے فرایمیں، نو مسلموں کے انتظامات، مسائل شرعیہ میں افتاء، جرائم کے لیے اجرائے تعزیری، ملک کے بڑے بڑے سیاسی انتظامات، عہدہ داروں کی خبرگیری اور احتساب، دور کے صوبوں میں متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم گورنر اور ولی بنا کر بھیج دیے گئے تھے، لیکن خود مدینہ اور اطراف مدینہ کے فرانچ آپ ﷺ خود انجام دیتے تھے۔

خلافتِ الہی کے ان فرائض و اعمال نے آپ ملکیتِ عالم کے دل و دماغ پر جو باعظیم ڈالا، اس نے آپ کے نظامِ جسمانی کو چور کر دیا۔ عام رواجتوں سے ثابت ہے کہ آپ آخر زندگی میں تہجد کی نماز بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے جو ضعف جسمانی کا انتضا تھا لیکن یہ ضعف جسمانی خود کس چیز کا نتیجہ تھا، اس کا جواب حضرت عائشہؓ کی زبان سے سننا چاہیے جن سے بڑھ کر آپ ملکیتِ عالم کے اعمال زندگی کا کوئی ترجمان نہیں ہو سکتا:

عن عبد الله بن شقيق قال سالت عائشة ..... فكان يصلى قاعداً؟ قالت

**٣- حين حطمها الناس.**

”عبدالله بن شقيق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ کیا آنحضرت ﷺ نے بھی کہنا میزبان رہتے تھے، انہوں نے کہا، ہاں لیکن اس وقت جب لوگوں نے آپ کو چور کر دیا تھا۔“

امیر العسکری

چھوٹے چھوٹے غزوات و سرایا کے امیر الحجیش اگرچہ اکابر صحابہؓ ہوتے تھے، لیکن جو بڑے بڑے معرکے پیش آتے تھے ان کی قیادت خود آپؐ نے نفس نفس فرماتے تھے، چنانچہ بدر، احمد، خیبر، فتح

<sup>٢</sup> صحيح بخاري، كتاب الحدود، باب إقامة أبو داود، كتاب الصلاة، باب الإمام يصلى من قعود: ٦٠٢.

<sup>٣</sup> أبو داود، كتاب الصلاة، باب في صلوة الفاعد: ٩٥٦ - الحدو دعلم، الشيف والوضع: ٦٧٨٧.

مکہ، تبوک، میں خود آپ ﷺ ہی امیرِ اعْسَکر تھے۔ اس کا مقصد صرف فوج کا لڑانا اور آخری فتح و ظفر حاصل کرنا تھا بلکہ فوج کی عام اخلاقی اور روحانی نگرانی کرنا تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے مجاہدین اسلام کی جنی جزئی سے جزوی بے اعتدالیوں پر گرفت فرمائی ہے وہ احادیث میں بہ تصریح مذکور ہیں اور اسلام کا قانون جنگ اسی دارو گیر کے ذریعہ سے وجود میں آیا ہے۔  
اتفاقاً

آپ کے عہد مبارک میں اگرچہ متعدد صحابہ ﷺ بھی بطور خود فتویٰ دیتے تھے لیکن زیادہ تر آپ ﷺ ہی اس فرض کو بھی ادا کرتے تھے۔ فتویٰ دینے کے لیے آپ ﷺ نے کوئی خاص وقت مقرر نہیں فرمایا تھا۔ بلکہ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، غرض جس وقت لوگ آپ سے احکامِ اسلام کے متعلق سوالات کرتے تھے آپ ان کا جواب دیتے تھے، چنانچہ امام بخاری نے کتابِ اعلم میں ان فتاویٰ کو اس قسم کے متعدد ابواب میں تقسیم کر دیا ہے۔ خلافت کا یہی فرض تھا جس کو حضرت عمر بن الخطاب نے اپنے زمانہ میں نہایت ترقی دی اور اس کا ایک مستقل شعبہ قائم کر دیا۔

### فصل قضایا

اگرچہ آپ ﷺ کے عہد مبارک میں عہدہ قضاۃ قائم ہو چکا تھا اور حضرت علی اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کو آپ ﷺ نے خود یعنی کا قاضی مقرر فرمائے بھیجا تھا، تاہم مدینہ اور اس کے حوالی و مضائقات کے تمام مقدمات کا آپ خود فیصلہ کرتے تھے، اس کے لیے کسی قسم کی روک نوک اور پابندی نہ تھی۔ امام بخاری رضی اللہ عنہما نے ایک خاص باب باندھا ہے، جس کا عنوان یہ ہے:

باب ماذکر ان النبی ﷺ لم يكن له بزاب۔ ۱

”یعنی آنحضرت ﷺ کے دروازہ پر دربان نہ تھا۔“

اس بنا پر گھر کے اندر بھی آپ ﷺ اطمینان و سکون کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتے تھے۔ عورتوں کے معاملات عموماً زنان خانہ ہی میں پیش ہوتے تھے۔ احادیث کی کتابوں میں آپ کے فیصلوں کا تناظر خیرہ موجود ہے کہ اگر ان کا استقصا کیا جائے تو ایک چیز جلد تیار ہو جائے۔ عموماً احادیث کی کتاب المجموع میں دیوانی کے مقدمات اور کتاب القصاص والدیات وغیرہ میں فوجداری کے مقدمات مذکور ہیں۔

### توقيعات و فرائیں

یہ اس قدر اہم کام تھا کہ عہد مبارک میں اگرچہ اور صیغوں کا کوئی مستقل دفتر نہیں قائم ہوا تھا تاہم توقيعات و فرائیں کے لیے اس کی ابتدائی شکل قائم ہو چکی تھی، چنانچہ اس خدمت پر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور آخر میں معاویہ بن ابی شوشیج بھی مأمور ہوئے ان کے علاوہ اور دوسرے صحابہ ﷺ بھی وقت وقایہ خدمت انجام

۱ بخاری، کتاب الاحکام، رقم الباب: ۱۱۔

دیتے تھے آپ نے سلطین و ملوك کو دعوت اسلام کے جو خطوط روانہ فرمائے غیر قوموں کے ساتھ جو معاهدے کیے، مسلمان قبائل کو جواہر کام بھیجے، عمال و محصلین کو جو تحریری فرائیں عنایت کئے، فوج کا جو رجسٹر مرتب کرایا، بعض صحابہ رض کو جو حدیثیں لکھوائیں، وہ سب اسی سلسلہ میں داخل ہیں۔ زرقانی وغیرہ نے آپ کے احکام و فرائیں تحریری کا ایک مستقل باب قائم کیا ہے۔ \*

### مہمان داری

منصب نبوت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی حیثیت تقریباً فہرگی تھی اس لیے آپ کی خدمت میں جو لوگ حاضر ہوتے تھے ان کا تعلق بھی خلافتِ الہی یا نبوت ہی کے ساتھ ہوتا تھا اور آپ اسی حیثیت سے ان کی مہمان داری فرماتے تھے۔ مہماںوں کی زیادہ تر تعداد قبول اسلام کے لیے آتی تھی جن کی مہمان داری کے لیے آپ نے ابتدائے نبوت ہی سے خاص طور پر حضرت بال (رض) کو مأمور فرمادیا تھا چنانچہ جب کوئی شگر دست مسلمان آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور آپ اس کو برہمنہ تن دیکھتے تو حضرت بال رض کو حکم دیتے اور وہ قرض لے کر اس کے کھانے اور کپڑے کا انتظام کرتے جب آپ کے پاس کہیں سے کچھ مال آتا تو اس کے ذریعے سے وہ قرض ادا کیا جاتا۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص آپ کو ذاتی طور پر ہدایہ دیتا تو وہ بھی اسی صیغہ میں صرف کیا جاتا۔ \* کبھی بھی اس غرض کے لیے آپ تمام صحابہ کو صدقہ و خیرات کی ترغیب دیتے اور جو رقم وصول ہوتی وہ ان مفلوک الحال مهاجرین کی اعانت میں صرف ہوتی۔ چنانچہ ایک بار مهاجرین کی ایک برہمنہ پا برہمنہ سر جماعت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ ہر شخص کے بدن پر صرف ایک چادر اور گلے میں ایک تکوار جماں تھی۔ آپ نے ان کی پریشان حالی کو دیکھا تو چہرے کا رنگ بدل گیا، فوراً حضرت بال رض کو اداں کا حکم دیا، نماز سے فارغ ہونے کے بعد ایک خطبہ میں تمام صحابہ رض کو ان لوگوں کی اعانت کی ترغیب دی، اس کا یہ اثر ہوا کہ ایک انصاری اٹھے اور ایک توڑا جو اس قدر روزنی تھا کہ ان سے بہ مشکل اٹھ سکتا تھا، لا کر آپ کے آگے ڈال دیا۔ اس سے تمام لوگوں میں اور بھی جوش پیدا ہوا۔ تھوڑی دیر میں ان بے سرو سامان مهاجرین کے آگے غلہ اور کپڑے کا ذہیر گیا۔ \*

فتح مکہ کے بعد تمام اطراف ملک سے بکثرت ملکی و مذہبی فدو آنے لگے۔ آپ بہ نفس ان کی خاطر مدارات کرتے تھے اور ان کے لیے حسب حاجت و ظرافت اور سفر کے مصارف ادا فرماتے تھے، قبائل پر اس کا بہت اچھا اثر پڑتا تھا۔ آپ اس کا اس قدر لحاظ فرماتے تھے کہ وفات کے وقت آپ نے جو آخري وصیتیں فرمائی تھیں ان میں ایک یہ بھی تھی:

((اجیزووا الوفود بنحو ما كنت اجیزهم)) \*

\* الفصل السادس في امراته و رسليه وكتابه وكتبه الخ، ج ۳، ص: ۳۵۶۔ \* ابو داود، كتاب الخارج والamarah، باب في الإمام يقبل هدايا المشركيين: ۳۰۵۵۔ \* مسند احمد، ج ۴، ص: ۳۵۹، ۳۵۸۔

\* صحيح بخاري، كتاب الجزية والمواعدة، باب الخراج اليهود من جزيرة العرب: ۳۱۶۸۔

”جس طرح میں دفود کو عطیہ دیا کرتا تھا تم بھی اسی طرح دیا کرو۔“  
دفود کے حالات آگے آتے ہیں۔

### عیادتِ مرضی

مریضوں کی عیادت اور ان کی تجویز و تکفین میں شریک ہونا اگرچہ ایک مذہبی فرض تھا اور مذہبی حیثیت سے اس کی ابتداء بھی ہوئی چنانچہ جب آپ ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو یہ عام دستور ہو گیا کہ دم زرع، میت کے اعزہ و آپ کو اطلاع دیتے۔ آپ ﷺ ان کے پاس آ کر ان کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں لیکن بعض حیثیتوں سے اس کا تعلق خلافت کے ساتھ بھی ہو گیا تھا کیونکہ بعض صحابہ اس حالت میں اپنی جاندار کو وقف یا صدقہ کرنا چاہتے تھے اور آنحضرت ﷺ اس موقع پر ان کا صحیح طریقہ بتاتے تھے۔ جن لوگوں پر قرض آتا تھا آپ ان کے جنازہ میں شریک نہیں ہوتے تھے اس لیے ان کے ورشاد و سرے صحابہ کو مجبور ای قرض ادا کرنا پڑتا تھا۔ اور اس طرح بعض معاملات و زیارات کا فیصلہ ہو جاتا تھا، چنانچہ احادیث میں اس قسم کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔

### احساب

تمدن اسلام کے دور ترقی میں محکمہ احتساب ایک مستقل مکمل تھا جو نہایت وسیع پیمانہ پر تمام قوم کے اخلاق و عادات، بیع و شراء، اور معاملات داد و ستد کی نگرانی کرتا تھا لیکن آنحضرت ﷺ کے عهد مبارک میں یہ محکمہ قائم نہیں ہوا تھا، بلکہ خود ہی آپ اس فرض کو ادا فرماتے تھے۔ ہر شخص کے جزویات اخلاق اور فرائض مذہبی کے متعلق آپ وقتاً فوق تقدار و گیر فرماتے رہتے تھے۔ تجارتی معاملات کی بھی نگرانی فرماتے تھے۔ عرب میں تجارتی معاملات کی حالت نہایت قبل اصلاح تھی اور مدینہ میں آنے کے ساتھ ہی آپ نے ان اصلاحات کو جاری کر دیا، لیکن تمام لوگوں سے اصلاحات پر عمل کرنا صیغہ احتساب سے تعلق رکھتا تھا چنانچہ آپ نہایت سختی کے ساتھ ان معاملات کی نگرانی فرماتے تھے اور تمام لوگوں سے ان پر عمل کرتے تھے اور جو لوگ بازنہیں آتے تھے ان کو سزا میں دلاتے تھے۔ صحیح بخاری کتاب البيوع میں ہے:

لقد رأيت الناس في عهد النبي ﷺ يبتاعون جزافاً يعني الطعام يضر بون

ان يبيعوه في مكаниهم حتى يؤوده الى رحالهم۔ ②

”حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کے عہد میں دیکھا کہ جو لوگ تجینا غلہ خریدتے تھے ان کو اس بات پر سزا دی جاتی تھی کہ اپنے گھروں میں منتقل کرنے سے پہلے اس کو خود اسی جگہ بیٹھا لیں جہاں اس کو خریدا تھا۔“

مسند احمد، ج ۲، ص: ۶۶۔ ② صحیح بخاری، کتاب البيوع، باب من راي اذا اشتري طعاما جزافا: ۲۱۳۷۔

کبھی بھی تحقیق حال کے لیے آپ ﷺ خود بازار تشریف لے جاتے، ایک بار آپ بازار میں گزرے تو غلہ کا ایک ابزار نظر آیا۔ اس کے اندر ہاتھ ڈالا تو انی محسوس ہوئی۔ دو کندار سے دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بارش سے بھیگ گیا ہے۔ ارشاد ہوا کہ ”پھر اس کو اوپر کیوں نہیں کر لیا، تاکہ ہر شخص کو نظر آئے جو لوگ فریب دیتے ہیں وہ ہم میں سے نہیں ہیں۔“ \*

فرائض احتساب میں آپ کا سب سے بڑا فرض عتمان کا محاسبہ تھا۔ یعنی جب عمال زکوٰۃ اور صدقہ وصول کر کے آتے تھے تو آپ اس غرض سے ان کا جائزہ لیتے تھے کہ انہوں نے کوئی ناجائز طریقہ تو نہیں اختیار کیا ہے۔ چنانچہ ایک بار آپ نے ابن الحبیب کو صدقہ وصول کرنے کے لیے مامور فرمایا۔ وہ اپنی خدمت انجام دے کر واپس آئے اور آپ نے ان کا جائزہ لیا، تو انہوں نے کہا: یہ مال مسلمانوں کا ہے اور یہ مجھ کو ہدیۃ ملنا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”مگر بیٹھنے پڑنے تھے تم کو یہ ہدیۃ کیوں نہیں ملا۔“ اس کے بعد آپ نے ایک عام خطبہ یہا، جسکی تینی اسکی کا سخت ممانعت فرمائی۔

### اصلاح بین الناس

اسلام تمام دنیا کے تفرقتوں کو عموماً اور عرب کے اختلافات کو خصوصاً مٹانے کے لیے آیا تھا اس بنا پر آنحضرت ﷺ نے اس کو اپنا ایک ضروری فرض قرار دیا تھا اور جب آپ کو اس قسم کے منازعات کی خبر ہوتی تھی، تو آپ اصلاح کو تمام مذہبی فرائض پر مقدم رکھتے تھے، چنانچہ ایک بار قبیلہ بن عمر بن عوف کے چند اشخاص کے درمیان نزاع پیدا ہوئی، آپ کو معلوم ہوا تو چند صحابہ کے ساتھ ان میں مصالحت کرانے کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ کو اس معاملہ میں دیر ہوئی اور نماز کا وقت آگیا، حضرت بلال بن زیاد نے اذان دی، لیکن اذان کے بعد بھی آپ تشریف نہیں لائے تھوڑی دیر کے انتظار کے بعد انہوں نے حضرت ابو بکر بن عوف کو امام بنا کر نماز شروع کر دی آپ اسی حالت میں تشریف لائے اور صفوون کو چیرتے ہوئے اگلی صفحہ میں جا کھڑے ہوئے، حضرت ابو بکر بن عوف اگر کچھ نماز میں ادھرا درہ نہیں دیکھتے تھے لیکن جب لوگوں نے زور زور سے تالیاں بجانی شروع کیں تو انہوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کھڑے ہیں۔ آپ نے اگرچہ ہاتھ سے اشارہ کیا کہ کھڑے رہیں لیکن آپ کی موجودگی میں انہوں نے امامت کرنا سوئے ادب خیال کیا اس لیے پیچھے ہٹ آئے، اور آنحضرت ﷺ آگے بڑھ کر ان کی جگہ کھڑے ہو گئے۔

ایک بار اہل قبائل کے درمیان نزاع قائم ہوئی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ لوگوں نے باہم سُنگ اندازی کی۔ آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ صحابہؓ کے ساتھ مصالحت کرانے کی غرض سے تشریف لے گئے ۴

\* صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب قول النبي ﷺ من غثنا فليس متا: ۲۸۴۔ ۳ بخاری، کتاب الاحکام، باب هدای العمال: ۷۱۷۴۔

۴ بخاری، کتاب الصلح، باب قول الامام لا صاحبه: اذهبوا بانصلح: ۲۶۹۳۔

۵ بخاری، کتاب الصلح، باب قول الامام لا صاحبه: اذهبوا بانصلح: ۲۶۹۳۔

(یہ دونوں واقعات گو امام بخاری نے الگ لکھے ہیں، لیکن شراح حدیث کی تحقیق میں یہ ایک ہی واقعہ کے دو حصے ہیں) بخاری کی دوسری روایتوں میں ہے کہ آپ ﷺ اتنی دور پیدل گئے تھے۔

ابن ابی حدرد پر حضرت کعب بن مالک ؓ کا کچھ قرض تھا انہوں نے مسجد میں تقاضا کیا، حدرد قرض کا ایک حصہ معاف کرنا اچاہتے تھے لیکن وہ اس پر راضی نہ ہوتے تھے، بات زیادہ بڑھی اور شور و غل ہوا تو آپ گھر کے اندر سے نکل آئے اور کعب ؓ کو پکارا، کعب ؓ نے لیک کہا تو آپ نے فرمایا کہ ”نصف معاف کر دو“ وہ راضی ہو گئے تو آپ ﷺ نے حدرد سے کہا کہ ”جاو اور بقیہ حصہ ادا کر دو۔“ اس قسم کے سینکڑوں جزوی واقعات روزانہ پیش آیا کرتے تھے۔

مدینہ میں اور مدینہ سے باہر دیگر فرائض کی انجام دہی کے لیے اکابر صحابہ ؓ اور ارباب استعداد کو مختلف عہدوں پر فنصب فرمایا۔ ثابت وحی، نامہ و پیام، اجرائے احکام و فرائیں کے لیے سب سے پہلی ضرورت عہدة انشا اور ثابت کی تھی، اسلام سے پہلے عرب میں عام طور پر لکھنے پڑھنے کا راجح نہ تھا لیکن اسلام عرب کے لیے رحمتوں کا جو خزانہ لا یاتھا، اس میں ایک یہ شے بھی تھی۔ اسیران بدر میں نادر لوگوں کا فد یہ صرف یہ قرار دیا گیا کہ وہ مدینہ کے بچوں کو لکھنا سکھاویں۔ ﴿ حضرت زید بن ثابت ؓ نے جن کے متعلق ثابت وحی کی مقدس خدمت تھی، اسی طریقہ پر تعلیم پائی تھی۔ ابو داؤد کی ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ اصحاب صحفہ ؓ کو جو تعلیم دی جاتی تھی اس کا ایک جزو ثابت کی تعلیم بھی تھی۔ ﴾

## كتاب

عہدہ قضاگویا آنحضرت ﷺ کی ایک حیثیت سے نیابت تھی۔ اس لیے مختلف اوقات میں بڑے بڑے صحابہ اس خدمت پر مأمور کئے گئے۔ جن میں شرحبیل بن حسنة کندی ؓ سب سے پہلے اس شرف سے ممتاز ہوئے۔ یہ نہایت قدیم الاسلام تھے، مکہ میں انہی نے سب سے پہلے ثابت وحی کا فرض انجام دیا۔ قریش میں سب سے پہلے کاتب عبد اللہ بن ابی سرح ؓ تھے، مدینہ میں اس کی اولیت کا شرف حضرت ابی بن کعب ؓ کو حاصل ہوا۔ حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عثمان، حضرت زبیر، حضرت عمار بن فہیر، حضرت عمرو بن العاص، حضرت عبد اللہ بن ارقم، حضرت ثابت بن قیس بن شناس، حضرت حقلہ بن الربيع الاسدی، حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت عبد اللہ بن رواح، حضرت خالد بن ولید، حضرت خالد بن سعید بن العاص، حضرت علاء بن حضری، حضرت حذیفہ بن الیمان، حضرت معاویہ بن ابی سفیان، حضرت زید بن ثابت ؓ مختلف اوقات میں اس منصب پر مأمور ہوئے۔ اگرچہ تمام بزرگوں کو کبھی کبھی یہ خدمت ادا کرنی پڑتی تھی، چنانچہ صلح نامہ حدیبیہ حضرت علی ؓ نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا، امرا اور سلاطین کے نام خطوط حضرت عامر بن فہیر ؓ کی لکھتے تھے اور امراء عمان کے نام آپ نے جو مکتب بھیجا تھا وہ حضرت ابی بن

﴿ بخاری، کتاب الصلح، باب الصلح بالمدین والعين: ۲۷۱۰۔ ﴾ مسند امام احمد، ج ۱، ص: ۲۴۷۔

﴿ ابو داود، کتاب الاجارة، باب فی کسب المعلم: ۳۴۱۶۔ ﴾

کعبہ علیہ السلام کا لکھا تھا۔ قطن بن حارث کو جو خط بارگا و نبوت سے بھیجا گیا تھا وہ حضرت ثابت بن قیس علیہ السلام نے لکھا تھا لیکن عام طور پر یہ خدمت حضرت زید بن ثابت علیہ السلام کے متعلق تھی اور صحابہ کے گروہ میں ان کا نام اسی حیثیت سے زیادہ نمایاں ہے۔ \*

حضرت زید بن ثابت علیہ السلام نے آنحضرت علیہ السلام کے ارشاد سے ان تمام بزرگوں پر ایک خاص امتیاز حاصل کیا کہ عبرانی زبان سیکھی جس کی ضرورت یہ پیش آئی کہ مدینہ میں آنحضرت علیہ السلام کو زیادہ تر یہود سے تعلق رہتا تھا جن کی مذهبی زبان عبرانی تھی۔ اس بنا پر آپ نے حضرت زید بن ثابت علیہ السلام کو عبرانی زبان سیکھنے کا حکم دیا، اور انہیوں نے پندرہ دن میں اس میں مہارت حاصل کر لی۔

### حکام اور ولاء

فصل قضایا، اقامتِ عدل، بسطِ امن، رفعِ نزاع کے لیے متعدد ولاء حکام کی ضرورت تھی، اس غرض سے آپ علیہ السلام نے متعدد صحابہ علیہ السلام کو مختلف مقامات کا حکام و ولی مقرر فرمادیا، چنانچہ ان کے ناموں کی تفصیل حسب ذیل ہے: \*

بہزاد بن ساسان علیہ السلام	بہرام گور کے خاندان سے تھے اور سلطان تن حجم میں سب سے پہلے شرف بہ اسلام ہوئے اس کے بعد آنحضرت علیہ السلام نے ان کو مکن کا ولی مقرر فرمادیا۔
شہر بن بہزاد علیہ السلام	بہزاد بن ساسان علیہ السلام کے بعد آنحضرت علیہ السلام نے ان کو صناعاء کا ولی مقرر فرمایا۔
خالد بن سعید بن العاص علیہ السلام	شہر بن بہزاد علیہ السلام کے توان کے بعد آپ علیہ السلام نے ان کو صناعاء کا عامل مقرر فرمایا۔
مہماجر بن امیہ الحجرودی علیہ السلام	آپ نے ان کو کندہ و صدف کا ولی مقرر فرمایا تھا لیکن وہ ابھی روانہ بھی نہ ہوئے تھے کہ آپ علیہ السلام نے انتقال فرمایا۔
زیاد بن لبید الانصاری علیہ السلام	حضرموت کے ولی تھے۔
ابو موسیٰ اشعری علیہ السلام	زید، عدن، زمعہ، وغیرہ کے ولی تھے۔
معاذ بن جبل علیہ السلام	ولی جند۔
عمرو بن حزم علیہ السلام	ولی بحران۔
بیزید بن ابی سفیان علیہ السلام	ولی تیما۔
عتاب بن اسید علیہ السلام	ولی کمد۔
علی بن ابی طالب علیہ السلام	متولی اخmas یمن۔
عمرو بن العاص علیہ السلام	ولی عمان۔

\* ان بزرگوں کے نام اور تفصیلی حالات زرقانی، ج ۳، ص: ۲۷۳ میں مذکور ہیں۔

\* دیکھو زرقانی، ج ۳، ص: ۴۳۳ و ما بعد۔

ان ولاة یعنی گورزوں کا تقریب ملک کی وسعت اور ضروریات کے لحاظ سے ہوتا تھا، آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں عرب کے جو حصے اسلام کے زیر اثر آئے ان میں یہن سب سے زیادہ وسیع اور متعدن تھا اور مدت تک ایک باقاعدہ سلطنت کے زیر سایہ رہ چکا تھا اس بنا پر آنحضرت ﷺ نے اس کو پانچ حصوں میں منقسم فرمایا اور ہر ایک کے لئے عیحدہ عیحدہ گورزوں مقرر فرمائے۔ خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کو صنعاہ پر، مہاجر بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ کو کندہ پر، زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ کو حضرموت پر معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جندر، پر ابو موسی اشتری رضی اللہ عنہ کو زبید، زمود، عدن اور سواحل پر۔

عموماً جب کسی مہاجر جو کوئی بھی عامل مقرر فرماتے تھے تو اسی کے ساتھ ایک انصاری کا تقریبی فرماتے تھے۔ ﴿ملکی انتظام، فصل مقدمات اور تحصیلی خراج وغیرہ کے علاوہ ان عمال کا سب سے مقدم فرض اشاعت اسلام اور سنن و فرائض کی تعلیم تھی اس لحاظ سے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، یہ لوگ حاکم ملک اور ولی صوبہ ہونے کے ساتھ مبلغ دین اور معلم اخلاق کی حیثیت بھی رکھتے تھے۔ استیعاب، تذکرہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ میں ہے۔﴾

وبعده رسول اللہ ﷺ قاضیاً الى الجند من الیمن يعلم الناس القرآن و شرائع

الاسلام ويقضی بینهم وجعل اليه قبض الصدقات من العمال الذين بالیمن۔

آنحضرت ﷺ نے ان کوئی کے ایک حصہ یعنی جند کا قاضی بنا کر روانہ فرمایا کہ لوگوں کو قرآن اور شرائع اسلام کی تعلیم دیں اور جو عمال یہن میں تھے ان کے صدقات کے جمع کرنے کی خدمت بھی ان کے متعلق تھی۔

چنانچہ جب یہ لوگ روانہ ہوتے تھے تو آنحضرت ﷺ ان فرائض کی تعین فرمادیتے تھے۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا تو یہ وصیت کی:

((انك تأتى قوماً من أهل كتاب فادعهم إلی شهادة ان لا إله الا الله وانى رسول الله فان هم اطاعوا الذلك فاعلمهم ان الله افترض عليهم خمس صلوٰت في اليوم والليلة فان هم اطاعوا الذلك فاعلمهم ان الله افترض عليهم صدقة اموالهم تؤخذ من اغنياءهم وترد الى فقراءهم فان هم اطاعوا الذلك فلياها وكرائم اموالهم واتق دعوة المظلوم فانها ليس بينها وبين الله حجاب ))۔  
”تم اہل کتاب کے پاس جاتے ہو پہلے ان کو کلمہ توحید کی دعوت دو، اگر وہ اس کو قبول کر لیں تو ان کو بتاؤ کہ خدا نے رات اور دن میں ان پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں، اگر وہ اس کو بھی مان

استیعاب تذکرہ معاذ بن جبل، جزء اول، ص: ۲۴۶ دائرۃ المعارف حیدرآباد: ۱۳۱۸ھ۔

مسند ابن حنبل، ج ۵، ص: ۱۸۶۔ استیعاب ابن عبدالبر، جزء اول، ص: ۲۴۶۔

ترمذی، کتاب الزکۃ، باب ماجاء، فی کراہیۃ اخذ خیار المال فی الصدقة: ۶۲۵۔

لیں تو ان کو بتاؤ کہ خدا نے ان پر صدقہ فرض کیا ہے جو ان کے امراء سے لے کر ان کے غربا پر تقسیم کر دیا جائے گا اگر وہ اس کو بھی تعلیم کر لیں تو ان کے بہترین مال سے احتراز کرنا اور مظلوم کی بدعا سے بچنا کیوں کہ اس میں اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔

ان فرائض کے ادا کرنے کے لیے سب سے زیادہ ضرورت تحریر علمی، وسعت نظر اور اجتہاد کی تھی، اس بنا پر آپ ان لوگوں کے تحریر علمی اور طرز عمل کا امتحان لیتے تھے، چنانچہ جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا تو پہلے ان کی اجتہادی قابلیت کے متعلق اطمینان فرمایا۔ ترمذی میں ہے:

قال رسول اللہ ﷺ لمعاذ بن جبل حين وجهه الى اليمن ((بم تقضى)) قال بما في كتاب الله قال: ((فإن لم تجد في كتاب الله)) قال بما في سنة رسول الله قال: ((فإن لم تجد في سنة رسول الله)) قال اجتهد برأي فقال رسول الله ﷺ: ((الحمد لله الذي وفق رسول الله لما يحب رسول الله)).

”رسول اللہ ﷺ نے جب معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یہیں کی طرف بھیجا تو فرمایا: ”کس چیز سے مقدمات کا فیصلہ کرو گے۔“ انہوں نے کہا: قرآن مجید سے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر اس میں وہ فیصلہ کونہ ملے۔“ انہوں نے کہا: احادیث سے پھر آپ نے فرمایا: ”اگر احادیث میں بھی اس کے متعلق ہدایت نہ ملے؟“ تو انہوں نے کہا: میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس خدا کا شکر ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے رسول کو اس چیز کی توفیق دی جس کو خود اس کا رسول محبوب رکھتا ہے۔“

لیکن اہل عرب کے دلوں کے سخرا کرنے کے لیے ان تمام چیزوں سے زیادہ رفق و ملاطفت زیٰ اور خوش خونی کی ضرورت تھی جن کی آمیزش سیاست اور حکومت کے اقدار کے ساتھ تقریباً ناممکن ہو جاتی ہے اس لیے آنحضرت ﷺ گورزوں کو بار بار اس کی طرف متوجہ فرماتے رہتے تھے چنانچہ جب معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو ایک صحابی کے ساتھ یہیں کی گورنری پر روانہ فرمایا تو پہلے دونوں کو عام طور سے وصیت فرمائی:

((يسرا ولا تعسرا وبشرأ ولا تنفرا وتطاوعا ولا تختلفا)).

”آسمانی پیدا کرنا، دشواری نہ پیدا کرنا لوگوں کو بشارت دینا اور ان کو داشت زدہ نہ کرنا باہم اتفاق رکھنا اور اختلاف نہ کرنا۔“

اس پر بھی تسلیم نہ ہوئی تو معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جب رکاب میں یاؤں ڈال چکے تو ان سے خاص طور پر یہ الفاظ فرمائے:

((احسن خلقك للناس)).

۱) ترمذی، ابواب الاحکام، باب ما جاء فی القاضی کیف یقضی: ۱۲۲۷؛ ابو داود، کتاب القضاۓ، باب اجتہاد الرأی فی القضاۓ: ۳۵۹۲؛ مسند احمد، ج ۵، ص ۲۳۰، ۲۳۶، ۲۴۲۔ ۲) مسلم، کتاب الجہاد، باب فی الامر بالتیر: ۴۵۲۶۔ ۳) ابن سعدۃ ذکرہ معاذ بن جبل، جزء ثالث، ترمذی، ج ۱: ۱۲۱۔

”لوگوں کے ساتھ خوش خلقی کے ساتھ برتاو کرنا۔“

اگر یہ اصول صحیح ہے کہ کوئی حکومت کتنی ہی رحم دل کیوں نہ ہو لیکن ابتداء میں جب وہ کسی ملک کو اپنے قبضہ اقتدار میں لاتی ہے تو سرکش لوگوں کے مطیع کرنے کے لیے اس کو مجبور اختنیاں کرنی پڑتی ہیں، تو عرب سب سے زیادہ اس کا ممکن تھا، لیکن آنحضرت ﷺ کی اسی مقدس تعلیم کا یہ تینجہ تھا کہ ریگستان عرب کا ایک ذرہ بھی ولاۃ کے مظالم کے سگ گراں سے نہ بایہاں تک کہ اخیر زمانہ میں جب صحابہ رضی اللہ عنہم عمال حکومت کے مظالم کو دیکھتے تھے تو ان کو سخت انتقام ہوتا تھا اور وہ آنحضرت ﷺ کی تلقینیات کے ذریعہ سے ان کو روکتے تھے چنانچہ ایک بار ہشام بن حکیم بن حزام نے دیکھا کہ شام کے کچھ بھٹی دھوپ میں کھڑے کئے گئے ہیں انہوں نے لوگوں سے اس کی وجہ پوچھی: لوگوں نے کہا کہ جزیہ وصول کرنے کے لیے ان لوگوں کے ساتھ یہ تینی کی جا رہی ہے۔ انہوں نے یہ سن کر کہا:

اشهد لسمعت رسول الله ﷺ يقول: ((ان الله يعذب الذين يغذبون الناس في الدنيا)).

”میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے سنائے کہ خدا ان لوگوں کو عذاب دے گا جو لوگوں کو دنیا میں عذاب دیتے ہیں۔“

### محصلین زکوٰۃ وجزیہ

عرب کا خلوص اور جو شایمان اگرچہ خود ان کو صدقہ و زکوٰۃ کے ادا کرنے پر آمادہ کر دیتا تھا چنانچہ اسلام لانے کے ساتھ ہی ہر قبیلہ اپنی قوم کا صدقہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں خود پیش کرتا اور آپ ﷺ کی دعا سے برکت اندوز ہوتا تھا، لیکن ایک وسیع ملک اور ایک وسیع حکومت کے لیے یہ طریقہ کافی نہ تھا اس لیے ولاۃ کے علاوہ یکم محرم ۹ھ کو آنحضرت ﷺ نے صدقہ و زکوٰۃ کے وصول کرنے کے لیے ہر قبیلہ کے لیے الگ الگ محصلین مقرر فرمائے جو قبائل کا دورہ کر کے لوگوں سے زکوٰۃ اور خراج وصول کر کے آپ کی خدمت مبارک میں پیش کرتے تھے۔ عموماً خود رؤسائے قبائل اپنے اپنے قبیلوں کے محصل ہوتے تھے اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عموماً ان کا تقریرو قتی ہوتا تھا۔

بہر حال آپ نے اس فرض کی انجام دہی کے لیے حسب ذیل اشخاص کو مختلف قبائل اور شہروں میں معین فرمایا:

١ صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والأداب، باب التوعید الشديد لمن عذب الناس بغير حق: ٦٦٥٨۔

٢ اس فہرست کے اکثر نام ابن سعد، جزء ثانی، قسم اول، ذکر مغازی، ص: ۱۱۵ میں مذکور ہیں۔ عمر فاروق تحریری اور ابو الحیید، جراح کا ذکر بخاری، کتاب الرکاۃ: (۱۴۷۳)، کتاب الجزیة: ۳۱۵۸ نوٹ: ابن الہبی کا ذکر بھی کتاب الاحکام: ۷۱۷۴ میں ہے۔ تاہم حمیم کا ذکر بخاری کے بجائے مسلم، کتاب الرکاۃ: ۲۴۸۲ میں ہے۔ اور بعض کابو داؤد، کتاب الخراج، میں ہے بقیہ کے لیے زاد المعاد ذکر مصدقین و امرائے نبوی ﷺ (ج اہم: ۳۶۲۲ مطبوع مصر) اور فتوح البلدان بلا ذری و دیکھو۔

نام	مقام تقریر	نام	مقام تقریر
عبدی بن حاتم رضی اللہ عنہ	طے و بی اسد	ابو جنم بن حذیفہ رضی اللہ عنہ	بنویث
صفوان بن صفوان رضی اللہ عنہ	بن عرو	ایک بنی کیہی رضی اللہ عنہ	بنو نہدیم
ماک بن نوریہ رضی اللہ عنہ	بنو حلہ	عمر فاروق رضی اللہ عنہ	شہر مدینہ
بریدہ بن حصیب الاسلامی رضی اللہ عنہ	غفار والسلم	ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ	شہر حجران
عبداللہ بن رواحد رضی اللہ عنہ	سلیم و مزینہ	عبداللہ بن شریش الامہلی رضی اللہ عنہ	شہر غیر
رافع بن مکیث جہنمی رضی اللہ عنہ	جبینہ	زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ	حضرموت
زبرقان بن بدر رضی اللہ عنہ	بنو سعد	ابی موسیٰ الشعراً رضی اللہ عنہ	صوبہ سک
قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ	//	خالد رضی اللہ عنہ	صوبہ سک
عمرو بن عاصم رضی اللہ عنہ	بنو فرارہ	ابان بن سعید رضی اللہ عنہ	مجریں
ضحاک بن سفیان کلبی رضی اللہ عنہ	بنو کلاب	محمیہ بن جزء از بیدی رضی اللہ عنہ	تحصیل مس
بر بن سفیان کلبی رضی اللہ عنہ	بنو کعب	عمرو بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ	تاء
عبدالله بن المتبیہ رضی اللہ عنہ	بنو ذیان	عینہ بن حسن فزاری رضی اللہ عنہ	بو قیم

ان مصلین کے تقریر میں آپ ﷺ حسب ذیل امور کی پابندی فرماتے تھے:

۱) ان کو ایک فرمان عطا ہوتا تھا جس میں بہ تصریح بتایا جاتا تھا کہ کس قسم کے مال کی کتنی تعداد میں زکوہ کی کیا مقدار ہے؟ چنانچہ کمال یعنی کی یا حق سے زیادہ یعنی کی اجازت نہ تھی۔ عام حکم تھا کہ ((ایا ک و کرائے اموالہم)) یعنی مہماں شدت کے ساتھ اس فرمان پر عمل کرتے تھے اور اس سے سرموجاوہ جائز نہیں رکھتے تھے۔ بعض لوگوں نے بخوبی حق سے زیادہ دینا چاہا لیکن انہوں نے قول نہیں کیا۔ سوید بن غفلہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہمارے پاس آنحضرت ﷺ کا محصل آیا، میں جا کر اس کے پاس بیٹھا تو اس نے پہلے جانوروں کے ان اقسام کو بیان کیا جن کے لیے کی فرمان میں اجازت نہ تھی، چنانچہ اسی وقت ایک شخص ایک شخص ایک نہایت عمدہ کوہاں دار اور نہیں لے کر حاضر ہوا اور اس کی خدمت میں پیش کی، لیکن اس نے انکار کر دیا۔ اسی طرح جب ایک شخص نے ایک محصل کو بچے والی بکری دی تو اس نے کہا کہ مجھ کو اس کے لیے کی مانعت کی گئی ہے۔\*

۲) عرب کے مال و دولت کی کل کائنات بکریوں کے ریوڑ اور اونٹوں کے گلے تک محدود تھی، جو جنگلوں میں، بیانوں میں، پہاڑوں کے دامنوں میں چرتے رہتے تھے لیکن بجائے اس کے کو دنیوی حکومتوں کی طرح

۱) اصحابہ باب صفوان۔ ۲) صحیح مسلم، کتاب الزکوہ، باب ترك استعمال آل النبی ﷺ علی الصدقۃ ۲۴۸۲۔ یہ غزوہ نبی مصطفیٰ میں بالتفصیل پر مأمور یکے گئے تھے۔ (طبقات ابن سعد، جزء رابع، قسم اول، ص: ۱۴۶۔

۳) نسائی، کتاب الزکوہ، باب الجمع بین المفترق: ۲۴۵۹۔

۴) نسائی، کتاب الزکوہ باب اعطاء السيد المال: ۲۴۶۴۔

جاپانہ احکام کے ساتھ لوگ خود زکوٰۃ کے جانور لا کر مصلیٰن کے سامنے پیش کرتے، محسلوں کو خود ان دروں میں جا کر کر زکوٰۃ وصول کرنا پڑتی تھی۔ ایک صحابی کا بیان ہے کہ میں پہاڑ کے ایک درہ میں بکریاں چار ارباخا کرد وہ شخص اونٹ پر سوار ہو کر آئے اور کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے قاصد ہیں، یہاں تمہاری بکریوں کا صدقہ وصول کرنے آئے ہیں۔ میں نے ایک بچہ والی شیردار بکری پیش کی لیکن انہوں نے کہا کہ ہم کو اس کے لینے کا حکم نہیں۔ میں نے ایک دوسرا بچہ دیا تو انہوں نے اس کو اپنے اونٹ پر لاد لیا اور چلتے ہوئے۔ ❸

❹ اگرچہ صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے تقدس اور پاک باطنی کی بنابر ہر قسم کے ناجائز مال کے لینے سے خود احتراز کرتے تھے، چنانچہ جب آنحضرت ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن رواحہ ؓ کو خبر کے یہودیوں کے پاس بھیجا کہ وہاں کی زراعت کی نصف یید اور حسب معاهده تقسیم کرا کے لائیں تو انہوں نے ان کو رشوت دینی چاہی تو انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ”اے خدا کے دشمنو! کیا مجھے حرام مال کھلانا چاہتے ہو؟“ ❻ لیکن بالایں ہمہ زہد و تقدس جب محصل اپنے دورہ سے واپس آتے تھے تو رسول اللہ ﷺ خود ان کا محاسبہ فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک بار آپ نے ابن اللہ بن عباس کو صدقہ وصول کرنے کے لیے روانہ فرمایا، جب وہ واپس آئے اور آپ نے ان کا محاسبہ کیا تو انہوں نے کہا یہ آپ کامال ہے اور یہ مجھے بدیش ہے۔ یعنی کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم کو گھر بیٹھے بیٹھے ہدیہ کیوں نہیں ملا؟“ اس پر بھی تسلیم نہ ہوئی تو ایک عام خطبہ دیا اور تمام لوگوں کو اس قسم کے مال لینے سے بخوبی کے ساتھ ممانعت فرمائی۔ ❼

❽ چونکہ آنحضرت ﷺ نے اپنے خاندان پر صدقہ و زکوٰۃ کا مال حرام کر دیا تھا اس لیے خاندان بوت کا کوئی شخص صدقہ کا محصل مقرر نہیں ہوا۔ ایک بار عبدالمطلب بن زمعہ بن حارث اور فضل بن عباس نے کہ عمزاد بھائی اور بنت بھائی تھے، آپ کی خدمت میں درخواست کی کہ اب ہماراں نکاح کے قابل ہو گیا ہے تمام لوگوں کی طرح ہم کو بھی صدقہ کا عامل مقرر فرماویجھے، تاکہ اس کے معاوضہ سے کچھ مال جمع کر کے نکاح کے لیے سرمایہ مہیا کریں، لیکن آپ ﷺ نے فرمایا: ”صدقہ آلی محمد کے لیے جائز نہیں ہے، وہ لوگوں کا میل ہے۔“ ❾

❾ عمال کا انتخاب خود رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے اور جو لوگ اپنے آپ کو اس خدمت کے لیے خود پیش کرتے تھے۔ ان کی درخواست نامنظور ہوتی تھی چنانچہ ابو موسیٰ اشعری ؓ کے ساتھ دو شخص آئے اور عامل بنخن کی درخواست کی۔ آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ ”تم کیا کہتے ہو؟“ انہوں نے کہا کہ مجھ کو یہ خبر نہ تھی کہ یہ لوگ اس غرض سے آئے ہیں، آپ ﷺ نے ان دونوں کی درخواست نامنظور کی اور فرمایا: ”جو لوگ خود خواہش کرتے ہیں ہم ان کو عامل مقرر نہیں کرتے۔“ لیکن اسی وقت حضرت ابو موسیٰ کو بلاد درخواست یعنی کا عامل مقرر کر کے روانہ فرمایا۔ ❿

❶ نسانی، کتاب الزکوٰۃ، باب اعطاء السيد المال، ص: ۳۱۔ ❷ فتوح البلدان، ص: ۲۴۶۴۔

❸ صحيح مسلم، کتاب الامارة، باب تحریم هدايا العمال: ۴۷۳۸۔ ❹ صحاح کتاب الصدقات دیکھئے

صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب ترك استعمال آل النبي ﷺ علی الصدقۃ: ۲۴۸۲، ۲۴۸۱۔

❻ صحيح مسلم، کتاب الامارة، باب النهى عن طلب الامارة: ۴۷۱۸، ۴۷۱۷۔

عمال کو صرف بقدر ضرورت معاوضہ ملتا تھا۔ آپ نے عام منادی فرمادی تھی کہ جو شخص ہماری مقررہ شرح سے زیادہ لے گا وہ خیانت مالی ہے، مقدار ضرورت کی تصریح خود آپ ﷺ نے فرمادی تھی: ﴿من کان لنا عاملًا فليكتسب زوجة فان لم يكن له خادم فليكتسب خادمًا فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَسْكُنٌ فَلِيكتَسِبْ مَسْكَنًا مِنْ اتَّخِذَ غَيْرَ ذَلِكَ فَهُوَ غَالٌ﴾۔  
”جو شخص ہمارا عامل ہواں کو ایک بیوی کا خرچ لینا چاہیے۔ اگر اس کے پاس نوکرنہ ہو تو نوکر کا، اگر مکان نہ ہو تو گھر کا، لیکن اگر کوئی اس سے زیادہ لے گا تو وہ خائن ہو گا۔“

آپ ﷺ کے زمانہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بھی اس قسم کا معاوضہ ملتا تھا، چنانچہ ان کے عہد خلافت میں جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے زہد و تقدس کی بنی پرماء معاوضہ لینے سے انکار کیا تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کے اسی طرز عمل سے استدلال کیا۔

### قضاۃ

ان مناصب کے علاوہ بعض اور عہدے بھی سادہ طور سے قائم ہو گئے تھے مثلاً فصل مقدمات کا کام اگرچہ زیادہ تر آپ خود انجام دیتے تھے لیکن کبھی بھی آپ ﷺ کے حکم سے حسب ذیل صحابہ نے بھی اس فرض کو انجام دیا ہے، حضرت ابو مکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، عبد الرحمن بن عوف، ابی بن کعب، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم۔

### پولیس

اگرچہ خلفائے راشدین کے زمانہ میں بھی باضابطہ طور پر پولیس کا محکمہ قائم نہیں ہوا اور اس کی ابتداء نہ امیری کی سلطنت میں ہوئی ﴿تَاهُمْ آنَحَضُرَتُ ﷺ كَعَهْدِ مَبْارَكٍ مِنْ بَعْدِ إِنْتَأْمَنُوا مَنْوَعًا قَاتِمًا هُوَ كَلَا تَحَا

چنانچہ آپ کے عہد مبارک میں قیس بن سعد رضی اللہ عنہ اس خدمت کو انجام دیتے تھے اور اس غرض سے ہمیشہ آپ کے ساتھ رہتے تھے۔﴾

### جلاد

مجرموں کی گروں مارنے کی خدمت حضرت زیر، حضرت علی، مقداد بن الاسود، محمد بن مسلمہ، عاصم بن ثابت، بخاری بن سفیان کلابی رضی اللہ عنہم کے پردوختی۔

### غیر قوموں سے معابدے

عرب میں اب کفر اور شرک کا بالکل وجود نہ تھا، کہیں کہیں صرف جہوس، نصاریٰ اور یہود کی آبادیاں

ابو داود، کتاب الخراج والمعی، والاماۃ، باب ارزاق العمال: ۲۹۴۳، ۲۹۴۵ میں دونوں حدیثیں شامل ہیں۔

فتح الباری، ج ۱۳، ص: ۶۱۰۔

بخاری، کتاب الاحکام، باب الحاکم بحکم بالقتل: ۷۱۰۵۔

زاد المسعد ابن قیم، ج ۱، ص: ۳۲ مطبوعہ مصر۔

تھیں، ان میں سے معتدباً فراد نے گونو رایمان سے قلوب کو روشن کر لیا تھا لیکن جمیع حیثیت سے وہ اب تک تاریکی میں تھے۔ تاہم خلافتِ الہی کی بھی گیروت سے وہ سرتاہی نہ کر سکے۔ ججاز کے یہودیوں کے سوا عرب کی تمام قوموں نے بخوبی اسلام کی اطاعت قبول کی۔ اس لیے اسلام نے بھی ان کی جان و مال، عزت و آبرو اور مذہب کی حفاظت کی تمام ذمہ داری اپنے سر لے لی اور اس کے مقابلہ میں جزیہ کی ایک خفیہ رقم (یعنی ہر مستطیع، عاقل، بالغ مرد پر ایک دینارِ سالانہ) ان پر مقرر کی، اس رقم کا نقدرو پیہ کی صورت میں اواہونا ضروری نہ تھا بلکہ عموماً جہاں جس چیز کی پیداوار ہوتی تھی یا جو چیز تھی وہی چیز جزیہ قرار پائی۔ **غیر قوموں میں سب سے پہلے آنحضرت ﷺ نے کے ہی میں خبر، فدک، وادی القرمی اور تمامے کے یہودیوں سے مصالحت فرمائی۔** اس وقت تک آیت جزیہ کا نزول نہیں ہوا تھا، اس بنابریا ہمی رضامندی سے جو شرائط قرار پائے تھے۔ وہ آیت جزیہ کے نزول کے بعد بھی قائم رہے **۱۲** اصل شرط یہ تھی کہ وہ رعایا کی حیثیت سے کام کریں گے اور پیداوار کا نصف حصہ خود لیں گے اور نصف مالکوں کو ادا کریں گے۔

**۹** مجری میں جزیہ کی آیت نازل ہوئی۔ اس کے بعد تمام معاملے اسی کی رو سے قرار پائے۔ نجران کے عیسائیوں نے مدینہ میں آ کر مصالحت کی جس کو آپ نے منظور فرمایا۔ شرائط میں تھے کہ ”وہ مسلمانوں کو سالانہ دو ہزار کپڑے دیں گے اور ان کو دو قحط میں یعنی آدھا ماہ صفر اور آدھا ماہ رب جنین میں ادا کریں گے، اگر یعنی میں کسی بغاوت یا شورش ہوگی تو وہ عاریت میں زر ہیں، میں گھوڑے، میں اونٹ اور میں تمیں عدد ہر قسم کے تھیار دیں گے، اور مسلمان ان کی واپسی کے خامن ہوں گے، اس کے معاوضہ میں جب تک وہ سودی لیں دین یا بغاوت نہ کریں گے نہ ان کے گرجے ڈھانے جائیں گے نہ ان کے پادری نکالے جائیں گے، نہ ان کو ان کے مذہب سے برگشتہ کیا جائے گا۔“ **۱۳**

حدود شام میں بہت سے عیسائی اور یہودی گاؤں میں آباد تھے۔ رجب ۹ھ میں غزوہ تبوک کے موقع پر دو مہة الجندل، ایلیہ، متفنا، جرباء، اذرح، تبالہ اور جرش کے جو عیسائی اور یہودی زمیندار اسلام نہیں لائے بلکہ جزیہ دینا قبول کیا ان میں سے ہر بالغ مرد پر ایک دینارِ سالانہ مقرر ہوا اور مسلمان جب اور ہر بے گزریں تو ان کی نیافت بھی ان پر لازمی قرار دی گئی **۱۴** ایک آسانی یہ بھی دی گئی کہ اگر نقد نہ ادا کر سکیں تو اسی کے برابر معافری آپرے دیا کریں **۱۵** بحرین کے جو عیسیوں سے بھی جزیہ کی اسی شرح مقدار پر مصالحت کی گئی۔

**۱۳** زاد المعاد ابن قیم، ج ۱، فصل جزیہ، ص: ۳۲۷۔ **۱۴** زاد المعاد ابن قیم، ج ۱، ص: ۳۲۸۔

**۱۵** بخاری، کتاب المغازی، باب معاملۃ النبی ﷺ اهل خیر: ۴۲۴۸ و مسلم، کتاب المسافۃ والمسارعۃ، باب المسافۃ والمعاملۃ: ۳۹۶۲ و ابو داود، کتاب الخراج، باب ما جاء فی حکم ارض خیر: ۳۰۰۸، وفتح البلدان بلاذری ذکر فدک و وادی القرمی و تیماء، ص: ۳۶۔ **۱۶** ابو داود، کتاب الخراج، باب فی الحدالجزیرۃ: ۳۰۴۱۔ **۱۷** فتوح البلدان، بلاذری، ذکر تبوک و ایلۃ الخ، ص: ۶۶۔

**۱۸** ابو داود، کتاب الخراج، باب فی الحدالجزیرۃ: ۲۰۲۸ و تاریخ بلاذری ذکر بحرین، ص: ۸۶۔

**۱۹** ابو داود، کتاب الخراج، باب فی الحدالجزیرۃ من المجموع: ۳۰۴۴۔

## اصناف محاصل و مخارج

مختلف اغراض و مصالح کی بنا پر اسلام میں آمدنی کے صرف پانچ ذرائع تھے۔ غیمت، فے، زکوٰۃ، جزیہ، خراج، اول و دوم کے سوابقیہ ذرائع آمدنی سالانہ تھے۔ غیمت کا مال صرف فتوحات کے موقع پر آتا تھا، عرب میں قاعدہ تھا کہ رئیس فوج غیمت کا چوتھا حصہ خود لیتا تھا، جس کو اصطلاح میں مریعہ کہتے تھے، اور بقیہ جو جس کے ہاتھ لگ جاتا تھا لیتا تھا، تقسیم کا کوئی نظام نہ تھا۔ غزوہ بدر کے بعد خدا نے غیمت کو خود اپنی ملک قرار دیا، جس میں خس یعنی پانچواں حصہ خدا اور رسول کے نام سے حکومتِ الہی کے مصالح و اغراض کے لیے مخصوص فرمایا:

**﴿يَسْلُوكُكُمْ عَنِ الْأَنْفَالِ طَقْلٌ الْأَنْفَالُ يَلُو وَالرَّسُولُ﴾** (۸/ الانفال: ۱)

”اے پیغمبر! لوگ تجھ سے مال غیمت کی نسبت پوچھتے ہیں کہہ دے کہ وہ خدا اور رسول کی ملک ہے۔“

خدا اور رسول کی ملکیت سے مقصود یہ ہے کہ وہ سپاہیوں کی شخصی ملکیت نہیں ہے بلکہ مصالح کی بنا پر صاحبِ خلافت جس طرح مناسب سمجھے اس کو صرف کر سکتا ہے۔ اسی طرح خمس کی نسبت ارشاد ہوا ہے:

**﴿وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَةً وَلِإِلَهٖ رَسُولُ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْمُسَكِّينِ وَابْنِ السَّكِينِ﴾** (۸/ الانفال: ۴۱)

”مسلمانو! جان لو کہ تم کو جو مال غیمت ہاتھ آئے اس کا پانچواں حصہ خدا، رسول، اہل قرابت اور تیمور اور مسکینوں کا ہے۔“

ایک دو استثنائی واقعہ کے سوابق میں آنحضرت ﷺ نے مال غیمت مخصوص مہاجرین کو یا مکہ کے نو مسلموں کو عنایت فرمایا، یہی شاہ آپ کا یہ طرز عمل رہا کہ خمس کے بعد ایک ایک جہہ سپاہیوں پر برابر بر تقسیم فرمادیتے تھے، سواروں کو تین حصے اور پیادہ کو ایک حصہ بعض روایتوں میں ہے کہ سواروں کو صرف دو حصے ملے تھے۔ خمس کا بھی عموماً بہت کم حصہ ذاتی مصرف میں آتا تھا، آیت بالا میں جن ارباب احتجاق کا ذکر ہے زیادہ تر انہی پر صرف کرو دیا جاتا تھا۔  
زکوٰۃ

صرف مسلمانوں پر فرض تھی اور وہ چار مذہوں سے وصول ہوتی تھی۔ نقد روپیہ، پھل اور پیداوار، مویشی، (بھر گھوڑا) اسباب تجارت ۲ دوسرا ہم چاندی، میں مشتمل سونے اور پانچ اونٹ سے کم پر زکوٰۃ نہ تھی۔ پیداوار سے جو زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی اس کے لیے ضروری تھا کہ اس کی مقدار ۵ وقت (۳۰۰ صاع) بہ

۱ ابو داود، کتاب الخراج، باب ماجاء فی حکم ارض خیر: ۱۵۰ بروایت ابو یعقوب بن مجتبی۔

۲ ابو داود، کتاب الزکوٰۃ، باب العروض اذا كانت للتجارة: ۱۵۶۔

تحقیق امام ترمذی) \* یا پانچ وقت سے زیادہ ہو۔ سونا اور چاندی کا چالیسوال حصہ وصول کیا جاتا تھا، موسیوں کا زکر رکوٰۃ بھی مختلف جنس کی مختلف تعداد پر مقرر تھا جو حدیث اور فقہ کی تمام کتابوں میں مفصل نہ کرو ہے۔ اراضی کی دو تسمیں کی گئیں ایک وہ جس کی سیرابی صرف بارش یا بہت پانی سے ہوتی ہے \* اس قسم کی اراضی کی پیداوار میں دسوال حصہ (عشر) وصول ہوتا تھا، اور جس کو آب پاشی کے ذریعہ سے سیراب کیا جاتا تھا، اس میں نصف عشر یعنی بیسوال حصہ لیا جاتا تھا۔ \* سبزی پر کوئی رکوٰۃ نہ تھی۔ \*

رکوٰۃ کے آٹھ مصرف تھے جن کی تفصیل خود قرآن مجید نے کر دی تھی، فقراء، مساکین، نوسلم، غلام، جن کو خرید کر آزاد کرنا ہے، مقرض، مسافر، محصلین رکوٰۃ کی تخلوٰا، دیگر کار تجیر عموماً جہاں سے رکوٰۃ کی رقم وصول کی جاتی تھی، وہیں کے تحقیقین پر صرف کی جاتی تھی۔ صحابہ حکم کے اس قدر عادی ہو گئے تھے کہ ایک صحابی کو زیاد نے عامل بنا کر ایک مقام میں بھیجا۔ جب وہ واپس آئے تو زیاد نے ان سے رقم کا مطالبه کیا، انہوں نے جواب میں کہا کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ سے جس طرح ہم کرتے آئے تھے وہی ہم نے کیا۔ \* معاذ بن جبل ؓ جب عامل بنا کر میں بھیج گئے تو رکوٰۃ کے متعلق آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((و صدقۃ تو خذ من اغیانیہم و ترد علی فقرائهم))۔ \*

جزیہ غیر مسلم رعایا سے ان کی حفاظت اور ذمہ داری کے معاوضہ میں لیا جاتا تھا اس کی مقدار متعین نہ تھی۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے زمانے میں ہرستطیع بالغ مرد سے ایک دینار وصول کرنے کا حکم دیا تھا، بچے اور عورتیں اس میں داخل نہ تھیں۔ ایلہ کے جزیہ کی مقدار ۳۰۰ دینار تھی۔ عہد نبوی میں جزیہ کی سب سے بڑی مقدار بھریں سے وصول کی جاتی تھی۔

خارج غیر مسلم کا شت کاروں سے حق مالکان کے معاوضہ میں زین کی پیداوار کا جو مخصوص حصہ باہمی مصالحت سے طے ہو گیا ہواں کا نام خراج ہے۔ خیر، فدک، وادی القری، یماء وغیرہ سے خراج ہی وصول ہوتا تھا، پھر پیداوار کے تیار ہونے کا جب وقت آتا تھا، آنحضرت ﷺ کسی صحابی کو بھیج دیتے تھے، وہ باغوں اور کھیتوں کو دیکھ کر تخمینہ لگاتے تھے۔ رفع الشتبہ کے لئے تخمینہ میں سے مثلث کم کر دیا جاتا تھا۔ \* بقیہ پر حب شرائط خراج وصول کیا جاتا۔ خیر وغیرہ میں آدھی پیداوار پر صلح ہوئی تھی۔ جزیہ اور خراج کی رقم پاہیوں کی تخلوٰا اور جنگی مصارف میں صرف ہوتی تھی۔ تمام صحابہ ؓ ضرورت کے وقت والثیر سپاہی تھے، جو کچھ وصول ہو کر آتا، آنحضرت ﷺ سب کو اسی وقت تقسیم فرمادیتے، اول آپ ان لوگوں کو عطا فرماتے تھے جو پہلے غلام

- ۱ ترمذی، ابواب الرکوة، باب ما جاء في صدقة الزرع والثمر والحبوب: ۶۲۷۔ \* صحيح بخاری، كتاب الزکوة، باب العشر فيما يسكنى من ماء: ۱۴۸۳۔ \* ترمذی، ابواب الزکوة، باب ما جاء في الصدقة فيما يسكنى بالأنهار: ۶۲۹۔ \* ایضاً، باب ما جاء في زکوة الخضروات: ۶۳۸۔
- ۲ ابو داود، كتاب الزکوة، باب في الزکاة هل تحمل من بلد الى بلد: ۱۶۲۵۔ \* بخاری، كتاب الزکوة، باب وجوب الزکوة: ۱۳۹۵۔ \* أبو داود، كتاب الزکوة، باب في الزکوة، باب في الخرض: ۱۶۰۵۔

رہ چکے تھے۔ ایک رجسٹر پر لوگوں کے نام لکھتے ہوتے تھے، اسی ترتیب سے نام پکارے جاتے تھے جو لوگ صاحب اہل و عیال ہوتے تھے ان کو دو حصے اور مجرد لوگوں کو ایک حصہ ملتا تھا۔ \*

جا گیریں اور افتادہ زمینیوں کی آبادی

ملک عرب کا اکثر حصہ ریاستی، پتھریلا، شور اور بختر تھا۔ جو سربر قطعات تھے، ان پر یہ روئی تو میں قابض تھیں۔ بقیہ افتادہ زمینیں تھیں۔ مدینہ اور طائف میں البتہ کاشتکاری ہوتی تھی، بقیہ عالم عرب تجارت یا لوٹ مار پر زندگی بر کرتے تھے۔ عربوں کی غیر مامون زندگی کا راز یہی تھا کہ وہ مستقل پیشہ ور نہ تھے۔ اس بناء پر قیامِ امن کے لیے بھی ضروری تھا کہ زمین کا نئے سرے سے بندوبست کیا جائے۔ جماز یمن میں غیر قوموں کے انخلاء کے سبب سے یوں بھی بہت سی زمینیں خالی ہو گئی تھیں جن کا انتظام ضروری تھا۔

آنحضرت ﷺ نے عام طور پر صحابہؓ کو اس کی ترغیب دی۔

(من احیا ارض میتہ فھی له) \* من احاط حائطاً علی ارض فھی له)) - \*

”جس شخص نے افتادہ زمینیوں کو آباد کیا وہ اس کی ملک ہے، جس شخص نے کسی زمین کو گھیر لیا وہ اس کی ملک ہے۔“

ترغیبِ عام کے ساتھ خاص خاص انتظامات بھی فرمائے۔ بوضیع اور قریظہ کے نکلتان اور کھیت خاص بارگاونبوت کی ملک قرار پائے اور آپ ﷺ نے اپنی طرف سے ان کو مہاجرین اور بعض انصار میں تقسیم فرمایا۔ خیبر کی زمین کچھ خالصہ ہی اور بقیہ ان مہاجرین اور انصار میں تقسیم فرمادی جو حد بیسی میں شریک تھے لیکن عملی یہودیوں کے ساتھ ان کا بندوبست رہا۔ پیداوار کا نصف حصہ و خود لیتے تھے اور نصف مالکوں کو ادا کرتے تھے۔ اور جوز میں آباد تھیں ان کو بعض شرائط پر اصل مالک کے ہاتھ میں رہنے دیا، چنانچہ عک، ذو خیوان اور ایلہ، اذرح، نجران وغیرہ میں اسی طرح معاملات طے پائے۔ افتادہ زمینیں بھی صحابہؓ کو بطور جا گیر عطا فرمادیں۔ حضرت واکل رضی اللہ عنہ کو حضرموت میں ایک قطعہ زمین عنایت فرمایا، ملال بن حارث رضی اللہ عنہ مرنی کو قبل زراعت زمین کا ایک بہت بڑا نکڑا اور کافیں مرحمت فرمائیں، \* حضرت زیر رضی اللہ عنہ کو مدینہ کے پاس اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خیبر میں جا گیریں عطا کیں۔ بورقاعد کو دو مرتب الحدیل کے پاس زمین عنایت کی۔

یہ جا گیریں اس فیاضی اور وحدت کے ساتھ دک جاتی تھیں کہ ہر شخص حسب استطاعت ان کا انتخاب اور ان کے رقبے کی تحدید کر سکتا تھا۔ ایک بار آپ ﷺ نے حضرت زیر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ جہاں تک ان کا

\* ابو داود، کتاب الخراج، باب فی قسم الْفَیِّ: ۲۹۵۳۔

\*\* ابو داود، باب فی احیاء الموات: ۳۰۷۳۔ \* ایضاً: ۳۰۷۷۔

\*\*\* ابو داود، کتاب الخراج، باب ما جاء فی حکم ارض خیبر: ۳۰۰۶۔

\*\*\*\* ابو داود، کتاب الخراج، باب فی اقطاع الارضین: ۳۰۶۱ تا ۳۰۶۳۔

گھوڑا دوڑ سکے وہ زمین ان کی جا گیر میں داخل ہو گی، چنانچہ انہوں نے گھوڑا دوڑایا۔ جب گھوڑا ایک خاص حد تک پہنچ کر رک گیا تو انہوں نے اپنا کوڑا اچھینا اور وہ جس لفظ پر گراوہی ان کی جا گیر کا رقبہ قرار پایا۔ \* عرب کی خشک زمین میں سب سے زیادہ ضرورت ہشمہ آب کی تھی، چنانچہ ایک بار جب آپ نے حکم عام دیا: ((من سبق الى مالئم يسبقه اليه مسلم فهو له)) \* یعنی "جو شخص ایسے چشمہ پر قبضہ کر لے جس پر کسی مسلمان نے قبضہ نہیں کیا ہے تو وہ اس کا ہے۔" تو تمام لوگوں نے دوڑا دوڑ کر اپنے اپنے چشموں کے حدود مقرر کر لیے۔

اس فیاضی کی اس قدر شہرت ہوئی کہ لوگوں نے دور دور سے آ کر آنحضرت ﷺ سے جا گیروں کی درخواست کرنا شروع کی، ابیض بن حمال یمن سے خدمت مبارک میں حاضر ہوئے اور ایک نمک کی کان کی درخواست کی جس کو آپ ﷺ نے منظور فرمایا، لیکن ایک صحابی نے کہا کہ آپ ﷺ نے ان کو جو کچھ جا گیر میں عطا فرمایا ہے وہ پانی کا ایک بہت بڑا چشمہ ہے، چونکہ وہ ایک پلک چیز تھی اس بنا پر آپ ﷺ نے اس کو واپس لے لیا۔ \*

یہ تمام فیاضیاں صرف انہیں چیزوں کے ساتھ مخصوص تھیں جن کا تعلق پلک کے ساتھ نہیں ہو سکتا تھا لیکن جو چیزیں رفاه عام کے کام میں آسکتیں تھیں ان کو آپ ﷺ نے اسی قدیم حالت پر چھوڑ دیا۔ عرب کا قدیم دستور تھا کہ اپنے مویشیوں کے لیے چراگاہیں معین کر لیتے تھے، جن کو جی کہتے تھے، عرب میں پیلو کا درخت اونٹوں کی عام غذا تھی اور اس کے متعلق کسی قسم کی روک نوک نہ تھی، لیکن ابیض بن حمال ﷺ نے جب اس کو اپنے جمی میں داخل کرنا چاہا تو آپ ﷺ نے منع فرمایا ((لا حمى في الاراك))۔ \* عرب میں یہ بھی دستور تھا کہ مویشیوں کے چرانے کے لیے رُس اور ارباب اقتدار اپنے لیے چراگاہ مخصوص کر لیتے تھے اور وہاں کسی دوسرے کو نہیں آنے دیتے تھے چونکہ اس سے عام لوگوں کو تکلیف ہوتی تھی اس لیے اس طریقہ کو بھی روک دیا۔ \*

اسی طرح عرب میں ایک مقام دہنا ہے جس کے ایک طرف بکر بن واکل ﷺ کا قبیلہ تھا اور دوسرا طرف بونتمیم رہتے تھے۔ حریث بن حسان ﷺ نے بکر بن واکل ﷺ کے لیے اس زمین کی درخواست کی آپ نے فرمان لکھنے کا حکم دیا، اتفاق سے اس وقت ایک تمحیمہ موجود تھی۔ آپ نے اس کی طرف دیکھا، اس نے عرض کی یا رسول اللہ! وہ اونٹوں اور بکریوں کی چراگاہ ہے، اور اسی کے پاس بونتمیم کی عورتیں اور بچے رہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "بے چاری بیج کہتی ہے، فرمان نہ لکھو، ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، ایک چشمہ اور ایک چراگاہ سب کو کافی ہو سکتا ہے۔" \*

\* ابو داود، کتاب الخراج، باب فی اقطاع الارضین: ۳۰۷۲۔ ۲ ابو داود، کتاب الخراج، باب فی اقطاع الارضین: ۳۰۷۱۔ \* ابو داود، باب فی اقطاع الارضین: ۳۰۶۴۔ ۴ ابو داود، کتاب الخراج، باب فی اقطاع الارضین: ۳۰۶۶۔ ۵ ایضاً: ۳۰۶۴، ۳۰۶۵۔ ۶ ایضاً: ۳۰۷۰۔

## مذہبی انتظامات

(ملک میں امن و امان قائم رکھنے کی غرض سے جو بعض ضروری ملکی انتظامات سرانجام پائے تھے، ان سے زیادہ ضروری مسلمانوں کے مذہبی امور کے انتظامات کا مسئلہ تھا۔ یہودیوں میں مذہبی فرائض کے ادا کرنے کے لیے ایک مخصوص خاندان مقرر تھا۔ اس کے علاوہ کسی اور کو ان خدمات کی بجا آوری کا حق حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ عیسائیوں میں گو خاندان کی تخصیص نہ تھی لیکن ان میں ایک خاص طبقہ پیدا ہو گیا تھا جس نے ان خدمات کو اپنا حق قرار دے لیا تھا۔ ہندوؤں میں غیر برہمن کسی مذہبی خدمت کا مستحق نہیں، دینا کی دوسری قوموں کا بھی بھی حال تھا لیکن جو شریعت محمد رسول اللہ ﷺ نے دنیا میں قائم کی اس میں مخصوص اشخاص، مخصوص خاندان اور مخصوص طبقہ کی حاجت نہ تھی، بلکہ ہر شخص جو اسلام کا کلمہ گو تھا اس رتبہ کا مستحق ہو سکتا تھا)۔

### دعاۃ اور مبلغین اسلام

ایک مشہور مغربی مؤرخ نے لکھا ہے کہ ”مذہب میں آ کر اسلام نبوت کا منصب چھوڑ کر سلطنت بن گیا تھا اور اب اسلام کے معنی بجائے اس کے کہ خدا پر ايمان لا یا جائے، یہ رہ گئے تھے کہ محمد ﷺ کی حکومت تسلیم کر لی جائے۔“ ۱۱۱ اسلام کا مقصد وہ تھا جو خدا نے قرآن مجید میں بیان کیا ہے:

﴿الَّذِينَ إِنْ شَكَّهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَاتَّوَّ الرَّجُوكَةَ وَأَمْرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَا عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ (۴۱: الحج: ۲۲)

”وَهُوَ لُوگٌ جن کو ہم زمین میں اگر طاقت دیں تو نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں، اچھی باتوں کا حکم دیں اور بری باتوں سے روکیں۔“

اس بنا پر ہر مسلمان، واعظ بھی ہوتا تھا اور محتسب بھی، داعی بھی اور ماہر شریعت بھی، بھی وجہ ہے کہ یا تو اسلام سے پہلے عرب میں اس قدر جہالت پائی جاتی تھی کہ شرفا میں لکھا پڑھنا عیب خیال کیا جاتا تھا یا ایک ایک گھر فقة، حدیث اور تفسیر کا دارالعلوم بن گیا تا ہم چونکہ ہر شخص کو تفقہ و تدریس کا کافی وقت نہیں مل سکتا تھا، اس لیے یہ ضروری قرار پایا کہ ہر جماعت اور ہر قبیلہ میں کچھ ایسے لوگ موجود ہیں جو تعلیم و ارشاد کا فرض انجام دے سکیں، اسی بنا پر قرآن مجید میں حکم آیا:

﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لَيَغْرِبُونَ كَافِرَةً فَكُوَّلًا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لَيَتَّقَهُوْ فِي الْدِيْنِ وَلَيُتَّقَهُوْ فِي قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوْا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْدُرُوْنَ﴾ (۹: التوبۃ: ۱۲۲)

”اور سب کے سب مسلمان تو سفر کر کے (مذہب) نہیں آ سکتے، اس لیے ہر قبیلہ سے ایک گروہ کو آنا چاہیے، تاکہ وہ شریعت میں تفقہ حاصل کریں اور تاکہ واپس جا کر اپنی قوم کو ڈرا میں شاید لوگ بری باتوں سے بچیں۔“

۱۱۱ دکھنہ ہوسن صاحب کا آرٹیکل اسلام پر، انسیکلو پیڈیا۔

## آن کی تعلیم و تربیت

چونکہ مقصد یہ تھا کہ ایک ایسی جماعت تیار کی جائے جو نہ صرف شریعت کے اواصر و نوادری سے واقف ہو بلکہ شب و روز آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رہنے سے تمام تر اسلامی رنگ میں ڈوب جائے۔ جس کی لفتار، کردار، بات چیز، نشست و برخاست، قول و عمل ایک ایک چینی تعلیم نبوی ﷺ کے پتو سے منور ہو جائے، تاکہ وہ تمام ملک کے لیے اسوہ حسنہ اور نوورہ عمل بن سکے، اس لیے عرب کے ہر قبیلے سے ایک جماعت آتی تھی اور آپ کی خدمت میں رہ کر تعلیمات سے بہرہ اندوز ہوتی تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

کان ينطلق من كل حي من العرب عصابة فياتون النبي ﷺ فيسألونه عما

يريدون من أمر دينهم ويتفقهوا في دينهم۔

”عرب کے ہر قبیلہ کا ایک گروہ آنحضرت ﷺ کے پاس جاتا تھا اور آپ ﷺ سے مذہبی امور دریافت کرتا تھا اور دین میں تفقہ حاصل کرتا تھا۔“

داعیان اسلام جو اطراف عرب میں بھیجے جاتے تھے ان کو بدایت کی جاتی تھی کہ لوگوں کو اس بات پر آمادہ کریں کہ وطن چھوڑ کر مدینہ میں آجائیں اور یہیں بود و باش اختیار کریں، اس کا نام بھرت تھا، اس بنا پر بیعت کی دو تسمیں کردی گئی تھیں، بیعت اعرابی اور بیعت بھرت۔ بیعت اعرابی، صرف ان بدوؤں کے لیے تھی جن کو کچھ دنوں مدینہ منورہ میں رکھ کر تعلیم دینا مقصود تھا۔ مختصر مشکل اللہ ثار میں روایت ہے کہ عقبہ جہنی جب اسلام لائے تو آنحضرت ﷺ نے ان سے دریافت کیا کہ بیعت اعرابی کرتے ہو یا بیعت بھرت۔ اس کے بعد مصنف لکھتا ہے:

ان البيعة من المهاجر توجب عليه الاقامة بدار الهجرة عند رسول الله ﷺ ليصرف

فيما يصرف فيه رسول الله ﷺ من امور الاسلام وان البيعة اعرابية بخلافها۔

”بھرت کی بیعت کرنے سے لازم ہو جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس قیام کرے تاکہ آنحضرت ﷺ ان کو اسلامی امور میں لگائیں اور بیعت اعرابی میں یہ ضروری نہیں۔“

اسی بنا پر عرب کے بہت سے خاندان اپنے گھروں سے بھرت کر کے مدینہ میں چلے آئے تھے۔

حضرت ابو موسیٰ اشتری رضی اللہ عنہ آئے تو اُسی شخصوں کو لے کر آئے اور مدینہ میں آباد ہوئے۔ خلاصۃ الوفاء سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ میں جہینہ وغیرہ قبائل کی الگ الگ مساجد میں تھیں۔ یہ وہی قبائل تھے جو بھرت کر

۱ تفسیر خازن سورہ توبہ آیت («وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ يَتَفَرَّغُونَ كَافَةً») ح ۲، ص: ۱۳۶ مطبع التقدم العلمي مصر: ۱۳۳۱ھ۔ ۲ مشکل الانبار الامام طحاوی، ح ۲، ص: ۲۹۶؛ دلائل المعارف حیدر آباد: ۱۳۳۳ھ۔

۳ آئے والوں کی تعداد میں اختلاف ہے، بعض بخاری میں ۳۵۸۵ اشخاص کا ذکر ہے، دیکھ کتب المغازی، غزوہ خیر، ۴۲۳۰؛ اور خود اس کتاب میں بھی وہ وہ کے ذکر میں سبی تعداد کسی ہوئی ہے ذکر اشعر بن سعید۔

۴ خلاصۃ الوفاء سمهودی، ص: ۲۰۶ دار الطباعة مصر: ۱۲۸۵ھ۔

کے مدینہ میں آگئے تھے اور جو نکل سجد نبوی سب کے لیے کافی نہ تھی اس لیے الگ الگ مساجد میں بن گئی تھیں۔  
تعلیم و ارشاد کے مختلف طریقے تھے۔

ایک یہ کہ دس بیس دن یا مہینہ دو مہینہ رہ کر عقائد اور فقہ کے ضروری مسائل سیکھ لیتے تھے اور اپنے قابل میں واپس جاتے تھے اور ان کو تعلیم دیتے تھے۔ مثلاً مالک بن الحوریث رضی اللہ عنہ جب سفارت لے کر آئے تو میں دن ہتھ قیام کیا اور ضروری مسائل کی تعلیم حاصل کی۔ جب چلنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ارجعوا الى اهليکم فعلموا هم و مروهم و صلوا كما رأيتمونى اصلى)) \*  
”اپنے خاندان میں واپس جاؤ ان میں رہ کر ان کو اور شریعت کی تعلیم دو اور جس طرح محمد کو نماز پڑھتے دیکھا ہے اسی طرح نماز پڑھو۔“

دوسرा مستقل طریقہ درس کا تھا یعنی لوگ مستقل طریقہ سے مدینہ میں رہتے تھے اور عقائد شریعت اور اخلاق کی تعلیم پاتے تھے۔ ان کے لیے صند خاص درس گاہ تھی اور اس میں زیادہ تر وہ لوگ قیام کرتے تھے جو تمام دنیاوی تعلقات سے آزاد ہو کر شب و روز، زہد و عبادت اور زیادہ تر خدمت علم میں مصروف رہتے تھے۔  
مشکوٰۃ کتاب اعلم میں روایت ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لے گئے اس وقت مسجد میں دو حلقات تھے۔ حلقة ذکر اور حلقة درس، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حلقة درس میں جا کر بیٹھ گئے۔ \* اس وقت کی اصطلاح میں ان طالبان علم کو قراءہ کہتے تھے چنانچہ صحیح بخاری وغیرہ میں ہر جگہ یہی نام آتا ہے۔ \* عربیہ میں جو لوگ تعلیم و ارشاد کے لیے گئے تھے اور کفار نے ان کو دھوکے سے شہید کر دیا تھا وہ اسی درس گاہ کے تربیت یافتہ تھے اور کتب حدیث میں ان کا نام اسی لقب (قراء) کے ساتھ آیا ہے۔ ارباب سیرے لکھا ہے کہ ان لوگوں میں سے جب کوئی شادی کر لیتا تھا تو اس جماعت سے نکل جاتا تھا اور ان کے بجائے دوسرے لوگ داخل ہوتے تھے۔

اصحاب صفة، اگرچہ اس قدر مفلس اور نادر تھے کہ کسی کے پاس ایک کپڑے سے زیادہ نہیں ہوتا تھا جس کو گردن سے باندھ کر گھنٹوں تک چھوڑ دیتے تھے کہ چاور اور تہبند دونوں کا کام دیتا تھا، تاہم یہ لوگ پاؤں توڑ کر نہیں بیٹھتے تھے بلکہ جنگل میں جا کر لکڑیاں چون لاتے تھے \* اور ان کو بیچ کر آدھا خیرات کر دیتے اور آدھا خوان طریقت میں تقسیم ہوتا تھا۔ اس بنا پر تعلیم اور درس کا وقت رات کو مقرر کیا گیا۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس درس گاہ کے معلمین میں سے حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ علیہ وسلم بھی تھے۔ مشہور صاحب علم تھے اور جن کو حضرت عمر رضی اللہ علیہ وسلم نے زمانیہ خلافت میں تعلیم فقه و قرآن کے لیے فلسطین بھیجا تھا۔ ابو داؤد میں

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے:

\* بخاری، کتاب الادب، باب رحمة الناس والبهائم: ۶۰۰۸۔ \* دارمى، المقدمة، باب فی فضل العلم والعالم: ۳۴۹۔ \* صحيح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الررجیع: ۴۰۸۸، ۴۰۹۰۔ \* ایضاً: ۴۰۹۰۔

علمت ناسا من اهل الصفة القرآن والكتاب فاھدی الی رجل منهم قوسا۔ ۱  
”میں نے اصحاب صفت میں سے چند لوگوں کو قرآن مجید اور لکھنے کی تعلیم دی اس کے صدر میں مجھے کو ایک شخص نے ایک کمان تھنہ میں دی۔“

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عبادہ ﷺ کو اس تھنہ کے قبول کرنے کی اجازت نہیں دی۔ ۲ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ درس گاہ صفت کے علاوہ اور بھی کوئی جگہ تھی جہاں اصحاب صفر رات کو تعلیم پاتے تھے۔ مسند امام ابن حبیل میں ہے۔

عن انس کانوا سبعین فکانوا اذا جنهم الليل انطلقا الى معلم لهم بالمدينه

فید رسوون الليل حتى يصبحوا۔ ۳

”حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اصحاب صفت میں سے ستر شخص رات کو ایک معلم کے پاس جاتے تھے اور صبح تک درس میں مشغول رہتے تھے۔“

عرب میں لکھنے پڑھنے کا رواج بہت کم تھا لیکن اسلام آیا تو تحریر و کتابت کافی بھی گویا ساتھ لے کر آیا۔ سب سے بڑی ضرورت قرآن مجید کے ضبط و تدوین کی تھی، اس بنا پر آنحضرت ﷺ نے شروع ہی سے کتابت کی ترویج کی طرف توجہ فرمائی۔ جگہ بدر کے ذکر میں گزر چکا ہے کہ اسی ران جنگ میں سے جو لوگ فدی نہیں ادا کر سکے ان کو اس شرط پر رہا کیا گیا کہ مدینہ میں رہ کر لوگوں کو لکھنا سکھا دیں۔ ابو داؤد کی مذکورہ بالا حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اصحاب صفت کو جو تعلیم دی جاتی تھی اس میں لکھنا بھی داخل تھا، چنانچہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ قرآن مجید کے ساتھ لکھنے کی بھی تعلیم دیتے تھے۔

### مساجد کی تعمیر

آنحضرت ﷺ اگرچہ ترقی و جاہ پرستی سے طبعاً نفور تھے اور اس لیے اینٹ اور مٹی پر صرف زر ناپسند فرماتے تھے، تاہم چونکہ اسلام کی تمام تحریریات کا مقصد صرف رفع ذکر اور تسبیح و تقدیس اللہ تعالیٰ، اس بنا پر ہر قبیلہ کو مسلمان ہونے کے ساتھ سب سے پہلے مسجد کی ضرورت پیش آتی تھی۔ ایک سبب اس کا یہ تھا کہ یہ مسجد یہ صرف نماز ہی پڑھنے کے کام میں نہیں آتی تھیں بلکہ درحقیقت یہ تمام اہل قریب یا اہل محلہ کو دون رات میں پانچ بار ایک جگہ جمع کر کے ان کی اجتماعی اور اتحادی قوت کو روز بروز اور زیادہ ترقی دینے کا ذریعہ بھی بنتی تھیں، اس لیے آپ ﷺ با جماعت نماز پڑھنے کی خدمت تاکید فرماتے تھے۔ خود مدینہ کے اندر بہت سے قبل آباد تھے۔ ہر قبیلہ کا الگ الگ محلہ تھا اور ہر محلہ میں ایک ایک مسجد تھی۔

۱ ابو داؤد، کتاب البيوع، باب فی کسب المعلم: ۳۴۶۔ ۲ ایضاً۔

۳ مسند امام احمد، ج ۳، ص: ۱۲۷۔ ۴ اضافة تاختنم باب مؤذنین۔

ابوداؤد نے کتاب المرائل میں بند لکھا ہے کہ صرف مدینہ کے اندر آپ ﷺ کے زمانہ میں ۹ مسجدیں تھیں جہاں الگ الگ جماعتیں ہوتی تھیں، ان کے نام یہ ہیں: مسجد بنی عمر، مسجد بنی ساعدة، مسجد بنی عبید، مسجد بنی سلمہ، مسجد بنی راتخ، مسجد بنی زریق، مسجد غفار، مسجد اسلم، مسجد جبیریہ ۱ ان کے علاوہ متفرق روایات میں مختلف قبائل کی حسب ذیل مسجدوں کا اور پتہ لگتا ہے، مسجد بنی خدارہ، مسجد بنی امیہ (انصار کا ایک قبیلہ تھا) مسجد بنی بیاضہ، مسجد بنی الحبلی، مسجد بنی عصیہ، مسجد ابن فیصلی، مسجد بنی دینار، مسجد ابنی بن کعب، مسجد النابغہ، مسجد ابن عدی، مسجد بلخارث بن خزر، مسجد بنی حلہ، مسجد اشیخ، مسجد بنی حارثہ، مسجد بنی ظفر، مسجد بنی عبد الاشہل، مسجد واقم، مسجد بنی معادیہ، مسجد عائشہ، مسجد بنی وایل، مسجد اشجر ۲۔

روایتوں سے یہ بھی ثابت ہے کہ اشاعت اسلام کے ساتھ ہی مدینہ سے باہر عرب کے گوشہ گوشہ میں مسجدیں بننی جاتی تھیں جہاں دن میں پانچ بار خدا کا نام پکارا جاتا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے غزوات میں معقول کر لیا تھا کہ رات بھرا نظر فرماتے تھے، صبح کو جہاں سے اذان کی آواز آتی وہاں حملہ نہ فرماتے، چنانچہ ایک سفر جہاد میں آپ ﷺ کے کانوں میں ایک طرف سے اللہ اکبر کی آواز آتی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ تو فطری شہادت ہے۔“ اس کے بعد آپ ﷺ نے اشہد ان لا اله الا الله کی آواز نی تو فرمایا: ”آگ سے نجات ہوگی۔“ صحابہ نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی تو معلوم ہوا کہ بکرے کے چڑا ہے کی آواز ہے۔ ۳ تمام مجاہدین اسلام کو بھی یہی حکم تھا، چنانچہ ایک بار آپ ﷺ نے ایک سری یہ روانہ کیا تو یہ صیست فرمائی:

((اذا رايتم مسجداً او سمعتم موذنا فلا تقتلوا احداً)) ۴

”اگر کہیں مسجد دیکھو یا اذان کی آواز سنو تو وہاں کسی شخص کو قتل نہ کرنا۔“

ان روایتوں سے ایک طرف تو عہد نبوت میں اشاعت اسلام کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے، اور دوسری طرف سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو قبائل اسلام لائے تھے انہوں نے الگ الگ مسجدیں تعمیر کر لی تھیں اور ان میں پنج وقتہ نعلقۂ تکبیر و اذان بلند ہوا کرتا تھا۔

اگرچہ اس وقت کی عام غربت اور سادگی کی وجہ سے جو مسجدیں تعمیر ہوئی تھیں وہ ایک زمانہ مہندسک قائم نہیں رہ سکتی تھیں، اس لیے ان باتیات صالحات کا بہت براحت صفحہ ہستی سے مٹ گیا، اور ان کے ساتھ ان کا نام اور ان کی تاریخ بھی مٹ گئی۔ تاہم جو مسجدیں مدتیں قائم رہیں ان کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کا کوئی گوشہ ان مذہبی یادگاروں سے خالی نہ تھا۔

۱ رائل ابی داؤد، کتاب الطهارة، باب ما جاء في الصلوة، ص: ۵۔

۲ یہ تمام تفصیل عینی شرح بخاری، ج ۲، ص: ۴۶۸ سے مانوذہ ہے۔

۳ صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب الامساك عن الاغارة على قوم في دار الكفر: ۸۴۷۔

۴ ابو داؤد، کتاب الجهاد، باب في دعاء المشركين: ۲۶۳۵۔

ابوداؤد نے کتاب المرائل میں بند کھا ہے کہ صرف مدینہ کے اندر آپ ﷺ کے زمانہ میں ۹ مسجدیں تھیں جہاں الگ الگ جماعتیں ہوتی تھیں، ان کے نام یہ ہیں: مسجد بنی عمر، مسجد بنی ساعدہ، مسجد بنی عبید، مسجد بنی سلمہ، مسجد بنی راتخ، مسجد غفار، مسجد اسلم، مسجد جہینہ ۱ ان کے علاوہ متفرق روایات میں مختلف قبائل کی حسب ذیل مسجدوں کا اور پتہ لگتا ہے، مسجد بنی خدارہ، مسجد بنی امیہ (انصار کا ایک قبیلہ تھا) مسجد بنی بیانہ، مسجد بنی الحبیب، مسجد بنی عصیہ، مسجد ابن فیصلی، مسجد بنی دینار، مسجد ابنی بن کعب، مسجد النابغہ، مسجد ابن عدی، مسجد بلخارث بن خزرخ، مسجد بنی طمہ، مسجد اشیخ، مسجد بنی حارثہ، مسجد بنی ظفر، مسجد بنی عبد الاشہل، مسجد واتم، مسجد بنی معادیہ، مسجد عائشہ، مسجد بنی ولیل، مسجد الشجرہ۔ ۲

روایتوں سے یہ بھی ثابت ہے کہ اشاعت اسلام کے ساتھ ہی مدینہ سے باہر عرب کے گوشے گوشے میں مسجدیں بننی جاتی تھیں جہاں دن میں پانچ بار خدا کا نام پکارا جاتا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے غزوات میں معمول کر لیا تھا کہ رات بھر انظار فرماتے تھے، صبح کو جہاں سے اذان کی آواز آتی وہاں حملہ نہ فرماتے، چنانچہ ایک سفر جہاد میں آپ ﷺ کے کانوں میں ایک طرف سے اللہ اکبر کی آواز آتی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”یو تو فطری شہادت ہے۔“ اس کے بعد آپ ﷺ نے اشہد ان لا اله الا الله کی آواز سنی تو فرمایا: ”آگ سے نجات ہوگی۔“ صحابہ نے ادھراً حرنگاہ دوزائی تو معلوم ہوا کہ بکرے کے چڑوا ہے کی آواز ہے۔ ۳ تمام مجاہدین اسلام کو بھی یہی حکم تھا، چنانچہ ایک بار آپ ﷺ نے ایک سری یہ روانہ کیا تو یہ صیحت فرمائی:

((اذا رأيتم مسجداً او سمعت مودنا فلا تقتلوا احداً)) ۴

”اگر کہیں مسجد دیکھو یا اذان کی آواز سنو تو وہاں کسی شخص کو قتل نہ کرنا۔“

ان روایتوں سے ایک طرف تو عہد نبوت میں اشاعت اسلام کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے، اور دوسری طرف سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو قبائل اسلام لائے تھے انہوں نے الگ الگ مسجدیں تعمیر کر لی تھیں اور ان میں پنج وقتہ نمازوں کے عین وادیوں سے خالی نہ تھا۔

اگرچہ اس وقت کی عام غربت اور سادگی کی وجہ سے جو مسجدیں تعمیر ہوئی تھیں وہ ایک زمانہ مہندستک قائم نہیں رہ سکتی تھیں، اس لیے ان باتیات صالحات کا بہت براحت صفحہ ہستی سے مٹ گیا، اور ان کے ساتھ ان کا نام اور ان کی تاریخ بھی مٹ گئی۔ تاہم جو مسجدیں مدت قائم رہیں ان کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کا کوئی گوشہ ان مذہبی یادگاروں سے خالی نہ تھا۔

۱ مراہل ابی داود، کتاب الطهارة، باب ما جاء في الصلة، ص: ۵۔

۲ یہ تمام تفصیل عینی شرح بخاری، ج ۲، ص: ۴۶۸ سے ماخوذ ہے۔

۳ صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب الامساك عن الاغارة على قوم في دار الكفر: ۸۴۷۔

۴ ابو داود، کتاب الجهاد، باب في دعاء المشركين: ۲۶۳۵۔

عرب کے عام قبائل سے بھریں کا ایک قبیلہ عبدالقیس اسلام لا چکا تھا۔ اس قبیلہ نے ایک مسجد تعمیر کی تھی، چنانچہ اسلام میں مسجد نبوی ﷺ کے بعد سب سے پہلے جماعت کی نماز اسی مسجد میں ادا کی گئی۔ بخاری کتاب الجمیع میں ہے۔

عن ابن عباس انه قال ان اول جمعة جمعت بعد جمعة في مسجد رسول

الله ﷺ في مسجد عبد القيس بجواثي من البحرين۔

”حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مسجد نبوی کے بعد پہلا جمعہ قبیلہ عبد القیس کی مسجد میں پڑھا گیا جو بھریں کے ایک گاؤں میں جواثی نامی میں واقع تھی۔“

اہل طائف جب اسلام لائے تو آپ نے ہدایت فرمائی کہ خاص اس جگہ مسجد تعمیر کرائیں، جہاں ان کا بت نصب تھا۔ حضرت طلق بن علی سے روایت ہے کہ جب ہماری قوم کے لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نے عرض کی کہ ہمارے ملک میں ایک گرجا ہے تو آپ نے اپنے خصوصی کا پانی عنایت فرمایا اور ہدایت کی کہ گرجے کو توڑاً لا اور وہاں یہ پانی چھڑک کر مسجد بنالو۔ چنانچہ جب وہ لوگ واپس آئے تو حصب ارشاد مسجد تعمیر کر لی۔

اس قسم کی مسجدیں اگرچہ عرب کے گوشہ گوشہ میں تعمیر ہوئی ہوں گی لیکن عموماً احادیث کی کتابوں سے صرف ان مسجدوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے جو مدینہ اور حوالی مدینہ میں تعمیر ہوئیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حوالی مدینہ میں انصار کے جو گاؤں آباد تھے، عاشورا کے دن آنحضرت ﷺ نے ایک دن ان میں منادی کرادی کہ جو لوگ روزہ دار ہیں وہ اپنے روزے کو پورا کر لیں اور جو لوگ افظار کر چکے ہیں وہ باقیہ دن روزہ رکھیں۔ اس اعلان کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس پر اس شدت کے ساتھ عمل کیا کہ خود روزے رکھتے تھے اور اپنے بچوں سے روزے رکھواتے تھے، یہاں تک کہ ان کو گھر سے باہر مسجد میں لے جا کر رکھتے تھے اور جب وہ کھانے کے لیے روتے تھے تو ان کو ان کے بننے ہوئے کھلنوں سے بہلاتے تھے۔

امام بخاری نے صحیح بخاری میں ایک مستقل باب باندھا ہے کہ ”مساجد کو اشخاص کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟“ اور اس باب کے تحت میں جو حدیث لائے ہیں اس میں بہ تصریح مسجد بنی زریق کا نام لیا ہے۔ حضرت انس بن مالک ﷺ آنحضرت ﷺ کے ساتھ عصر کی نماز پڑھ کر اپنے محلہ میں آتے تھے۔ یہاں لوگ مسجد میں منتظر رہتے تھے وہ آ کر کہتے تھے کہ مسجد نبوی میں نماز ہو چکی تب لوگ یہاں نماز پڑھتے تھے۔ ان روایتوں سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ان قبائل کی مسجدیں الگ الگ تھیں۔ صحاح کی

١) صحيح بخاري، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرى والمدن: ٨٩٢۔

٢) زاد المعاد، جلد ١، ص: ٤٨٥، بروایت ابو داود الطیالسی مطبع نظامی کانپور: ١٢٩٨ھ ج ٢، ص: ٢٦۔

٣) سنن نسائی، كتاب المساجد، باب اتخاذ البيع مساجد: ٧٠٢۔ ٤) صحيح مسلم، كتاب الصيام،

باب من اكل في عاشوراء فليكت بقيمة يومه: ٢٦٦٩۔ ٥) صحيح بخاري، كتاب الصلوة، باب هل يقال

مسجد بنی زریق: ٤٢٠۔ ٦) مسند ابن حبیل، ج ٣، ص: ٢٢٢۔

رواتیوں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بعض لوگ آنحضرت ﷺ کے ساتھ شریک جماعت ہوتے تھے اور پھر اپنے محلہ کی مسجد میں جا کر اپنی قوم کی امامت کرتے تھے چنانچہ حضرت معاذ بن جبل ﷺ کا اسی پر عمل تھا۔ مدینہ میں جو قبائل آباد تھے ان کے علاوہ جو قبائل بھرت کر کے آئے تھے وہ بھی اپنی مسجد تعمیر کر لیتے تھے، چنانچہ طبقات ابن سعد میں ہے:

” مدینہ میں جہیمه کی ایک مسجد ہے۔“

ولجهنیہ مسجد بالمدینۃ

قبائل کی ضروریات کے علاوہ مسجدوں کی تعمیر کا ایک بڑا سبب یہ ہوتا تھا کہ آنحضرت ﷺ راہ میں جہاں کہیں نماز پڑھتے تھے وہاں صحابہؓ تبر کا مسجد تعمیر کر لیتے تھے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں مستقل باب باندھا ہے، جس کا عنوان یہ ہے: باب المساجد التي على طرق المدينة والمواضع التي صلى فيها النبي ﷺ یعنی وہ مسجدیں جو مدینہ کے راستوں اور ان مقامات میں واقع ہیں جہاں آپ ﷺ نے نماز پڑھی ہے اور اس کے تحت میں اس قسم کی متعدد مسجدوں کا نام لیا ہے اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے حسب ذیل نام لگائے ہیں:

مسجد قباء، مسجد اقصیٰ، مسجد قریظ، مشربہ ام ابراہیم، مسجد بنی ظفر یا مسجد بغلہ، مسجد بنی معادیہ، مسجد فتح، مسجد قبلتین، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی لکھا ہے ۴ کہ مدینہ اور اطراف مدینہ میں جو مسجدیں منتشر ہوں سے تعمیر ہوئی ہیں ان سب میں آنحضرت ﷺ نے نماز ادا فرمائی ہے، ۵ کیونکہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے جب ان مساجد کی تجدید کی تھی تو اہل مدینہ سے اس کی تحقیق کر لی تھی۔ ۶

### امکہ نماز کا تقرر

مساجد کی تعمیر کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری تھا کہ مختلف قبائل کے لیے الگ الگ امام مقرر کر دیے جائیں عموماً عادت شریف یہ جاری تھی کہ جو قبیلہ مسلمان ہو جاتا اس میں جو شخص سب سے زیادہ حافظ قرآن ہوتا وہی امام مقرر کر دیا جاتا اور اس شرف میں چھوٹے بڑے، غلام آقا سب برادر تھے۔ آپ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے مدینہ میں جو مہاجرین آپکے تھے ان کے امام حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ علیہ کے آزاد کردہ غلام سالم رضی اللہ علیہ تھے۔ ۷ جرم کا قبیلہ جب اسلام لایا تو عمر بن سلمہ جرمی اس وقت سات یا آٹھ برس کے کم سن بچے تھے لیکن چونکہ اپنے قبیلہ میں قرآن کے سب سے بڑے حافظ وہی تھے اس لیے وہی امام قرار پائے۔ ۸

اماamt کے انتخاب کے لیے آنحضرت ﷺ نے چند اصول مقرر فرمادیے تھے۔

عن ابی مسعود الا نصاری قال قال رسول الله ﷺ: ((يُؤمِّنُ الْقَوْمُ أَفْرَاهِمَ

۱ طبقات ابن سعد، جزء رابع، ص: ۱۷۔ ۲ بخاری، کتاب الصلاة، رقم الباب: ۸۹۔

۳ فتح الباری، جلد ۱، ص: ۴۷۲۔ ۴ ایضاً، ص: ۴۷۱۔

۵ ایضاً، ص: ۴۷۲۔ ۶ طبقات ابن سعد، جزء ثالث قسم اول فی البدرین، ص: ۶۱۔

۷ طبقات ابن سعد، جزء اول و قسم ثانی و فد جرم، ص: ۶۹، ۷۰۔

لکتاب اللہ فان کانوا فی القراءة سواء فاعلمهم بالسنة فان کانوا فی السنة  
سواء فاقدمهم هجرة فان کانوا فی الهجرة سواء فاقدمهم سنًا)۔<sup>۱</sup>  
ابو مسعود الانصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”جماعت کی امامت وہ  
کرے جو سب سے زیادہ کلام اللہ پڑھا ہو، اگر اس میں سب برابر ہوں تو جو سنت سے سب  
سے زیادہ واقف ہو، اگر اس میں بھی مساوات ہو تو جس نے سب سے پہلے بھرت کی تھی اور  
اس میں بھی سب برابر ہوں تو جس کی عمر زیادہ ہو۔“<sup>۲</sup>

جب کوئی ایسا قبیلہ خدمت اقدس میں حاضر ہوتا تو آپ ﷺ پوچھتے کہ تم میں سب سے زیادہ حافظِ  
قرآن کون ہے؟ اگر کوئی ایسا شخص ہوتا تو لوگ اس کا نام لیتے اور آپ اس کو اس عبده پر خود ممتاز فرماتے،  
چنانچہ اہل طائف کے امام عثمان بن ابی العاص اسی طرح مقرر ہوئے تھے اور سب مساوی الحیثیت ہوتے تو  
ارشاد ہوتا، تم میں جو بڑا ہو وہ جماعت کی امامت کرے۔ مالک بن حوریث رضی اللہ عنہ جب اپنی قوم کی طرف سے  
بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے یہی ارشاد فرمایا۔

مدینہ میں، مدینہ سے باہر اطراف میں، عرب کے مختلف صوبوں میں جہاں جہاں مسجدیں تعمیر ہوئی تھیں  
ظاہر ہے کہ وہاں ہر جگہ الگ الگ امام مقرر ہوئے ہوں گے۔ جن قبائل میں عمال مقرر ہوتے تھے وہی ان کے  
امام بھی ہوتے تھے<sup>۳</sup> بڑے بڑے مقامات میں یہ دونوں عبدهے الگ الگ ہوتے تھے۔ عمان میں حضرت  
عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ عامل تھے اور ابو زید الانصاری امام،<sup>۴</sup> لیکن افسوس ہے کہ احادیث و سیر کی کتابوں میں نام  
بنام ان کی سیکھا تفصیل نہ کوئی نہیں۔ ضمنی واقعات میں جہاں تک اس کا سراغ لگ سکا ہے۔ وہ حسب ذیل ہے:

نام	مقام تقرر	کیفیت
مصعب بن عییر رضی اللہ عنہ	مدینہ منورہ	حضرت نبوی ﷺ سے پہلے انصار کی امامت کرتے تھے (ابن ہشام ذکریہ بیت عقبہ)
سالم مولی ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ		آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے مهاجرین کے امام تھے۔ (بخاری، کتاب الاذان: ۵۸۸؛ ابو داود، کتاب الصلاۃ: ۵۹۵)
ابن ام کوتوم رضی اللہ عنہ	مدینہ منورہ	جب آپ ﷺ مدینہ سے باہر غزوت میں تشریف فرماتے تو اکشحابہ جنی اللہ ہبھی ہر کاب ہوتے لیکن چونکہ یہ آنکھوں سے محدود تھے اس لئے مدینہ میں رہتے تھے اس سب سے اس موقع پر انہی کو آپ امام مقرر فرماجاتے۔ (ابو داود، کتاب الصلاۃ: ۵۹۵)
ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ	//	آنحضرت ﷺ کی عدم تشریف آوری پر مسجد نبوی میں امام ہوتے تھے (بخاری، کتاب العمل فی الصلاۃ: ۱۲۵)

۱ صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب من احق بالاماۃ: ۱۵۳۳۔

۲ مسند ابن حنبل، جلد ۴، ص: ۲۱۸۔ ۳ فتوح البلدان بلاذری ذکر عمان، ص: ۸۳۔

عثمان بن مالک <small>رضی اللہ عنہ</small>	بو سالم	اپنے قبیلہ کے امام تھے (نسائی، کتاب الامامت: ۸۸۹)
معاذ بن جبل <small>رضی اللہ عنہ</small>	بو سلمہ	اپنے قبیلہ کے امام تھے (بخاری، کتاب الاذان: ۴۰۰)
ایک انصاری <small>رضی اللہ عنہ</small>	مسجد قباء	اپنے قبیلہ کے امام تھے (بخاری، کتاب الاذان: ۷۷)
عمرو بن سلمہ <small>رضی اللہ عنہ</small>	بو حرم	اپنے قبیلہ کے امام تھے (ابوداؤد، کتاب الصراحت: ۵۸۷، ۳۵۸۵؛ نسائی، کتاب الامامت: ۹۰؛ کتاب القبلۃ: ۲۸)
اسید بن حضرم <small>رضی اللہ عنہ</small>	بو حرم	اپنے قبیلہ کے امام تھے (ابوداؤد، کتاب الصراحت: ۲۰۷)
انش بن مالک <small>رضی اللہ عنہ</small>	بو نجاح	اپنے قبیلہ کے امام تھے۔ (امام کا نام مغلوک ہے) کوئی
دوسرے صحابی <small>رضی اللہ عنہ</small>	بو نجاح	اپنے قبیلہ کے امام تھے۔ (مسند جلد ۳ صفحہ ۲۳۲)
مالک بن حويرث <small>رضی اللہ عنہ</small>	بو نجاح	اپنے قبیلہ کے امام تھے۔ (ابوداؤد)
عتاب بن اسید <small>رضی اللہ عنہ</small>	مک معظمه	اپنے قبیلہ کے امام تھے۔ (نسائی)
عنان بن أبي العاص <small>رضی اللہ عنہ</small>	طاائف	اپنے قبیلہ کے امام تھے۔ (ذکر و فد طائف)
ابوزید انصاری <small>رضی اللہ عنہ</small>	عنان	اپنے قبیلہ کے امام تھے۔ (بلاذری ذکر عنان)

## موزذ نہیں

عام طور پر اذان کے لئے کوئی خاص شخص منتخب نہیں کیا جاتا تھا تاہم چند مثالوں سے قیاس ہوتا ہے کہ بڑی بڑی مسجدوں میں یہ عہدہ الگ آپ ﷺ نے قائم فرمایا تھا، چنانچہ مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں اس عہدہ پر آنحضرت ﷺ نے ان صاحبوں کو ممتاز فرمایا تھا:

نام	مقام	مسجد
بلال بن رباح <small>رضی اللہ عنہ</small>	مدینہ منورہ	مؤذن مسجد نبوی
عمرو بن ام کاتوم قرقشی <small>رضی اللہ عنہ</small>	مدینہ منورہ	مؤذن مسجد نبوی
سعد القطری <small>رضی اللہ عنہ</small>	عواں مدینہ	مؤذن مسجد قباء
ابومخدوارہ <small>رضی اللہ عنہ</small> چھپی قرقشی	مکہ مکرمہ	مؤذن مسجد حرام

۱۔ کتب ذکورہ کی کتاب الاذان ، باب کیف الاذان: ۶۳۳ سے یہ نام ملقط ہیں۔

۲۔ زاد المعاد، ج ۲، ص: ۲۵ مطبوعہ مصر۔ ۳۔ نسائی، ایضاً: ۶۳۳۔

## تاسیس و تکمیل شریعت

﴿اللَّيْوَمَ يَسِّئَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا يَخْشُوْهُمْ وَأَخْشُونَ ﴿اللَّيْوَمَ أَكْمَلَتْ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَعْمَلْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَاتِي وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْنًا﴾ ۱۳:۵ / المائدۃ

”آج ہم نے تمہارا مذہب کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کروی اور اسلام کو تمہارے لیے مذہب پسند کیا۔“

(یہ تمام انتظامات اور نظم و نقش اسلام کا حقیقی نصب الحین رہا بلکہ جیسا کہ تفصیل اوپر بیان کیا جا چکا ہے، یہ اس لیے تھا کہ ملک میں امن و امان پیدا ہوا اور ایک مظہرم اور با قاعدہ حکومت کا وجود ہو، تاکہ مسلمان بے روک روک اور بلا مزاحمت اپنے مذہبی فرائض انعام دے سکیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے اس آیت کے معنی پوچھا:

﴿وَقَاتَلُوْهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فُتُنَّةٌ وَيَقُولُوْنَ الَّذِينُ كُلُّهُ يَلُو﴾ (۸/الانفال: ۳۹)

”ان کا فروں سے جہاد کرو یہاں تک کہ فتنہ نہ ہے اور مذہب تمام تر خدا کے لیے ہو جائے۔“  
انہوں نے فرمایا کہ ”یہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں تھا جب اسلام کم تھا آدمی اپنے مذہب کی بنا پر فتنہ میں بھتا ہو جاتا تھا، لوگ اس کو قتل کر دیتے تھے، اب جب اسلام ترقی کر گیا تو کوئی فتنہ نہیں رہا۔“  
بحیرت سے آٹھ برس تک کا زمانہ تمام تر (انہیں فتوں کی داروں گیر) مخالفین کی شورشوں اور ہنگاموں کی ممانعت اور ملک میں امن و امان قائم کرنے میں گزر، اسی لیے) آٹھ برس کی وسیع مدت میں فرائض اسلام سے جو چیز ہر جگہ اور ہر موقع پر نمایاں نظر آتی ہے وہ صرف جہاد ہے بھی وجہ ہے کہ تاریخ میں ایک ایک غزوہ کی تفصیل سیکنڈوں صفحات میں ہے، لیکن نماز، روزہ، زکوٰۃ کے متعلق دو دو چار سطروں سے زیادہ واقعات نہیں ہیں، وہ بھی اس طرح کہ جب کوئی سنہ ختم ہوتا ہے تو اس قدر لکھ دیتے ہیں کہ اسی سال فرض نماز کی رکعتیں دو سے چار ہو گئیں۔

اس کی وجہ یہ نہیں کہ خدا نخواستہ ارباب یہ ریگ فرائض کی اہمیت اور عظمت پیش نظر نہیں رکھتے تھے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ غزوہات کی مصروفیت (اور ملک کی بدامنی) کی وجہ سے اکثر فرائض دیر میں فرض ہوئے اور جو پہلے فرض ہو چکے تھے ان کی تکمیل بھی بتدریج اسی زمانہ میں ہوتی رہی جس کے لیل و نہار زیادہ تر مخالفین کے تیر باراں کے روکنے میں بسر ہو گئے۔

جن احکام کا تعلق قانون ملکی سے تھا وہ اس وجہ سے نازل نہ ہو سکے کہ اب تک اسلام کوئی حکمران طاقت نہ تھا، غالباً مذہبی فرائض اور احکام بھی رفتہ رفتہ اسی زمانہ میں نازل ہوتے رہے اور بتدریج جیسے جیسے ان کے

● بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورہ الانفال، باب و قتلهم حتی لا تكون فتنۃ: ۴۶۵۔

مناسب حالات پیدا ہوتے جاتے تھے وہ تکمیل کو پہنچ رہے تھے سب سے براکنٹہ احکام کے تدریجی نزول میں یہ تھا کہ ان سے مقصودِ محض عربوں کو ان کا باتار یا نہیں تھا بلکہ عملاً ان کی زندگی کو ان پر کار بند بنا دینا تھا اس لیے نہایت آہستہ آہستہ بذریعہ ترتیب کے ساتھ ان کو آگے بڑھایا گیا۔ اسی نکتہ کو حضرت عائشہؓ نے نہایت خوبی سے بیان فرمایا ہے کہ ”پہلے عذاب و ثواب کی آیتیں نازل ہوئیں، جب دلوں میں استعداد اور رفت پیدا ہو گئی تو احکام نازل ہوئے ورنہ اگر پہلے ہی دن یہ حکم ہوتا کہ شراب نہ پیو، تو کون مانتا؟“ ①

الغرض ان مختلف اسباب کی بنا پر اسلام کے اکثر فرائض اور احکام اس وقت تکمیل کو پہنچے جب تمام ملک میں امن و امان قائم ہو گیا، مکہ معلوٰت کے قیام تک روزہ سرے سے فرض نہیں ہوا، مدینہ منورہ میں روزے فرض ہوئے لیکن زکوٰۃ کی فرضیت سات آٹھ سال کے بعد ہوئی۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ رات دن کی معزکہ آرامیوں سے مالی حالات اس حد تک پہنچنے کہاں پائی تھی کہ زکوٰۃ کی فرضیت کا موقع آئے۔ فتح مکہ سے پہلے مسلمان اس سر زمین مقدس میں قدم نہیں رکھ سکتے تھے اس لیے اس وقت تک جو بھی فرض نہ ہوا نماز روزانہ کا فرض ہے۔ اور یہ فرض اسلام کے وجود کے ساتھ آیا لیکن اس کی تکمیل بذریعہ بھرت کے چھ سات برس کے بعد ہوئی۔ 5 ہجری تک نماز میں بات چیت کرنا جائز تھا اور کوئی باہر کا آدمی سلام کرتا تو نمازی عین نماز میں جواب دیتے تھے جیسا کہ ابو داؤد وغیرہ میں متعدد روایتیں مذکور ہیں۔ ②

غرض فتح مکہ کے بعد جب کفر کا زور ٹوٹ گیا اور تمام ملک میں امن و امان قائم ہو گیا تو مذہبی احکام کی تفصیل اور نظامِ شریعت کی تکمیل کا موقع آیا۔ احکام بہت سے ایسے تھے جو سرے سے ابھی شروع نہیں ہوئے تھے۔ مثلاً: زکوٰۃ، حج، حرمۃ ربا، وغیرہ بہت سے ایسے تھے کہ ابتدائی اركان قائم ہو گئے تھے لیکن تکمیل نہیں ہوئی تھی۔ ③

① صحیح بخاری، فضائل القرآن، باب تالیف القرآن۔ ۴۹۹۳۔

② ابو داؤد، کتاب الصلاة، باب رذالسلام فی الصلوة: ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵۔

③ اسلام کے بعض احکام کے نزول اور تدریجی تکمیل کی تاریخ جلد اول کے واقعات متفرقہ کے تحت میں بھی ضمناً گزروچکی ہے، ناظرین ایک دو گہد احکام کی تاریخ اور سنین میں یہاں سے اختلاف پائیں گے، اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ جلد اول میں عام و مورخین اور ارباب سیر کی تقلید کی گئی ہے اور یہاں احادیث اور کتب شان نزول سے استقری اکر کے جو امر حقیق نظر آیا ہے اس کی تفصیل کی گئی ہے اور اصل یہ ہے کہ احکام کے سنین اور تاریخیں کتب حدیث میں بالصریح ذکور نہیں ہیں۔ محمد شیخ اور ارباب روایت کے قیاسات اور استنباطات میں اور اسی بنا پر یا ہم ان میں اختلافات ہیں یہم نے کوشش کی ہے کہ صحیح اور معتبر لاکل کی رہنمائی سے اس راست کو طے کریں۔ (والعجمة یید اللہ) ”س۔“

## عقائد اور اسلام کے اصول اولین \*

(اسلام کے فرائض اولین عقائد ہیں یعنی توحید، رسالت، ملائکہ، قیامت، حشر و شروعہ پر ایمان لانا۔ آنحضرت ﷺ پر اول جو حجتی نازل ہوئی یعنی ﴿اَقُرَا بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ﴾ اس میں خدا کی برائی کے سوا کسی مخصوص عقیدہ کی تعلیم نہ تھی لیکن دوسری بار جو حجتی نازل ہوئی وہ تھی:

﴿يٰأَيُّهَا الْمُدَّرِّرُ قُرْفَانِدِرُ وَرَبَّكَ فَلَكِ الدُّلُوْدُلُ وَالْوُجُزَ فَاهْجُرُ﴾

(المدثر: ۵۶)

”اے چادر اوڑھنے والے اٹھ، لوگوں کو ذرا، اپنے پروردگار کی برائی کر اور، توں کو چھوڑ دے۔“

اس کے بعد مکمل معظمه کے قیام کے زمان میں جس قدر آئیں نازل ہوئیں وہ پیشتر عقائد کے متعلق تھیں، شرک اور بت پرستی کی برائی، خدا کی عظمت و جلال کا اظہار، قیامت کے ہولناک سماں اور جنت و دوزخ کا پراثر بیان، رسالت کے خواص اور اس کی ضرورت کے دلائل، مکہ میں تیرہ برس تک زیادہ تر یہی مطالب ادا ہوتے رہے۔ غرض عقائد کے تمام اجزاء اگرچہ آغاز اسلام ہی میں لوگوں کو سنائے جا چکے تھے لیکن کمی آجیوں کے استقصا سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر ایک کا بیان الگ الگ ہوتا تھا۔ عقائد کا مسلسل بیان سورہ بقرہ اور سورہ نساء میں ہے اور یہ دونوں سورتیں مدینہ میں نازل ہوئیں۔ کمی سورتوں میں زیادہ تر زورو توحید، قیامت کے اعتقاد اور رسول کی صداقت پر صرف ہوا ہے، لیکن مدینہ آ کر اسلام کے تمام عقائد اور اصول اولین کی مجموعی تعلیم شروع ہو جاتی ہے۔

ایمان اور اسلام کے اولین اصول کے متعلق سورہ بقرہ کی سب سے پہلی آیت یہ ہے:

﴿الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيَعْمَلُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يَنْهَاقُونَ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَمَا أَنْزَلَ مِنْ قَبْلِكَ وَإِلَّا خِرَّةٌ هُمْ يُؤْقِنُونَ﴾ (بقرہ: ۴-۲)

”جبون دیکھے ایمان لاتے ہیں، نماز کھڑی کرتے ہیں، ہم نے جو روزی دی ہے اس سے خرچ کرتے ہیں اور جوان باتوں پر ایمان رکھتے ہیں جو (اے محمد ﷺ) تجھ پر اتاری گئیں اور جو تجھ سے پہلے نازل ہوئیں اور ان کو آخوند پر بھی یقین ہے۔“

وسط سورہ میں یہ اصول دوبارہ ادا ہوتے ہیں:

﴿وَلَكُنَّ الْيَرَّامَنَ أَمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمُلْكَةَ وَالْكِتَابَ وَالثَّيْمَ﴾

(بقرہ: ۲)

”لیکن نیکی یہ ہے کہ کوئی خدا پر، روز قیامت پر، فرشتوں پر، کتابوں پر، پیغمبروں پر ایمان لائے۔“

\* اضافہ تاختم باب ”تیمم“۔

\*\* صحیح بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورہ مدثر: ۴۹۲۲۔

اس کے بعد نماز، روزہ، زکوٰۃ اور بعض اخلاقی احکام گنائے گئے ہیں۔ یہ آیتیں تحویل قبلہ کی آیت کے ساتھ میں نازل ہوئیں۔ اسی کی تفصیل سورہ کے آخر میں کی گئی ہے یہ آیتیں ہجرت کے چند سال بعد غالباً نازل ہوئی ہیں، جیسا کہ حضرت عائشہؓ اور ابن عباسؓ کی روایتوں سے ثابت ہے۔

**﴿أَمْنَ الرَّسُولُ بِهَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ طَلَقُوا أَمْنَ بِاللَّهِ وَمَلِكِهِ وَكُلُّتُهُ﴾**

وَرَسُولِهِ ﷺ (۲۸۰) / البقرہ: ۲

”پیغمبر اس پر ایمان لایا جو اس پر اس کے رب کی طرف سے اتر اور تمام مسلمان خدا پر، خدا کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے پیغمبروں پر سب پر ایمان لائے۔“  
سورہ نساء کی آیت یہ ہے جس میں بالتفصیل بتایا گیا ہے کہ جو لوگ مسلمان ہو چکے ان کے کیا عقامہ ہونے چاہئیں۔

**﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَى رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَكْفُرُ بِاللَّهِ وَمَلِكِهِ وَكُلُّتُهُ وَرَسُولِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا عَيْنِدًا﴾** (۴ / النساء: ۱۳۶)

”اے وہ لوگو جو ایمان لایا چکے ہو، ایمان لاو خدا پر، اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری اور اس کتاب پر جو اس سے پہلے اتاری اور جو شخص خدا کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا، اس کے پیغمبروں کا اور روز آختر کا انکار کرے گا وہ سخت گمراہ ہوا۔“  
احادیث کتاب الایمان میں بہت سے ایسے واقعات مذکور ہیں، جن میں لوگوں نے آپ ﷺ سے اسلام اور ایمان کے معنی دریافت کیے ہیں اور آپ ﷺ نے سائل کی یاد وقت کی مناسبت سے مختلف جوابات دیے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ میں اس وقت تک لوگوں جب تک لوگ یہ گواہی نہ دیں کہ خدا ایک ہے، محمد ﷺ خدا کا پیغمبر ہے، نماز میں پڑھیں اور زکوٰۃ دیں۔“

ایک دفعہ کسی دیہات سے ایک مسلمان حاضر خدمت ہوا اور دریافت کیا کہ اسلام کی حقیقت کیا ہے؟ آپ نے تین چیزیں بتائیں: ”رات دن میں پانچ وقت کی نماز، رمضان کے روزے اور زکوٰۃ،“ عبد القیسؓ کے وفات نے ۵۰ هی میں حاضر ہو کر عرض کی کہ ہم شہنوں کی مراجحت کے سبب سے ہمیشہ نہیں حاضر ہو سکتے اس لئے ایسے احکام بتاویے جائیں جو ان لوگوں کو بھی سنا دیے جائیں جو شرف حضوری حاصل نہیں کر سکتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

**((شہادة ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله واقام الصلوة وایتاء الزکوة))**

- ❶ صحیح بخاری، تفسیر یتحقیق اللہ الربووا: ۴۵۱۔ ❷ اسباب التزویل للسیوطی بر حاشیہ جلالین ج ۱، ص: ۵۱۔ ❸ بخاری، کتاب الایمان، باب سوال جبریل النبی ﷺ عن الایمان والاسلام: ۵۰۔
- ❹ صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب الزکوٰۃ من الاسلام: ۴۶۔

\*) وصيام رمضان وان تعطوا من المغنم الخامس))

”اس بات کی شہادت کہ خدا ایک ہے، محمد ﷺ خدا کے پیغمبر ہیں، نماز پڑھنا، زکوٰۃ دینا، رمضان کے روزے رکھنا اور مال غنیمت میں سے بانجھواں حصہ دینا۔“

ایک دفعہ آپ صحابہ کے مجمع میں تشریف فرماتھے اس اثنامیں ایک شخص نے آ کر سوال کیا کہ ایمان کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ایمان یہ ہے کہ خدا پر، فرشتوں پر، خدا کی ملاقات پر، اس کے پیغمبروں پر اور مرنے کے بعد جی اٹھنے پر یقین ہو۔“ اس نے پوچھا اور اسلام کیا ہے؟ فرمایا: ”اسلام یہ ہے کہ صرف خدا کو پوچھو کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ، نہ از پڑھو، فرض زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو۔“ اس نے پھر دریافت کیا کہ احسان کس کو کہتے ہیں؟ ارشاد ہوا کہ ”خدا کی اس طرح عبادت کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو، کیونکہ اگر تم اس کو نہیں دیکھتے تو تم کو دیکھ رہا ہے۔“ ۲ یہ اصول اسلام کا تقریباً کامل نقشہ ہے، غالباً یہ سوال وجواب فتح کہ یعنی کے سے پہلے کا واقعہ ہے کیونکہ اس میں حج کا ذکر نہیں ہے تاہم اس قدر اطمینان حاصل ہو چکا تھا کہ تکمیلی عبادات کے لیے خصوص و خشوع کی قید بھی اضافہ کی جائے، اصول اسلام کا آخری اعلان یہ ہے: ((بنی) الاسلام علی خمس شہادة ان لا اله الا الله وان محمدًا رسول الله)

وأقام الصلوة وaitaa الزكوة والحج وصوم رمضان)) )- ٣

”اسلام کی بنا پر بخاتوں پر ہے، اس بات کی گواہی کہ خدا کے سوا کوئی اور خدا نہیں، محمد ﷺ اس کا پیغمبر ہے، نماز یہ حسناء، زکوٰۃ دینا، حجٗ کرنا، رمضان کے روزے رکھنا۔“

رفتہ رفتہ ایمان اور اسلام کے اصول کلیئے جب تکمیل ہو چکی تو اس کے جزیات اور دیگر لوازم کی بھی تعلیم دی گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”ایمان کی کچھ اور پس اٹھ شانصیں ہیں، جن میں ایک شاخ حیا ہے۔“ ۱۰ ایک دفعہ فرمایا کہ ”بہترین اسلام یہ ہے کہ مسلمان اس کی زبان اور ہاتھ سے محفوظ رہے۔“ ۱۱ ایک اور صاحب کے جواب میں فرمایا کہ ”بہترین اسلام یہ ہے کہ محتاجوں کو کھانا کھلا اور کسی سے جان پچان ہو یا نہ ہو مگر اس کو سلام کرو۔“ ۱۲ یہ بھی فرمایا کہ ”اس وقت تک تم مومن نہیں جب تک اپنے بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرو جو تم اپنے لے پسند کرتے ہو۔“ ۱۳

غرض اسلام کے تمام اصول و فروع کی تعلیم اسی طرح بتدربی تکمیل کو پہنچتی گئی اور آخری ۹ حوزہ ای الجھے

شامِ جمعہ کے روز وہ ساعت آئی جب خدا نے فرمایا:

**١** صحيح بخاري، كتاب اليمان، باب اداء الخميس من اليمان: ٥٣۔ **٢** صحيح بخاري، كتاب اليمان،  
باب سؤال جريرا: ٥٠۔ **٣** صحيح بخاري، كتاب اليمان، باب دعاؤكم ايمانكم: ٨۔

**٤** صحيح بخاري، كتاب الایمان، باب امور الایمان: ٩۔ **٥** صحيح بخاري، كتاب الایمان، باب أئي الاسلام افضل: ١١۔ **٦** بخاري، كتاب الایمان، باب من الایمان ان يحب لاخيه: ١٢۔ یتمام حدیث مس صحيح بخاري، كتاب الایمان میں ہیں۔ **٧** صحيح بخاري، كتاب التفسير، باب قوله: اليوم اكملت لكم: ٤٦٠٦۔

﴿الْيَوْمَ أَكْلَمْتُ لَكُمْ وَيَنْكِمْ وَأَمْتَمْتُ عَلَيْكُمْ نَعْمَانٍ﴾ (۵ / المائدة: ۳)

”آج ہم نے تمہارا مذہب کھل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔“

### عبادات

اوپر یہ حدیث گزر چکی ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر قائم کی گئی ہے۔ ان میں سے توحید و رسالت کے علاوہ بقیہ چار چیزوں یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ عبادات میں داخل ہیں۔ ان میں سب سے اول شے نماز ہے۔ نماز کی صحت کے لیے متعدد شرطیں ہیں، سب سے اول اور ضروری شرط طہارت ہے۔  
طہارت

طہارت کے معنی یہ ہیں کہ جسم اور لباس، ظاہری اور معنوی ہر قسم کی نجاستوں سے پاک ہو۔ طہارت کو اسلام میں جواہیت حاصل ہے اس کا اندازہ اس سے کرو کہ دوسرا ہی رندگی وحی سے جب احکام اور فرائض کا آغاز ہوا تو توحید کے بعد دوسرا حکم طہارت تھی کا دیا گیا:

﴿يَا أَيُّهَا الْمُدْرِّينَ إِذْ قَاتَنَرَتْ فِيمَا كَانُوكُمْ وَرَبُّكَ فَلَيْسَ لَكُمْ فَطَاهَرَتْ وَالْتُّرْجَزَ كَاهْجُورَتْ﴾

(۱۱ / المدثر: ۷۴)

”اے چادر اوڑھنے والے اٹھا اور ڈرا اور اپنے پروردگار کی بڑائی کر اور اپنے کپڑے پاک کر اور ناپاکی کو جھوڑ دے۔“

اگرچہ مفسرین نے عموماً کپڑے کی طہارت سے ”دل کی طہارت“ اور ”ناپاکی“ سے ”بت پرستی“ مراد لی ہے، تاہم اس سے ظاہری طہارت اور پاکیزگی کی اہمیت کا اندازہ بھی ہو سکتا ہے۔ نماز سے پہلے وضو کرنا فرض ہے۔ اس فرضیت کا ثبوت ابتدائے اسلام سے ثابت ہوتا ہے۔ تاریخ و سیر اور بعض روایات حدیث میں ہے کہ وضو کا طریقہ آغاز وحی ہی میں حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو سکھایا تھا۔ حاکم نے مستدرک میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت کی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ بحرت سے پہلے بھی وضو فرماتے تھے۔ لیکن قرآن میں وضو کا حکم باتفاق محدثین مدینہ میں نازل ہوا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قَيْمُتُمُ الصَّلَاةَ فَاغْسِلُوا وُجُوهُكُمْ وَأَيْدِيْكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ

وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ (۵ / المائدہ: ۶)

”مسلمانوں! جب نماز کے لیے کھڑے ہو تو منہ اور کہنیوں تک ہاتھ دھلو، سر پر مسح کرو اور گھٹنیوں تک پاؤں دوڑا لو۔“

1 ابن هشام، ج ۱، ص: ۱۵۵ وفتح الباری، ج ۱، ص: ۲۰۵ بحوالہ مغازی ابن لهيعة و مستند امام احمد، ج ۴، ص: ۱۶۱ و ابن ماجہ، ابواب الطہارة و سنتہا، باب ماجاء فی النضح بعد الوضوء: ۴۶۲۔  
2 مستدرک حاکم، ۱۱۲/۱۔

یہ آیت سورہ مائدہ میں ہے اور اس سورہ کی اکثر آیتیں ہجرت کے چار پانچ سال بعد کی ہیں۔ اس آیت کے متعلق بخاری میں تصریح یہ ہے کہ وہ آیت تمم کے ساتھ اتری ہے۔ \* آیت تمم ۵۵ میں نازل ہوئی اسی بنا پر اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ ضوضو عمل تو پہلے سے تھا لیکن قرآن میں اس کی فرضیت ہجرت کے چار پانچ سال کے بعد نازل ہوئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ابتداء لوگ نہایت جلدی جلدی وضو کر لیتے تھے کچھ حصہ بھیگتا تھا کچھ نہیں بھیگتا تھا۔ ۲۶ میں یا اس کے بعد کے کسی سفر میں آپ ﷺ کے ساتھ وضو کر لیتے تھے واپس آرہے تھے، کچھ لوگ حضرت کرتالاب کے پاس پہنچے اور جلدی جلدی با تھہ منہ دھولیا، ایزیاں کچھ بھیگیں کچھ خشک رہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

((وَيُؤْلِمُ الْأَعْقَابَ مِنَ النَّارِ أَسْبِغُوا الْوَضُوءَ))۔ \* "ان ایزیاں پر دوزخ کی پھٹکار ہے، وضو کو مال کرو۔" اس وقت سے "اسباغ وضو" یعنی سکون وطمانتی کے ساتھ وضو کے تمام فرائض ادا کرنا لازم قرار پا گیا۔ اسباغ وضو کے تمام فضائل آپ ﷺ نے بیان فرمائے۔ ابتداء وضو نے یاد نہیں، ہر نماز کے وقت تازہ وضو کرتے تھے، لیکن آخر عالم مسلمانوں پر جبر ہونے کے خیال سے ہر وقت ضروری نہ رہا۔ \* اور اس کا اعلان آپ ﷺ نے عملاً فتح مکہ کے وقت فرمایا۔ \*

### تمیم

وضو کے لیے پانی کی ضرورت ہے لیکن ہر وقت سفر میں اس کا ملنامشکل ہے، نیز یہاری کی حالات میں پانی کا استعمال کبھی مضر ہے، اس لیے ۵۵ میں تمم کی آیت نازل ہوئی:

((وَإِنْ كُنْتُمْ مُرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ قَنْتَمْ مِنَ الْفَاعِطِ أَوْ لَمْسَمُ التَّسَاءَ فَلَمْ تَجْدُوْ أَمَاءَ فَتَمِمُوا صَعِيدًا طَبِيَّا فَإِمْسَحُوا بِوْجُوهِكُمْ وَأَيْدِيْكُمْ فَمِنْهُ مَا يُبَرِّدُ اللَّهُ لِيَعْلَمْ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَّٰجٍ وَلِكُنْ يُبَرِّدُ لِيَطْهُرَكُمْ وَلِيُعِمَّ لِعَيْنَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝))

(/۵ المائدۃ: ۶)

"اگر تم یہار ہو یا سفر میں ہو، یا تم میں سے کوئی جائے ضرور سے آئے، یا تم نے عورتوں سے مقاربت کی ہو اور پانی میرنہ آئے تو ظاہر مثی لے کر اس سے تمم یعنی منہ اور ہاتھوں کا اس سے سُخ کرلو، اللہ تم پر کسی طرح شکنی کرنا نہیں چاہتا بلکہ یہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک و صاف کر دے، اور اپنا احسان تم پر پورا کر دے، تاکہ تم شکر گزار بنو۔"

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ غزوہ بنی مظلق ۵۵ سے آپ واپس آرہے تھے، امام المؤمنین

\* صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله: فلم تجدوا ماء.....: ۴۶۰۸، ۴۶۰۷۔

\* صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب وجوب غسل الرجلین بكمالهما: ۵۵۶۶ تا ۵۵۷۵۔

\* فتح الباری، ج ۱، ص: ۲۰۴؛ ابو داود، کتاب الطهارة، باب السواک: ۸۴؛ احمد: ۵۲۲/۵۔

\* صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب جواز الصلوات کلہا بوضوء واحد: ۶۴۲۔

حضرت عائشہؓ ساتھ تھیں۔ مدینہ کے قریب جب قافلہ پہنچا تو اتفاقاً مام المؤمنینؓ کا ہماری گیا، سارا قافلہ وہیں اتر پڑا، نماز کا وقت آیا تو پانی نہ ملا، تمام صحابہؓ پر یہاں خاطر تھے، آنحضرتؐ ملکیتؐ کوخبر ہوئی، اتنے میں یہ آیت نازل ہوئی، مسلمانوں کو اس اجازت سے بڑی خوشی ہوئی، اسید بن حفیرؓ ایک صحابی نے کہا: ”اے آلوں ابی بکر! تم لوگوں کے لیے سرمایہ برکت ہو۔“ ﴿۱﴾ نماز

نماز آنحضرتؐ کی بعثت کے ساتھ فرض ہوئی، ﴿۲﴾ چنانچہ دوسری، ہی وحی میں حکم ہوا:

﴿وَرَبِّكَ قَلِيلٌ﴾ (۷۴/ مدثر: ۳) “اپنے پورڈگار کی بڑائی (لکبیر) بیان کر۔”

اس لکبیر سے مقصود بجز نماز کے اور کیا ہو سکتا ہے؟ لیکن چونکہ تین برس تک دعوت اسلام مجھی رہی اور کفار کے ذر سے اعلان یہ نماز پڑھنا ممکن نہ تھا، اس لیے صرف رات کو دیر تک نماز پڑھتے رہنے کا حکم تھا، دن میں کوئی نماز فرض نہیں ہوئی، چنانچہ سورہ مریل میں جوابِ ادائی سورتوں میں سے ہے یہ حکم بصرتِ حجہ مذکور ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ قُوِّيْلَيْلًا إِلَّا قَلِيلًا يَضْفَعُ أَوْ اقْفَعُ مِنْهُ قَلِيلًا أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَبِّلِيْلَ

الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا إِلَّا سُلْطَنِيْلَ قَوْلًا تَقْيِيلًا إِنَّ كَاهِيَةَ الْأَيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطَأً وَأَفْوَمُ

قَيْلًا إِنَّ لَكَ فِي التَّهَارِ سَبْعًا طَوِيلًا وَإِذْكُرْ أَسْمَرِيْلَ وَبَكْلَ إِلَيْهِ تَقْيِيلًا﴾

(المرسل: ۱، ۸/ ۷۳)

”اے کملی اوڑھ کر سونے والے ارات کو کھڑے رہا کرو مگر تھوڑی سی رات یعنی نصف رات اس نصف سے کسی قدر کشم کر دو یا نصف سے کچھ بڑھا دو اور قرآنؐ شہرِ شہر کر پڑھ، ہم تھوڑے پر عنقریب ایک بھاری بات ذاتے والے ہیں، رات کا اٹھنا نفس کو خوب زیر کرتا ہے اور یہ وقت دعا کے لیے مناسب بھی زیادہ ہے، دن کو تھوڑا کو زیادہ شغل رہتا ہے اپنے پورڈگار کا نام لے، اور سب سے ٹوٹ کر اسی کا ہورہ۔“

اس کے بعد صبح و شام کی دو دور کعیتیں اور فرض ہوئیں۔

﴿وَإِذْكُرْ أَسْمَرِيْلَ بَكْرَةً وَأَصِيلَةً وَمِنَ الْأَيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَسِيَّدْهُ لَيْلًا طَوِيلًا﴾

(الدهر: ۷۶/ ۲۵-۲۶)

• صحیح بخاری، کتاب التیم، باب قول اللہ عزوجل: فلم تجدوا ماء... ۴۶۰۷۔

نماز کے بیانات میں محمدؐ میں مختلف الراءے ہیں، ابن حجر رئیسیؓ نے فتح الباری جلد ۱، ص ۲۹۳ میں جو خلاصہ مباحث نماز کیا ہے اس کا لفظ ترجیح حسب ذیل ہے: ”ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ معراج سے پہلے رات کی غیر موقت نماز کے علاوہ کوئی اور نماز فرض نہیں، جربی کی رائے ہے کہ صبح و شام دو دور کعیتیں فرض تھیں، امام شافعیؓ نے بعض اہل علم سے روایت کی ہے کہ پہلے رات کی (دیر تک) نماز فرض نہیں بڑا زیادی (فَافْرُءُ وَأَمَا تَسْرِيْرُ مِنَ الْقُرْآنِ) کی آیت سے یہم ضرور ہو گی اور صرف تھوڑی رات تک نماز فرض نہیں اس کے بعد نماز بچھانے اس حکم کو بھی منسوب کر دیا۔“ ہم نے نماز کی تاریخ بیان کی ہے وہ انہی چند مطروہ کی تفصیل ہے جس کی تقطیع قرآنؐ جمیکی چند آیوں سے کردی گئی ہے۔ اس تفصیل سے یہ گھری محل جاتی ہے کہ قرآنؐ مجید میں اقتضانت نماز کے مختلف پیانات کیوں ہیں۔ ”س۔“

”صَحْ وَشَامَ خَدَا كَانَ لِيَا كَرَا وَرَاتَ كَيْ وَقْتَ دِيرِتَكَ اللَّهُ كَيْ آگَے سَجْدَهَ كِيَا كَرَا وَرَاسَ كَيْ تَبِعَ بَيَانَ كَرَّ“

رات کو دیرتک نماز پڑھنے کا جو حکم تھا ایک سال تک قائم رہا، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور اکثر صحابہ رضی اللہ علیہم کا ایک سال تک اسی عمل رہا۔ نماز پڑھتے پڑھتے ان کے پاؤں سوچ جاتے تھے ایک سال کے بعد فرضیت منسوخ ہو گئی ﴿﴾ اور حکم ہوا:

**﴿إِنَّ رَبِّكَ يَعْلَمُ أَنَّكُمْ تَقُومُ أَذْلِي مِنْ ثُلُثَيِ الْيَلَى وَنِصْفَةَ وَتُلُّتَةَ وَطَافِيَةَ مِنَ الظَّيْنِ  
مَعَكَ طَوَّلَةُ الْيَلَى وَالنَّهَارُ طَعْلَمَ أَنَّ لَنْ مُحْصُودَةَ فَتَأَبَ عَلَيْمَ فَاقْرَءُوا مَا تَسْتَرَ مِنَ  
الْقُرْآنِ طَعْلَمَ أَنْ سَيَّكُونُ مِنْكُمْ مَرْضَى لَا وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْغِعُونَ مِنْ  
فَضْلِ اللَّهِ وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَيِّلِ اللَّهِ فَاقْرَءُوا مَا تَسْرِفُنَهُ لَا﴾**

(المزمول: ٧٣)

”تیرا پور دگار جانتا ہے کہ تو وہ تھائی رات سے کم اور آدمی رات اور تھائی رات تک نماز پڑھا کرتا ہے اور کچھ لوگ اور تیرے ساتھ، خدا ہی رات اور دن کا اندازہ کرتا ہے۔ اس نے جان لیا کہ تم اس کو گن نہیں سکتے، تم پر اس نے مہربانی کی، اب جتنا ہو سکے اتنا ہی قرآن، نماز میں پڑھو، اس نے جان لیا کہ تم میں بیمار بھی ہوں گے، مسافر بھی ہو گئے اور جو خدا کی روزی ڈھونڈھنے کو سفر کریں گے اور لوگ خدا کی راہ میں سفر جہاد کریں گے پس اب جتنا ہو سکے اتنا ہی پڑھو۔“

رات کی اس نفل نماز کا نام تہجد ہے نماز نفل کے تہجد ہو جانے کے بعد، فجر، مغرب اور عشاء تین وقت کی نمازیں فرض ہوئیں۔

**﴿وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَقِ النَّهَارِ وَزُلْفَاقِ الْيَلَى﴾** (١١ / هود: ١١٤)

”دن کے دونوں (ابتدائی اور انتہائی) کناروں میں (یعنی فجر و مغرب) اور تھوڑی رات گزرنے کے بعد نماز پڑھا کرو۔“

معراج میں جو نبوت کے پانچویں سال ہوئی ﴿﴾ پانچ وقت کی نمازیں فرض ہوئیں ﴿﴾ اور سورہ اسراء میں جو معراج کے بیان پر مشتمل ہے یہ آیت اتری:

**﴿أَتَوْ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ النَّهَارِ إِلَى غَسْقِ الْيَلَى وَقُرْآنَ الْقَبْرِ طَإِنْ قُرْآنَ الْغَمْرِ كَانَ  
مَشْهُودًا وَمِنَ الْيَلَى قَتَّهَدَدْ بِهِ تَأْفِلَةً لَكَ﴾** (١٧ / بنی اسرائیل: ٧٨، ٧٩)

۱ ابو داود، کتاب الصلوة، باب فی صلوة اللیل: ۱۳۴۲ و مسند احمد، ج ۶، ص: ۵۴۔

۲ ہماری تحقیق میں معراج نبوت کے ذیلیں سال ہوئی ”س۔“ ﴿﴾ فتح الباری، ج ۷، ص: ۱۵۵۔

”نماز کے اوقات زوال آفتاب سے لے کر ظلمت شب تک ہیں۔ (ظہر، عصر، مغرب، عشاء) اور صبح کی نماز کو صبح کی نماز میں سب جمع ہوتے ہیں اور رات کو تجد پڑھیہ تیرے لیے مزید ہے۔“ لیکن رکعتیں دو، ہی رہیں، مدینہ منورہ میں آ کر جب نبتا کسی قدر اطمینان ہوا تو اس فرض نے وسعت حاصل کی اور دو کے بجائے چار رکعتیں فرض ہو گئیں۔ \*

با ایس ہمدرد نماز میں خضوع و خشوع اور تمکین و وقار کے جوار کا ان ضروری ہیں ان کے لیے جس اطمینان کی ضرورت تھی وہ مدت تک نصیب نہیں ہوا، اس لیے فراہم ارکان اور آداب لازمی نہیں قرار پائے بلکہ رفتہ رفتہ ان کی تمکین کی گئی، پہلے لوگ نماز میں آنکھ اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھ لیا کرتے تھے، بالآخر خضرت ﷺ نے فرمایا:

((مَا بَالْ أَقْوَامٍ يَرْفَعُونَ أَبْصَارَهُمْ إِلَى السَّمَاءِ فِي صَلَوةِهِمْ)) \*

”یہ کیسے لوگ ہیں کہ نماز میں آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا کرتے ہیں۔“

ایک مدت تک یہ حالت تھی کہ نماز پڑھنے میں کوئی کام یاد آ جاتا تو کسی سے کہد دیتے یا کوئی سلام کرتا تو نماز ہی میں جواب دیتے، پاس پاس کے آدمی نماز میں باہم باتیں کیا کرتے، جب مہاجرین جشنِ ۱۲ ہی میں واپس آ کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو آنحضرت ﷺ نماز میں مشغول تھے، معمول کے موافق لوگوں نے سلام کیا، لیکن جواب نہیں ملا، نماز کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”خدا نے اب حکم دیا ہے کہ نماز میں باتیں نہ کرو۔“ \* اس وقت سے بات چیت کرنا یا سلام کا جواب دینا بالکل منع ہو گیا۔

معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک رفعہ میں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی، ایک صاحب کو جھینک آئی میں نے ”یر حمک اللہ“ کہا، لوگوں نے تیز نگاہوں سے میری طرف دیکھا، میں نے کہا ”آپ لوگ کیا دیکھتے ہیں؟“ لوگوں نے زانو پر ہاتھ مارے، اس وقت میں سمجھا کہ بات کرنے سے روکنا چاہتے ہیں، میں چپ ہو گیا، آنحضرت ﷺ نے نماز سے فارغ ہو کر (خلق احمدی سے) مجھ کو نہ سزا دی نہ ڈالنا، نہ برا کہا، صرف یہ فرمایا کہ ”نماز تسبیح و سکبیر اور قراءت کا نام ہے۔ اس میں بات چیت جائز نہیں۔“ \*

تشریف کا جو طریقہ اب ہے، پہلے نہ تھا، بلکہ مختلف اشخاص کے نام لے کر کہتے تھے ”السلام علی فلاں و فلاں“ بالآخر احتیات کے خاص الفاظ سکھائے گئے جواب نماز میں معمول بہا ہیں۔ \*

حدیثوں میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ بچھوٹے بچوں کو نماز میں کندھے پر چڑھا لیتے، سجدہ میں جاتے وقت اتار دیتے، دوسرا رکعت میں کھڑے ہوتے تو پھر چڑھا لیتے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بہر سے آتیں

\* صحیح بخاری، کتاب الصلاة، باب کیف فرضت الصلاة فی الاسراء: ۳۹۳۵، ۱۰۹۰، ۳۵۰۔

\* بخاری، کتاب الاذان، باب رفع البصر الی السماء فی الصلوة: ۷۵۰۔

\* ابو داود، کتاب الصلوة، باب رد السلام فی الصلوة: ۹۲۳۔ \* ابو داود، کتاب الصلوة، باب تشمیت العاطس: ۹۳۰۔

\* ابو داود، کتاب الصلوة، باب الشهد: ۹۶۸۔

اور دروازہ گھٹکھٹا میں، آنحضرت ﷺ نماز پڑھتے ہوئے میں اسی حالت میں جا کر دروازہ کھول دیتے ہیں ان حدیثوں کی بنا پر بہت سے فقہاء کی یہ رائے ہے کہ یہ سب افعال نماز نفل میں جائز ہیں۔ نفل کی تخصیص اس لیے کہ جن نمازوں میں آنحضرت ﷺ نے افعال کیے وہ فرض نہ تھیں بلکہ نفل تھیں، لیکن ہمارے نزدیک یہ تاویل صحیح نہیں۔ ایک حدیث میں صاف موجود ہے کہ آنحضرت ﷺ امامہ بن ابو العاص کو کندھے پر چڑھائے مسجد میں آئے اور نماز ادا کی۔ ۲ ہمارے نزدیک یہ تمام روایتیں اسی زمانہ کی ہیں جب کہ نماز میں بات چیت اور اس قسم کے حرکات ممنوع نہیں قرار پائیں تھے۔ روزہ رفتہ نماز تکمیل کی اس حد کو پہنچی کروہ تمام تر خصوص و خشوع و مرائق و محییت بن گئی۔

قرآن مجید میں آیت اتری: «فَذَلِكَ أَفْلَهُ الْمُؤْمِنُونَ ۗ إِنَّ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاةٍ لَّهُ شُهُودُهُنَّ ۝»

(۲۳) / المؤمنون: ۱، ۲) ”فلاح پانے والے مسلمان، وہ مسلمان ہیں جو خشوع کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں۔“ اس بنا پر نماز میں ادھر ادھر دیکھنا یا کوئی حرکت خصوص و خشوع کے خلاف کرنا منع ہو گیا۔ نماز کے تمام ارکان کا نہایت سکون اور اطمینان کے ساتھ ادا کرنا لازمی قرار پایا۔ یہاں تک کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ کے سامنے نماز ادا کی اور تمام ارکان ٹھہر ٹھہر کر اچھی طرح نہیں ادا کئے تو آپ نے اس سے فرمایا کہ ”تم نے نماز نہیں پڑھی، جا کر پھر پڑھو“، اس نے دوبارہ اسی طرح ادا کی، آپ نے فرمایا کہ ”نماز نہیں ہوئی۔“ تیری دفعہ اس نے پوچھا کہ کیوں کر پڑھوں، آپ نے رکوع، سجده، قیام سب کی نسبت بدایت کی کہ نہایت اطمینان کے ساتھ ادا کئے جائیں، چنانچہ صحیح بخاری وغیرہ میں یہ روایت تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔ ۳

غرض یا تو یہ حالت تھی کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ مسجد میں جمع کی نماز پڑھ رہے تھے، اتفاقاً شام سے تجارت کا تافلہ آیا۔ بارہ آدمیوں کے سوا جس قدر لوگ نماز میں شریک تھے انھوں کو قافلہ کی طرف دوڑے۔ اس پر یہ آیت اتری: ۴

﴿وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهُوا لَفَضُوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا قُلْ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ هُنَّ الظَّاهِرُونَ وَمِنَ الْجَاهِرَةِ ۝﴾ (۶۲) / الجمعة: ۱۱)

”اور جب لوگ تجارت، یا کھیل تماشا دیکھ پاتے ہیں تو نوٹ کراس پر گرتے ہیں اور تجھ کو کھرا چھوڑ دیتے ہیں، کہہ دے کہ جو کچھ خدا کے ہاں ہے وہ تجارت اور کھیل تماشا سے بہتر ہے۔“ اور یا آنحضرت ﷺ کی تربیت و تعلیم سے یہ حالت ہوئی کہ (ایک انصاری نماز کی حالت میں تین

۱ ابو داود، کتاب الصلوة، باب العمل في الصلوة: ۹۲۲۔ ۲ ابو داود، کتاب الصلوة، باب العمل في الصلوة: ۹۱۷۔

۳ صحيح بخاری، کتاب الاذان، باب وجوب القراءة للامام والمأموم: ۷۵۷۔

۴ صحيح بخاری، کتاب الجمعة، باب اذا نفر الناس عن الامام في صلاة: ۹۳۶۔

دفعہ تیر کا رخم کھاتے ہیں، لیکن نماز نہیں توڑتے کہ جو سورہ انہوں نے شروع کیا تھا، اس کی لذت معنوی اس درد رخم سے زیادہ تھی، اس سے بڑھ کر یہ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نماز میں رخم کھا کر گرتے اور ترپتے ہیں، یہ قیامت خیر منظر سب کے سامنے ہے لیکن ایک شخص مرن کر نہیں ویکھتا کیونکہ شیعیت الہی اور محیت کا عالم جو لوں پر طاری ہے وہ اور کسی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتا۔

### نماز جمعہ اور عیدین

مکہ میں چار شخصوں کا سیکھا ہو کر نماز ادا کرنا ممکن تھا، اس لیے جمعہ کی نماز فرض نہ تھی (کیونکہ) جمعہ کی پہلی شرط جماعت ہے، لیکن مدینہ منورہ میں انصار کی ایک بڑی جماعت اسلام لا جھی تھی اور کوئی شخص ادائے نماز میں خلل انداز نہیں ہو سکتا تھا، اس لیے آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری سے قبل جو مسلمان مدینہ آپ کے تھے، اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کی تحریک سے بنی یااضہ کے محلہ میں انہوں نے جمعہ کی سب سے پہلی نماز ادا کی، مصعب بن عمير رضی اللہ عنہ امام تھے، کل چالیس مسلمان نمازی تھے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو پہلے قبا میں قیام فرمایا، یہاں سے روائی کے لیے آپ نے قصداً جمعہ کا دن معین فرمایا۔ بنی سالم کے محلہ میں پہنچنے پر نماز کا وقت آگیا، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے سب سے پہلے نماز جمعہ بیہیں ادا فرمائی یہ اول اور آخر بیع الاول ایک واقعہ ہے، مدینہ سے باہر عرب کے دوسرے حصوں میں مسلمانوں کی یک جاتداد سب سے زیادہ جوانی میں تھی، جو بھریں میں واقع تھا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ مسجد بنوی علی ﷺ کے بعد سب سے پہلے نماز جمعہ بیہیں قائم ہوئی۔ لیکن بظاہر نماز جمعہ کا اہتمام مسلمانوں میں پہلے اتنا نہ تھا جتنا کہ ہونا چاہیے۔ ابھی اوپر گزر چکا ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھا رہے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ اتفاقاً شام سے غلہ کے بیو پاری آگئے، سب لوگ اٹھ کر ادھر چلے گئے، جماعت میں صرف بارہ آدمی اور دوسری روایت کی رو سے چالیس آدمی رہ گئے۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں:

﴿إِنَّمَا الَّذِينَ أَمْنَأُوا إِذَا أُتُوهُ لِلْكُلُولَةِ مِنْ يَئْتُهُ الْمُهْمَعَةُ فَاسْعَاهُ إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْهِمَ  
ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ لَّتَمُّ تَعْلُمُونَ ۝ فَإِذَا فُضِّيَّتِ الْأَصْلُوَةُ فَأَنْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا  
مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَإِذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا الْعَلَمُ لَقْرَعُونَ ۝ وَإِذَا رَأَوْا إِيجَارَةً أَوْ لَهْوًا لَنْفَضُوا إِلَيْهَا﴾

۱ بخاری، کتاب الرضو، باب من لم يبرأ الوضوء: رقم الباب (۳۴): ابن هشام، ج ۲، ص: ۱۵۳۔

۲ طبری، ج ۵، ص: ۲۷۲۳۔ ۳ ابو داود: ۶۹؛ ابن ماجہ: ۱۰۶۹؛ دارقطنی: ۱۰۸۲؛ ابن خزیم: ۱۷۲۴۔

۴ ابن اسحاق بحوالہ سیرت ابن هشام، ج ۱، ص: ۲۶۲۔

۵ ابو داود، کتاب الجمعة: ۱۰۶۹؛ ابن ماجہ، کتاب الجمعة، باب فرض الجمعة: ۱۰۸۲۔

۶ طبری، ج ۳، ص: ۱۲۵۶۔ ۷ صحیح بخاری، کتاب الجمعة، باب الجمعة فی القری والمدن: ۸۹۲۔

۸ صحیح بخاری، کتاب الجمعة، باب اذا نفر الناس عن الامام: ۹۳۶۔

۹ دارقطنی، کتاب الجمعة، باب ذکر العدد فی الجمعة: ۱۵۶۷، ۱۵۶۸۔

وَتَرَكُوكَ قَائِمًا طَقْلٌ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ الْاَنْهٰوٰ وَمِنَ التِّجَارَةِ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرِّزْقِينَ ﴿٦﴾

(٦٢) (الجمعه: ٩ تا ١١)

”ایمان والو! جب نماز بحمد کے لیے پکارا جائے تو یادِ الہی کی طرف دوڑو، اور خرید و فروخت چھوڑو، یہ بہتر ہے، اگر تم کو علم ہو، جب نماز سے فراغت ہو جائے تو زین میں چلو پھر اور خدا کی روزی تلاش کرو اور خدا کو اکثریا کیا کرو، تاکہ فلاج پاؤ جب لوگ تجارت اور حکیل تماشا دیکھ کر پاتے ہیں تو نوٹ کراس پر گرتے ہیں، اور تمہارے پیغمبر! کھڑا چھوڑ دیتے ہیں کہہ دے کہ جو کچھ خدا کے پاس ہے وہ تجارت اور حکیل تماشا سے بہتر ہے اور خدا بہتر روزی دینے والا ہے۔“

اس کے بعد یہ حالت ہو گئی کہ نماز کے سامنے تمام دنیا کی دولت کا خزانہ بھی ان کے آگے بیج ہو گیا۔

خدانے ان کی مدح فرمائی:

﴿رِجَالٌ لَا تُلِيهُمْ تِجَارَةً وَلَا يَكُونُونَ ذُكْرًا لِلّٰهِ﴾ (٢٤) (النور: ٣٧)

”یہ وہ لوگ ہیں جن کو تجارت اور خرید و فروخت خدا کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔“

عید کی نماز بھی مدینہ میں آ کر قائم ہوئی، لیکن جس سال آپ تشریف لائے اس سال عید کی نمازوں میں ہوئی تک ۲۳ میں مسنون ہوئی۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ عید کی نماز، روزہ رمضان کے تابع ہے، اور رمضان کے روزے دوسرے سال فرض ہوئے۔

### صلوٰۃ خوف

نماز کسی حالت میں قضاۓ نہیں کی جاسکتی، خوف کی حالت میں مثلاً جنگ میں یہ حکم ہے کہ تمام فوج کے دو ٹکڑے کر دیے جائیں، پہلے ایک جماعت تمام تھیاروں سے مسلح ہو کر امام کے پیچھے کھڑی ہو اور قصر نماز ادا کرے، پھر بہتر تسبیب یا آگے بڑھے اور دوسرا جماعت جو دشمن کے مقابلہ میں تھی، وہ پیچھے ہٹے اور وہ بھی قصر نماز ادا کرے، امام اپنی جگہ پر قیام کرے، رواتب میں ہے کہ ہر جماعت دو دور رکعت امام کے ساتھ ادا کرے یا ایک ایک رکعت امام کے ساتھ اور دوسرا رکعت علیحدہ علیحدہ پڑھے، یا صرف ایک ہی رکعت اس حالت میں فرض ہے، ابو داؤد نے صلوٰۃ الخوف کی تمام صورتیں برداشت صحابہ الگ الگ لکھ دی ہیں۔ ۱ ہمارے نزدیک ان میں کوئی اختلاف نہیں ہے، یہ جنگ کی حالت پر موقوف ہے، امام جس وقت جو مناسب سمجھے کرائے، اگر لڑائی پورے زور اور شدت پر ہو، تو ہر سپاہی اپنی اپنی جگہ پر اشارات سے نماز ادا کرے گا۔ سورہ نساء میں صلوٰۃ الخوف کی صورت تفصیل ذکور ہے۔ ۲ صلوٰۃ الخوف کا حکم غزوہ ذات الرقائع ۳ میں نازل ہوا، اسی غزوہ کا نام بعض راویوں نے غزوہ نجد بتایا ہے۔ ابو داؤد میں ابو عیاش زرقی کی ایک روایت ہے جس سے

۱ طبری، ج ۳، ص: ۱۲۸۱، ابو داؤد، کتاب صلاة السفر، باب صلوٰۃ الخوف: ۱۲۳۶۔

۲ دیکھو آیات: ۱۰۳، ۱۰۴۔

معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ الخوف کی آیت صلح حدیبیہ کے موقع پر مقام عسگان میں نازل ہوئی، یعنی ادھ میں، لیکن زیادہ تر رواۃ حدیث اور اہل سیر غزوہ ذات الرقاب ہی کو اس حکم کا زمانہ سمجھتے ہیں۔ ❷  
روزہ

اسلام سے پہلے قریش عاشورا کے دن روزہ رکھتے تھے۔ (اس دن خانہ کعبہ پر غلاف پڑھایا جاتا تھا) ❸  
آنحضرت ﷺ بھی اس دن روزہ رکھتے تھے اور عجب نہیں کہ آپ ﷺ کی تبعیت میں دوسرا سے صحابہؓؑ تھے  
بھی روزہ رکھتے ہوں۔ ❹ نبوی میں یعنی ہجرت سے آٹھ برس پہلے حضرت جعفر ؓ نے جشن کے نجاشی  
کے سامنے اسلام پر جو تقریکی تھی اس میں روزہ کا ذکر بھی موجود ہے وہ غالباً اسی دن کا روزہ ہوگا، اس کے بعد)  
جب آنحضرت ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو دیکھا کہ یہود بھی اس دن روزہ رکھتے ہیں، آپ نے لوگوں  
سے وجہ پوچھی لوگوں نے بیان کیا کہ حضرت موسیؑ نے اسی روز فرعون کے ہاتھ سے نجات پائی تھی  
آپ ﷺ نے فرمایا: ”هم کو حضرت موسیؑ کی تقلید کا زیادہ حق ہے۔“ چنانچہ آپ ﷺ نے (یہاں  
بھی) عاشورا کا روزہ رکھا (اور صحابہ کو رکھنے کا حکم دیا)۔ پھر ۲۲ھ میں رمضان کے روزے فرض ہوئے تو عاشورا  
کا روزہ مستحب ہو گیا، یعنی جس کا جی چاہتا تھا رکھنا اور جو نہیں چاہتا تھا نہیں رکھتا تھا، ❺ لیکن آپ ﷺ  
نے نفس نہیں اس دن کا روزہ برادر کھا۔ ❻ میں لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ایہود تو اس دن کی  
بری عزت کرتے ہیں، فرمایا کہ آئندہ سال ۱۰ کے بجائے ۹ کو روزہ رکھوں گا لیکن افسوس کہ آپ ﷺ نے اسی  
سال وفات پائی۔ ❻

یہود اس طرح روزہ رکھتے تھے کہ نماز عشاء کے بعد پھر نہیں کھاتے تھے اور اس کو حرام سمجھتے تھے، عورت  
کے ساتھ ہم بسترنی بھی منع تھی۔ ابتدائے اسلام میں مسلمان بھی اسی طریقہ کے موافق مامور ہوئے اسلام کے  
تمام احکام میں سب سے مقدم یا اصول ملحوظ رہتے تھے۔

﴿لَيُرِيدُ اللَّهُ يَكْرَمُ الْيَسِرَ وَلَا يُرِيدُ يَكْرَمَ الْعُسْرَ﴾ (۲/ البقرة: ۱۸۵)

”خداتھارے حق میں آسانی چاہتا ہے، سختی نہیں چاہتا۔“

((الاصرورة فی الاسلام))۔ ❻ ”اسلام میں جوگی پن نہیں ہے۔“

اسی بنا پر یہ آیت نازل ہوئی:

❻ دیکھو ابو داود، کتاب صلاۃ السفر صلوٰۃ الخوف: ۱۲۳۶؛ طبری، ج ۳، ص: ۱۴۵۴ واقعات: ۴ ھ؛ ابن سعد،  
ج ۲، ص: ۴۳۔ ❷ مسند ابن حنبل، ج ۶، ص: ۲۴۴۔

❸ ابو داود، کتاب الصیام، باب فی صوم یوم عاشوراء: ۲۴۴۲۔ ❹ یقان و اغاثات صحیح بخاری،  
کتاب الصوم، باب صیام یوم عاشوراء: ۲۰۰۴؛ صحیح مسلم، کتاب الصوم: ۲۶۳۷؛ ۲۶۲۶ اور  
ابو داود، کتاب الصوم، باب ماروی ان عاشوراء الیوم التاسع: ۲۴۵ میں تفصیل مذکور ہیں۔

❺ ابو داود، کتاب المناسک، باب لا صرورة فی الاسلام: ۱۷۲۹؛ مسند احمد، ج ۱، ص: ۳۱۲۔

﴿أَجَلٌ لِّكُمْ لِيَلَةُ الْقِيَامِ الرَّفِيقُ ﴾ إِلٰى نِسَائِكُمْ وَكُلُوْا وَاشْرِبُوا حَتّٰى يُبَيِّنَ لَكُمْ

الْحِيْطُ الْأَيْضُ مِنَ الْحِيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾ (٢/ البقرة: ١٨٧)

”روزے کی راتوں میں تمہارے لیے عورتوں سے لطف اٹھانا حلال کر دیا گیا ہے، جب تک صبح کی سپیدیکیر (رات کی) سایہ لکیرتے الگ نہ ہو جائے تم کھاتے پیتے رہو۔“

اہل عرب روزہ کے بہت کم خونگر تھے۔ اول اول روزہ ان پر شاق ہوا، اس لیے نہایت تدریج کے ساتھ روزہ کی تکمیل کی گئی۔ اول اول آنحضرت ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو سال میں تین روزے رکھنے کا حکم دیا، پھر روزے میں فرضیت نازل ہوئی تو یہ اختیار ہا کہ جو شخص چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے روزہ کے بد لے ایک غریب کو کھانا کھلا دے۔ رفتہ رفتہ جب لوگ روزے کے خونگر ہو چلے تو یہ آیت اتری۔

﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلِيَصُمُّهُ﴾ (٢/ البقرة: ١٨٥)

”جو رمضان کا مہینہ پائے، وہ ضرور روزہ رکھے۔“

اب بالیقین روزہ فرض ہو گیا اور فدیہ کی اجازت جاتی رہی البتہ جو شخص یہاں ہو یا سفر میں ہواں کے لیے حکم ہوا کہ اس وقت روزہ چھوڑ دے اور ان کے بد لے کسی اور وقت قضا کر دے پوچنکہ اور تمام قوموں میں خصوصاً عیسائیوں میں رہبانیت بڑی فضیلت کی بات کبھی جاتی تھی، اس لیے جو لوگ زیادہ خدا پرست تھے وہ روزہ میں زیادہ سختی برداشت کرتے تھے لیکن آنحضرت ﷺ و متفقہ فتاویٰ اس سے روکتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ سفر میں تھے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے گرد بھیڑ لگی ہوئی ہے اور اس پر لوگوں نے سایہ کر رکھا ہے، سبب پوچھا، معلوم ہوا خت گرمی میں اس شخص نے روزہ رکھا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”سفر میں روزہ رکھنا کچھ ثواب کی بات نہیں۔“ بعض لوگوں نے صوم وصال رکھنا چاہا یعنی رات دن روزہ رکھیں بیچ میں افظار نہ کریں آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔

روزہ کا مقصد عام طور پر یہ سمجھا جاتا تھا کہ اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالنا ثواب کی بات ہے، اس لیے آنحضرت ﷺ نے ہر طرح کی آسانیوں کا حکم دیا، سفر میں اور یہاں رکھنا فرض نہ تھا۔ راتوں کو صحیح صادق تک کھانے پینے اور تمام اشغال کی اجازت تھی، سحر کھانے کی فضیلت بیان کی اور یہ بھی فرمایا کہ صبح کے قریب کھائی جائے تاکہ دن بھر قوت باقی رہے۔

روزہ کا مقصد صرف معاشری سے کفت نفس تھا اور روزہ اس کا معین تھا اس لیے آنحضرت ﷺ نے

ابو داود، کتاب الصیام، باب مبدء فرض الصیام: ٢٣١٣، ٢٣١٤ واسباب النزول للسبوطي، ص: ٢٧۔

صحیح بخاری، میں ہے نزل رمضان فتنق علیہم، کتاب الصوم، رقم الباب: ٣٩۔

صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب قول النبي ﷺ لمن ظلل عليه: ١٩٤٦۔

صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب الوصال: ١٩٦٢۔ بخاری کی شرح فتح الباری میں تا خیر حکی وجہ یہی بتائی گئی ہے۔ کتاب الصوم، باب قدر کم بین السحور، ج ٤، ص: ١١٩۔

فرمایا کہ ”جو شخص روزہ میں جھوٹ فریب نہیں چھوڑتا خدا کو اس کی فاقہ کشی کی کوئی حاجت نہیں۔“ ۱ زکوٰۃ

خیرات اور زکوٰۃ کی ترغیب اور تحریص اسلام میں ابتدائی سے معمول ہے۔ مگر میں جو سورتیں اتریں ان میں زکوٰۃ کا لفظ تصریح آندہ کو ہے اور خیرات نہ دینے والے پر نہایت عتاب ہے:

﴿أَرَعِيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالَّذِيْنَ فَذِلِكَ الَّذِي يَدُعُ الْيَتِيمَةَ وَلَا يَحْضُ عَلَى طَعَامِ الْيُسْكِينَ﴾

(۱۰۷ / الماعون: ۱)

”تم نے اس شخص کو دیکھا جو قیامت کو جھلاتا ہے، یہی وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کے کھانا کھلانے کی لوگوں کو ترغیب نہیں کرتا۔“

مدینہ منورہ میں زیادہ تاکیدی آیتیں نازل ہوئیں۔ ۲ میں عید کے دن صدقہ نظر دینا واجب قرار پایا ۳ بھرت کے ابتدائی زمان میں عام مسلمان اور خصوصاً مہاجرین سخت فقر و فاقہ میں بنتا تھے۔ حدیثوں میں صحابہ کے فقر و نگرانی کے جو واقعات کثرت کے ساتھ مذکور ہیں، اسی زمانہ کے ہیں، اس بنا پر یہ حکم ہوا کہ جس شخص کے پاس ضروری مصارف سے جو کچھ بچے سب کو خیرات کر دینا چاہیے، ورنہ عذاب ہوگا، چنانچہ خاص آیت نازل ہوئی:

﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِيْنَ الَّذِهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُفْقُهُوْهَا فِي سَيْيِلِ اللّٰهِ﴾ (۹ / التوبہ: ۳۴)

”جو سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور خدا کی راہ میں خیرات نہیں کرتے۔“

اس آیت کا بھی یہی مطلب ہے:

﴿وَيَسْأَلُوكُم مَاذَا يَنْفَقُونَ هُنَّ قُلُلُ الْعَفْوُطِ﴾ (۲ / البقرۃ: ۲۱۹)

”لوگ تمہے پوچھتے ہیں کہ کیا خیرات دیں کہہ دو کہ جو کچھ مصارف ضروری سے فوج رہے۔“

بہت سے لوگ خیرات کرتے تھے لیکن عدمہ مال کو محفوظ رکھتے تھے، بے کار، یا رذی چیزیں خیرات میں دیتے تھے، اس پر حکم ہوا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا إِنَّفَقُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبُوْا وَمِنَّا أَخْرَجُنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ سَعَيْدٌ﴾

(۲ / البقرۃ: ۲۶۷)

”مسلمانو! اپنی کمائی میں سے اور اس چیز میں سے جو ہم نے تمہارے لیے زمین میں پیدا کیا، اچھا حصہ خیرات دو۔“

مزید تاکید کے لیے یہ حکم ہوا کہ جو شخص اپنی محبوب چیز نہ دے گا، اس کو ثواب نہ ملے گا۔

۱ بخاری، کتاب الصوم، باب من لم يدع قول الزور: ۱۹۰۳۔ ۲ طبری، ج ۲، ص: ۱۲۸۱۔

۳ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله عزوجل: (لِيَوْمٍ يَحْمَى عَلَيْهَا فِي نَارٍ.....) (۴۶۶۱)۔

﴿لَكُنْ تَنَالُوا الْبَرَّ حَتَّىٰ تُتَقْوَىٰ هَمَّا تُجْمِعُونَهُ﴾ (۲/۹۲، آل عمران)

”تم لوگ ثواب نہیں پاسکتے جب تک کوہ چیز خیرات نہ کرو جو تم کو عزیز ہے۔“

اب صدقہ اور خیرات کی طرف یہ عام رغبت پیدا ہوئی کہ جو لوگ نادر تھے وہ صرف اس لیے بازار میں جا کر مزدوری کرتے اور کندھوں پر بوجھلا کر لوگوں کے پاس پہنچاتے تھے کہ مزدوری ملے تو خیرات کریں۔ \*  
با اسی ہمسایہ تک زکوٰۃ فرض نہیں ہوئی۔ فتح نکہ کے بعد اس کی فرضیت ہوئی تو اس کے مصارف بیان کیے گئے اور آنحضرت ﷺ نے تمام ممالک مقبوضہ میں زکوٰۃ کے وصول کرنے کے لیے (محرم ۹ھ میں) مصلین مقرر کے \* زکوٰۃ کے مصارف حسب ذیل تھے:

﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِأَفْقَارِهِ وَالْمَسْكِينِ وَالْعِيلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤْلَفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي التِّرْقَاءِ وَالْغُرِيمِينَ وَفِي سَيِّلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّيِّلِ طَرِيقَةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلَيْهِ حَكِيمٌ﴾

(التوبہ: ۶۰)

”زکوٰۃ ان مصارف کے لیے ہے، فقراء، مساکین، زکوٰۃ کے وصول کرنے والے، موقوفۃ القلوب، غلام، جن کو آزاد کرنا ہے، مقرض، مسافر اور خدا کی راہ میں، یہ خدا کا فرض ہے اور خدا علیم و حکیم ہے۔“

زکوٰۃ کی شرح نہایت تفصیل سے فرائیں نبوی ﷺ میں منقول ہے فتنہ میں کتاب الزکوٰۃ انہیں فرائیں سے ماخوذ ہے۔

ج

دنیا میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم ﷺ نے خدا پرستی کے لیے عبادت گاہ عام بنایا اور تمام دنیا کو دہا آ کر عبادت کرنے کی دعوت دی:

﴿وَإِذْ يَوْمًا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتُ أَنْ لَا تُنْشِرُ كُنْ شَيْئًا وَطَهْرٌ يَقِيْتَ لِطَّاهِيْفِيْنَ وَالْقَالِبِيْنَ وَالرِّكَمَ الْتَّجْوِيدَ وَأَوْنَ فِي النَّاسِ بِالْحِجَّةِ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِيرٍ يَأْتُينَ مِنْ كُلِّ فَيْمِ عَيْنِيْقَ لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَدْكُرُوا السَّمَاءَ اللَّوْقِ آيَاتٍ مَعْلُومَتِ﴾

(الحج: ۲۲)

”اور جب کہ ہم نے ابراہیم کے لیے کعبہ کی جگہ مقرر کر دی کہ ہمارے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ہمارے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام درکوئ اور وجود کرنے والوں کے لیے پاک و صاف رکھ اور حج کی منادی کر دے تو لوگ ہر طرف سے دوڑے آئیں گے، کچھ پیدل اور کچھ

\* بخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب انتقوا النار ولو بشق تمرة: ۱۴۱۶ -

\* طبری، مطبوعہ یورپ، ج ۴، ص: ۱۷۲۲؛ ابن سعد، قسم اول، جزء ثانی مغازی، ص: ۱۱۵ -

او نئیوں پر سوار ہتا کہ فاکنڈہ اٹھائیں اور تاکہ ایام مقررہ میں خدا کا ذکر کریں۔“

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت عام پر دنیا نے لبیک کہا اور ہر سال عرب کے دور دراز اطراف سے لوگ حج کو آتے تھے لیکن ایک طرف تو یہ افسوسناک انقلاب ہوا کہ جو گھر خالص توحید کے لیے تعمیر ہوا تھا، وہ تمیں سوسائٹیوں کا تماشا گاہ بن گیا، دوسری طرف اس گھر کی تولیت کا سب سے زیادہ جس کو حق تھا وہ یہاں سے نکلتے پر مجبور ہوا اور پورے آٹھ برس تک ادھر آنکھ اٹھا کر دیکھی نہ سکا۔ بالآخر ظہور حق کا وقت آیا، مکہ فتح ہوا اور جانشین ابراہیم علیہ السلام اور ان کے قبیلين کو موقع ملا کہ شعرا ابراہیمی کو پھر زندہ کیا جائے، چنانچہ ۹۹ھ میں حج فرض ہوا، \* تاہم آنحضرت علیہ السلام نے اس سال یہ فرض ادا نہیں کیا کہ عرب سنگہ ہو کر طواف کعبہ کرتے تھے اور آنحضرت علیہ السلام اسی بے حیائی کا منظر آنکھ سے دیکھنا گوار نہیں فرماسکتے تھے، اس لیے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ایام حج میں روانہ کئے گئے کہ کعبہ میں جا کر منادی کردیں کہ ”آئندہ سے کوئی شخص عرب میں ہو کر کعبہ کا طواف نہ کرنے پائے گا۔“ \*

ایک اور وجہ یہ تھی کہ نسی کے قاعدہ سے حج کامہینہ ہٹتے ہٹتے ذوق دہ میں آگیا تھا، چنانچہ ۹ ہکاج اسی مہینے میں ادا ہوا، لیکن حج کا اصلی مہینہ ذوالحجہ تھا، اس لیے آنحضرت ﷺ نے ایک سال کا انتظار فرمایا اور اس وقت حج ادا کیا جب وہ اپنے اصلی مرکز پر آگیا۔ ④

ج کے اصلاحات

حج کی رسم اگرچہ کفار نے قائم رکھی تھی لیکن اس کی صورت بالکل بدل دی تھی اور اس میں اس قدر بدعتات اضافہ کر دیئے تھے کہ وہ ثواب کے بجائے عذاب کا کام بن گیا تھا۔ سب سے مقدم یہ کہ حج اور تمام عبادات کا مقصد خدا کا ذکر اور توجہ الی اللہ ہے لیکن اہل عرب جب حج میں جمع ہوتے تھے تو خدا کے بجائے ایسے باپ دادا کے مفاضر اور کارنا میں بیان کرتے تھے اس بنا پر یہ آیت اتری:

فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكُكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذَكْرِ كُمَّا يَعْلَمُونَ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا

”پھر جب حج کے اركان پورے کر لو تو خدا کا ذکر کرو، جس طرح اپنے باپ وادا کا ذکر کرتے تھے، کیا ان سے بھائی کرے؟“

زاد المعاد، ج ١ ، ص: ١٨٠ - صحيح مسلم، كتاب الحج، باب لا يحج البيت مشرك ولا يطوف بالبيت عريان. ٣٢٨٧ - ٦) تحدثت ملائكة في حية الوراع كخطبة من الفتاوى فرأى تهـيـةـ الزـمـانـ قدـ اـسـتـدـارـ كـهـيـتـهـ يومـ خـلـقـ السـمـوـاتـ وـالـأـرـضـ، السـنـةـ اـثـنـعـشـرـ شـهـرـاـ، مـنـهـ اـرـبـعـةـ حـرـمـ ثـلـاثـةـ مـتوـالـيـاتـ ذـوـالـقـعـدـةـ وـذـوـالـحـجـةـ وـذـوـالـمـحـرـمـ وـرـجـبـ مـضـرـالـذـىـ بـيـنـ جـمـادـىـ وـشـعـبـانـ "اـسـ سـىـ اـكـ طـرفـ اـشـارـهـ قـاـبـخـارـىـ، كـتـابـ المـغـازـىـ، بـابـ حـجـةـ الـوـدـاعـ: ٤٤٠٦ - ٧) أسباب التزول للواحدى.

خاص اہل مدینہ نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ منات جو بت تھا، اس کا طواف کرتے تھے اور اس بنا پر جب کعبہ کا حج کرتے تھے جب بھی صفا و مروہ کا طواف نہیں کرتے تھے حالانکہ حج کے مقاصد میں سے ایک بڑا مقصد یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگاریں قائم رکھی جائیں اور صفا و مروہ کا طواف اسی عبید کی یادگار ہے، اسی بنا پر یہ آیت اتری:

﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَابِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أُوْ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَضْطَوفَ يَهْمَاطَ﴾ (۲/ البقرۃ: ۱۹۸)

”صفا و مروہ خدا کی یادگاریں، اس لیے جو شخص حج یا عمرہ کرے تو اس کو ان دونوں مقاموں کا بھی طواف کرنا چاہیے۔“

ایک طریقہ یہ جاری ہو گیا تھا کہ اکثر لوگ (آج کل کی طرح) جن کے پاس زاد سفر نہیں ہوتا تھا، یوں ہی چل کھڑے ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم متولی ہیں، ان لوگوں کو اکثر راہ میں گدگری اور دوستوں کی دشگیری کا تھا جو ہونا پڑتا تھا، اس بنا پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَلَزُوْدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى﴾ (۲/ البقرۃ: ۱۹۷)

”او گھر سے زاد سفر لے کر چلو، کیونکہ اچھا زاد سفر تقویٰ ہے۔“

احرام حج میں سر کے بالوں کا منڈا و انا یا تر شوانا منع ہے لیکن اس میں اہل جاہلیت نے بہت سختی کر دی تھی یہاں تک کہ بعض صاحبوں کے بالوں میں اس قدر جو میں پڑ گئیں کہ بینائی جاتے رہنے کا خوف ہو گیا، بتا ہم وہ بال نہ تر شوائے۔ اسلام میں چونکہ سب سے مقدم یا مر پیش نظر ہے کہ اس کی عبارات اور احکام تکلیف مالا بیطاق نہ بن جائیں، اس لیے یہ حکم ہوا:

﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مُّرِيضًا أَوْ هُوَ أَذْيَى مَنْ زَوْسِمَهُ فَنَدِيْهُ مَنْ فِيْدَيْهُ مَنْ مِنْ صَيَامٍ أَوْ صَدَقَةً أَوْ نُسُكٍ﴾ (۲/ البقرۃ: ۱۹۶)

”تو جو شخص بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ عارضہ ہو تو وہ (اگر بال منڈا لے) تو فدیہ ادا کر دے یعنی یاروزہ یا خیرات یا قربانی۔“

قربانی جو کرتے تھے اس کا خون لے کر کعبہ کے درد پوار پر ملتے تھے اور اس کو ثواب سمجھتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿أَنَّ يَعْلَمَ اللّٰهُ حُوْمَهَا وَلَا دَمَاؤُهَا وَلِكُنْ يَعْلَمُ اللّٰهُ التَّقْوَى مِنْكُمْ﴾ (۲۲/ الحج: ۳۷)

۱۔ قرآن مجید میں جناب کا جو لونت ہے اس کا عامہ تہ جہ "حرج" یا "نقصان" ہے اس بنا پر جسم یہ ہونا چاہیے کہ صفا و مروہ کے طواف میں کچھ حرج نہیں لیکن لا جناح کا لفظ واجب اور مستحب کے معنوں میں بھی آیا ہے۔ (بخاری: ۱۶۴۳)۔

۲۔ بخاری، کتاب الحج، باب قول الله تعالى: وَتَزُوْدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى: ۱۵۲۳۔ ۳۔ تفسیر بیضاوی، ج ۲، ص: ۵۲ مطبع نبول کشور ۱۲۸۲ھ (یہ رسم یہودیوں سے آئی ہے، لا وہیں کے ۱۔ تاریخ دوہم ۲۲-۲۹ مئی ۱۹۷۲ء)

”خدا کو قربانی کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا بلکہ تمہاری پر ہیزگاری اس تک پہنچتی ہے۔“  
 اس آیت میں صرف اس فعل سے نہیں روکا گیا بلکہ یہ بھی بتادیا گیا کہ قربانی خود کوئی مقصود بالذات چیز  
 نہیں بلکہ اصل چیز جس کو خدا قبول کرتا ہے وہ تقویٰ اور پر ہیزگاری ہے۔  
 رسول حج میں ایک بڑی چیز جو قریش نے اصول اسلام کے خلاف قائم کر دی تھی، یہ تھی کہ وہ عرفات جو  
 حج کا اصلی عبادت گاہ عام تھا، نہیں جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اہل حرم ہیں ہم حدود حرم سے باہر نہیں جاسکتے،  
 یہ ہمارے خاندان کی توہین ہے، اس لئے وہ صرف مزدلفتک جا کر کھپڑ جاتے تھے، باقی تمام عرب عرفات میں  
 جمع ہوتے تھے اور وہاں سے چل کر مزدلفہ اور منی میں آتے تھے چونکہ اسلام کا اصول اصلی، مساوات عامہ ہے  
 اور عبادت میں سب یکساں ہیں اس لیے حکم آیا کہ ﴿

﴿فَإِذَا أَفْضَلْتُمْ مِنْ عَرَفَتِ فَأَذْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَإِذْكُرُوهُ لَمَّا هَدَيْتُمْ﴾

﴿كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ لَيْلَةَ الْمَصَالِيْنَ ثُمَّ أَفْيَضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهُ إِنَّ

اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (۲/ البقرہ: ۱۹۸-۱۹۹)

”پھر جب عرفات سے لوٹو تو مشرح رام (مزدلفہ) کے پاس خدا کا ذکر کرو، جس طریقہ سے اس  
 نے تم کو ہدایت کی ہے اور اس سے پہلے میشک تم گراہ تھے، پھر وہیں سے چلو جہاں سے اور  
 لوگ چلتے ہیں اور خدا سے معافی مانگو، وہ غفور اور رحیم ہے۔“

قربانی کے جانور کو چونکہ سمجھتے تھے کہ خدا پر چڑھا دیا گیا ہے، اس لیے اس پر سوار نہیں ہوتے تھے اور  
 پیدل چلنے کی تکلیف گوارا کرتے تھے۔ یہ رسم اسلام کے آنے تک قائم رہی ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے  
 ایک صاحب کو سفر حج میں دیکھا کہ قربانی کے اونٹ کے ساتھ ہیں لیکن خود پیدل جا رہے تھے، آپ ﷺ نے  
 ان سے فرمایا کہ ”سوار ہولو۔“ بولے، یہ قربانی کے اونٹ ہیں۔ آپ ﷺ نے دوبارہ فرمایا، انہوں نے  
 دوبارہ وہی عذر کیا، آپ ﷺ نے زجر کے ساتھ حکم دیا کہ ”بیٹھ لو۔“

ایک قسم کا حج ایجاد کر لیا تھا، جس کو حج مضمٹ کہتے تھے یعنی جو شخص حج کرتا تھا، وہ آغاز حج سے اخیر  
 تک منہ سے پکھ بولتا رہتا تھا، اسلام نے اس تکلیف مالا بیاق سے منع کیا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت  
 ابو بکر رضی اللہ عنہ نے احس کی ایک عورت کو جس کا نام زینب تھا، دیکھا کہ کسی سے بات چیت نہیں کرتی، دریافت  
 کیا تو معلوم ہوا کہ حج مضمٹ کی نیت کی ہے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ”یہ جائز نہیں، یہ زمانہ جاہلیت کی  
 بات ہے۔“

(سب سے بڑی بے حیائی کی بات یہ تھی کہ قریش (حمس) کے سواعام عرب مردو زن کعبہ کا برہنہ

صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب شم افیضوا من حیث افاض الناس: ۴۵۲۰۔ ۲ بخاری، کتاب الحج،  
 باب رکوب البدن: ۱۶۸۹، ۱۶۹۰۔ ۳ بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب ایام الجahلیyah: ۳۸۳۴۔

طواف کرتے تھے۔ حدود حرم میں آ کر تمام لوگ اپنے اپنے کپڑے اتار دلتے تھے، اور عمارتیاں کسی قریش سے کپڑے مانگ لیتے تھے، اگر نہ ملتے تو نئے کعبہ کے گرد گھوٹتے تھے۔ عورتیں بھی اسی طرح نئی طواف کرتی تھیں اور یہ شعر گاتی جاتی تھیں:

الْيَوْمَ يَبْدُو بَعْضُهُ أَوْكَلْهُ  
وَمَا بَدَا مِنْهُ فَلَا أَجْلُهُ  
اور جو کھلا ہے اس کو میں حلال نہیں کرتی۔  
آجْ كَچُو حصَّهُ اسْ كَا يَا يُورَا كَھْلَهُ  
اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ \*

﴿يَيْقِنُ أَدَمَ خُذْ وَأَزْيَتْكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ (۷/الاعراف: ۳۱)

”اے آدم کے بیٹوں! مسجدوں میں کپڑے پہن لیا کرو۔“

اس بنا پر <sup>۲۹</sup> میں آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو بکر رض صدیق کو بھیجا، انہوں نے عین موسم حج میں اعلان کیا کہ آئندہ کوئی برہمن حج نہ کرنے پائے گا۔ \*

### معاملات

شریعت کی سمجھیں میں جو ترقی ملحوظ رہی، اس کے لحاظ سے وارثت، نکاح و طلاق و وصاصل و تجزیات (ونیرہ) کے احکام، بعثت سے بہت بعد آئے (سبب یہ ہے کہ ان احکام کے اجراء کے لیے ایک نافذ الامر قوت کی ضرورت تھی جواب تک اسلام کو حاصل نہیں ہوئی تھی، غزوہ بدر کے بعد سے اسلام کی سیاسی طاقت کا نشوونما شروع ہوا)؛ بھرت کے پہلے اور دوسرے سال میں جو احکام نازل ہوئے وہ تحولی قبلہ، فرضیت روزہ، زکوٰۃ فطر، نماز عید اور قربانی تھی، تیرے سال سے جب اسلام کے کاروبار زیادہ پھیلنے شروع ہوئے تو سب سے پہلے توریت کا قانون قرآن مجید میں نازل ہوا۔

### واراثت

(مسلمان جب ابتداءً مدینہ آئے ہیں تو اس وقت یہ حالت تھی کہ باپ مسلمان ہے تو بیٹا کافر ہے ایک بھائی کافر ہے تو دوسرا بھائی مسلمان ہے اس حالت میں اقربا اور اعزہ کی وراثت کا قانون کیونکرنا فذ ہو سکتا تھا، اس لیے آنحضرت ﷺ جب مدینہ تشریف لائے، تو آپ نے مهاجرین اور انصار میں موافحة (برادری) قائم کر دی، جس کی رو سے یہ قاعدہ مقرر ہو گیا کہ کوئی انصاری مرتا تو اس کی وراثت مهاجرین کو ملے گی \* عرب

۱ یہ پروا اعتماد رشان نزول نسائی، کتاب مناسک الحج، باب قوله عزوجل: حدوا زیستکم عند کل مسجد: ۲۹۵۹۔  
۲ صحیح مسلم، کتاب الحج: باب لا يصح البيت مشرك: ۳۲۸۷ و صحیح بخاری، کتاب الحج، باب لا يطوف بالبيت عرياناً میں ذکر ہے۔

۳ یہ غریر کا بیان ہے لیکن صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت ابن عباس رض کے حکم دلیل آیت کریمہ سے منسوب ہوا ہے۔ (وَلَكُلٌ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مَهَاجِرَةَ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ وَالَّذِينَ عَقدَتْ أَيْمَانُهُمْ فَأَتُؤْمِنُ بِعَيْنِهِمْ) (۴/ النساء: ۳۳) دلخون صحیح بخاری، کتاب التغیر، تفسیر آیت ذکر: ۳۵۸۰۔

میں پہلے بھی وستور تھا کہ دو آدمی آپس میں عبید کر لیتے کہ ہم دونوں آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے، ان میں سے جب کوئی مرتا تو دوسرا وارث ہوتا لیکن ۳۷ میں قرآن کی اس آیت نے اس قاعده کو منسوخ کر دیا:

**﴿وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمُ أَوْلَى بِيَعْظِمِ﴾** (۸) / الانفال: ۷۵

”قرابت من ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہے۔“

اس کی رو سے مواخاة کی بنا پر وراثت موقوف ہو گئی اور خاندان اور زادوی الارحام میں وراثت محدود ہو گئی۔

(آیت توریث کے نزول سے پہلے قرآن نے وصیت کا قاعده جاری کیا تھا، یعنی مرنے والا اپنے مال و جائیداد کی نسبت یہ وصیت کر جاتا کہ اس میں سے اتنا اس کو دیا جائے اور اتنا اس کو ملے) مرنے کے بعد اسی طریقہ سے اس کی جائیداد تقسیم کر دی جاتی، مرنے سے پہلے ہر مسلمان پر اس وصیت کا مکمل کر جانا فرض تھا۔

**﴿كُتُبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدُكُمُ الْمُوْتَ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا إِلَوْصِيَّةً لِلْوَالَّدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ**

**بِالْمَعْرُوفِ حَقًا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿٢﴾** (۲) البقرہ: ۱۸۰

”مسلمانو! تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت آنے لگے اور وہ کچھ مال چھوڑنے والا ہو تو مان باپ اور رشتہ داروں کے لیے بطریق مناسب وصیت کر جائے، متنی لوگوں پر یہ فرض ہے۔“

جو لوگ حالت مسافرت میں مرجاتے، ان کے لیے گواہی اور شہادت کا قانون قرآن میں مقرر کیا گیا۔ گواہی کو جیسا نایاب دینا تا ان نا جرم تھا، چنانچہ سورہ بقرہ اور ماائدہ میں اس کی پوری تفصیل ہے۔ غزوہ بدر کے بعد مسلمانوں کی تعداد میں کافی ترقی ہوئی گئی، خاندان کے خاندان مسلمان ہو گئے، اس لیے وراثت کے تخصوص قانون کی ضرورت ہوئی، پھر وصیت کے قاعده میں بڑی وقت یہ تھی کہ ناگہانی موت کے موقع پر تقسیم جائیداد کا کوئی اصول جاری کرنا ممکن نہ تھا، مثلاً: جہاد میں سینکڑوں مسلمان شریک ہوئے اب کس کو معلوم ہے کہ کس کو شہادت ہوگی اس حالت میں وصیت نہ کر جانے سے رشتہ داروں میں جس کا قابو چل جاتا وہ جائیداد پر قبضہ کر لیتا، چنانچہ غزوہ احمد میں یہی موقع پیش آیا۔ سعد بن الربيع رض جو بہت دولت مند صحابی تھے، (اس جنگ میں) شہید ہوئے ان کی بیوی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئیں کہ سعد رض آپ کی خدمت میں شہید ہوئے، انہوں نے دولت کیاں چھوڑیں ہیں، لیکن سعد کے بھائی نے سعد کی ساری جائیداد پر قبضہ کر لیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا

”خدافیصل کرے گا“، (پھر غالباً ۴۵ میں) یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں وراشت کے تمام احکام مذکور ہیں:

﴿يُؤْصِلُكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلَّذِكُرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَنَ﴾ (۴ / النساء: ۱۱)

”خدافیصل کم کہاری اور کی نسبت حکم دیتا ہے کہ لڑکے کو دوڑکیوں کے برابر حصہ ملے (آخر تک)۔“

آنحضرت ﷺ نے سعد کے بھائی کو بذر کفر میا کہ سعد کے متوفی کی میں سے دو تھائی ان کی بیٹیوں اور

آٹھواں حصہ ان کی بیوی کو دو، اس کے بعد جو نجی رہے وہ تھہار حق ہے۔

ابل عرب عورتوں کو وراشت سے محروم رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ وراشت اس کا حق ہے جو تواریخ لائے،

دنیا کی اور اکثر قوموں میں بھی بھی دستور تھا۔ یہ پہلا دن ہے کہ اس صفت ضعیف کی دادرسی کی گئی۔

### وصیت

احکام وراشت کے بعد بھی وصیت کی اجازت باقی رہی لیکن چونکہ اس سے مستحقین وراشت کی حق تلفی کا اندیشہ تھا، اس لیے وصیت کی تحدید کی ضرورت تھی۔ میں حضرت سعد بن عوف (عامر کے والد) بیمار ہوئے، آنحضرت ﷺ ان کی عیادت کو گئے، انہوں نے عرض کی کہ میں مر رہا ہوں اور میرے صرف ایک ہی لڑکی ہے، چاہتا ہوں کہ دو تھائی مال خیرات کر دوں، آنحضرت ﷺ نے اجازت نہیں دی، انہوں نے کہا تو نصف، آپ نے اس کو بھی قبول نہیں کیا، انہوں نے کہا: ایک تھائی، آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ بھی بہت ہے دارثوں کو غنی چھوڑ کر مرتنا اس سے اچھا ہے کہ وہ بھیک مانگتے پھریں۔“ تاہم یہ مقدار آپ نے جائز رکھی اس وقت سے وصیت ایک ثلث سے زیادہ ممنوع ہو گئی۔

### وقف

وقف، شریعت کا بہت بڑا مسئلہ ہے، اسلام نے اس مسئلہ کو جس حد تک صاف کیا اس کا دوسرے مذاہب کے قوانین میں شاید تک موجود نہیں ہے۔ اسی بنا پر شاہ ولی اللہ صاحب نے جیۃ اللہ بالاغہ میں دعویٰ کیا

آیت میراث کے شانزدہ میں احادیث میں تین تین متعے مردی ہیں۔ اول یہ کہ حضرت جابر بن عبد اللہؓ میں بیمار ہے تو آیت اتری۔ یہ روایت تمام صحاح ست میں ہے، لیکن درحقیقت اس روایت میں راویوں سے کسی تدریس مباحثت ہوئی ہے، کیونکہ وراشت میں پسلے چاری ہو چکی اور دوسرے یہ کہ حضرت جابر بن عبد اللہؓ وقت تک لاولد تھے، اس لیے صحیح یہ ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہؓ کا واقع وراشت کی ایک خاص صورت لاولدیت (کالار) سے متعلق ہے جیسا کہ مسلم کی دوسری روایتوں (کتاب الفرائض، باب میراث الكلانة: ۱۴۸۴ تا ۱۴۸۵) میں اس کی تصریح ہے دوسرا شانزدہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت حسان بن عوف کے بھائی عبد الرحمنؓ کی وفات کے بعد ان کی بیوی ام کوئی فریاد پڑیتی ہے اتری۔ یہ روایت طبری و غیرہ کی ہے (تسیر ابن جریج: ۲۳۶ ص: ۱۷۶ مطہری مصر) جو ضعیف ہے لیکن بالکل ممکن ہے کہ سعد بن رجع کے علاوہ اور متعے بھی اس قسم کے بیش آئے ہوں۔ شانزدہ میں سعد بن رجع کا واقعہ ہے جوابو داؤد، کتاب الوصایا، باب ماجاء فی میراث الصدیق: ۲۸۹۱؛ تم مذکور، (۲۰۹۲)، حاکم، (۴/ ۳۲۳) اور مسنند حمد

(۳۵۲/۲) میں مذکور ہے۔ ”س“ اسد الغابة، ج ۲، ص: ۲۷۸۔

● بخاری، کتاب الوصایا، باب ان یترک ورثتہ اغنبیاء: ۲۷۴۲۔

ہے کہ اسلام طریقہ وقف کا موجہ ہے۔ ﴿اسلام میں وقف کی تاریخ نہایت قدیم ہے، آنحضرت ﷺ نے بحرت کے پہلے ہی سال مدینہ میں مسجد نبوی کی بنیاد جس زمین میں رکھی تھی وہ دو قبیلوں کی ملکیت تھی، آپ ﷺ نے قیمت دینی چاہی لیکن انہوں نے کہا:

لا والله لا نطلب ثمنه الا الى الله۔ ﴿میں ہم خدا کی قیمت نہیں گے، ہم اس کی قیمت خدا ہی سے لیں گے۔﴾ یہ اسلام کا پہلا وقف تھا اور نہایت سادہ صورت میں تھا، چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو وقف مشاعر (مشترک جائیداد وقف) کے ثبوت میں لائے ہیں، اس کے بعد ﴿ہلہ میں جب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿لَنْ تَنَالُ الْيَرَاحَىٰ تُفْقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ (آل عمران: ۹۲)

”تم یکلی اس وقت تک نہیں پاسکتے جب تک وہ خدا کی راہ میں نہ دے دوجو تم کو سب سے محبوب ہے۔“

تو ابو طلحہ رضی اللہ عنہ صاحبی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ ایم حا مجھ کو سب سے زیادہ محبوب ہے، میں اس کو خدا کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں اور اس کا ثواب اور اجر خدا سے چاہتا ہوں، آپ جس مصرف میں چاہیں اس کو رکھیں۔ چنانچہ آپ کے مشورہ سے انہوں نے اس کا منافع اپنے اعزہ پر وقف کیا۔ ﴿

اب تک وقف کے لیے جو الفاظ استعمال ہوئے تھے وہ صرف یہ تھے کہ ”وہ ذاتی تصرف سے نکال کر خدا کی ملکیت میں دیا گیا“، لیکن رکھے میں غزوہ خیر کے بعد اس کی حقیقت بالکل واضح کر دی گئی۔ خیر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک زمین ملی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو وقف کرنا چاہا، آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((ان شئت حبست اصلها و تصدق بها)) ﴿اگر چاہو اصل جائیداد باقی رکھو اور منافع صدقہ کرو۔﴾

یہ ان شرائط کے ساتھ وہ جائیداد وقف ہوئی:

انہ لا بیاع اصلها ولا یوہب ولا یورث۔

”اصل جائیداد نہیں جائے نہ ہے کی جائے اور نہ دراثت میں باقی جائے۔“

### نکاح و طلاق

نکاح کے متعلق جو اصلاحی احکام آئے ان کی تفصیلات اصلاحات کے عنوان کے نیچے آئے گی، یہاں

١- حجۃ اللہ البالغة، الوصیة والوقف، ص: ۳۰۴۔ ٢- بخاری، کتاب الوصایا، باب وقف الارض للمسجد: ۲۷۷۴۔ ٣- ایک زمین کا نام ہے جو مدینہ میں واقع تھی۔ ٤- بخاری، کتاب الزکوة، باب الزکوة

علی الاقارب: ۱۴۶؛ مسلم، کتاب الزکوة، باب فضل النفقة والصدقة على الأقربين ...: ۲۲۱۵۔

٥- ی تمام حدیث بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الوقف: ۲۷۳۷ میں ہے۔

صرف اس قدر لکھتا کافی ہے کہ اسلام سے پہلے عرب میں کئی قسم کے نکاح کے طریقہ جاری تھے، جن میں سے ایک کے سوا، سب زنا کے مشابہ تھے۔ سب سے پہلے اسلام نے ان کو ناجائز ٹھہرایا۔ متعہ (محدود ال وقت نکاح) جو زمانہ جاہلیت سے چلا آتا تھا، بار بار حرام اور حلال ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ کسے چھڑغزدہ نہیں بس تعلماً حرام ہو گیا۔ اگرچہ اس پر بھی اس کی ضرورت پیش آئی کہ حضرت عمر بن الخطاب نے اپنے زمانہ خلافت میں منبر پر یہاں کہ ”میں متعہ کو حرام کرتا ہوں۔“ یعنی متعہ کی حرمت جو اچھی طرح اب بھی ملک میں شائع نہیں ہو سکی میں آج اس کا اعلان کرتا ہوں۔

نکاح اور طلاق کے دیگر احکام مثلاً: محرومات شرعی کا بیان، منہ بولے بیٹھ کی یہوی کا حرام نہ ہونا، کثرتِ ازواج کی تحدید، تعدادِ طلاق کی تعین، زمانہ عدت کا بیان، مہر کا ضروری ہونا، ظہار یعنی ایک طریقہ طلاق جس میں اپنی یہوی کو محرومات سے تشبیہ دیتے تھے اور عان یعنی شوہر کا اپنی یہوی کی عصمت پر شبہ کرنا اور باہم اپنی سچائی اور دوسرے کی رو غُلوی کا دعویٰ کرنا، یہ تمام تفصیلیں اصلاحات کے تحت میں آئیں گی، یہاں صرف اس قدر بتا دینا کافی ہے کہ یہ تمام احکام قرآن مجید میں مذکور ہیں، اور ان کے نزول کا زمانہ ۲۵ھ اور ۱۵ھ بھری ہے۔

### حدود و تعزیرات

دنیا کے مادی خزانہ میں انسان کی جان سے زیادہ کوئی قیمتی شے نہیں۔ حدود و تعزیرات کے اکنہ قوانین، بھرت کے چند برس بعد نازل ہوئے لیکن انسان کی جان کی حرمت کا حکم کہی میں اترپاً تھا۔ میرا کے سلسلہ میں جو اخلاقی احکام بارگاہِ الہی سے عطا ہوئے ان میں سے ایک یہ بھی تھا:

﴿وَلَا يَنْهَاكُونَ عَنِ التَّقْسِيسِ اللَّتِي حَكَمَ اللَّهُ إِلَيْهِ الْحِقْطَ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلَنَا لَوْلَيْهِ سُلْطَانًا فَلَا يُرِفُّ فِي الْقُتْلِ مِإِلَهٌ كَانَ مَنْصُورًا﴾ (۳۳/ بنی اسرائیل)

”خدانے جس جان کو حرام کیا ہے اس کو ناقنہ مارو، اور جو ناقنہ مارا جائے تو اس کے وارث کو ہم نے اختیار دیا، چاہیے کہ وہ قصاص میں زیادتی نہ کرے، اس کی مدد کی جائے۔“

عرب میں اسلام سے پہلے بھی قتل و قصاص کے کچھ قوانین موجود تھے۔ یہود جو اس ملک میں متینیت رکھتے تھے، تورات کے حدود و تعزیرات کا مجموعہ ان کے پاس بھی موجود تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ عرب میں چونکہ منتظم حاکمانہ طاقت اور اخلاقی روح نہ تھی، اس لیے وہ ان احکام کا نفاذ نہیں کر سکتے تھے۔ مدینہ پہنچنے کے ساتھ ہی یہود نے فصل مقدمات کے لیے بارگاونبوت کی طرف رجوع کیا۔ آپ ﷺ ان کے مقدمات عموماً تورات کے احکام کے مطابق فیصل کر دیتے تھے۔

● بخاری، کتاب النکاح، باب نہیں النبی ﷺ عن نکاح المتعة احیرا: ۵۱۱۵؛ مسلم، کتاب النکاح، باب نکاح المتعة: ۳۴۲۳؛ تمذی، ابواب النکاح، باب فی تحریم المتعة: ۱۱۲۱۔

● ابن ماجہ، کتاب النکاح: ۱۹۶۳؛ مسلم: ۳۴۱۶ (میں اس فہم کی روایات میں) حافظ ابن حجر ہبھبہ نے سچھ کہا ہے۔ تلخیص الحیر: ۱۵۴۔ ● اضافتاً تم باب حلال و حرام۔

عرب میں ایک شخص کا قتل صد باقائل کی خانہ جنگل کا سلسلہ چھپیر دیتا تھا، اس لیے غزوہ بدر کے بعد جب اسلام کے بازوؤں میں حاکمانہ زور آ چلا تھا قصاص کا حکم نازل ہوا۔ یاد ہو گا کہ اطراف مدینہ میں غوریظہ اور بنو نضیر دو یہودی قبائل رہتے تھے۔ ان دونوں میں بنو نضیر معزز سمجھتے جاتے تھے اس لیے کوئی قریظی اگر کسی نضیری کو قتل کر دیا تو اس کو بنو نضیر مار دلتے تھے اور اگر کسی نضیری کے ہاتھ سے کوئی قریظی قتل ہو جاتا تو چھوہاروں کے سودت خون بھادے دیتے۔ مدینہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، اس پر سورہ مائدہ کی چند آیتیں اتریں، ان میں سے ایک آیت یہ ہے:

﴿وَتَبَّأَ عَلَيْهِمْ فِيهَا آنَ التَّفْسِيرُ لِالْقَسَاصِ ۖ وَالْعِينُ بِالْعِينِ وَالْأَنْفُ بِالْأَنْفِ وَالْأُذْنُ بِالْأُذْنِ ۖ

وَالسَّبَقُ بِالسَّبَقِ ۚ وَاجْرُوهُمْ قَسَاصٌ ۖ﴾ (۵ / المائدہ: ۴۵)

”بہم نے ان کو تورات میں حکم دیا تھا کہ جان کے بد لے جان، آنکھ کے بد لے آنکھ، ناک کے بد لے ناک، کان کے بد لے کان اور زخموں کے بد لے ویسے ہی زخم۔“

یہ حکم گو یہودیوں کے لیے تھا لیکن ایک اور آیت نے اس مسئلہ کو بالکل واضح کر دیا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أَمْنَوْا لِتَبْ عَلَيْكُمُ الْقَسَاصُ فِي الْقَتْلِ ۖ﴾ (۲ / البقرة: ۱۷۸)

”مسلمانوں اتم پر مقتولین میں مساوات اور برابری کا حکم دیا جاتا ہے۔“

اس حکم نے مساوات اور عدل کے پلے کو دنیا میں ہمیشہ کے لیے برادر کر دیا۔ یہودیوں میں خون بھا (دیت) کا قانون نہ تھا <sup>۱</sup> لیکن عرب میں یہ قانون تھا اور اسلام نے چند اصلاحات کے ساتھ اس کو باقی رکھا:

﴿فَمَنْ عَفَى لَهُ مِنْ أَخْيُهُ شُكْرٌ عَفَّاً بِإِغْرِيْبٍ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءَ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ۖ﴾

(۲ / البقرة: ۱۷۸)

”اس کے بھائی (یعنی اولیائے مقتول) کی طرف سے کچھ معاف کر دیا جائے، تو اس کی پابندی خوبی کے ساتھ کرنا اور بطور احسن اس کو ادا کر دینا چاہیے۔“

اب تک قتل عمد اور قتل شبہ (یعنی غلطی سے قتل) میں کوئی تفریق نہ تھی <sup>۲</sup> ہریں ایک مسلمان غلطی سے ایک مسلمان کے ہاتھوں مارا گیا، ایک اور مسلمان انصاری کے ہاتھ سے ایک قریشی قتل ہوا، آنحضرت ﷺ نے مقتول کے بھائی کو خون بھادے کر راضی کر لیا، اس کے بعد وہ مناقفانہ اسلام لایا اور غداری سے انصاری کو قتل کر کے قریش میں جا کر مل گیا۔ ان واقعات کی بنابر قتل شبہ کے متعلق متعدد احکام نازل ہوئے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتَلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَا ۖ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَا فَتَحْرِيرُ رَبْكَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۖ

<sup>1</sup> ابو داؤد، کتاب الدیبات، باب النفس بالنفس: ۴۴۹۴۔

<sup>2</sup> صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب: یا یہا الذین امْنَوْا لِتَبْ عَلَيْکُمُ الْقَسَاصُ: ۴۴۹۸۔

وَدِيَةٌ مُسْلِمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ إِلَّا كَمْ أَنْ يَصَدَّقُوا طَفَلًا كَمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْبِيرٌ  
رَقْبَةٌ مُؤْمِنَةٌ طَوْلَ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوِّ الْكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْبِيرٌ  
رَقْبَةٌ مُؤْمِنَةٌ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيمًا مُشَهَّرِينَ مُتَنَاهِعِينَ تَوْبَةٌ مِنْ اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ عَلَيْهَا  
حَلِيلًا وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَلِدًا فِيهَا وَعَذَابُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَلَعْنَةُ  
وَأَعْدَلَهُ عَذَابًا عَظِيمًا ) (٤ / النساء: ٩٢، ٩٣)

”کسی مسلمان کو سراوار نہیں کہ کسی دوسرے مسلمان کو مارڈا لائیں غلطی سے، اگر کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کیا تو ایک مسلمان غلام آزاد اور خون بھا اس کے والوں کو ادا کرنا چاہیے لیکن یہ کہ وہ معاف کریں تو خیر، اگر مقتول خود مسلمان ہو، وہ کسی دشمن قوم سے تو صرف ایک غلام آزاد کرنا چاہیے، اگر قاتل کو یہ مقدمہ درست ہو تو پے در پے دو مینے کے روزے رکھتے چاہیں کہ خدا اس کی طرف رجوع ہو خدا عالم اور حکمت والا ہے اور جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی جزا دوزخ ہے، ہمیشہ اس میں رہے گا خدا اس پر اپنا غصب اور لعنت بھیجے گا اور اس کے لیے بڑا عذاب اس نے مہیا کیا ہے۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ قصاص قتل کے متعلق یہ سب سے آخری حکم ہے۔ حفاظتِ جان کا اعلان فتح مکہ کے موقع پر ہوا، جب آپ نے ارشاد فرمایا کہ ”زمانہ جاہلیت کے تمام خون میرے دونوں پاؤں کے نیچے ہیں۔“ اس کے بعد قتل خطا مشابہ بقتل عد کے خون بھا کی تحدید فرمائی۔ \* قتل خطا کا خون بھا اہل قریہ کے لیے ۲۰۰ دینار مقرر کیا۔ \*

لہٰ تک رہنوں کے لیے کوئی حد مقرر نہ تھی۔ میں عکل دعیرہ کے قبیلہ کے کچھ لوگ مدینہ آ کر مسلمان ہوئے، یہاں کی آب و ہوا ان کو راس نہ آئی، آنحضرت ﷺ نے شہر سے باہر چاگاہ میں ان کو قیام کی اجازت دی۔ ایک موقع پر مسلمان چروہوں کو طرح طرح سے عذاب دے کر بڑی بے رحمی سے مارڈا اور مویشی لوث کر لے گئے، وہ گرفتار ہو کر آئے تو آنحضرت ﷺ نے بھی ان کو اسی طرح عذاب کے ساتھ قتل کا حکم دیا، گویہ برابر کا انتقام تھا، تاہم اس میں کسی قدر بے رحمی تھی، اس لیے خدا نے پاک کی طرف سے عتاب ہوا اور اکوؤں کے لیے علیحدہ احکام نازل ہوئے۔ \*

﴿إِنَّمَا جَزَاءُ الظَّالِمِينَ مُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَونَ فِي الْأَرْضِ فَسَادُوا أَنْ يُعَذَّبُوا أَوْ  
يُصَلَّبُوا أَوْ نَقْطَعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خَلَافٍ أَوْ يُفْعَوْ مِنَ الْأَرْضِ﴾

(٥ / المائدۃ: ٢٣)

ابو داود، کتاب الدیات، باب فی دیة الخطشه . . . . . ٤٥٤٧ . . . . . ابو داود، دیات الاعضاء: ٤٥٦٤ .

ابو داود، کتاب الحدود، باب ما جاء فی المحاربة: ٤٣٦٤؛ بخاری: ٢٢٣ .

”ان لوگوں کی سزا جو خدا اور اس کے رسول سے لڑائی لڑتے ہیں اور ملک میں فساد پھاتے ہیں یہ ہے کہ قتل کئے جائیں یا پھانسی دیے جائیں یا ان کے ادھر کے ہاتھ اور ادھر کے پاؤں کاٹ ڈالے جائیں یا ملک سے الگ کر دیئے جائیں (یعنی قید ہوں یا جلاوطن کئے جائیں)۔“

جان کے بعد مال کا درجہ ہے، اسلام سے پہلے عرب میں چوروں کے لیے قطع یہ کی سزا جاری تھی، اسلام نے بھی اس کو باقی رکھا (السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطُعُوا أَيْدِيهِمَا) <sup>۸۷</sup> میں فتح مکہ کے موقع پر قبلہ محروم کی ایک عورت نے اس جرم کا ارتکاب کیا، چونکہ وہ ایک شریف خاندان سے تھی اس لیے مسلمانوں میں بڑا اضطراب پیدا ہوا، حضرت اسامہ بن زید رض آنحضرت ﷺ کے بہت چھیتے تھے، ان سے سفارش کرائی گئی، آپ ﷺ بہت براہم ہوئے اور لوگوں کو موح کر کے ایک خطبہ دیا، جس میں فرمایا کہ ”تم سے پہلے لوگوں کی ہلاکت کا یہی سبب ہوا کہ وہ نیچے طبقہ کے لوگوں پر تو احکام جاری کرتے تھے لیکن اوپر درجہ کے لوگ جب جرم کا ارتکاب کرتے تو ان سے درگز کرتے، خدا کی قسم! اگر محمد ﷺ کی یعنی فاطمہ رض بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ لیتا۔“ اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ لوگوں نے بے چوں و چار اس حکم کی تعییل کی۔ \*

عربوں میں زنا کی کوئی سزا مقرر نہ تھی، یہودیوں میں تورات کی رو سے زانی کی سزا ”رجم“ یعنی (سگسار کرنا) مقرر تھی لیکن اخلاقی کمزوری کی بنا پر اس قانون کو جاری نہیں رکھ سکے تھے۔ اطراف مدینہ میں جو یہودی آباد تھے، رجم کے بجائے انہوں نے یہ سزا مقرر کی تھی کہ مجرم کے منہ میں کا لک لگا کر کوچہ بازار میں اس کی تشریف کرتے تھے۔ جب آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو انہوں نے ایک مجرم کا مقدمہ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، غالباً یہ <sup>۳۷</sup> کے اندر کا واقعہ ہے۔ آپ ﷺ نے تورات مغلوق کران سے تمہاری شریعت میں اس جرم کی کیا سزا ہے؟ انہوں نے اپناروانج بتایا، آپ ﷺ نے تورات مغلوق کران سے پڑھوایا، انہوں نے رجم کی آیت پر انگلی رکھ کر چھپا دی، آخراً یہ مسلمان یہودی نے نکال کروہ آیت سنائی، آپ ﷺ نے فرمایا: ”خداوند! یہ تیرا حکم ہے جس کو ان لوگوں نے مردہ کر دیا ہے، میں سب سے پہلا شخص ہوں جو تیرے اس حکم کو زندہ کروں گا۔“ \* چنانچہ آپ ﷺ نے اس کے سکسار کرنے کا حکم دیا اور وہ سگسار کیا گیا۔

<sup>۵۷</sup> میں سورہ نور نازل ہوئی جس میں زنا کی سزا سو (۱۰۰) درے قرار دی گئی۔ حضرت عمر رض کا بیان ہے کہ رجم کی سزا بھی قرآن نے باقی رکھی تھی اس کی تلاوت منسوخ ہو گئی \* بہرحال احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بن بیا ہے کے سو (۱۰۰) درے اور بیا ہوں کے لیے رجم کا حکم ہے۔ \* چنانچہ <sup>۴۷</sup> میں ایک مسلمان نے اس جرم کا ارتکاب کیا اور گولوگوں کو اس کا علم نہ تھا لیکن دنیا کی سزا کو آخوت کے عذاب پر اس نے

\* صحیح بخاری، کتاب احادیث الانیاء: ۳۴۷۵۔ \* ابو داود، کتاب الحدود، باب فی رجم اليهودین: ۶۸۳۰۔ \* صحیح بخاری، کتاب المحاربين، باب رجم الحبلی فی الزنا اذا احصنت: ۴۴۴۶، ۴۴۴۷۔ \* تمام کتب حدیث میں یہ مذکور ہے۔

ترجمہ جدی اور مجھ عالم میں آ کر بارگاہ نبوت ﷺ میں عرض پر داڑ ہوا کہ ”یا رسول اللہ! میں گناہ گار ہوں امجھ پاک سمجھے۔“ آپ ﷺ نے تحقیق فرمائی اور اس کے ربجم کا حکم دیا۔

شراب ۵ ہے میں حرام ہوئی، آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں شراب خوری کی کوئی خاص سزا مقرر نہ تھی، چالیس درے تک لوگوں کو اس جرم میں مارے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں اسی (۸۰) درے کر دیے تھے۔

﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوْنَا بِأَرْبَعَةٍ شُهَدَاءَ فَأَجْلِدُوهُمْ ثَمَنِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبِلُوا إِلَيْهِمْ شَهَادَةً أَبَدًا﴾ (النور: ۲۴)

”جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگا کیں پھر چار گواہ نہ لاسکیں تو ان کو اسی درے مارو اور پھر کبھی ان کی گواہی قول نہ کرو۔“

دنیا میں تین چیزیں ہیں، جان، مال اور آبرو، جن حدود و تزیرات کا اوپر ذکر ہوا، وہ انہی تین چیزوں کے تحفظ کے لیے ہیں، اسی لیے آنحضرت ﷺ نے ان قوانین کے نزول کے بعد، تاہیں میں جستہ الوداع کے موقع پر حرم کے اندر ماہ حرام کی تاریخوں میں فرمایا۔

”مسلمانو! ہر مسلمان کی جان، مال اور آبرو اسی طرح قبلی حرمت ہے جس طرح اس محترم شہر میں اس احاطہ حرم کے اندر، یہ مقدس دن قبل حرمت ہے۔“

## حلال و حرام

### ماکولات میں حلال و حرام

عرب میں کھانے پینے میں کسی چیز کا پرہیز نہ تھا اور نہ کوئی شے طلاق یا حرام تھی، مردار اور حشرات الارض تک کھاتے تھے البتہ بعض بعض جانور جن کو بتوں کے نام پر چھوڑتے تھے ان کا ذبح کرنا گناہ سمجھتے تھے بعض جانوروں میں یہ نذر مانتے تھے کہ مرد کھا سکتے ہیں، عورتیں نہیں، اگرچہ مرد پیدا ہوا تو مرد عورت دونوں کھا سکتے ہیں اور زندہ ہو تو صرف مرد کھائیں، اسی قسم کے اور بعض بت پرستانہ رسوم تھے سورہ انعام میں جو مکہ میں نازل ہوئی تھی ان رسوم کا تفصیل ذکر ہے، اسلام کے اکثر احکام گو مدینہ میں اترے گیکن ماکولات کی حلت و ترمت کے احکام مکہ ہی میں اترنے شروع ہو چکے تھے، چنانچہ سورہ انعام میں مشرکین کے ان رسوم کی

❶ بخاری، کتاب المحاربين، باب رجم المحسن، کتب تفصیل مذکونین ہے یہ سنداں قیاس سے شاخصین حدیث نے اختیار کیا ہے کہ اس وقت حضرت ابو بیرہؓ کی قدمیں موجود تھے اور یہ ثابت ہے کہ وہ اسی سال بزمانہ فتح خیبر مدینہ میں آئے تھے۔

❷ ابو داود، کتاب الحدود، باب اذاتیاع فی شرب الخمر: ۴۴۸۹، ۴۴۸۸۔

❸ واقعہ انک اسی سال ہوا تھا اور یہ آیت اعلیٰ سے نازل ہوئی ہے اس لیے اس کے لیے ۵ ہے کارمانہ متین کیا گیا۔

❹ بخاری، کتاب المغازی، باب حجۃ الوداع: ۴۴۰۶۔

تردید کے بعد یہ حکم آیا:

﴿فَلَمَّا أَجْدَعَ فِي مَا أُوحِيَ إِنْفُرَمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ لَا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا أَوْ حَمَدًا خَنْثِيًّرًا لَهُ رِجْسٌ أَوْ فُسْقًا أَهْلٌ لِغَيْرِ اللَّهِ يَهُهُمْ فَمَنْ اضْطَرَّ إِنْهِ بَاغِرٌ وَلَا عَادٌ فَإِنَّ رَبَّكَ عَفْوٌ رَّحِيمٌ﴾ (۶/ الانعام: ۱۴۵)

”کہہ دے کہ مجھ پر جو وحی اتری ہے، اس میں کسی کھانے والے پر کوئی شے حرام نہیں ہے۔ ہاں اگر حرام ہے تو مردار یا بہتا ہوا خون یا سور کا گوشت کیونکہ یہ چیزیں ناپاک ہیں یا وہ گناہ کا جانور جو غیر خدا کے نام پر چڑھایا جائے وہ بھی حرام ہے لیکن جو بھوک سے لا چار ہو کر، نافرمانی اور گناہ کے ارادہ سے نہیں، ان میں سے کچھ کھالے تو تیراپر ورگا معاف کرنے والا اور حرم والا ہے۔“

مشرکین کو سب سے زیادہ تھجب اس پر ہوا کہ جو آپ سے مرجائے اس کو حرام کہتے ہیں اور جس کو خود اپنے ہاتھ سے ماریں اس کو حلال جانتے ہیں حالانکہ دنہ میں کوئی فرق نہیں۔ اس پر یہ آیت اتری:

﴿فَكُلُّوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ يَأْتِيهِ مُؤْمِنِينَ وَمَا لِلَّهِ أَلَا تَكُلُّوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَضَّلَ اللَّهُمَّ حَرَمَ عَلَيْنَا﴾ (۶/ الانعام: ۱۱۹)

”جو جانور خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو وہ کھاؤ، اگر تم اس کے احکام پر ایمان لاتے ہو۔ جو خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا وہ کیوں نہ کھاؤ، خدا نے تم پر جو حرام کیا ہے اس کو تو وہ بیان ہی کر چکا۔“

اس کے بعد کمہ معظہ ہی میں سورہ نحل کی آیت ﴿فَكُلُّوا مِمَّا رَزَقَ اللَّهُ﴾ (۱۶/ النحل: ۱۱۴) نازل ہوئی جس میں اسی حکم سابق کا اعادہ کیا گیا اور یہی چار چیزیں مردار، خون، سور اور بتوں پر چڑھاوے حرام بیان کی گئیں۔ مدینہ طیبہ آ کر پہلے سورہ بقرہ میں ﴿إِنَّهَا حَرَمٌ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ﴾ (۲/ البقرہ: ۱۷۳) تیسرا بار یہ محربات اربعہ بیان کیے گئے۔ عرب میں حلال و حرام کی تمیز کم تھی، وحشت و جہالت کے علاوہ اس کا ایک سبب عام غربت اور افلاس تھی، اس لیے مسلمانوں کی مالی حالت جیسے جیسے درست ہوئی جاتی تھی حلال و حرام کی تفریق بڑھتی جاتی تھی، لوگ عموماً مردار اسی کو سمجھتے تھے جو بیمار ہو کر اپنی موت سے مرجائے، اس لیے اگر اور کسی سبب سے جانور مر جاتا تو اس کو حرام نہ سمجھتے، بھرت کے چار پانچ سال کے بعد سورہ مائدہ میں مردار (میتہ) کی تفصیل بیان کی گئی، یعنی یہ کہ یا وہ گلا گھٹتے سے مر ہو ”والمنْخَنَقَةُ“ یا گردن ٹوٹنے سے مر ہو ”الموْقُوذَةُ“ یا اور پر سے گر کے مر ہو ”وَالْمُتَرْدِيَةُ“ یا کسی جانور کا سینگ لگ کر مر گیا ہو، ”وَالنَّطِيحَةُ“ یا کسی جانور نے اس کو پھاڑا ڈالا ہو ”وَمَا اكْلَ السَّعْ“ صرف وہ جانور حلال ہے جس کو تم نے ذبح کیا لہا ماذ کیتم۔

کچھ میں جب مسلمانوں کو خیر کی فتوحات اور جا گیریں ہاتھ آئیں تو جانوروں میں بھی حلال و حرام کی تفریق کی گئی اور اعلان کیا گیا کہ آج سے گدھا، درندہ جانور اور پنج دار پرند حرام ہیں۔ ۸ میں فتح کہ

کے بعد طے کے قبیلہ نے جو عیسائی تھا، اسلام قبول کیا اور شام کے بعض عیسائی مسلمان ہوئے یہ لوگ شکاری کتے پالتے تھے اور ان سے شکار کرتے تھے۔ اسلام لانے پر ان کو معلوم ہوا کہ مردہ جانور حرام ہیں، انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اپنا حال عرض کیا، اس پر یہ آیت اتری:

﴿يَسْلُوكَ مَاذَا أَحَلَ لَهُمْ قُلْ أَحَلَ لِكُمُ الظَّبَابُ﴾ (۵ / المائدۃ: ۴)

”تجھ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کیا حلال کیا گیا کہہ دے کہ تمام تھری چیزیں۔“

اس کے بعد یہ تفصیل ہے کہ شکاری جانور اگر سد ہے ہوئے ہوں اور خدا کا نام لے کر چھوڑے جائیں تو ان کا شکار کیا ہوا کھانا حلال ہے۔

### شراب کی حرمت

مخالفین کا خیال ہے کہ اسلام کی اشاعت کی بڑی وجہ یہ ہوئی کہ اس کے اکثر احکام (مثلاً: تعداد ازواج وغیرہ) نفس پرستی کے موئید تھے اس لیے عرب کو اس کے قول کرنے میں کوئی ایثار درکار نہ تھا، بلکہ اسلام وہی کہتا تھا جو وہ خود چاہتے تھے، اس بحث کی تحقیق آگئے گی، یہاں صرف تاریخی حیثیت سے شراب کی حرمت کا واقعہ ذکر کرنا مقصود ہے۔

عرب کو شراب سے بہہ کر کوئی چیز محبوب نہ تھی، تمام ملک اس مرض میں بنتا تھا، عرب کی شاعری کا موضوع عظم شراب ہے، مصلحت کے لحاظ سے اسلام کے تمام احکام بدرج آئے ہیں، اس لیے شراب بھی بدرج حرام کی گئی۔

مدینہ میں شراب خوری کا رواج کسی قدر زیادہ تھا، میں بڑے شرف اعلانیہ شراب پیتے تھے، عرب میں ایسے بھی نیک لوگ تھے جنہوں نے شراب پیتی چھوڑ دی تھی اور اس کو خلاف اتفاق بیکھتے تھے ابھی تک اسلام نے اس کے متعلق کوئی اپنا فیصلہ نہ سنایا تھا۔ لوگوں نے پوچھنا شروع کیا کہ شراب کے متعلق کیا حکم ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

اللَّهُمَّ بَيْنَ نَارٍ فِي الْخَمْرِ بِيَانًا نَبَاهِي

”اے خدا شراب کے بارے میں ہمارے لیے شافی بیان کر دے۔“

اس پر یہ آیت اتری:

﴿يَسْلُوكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعٌ لِلنَّاسِ وَإِنَّمَاَكُبُرُ مِنْ فَعَلَهَا أَطْ﴾ (۲ / البقرہ: ۲۱۹)

۱۔ یہ اتحلباب القول فی اسباب الرزول علامہ جلال الدین سیوطی، بر جایہ تفسیر القرآن العظیم، ج ۱، ص ۱۰۰ اپدروج ہے۔

۲۔ حوالوں کے لیے ان آتوں کے شافی نزول تفسیروں میں دیکھو تفسیر ابن کثیر، تفسیر سورہ المائدۃ: ۴۔

۳۔ فتح الباری، ج ۸، ص ۲۱۰۔

”لوگ تم سے شراب اور جوئے کی بابت پوچھتے ہیں کہہ دو کہ ان دونوں میں برا گناہ ہے اور فائدے بھی ہیں لیکن فائدہ سے گناہ بڑھ کر ہے۔“

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بھی لوگ شراب پیتے رہے۔ ایک دفعہ ایک انصاری نے حضرت علی اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کی دعوت کی جس میں شراب بھی کھانے کے بعد مغرب کا وقت آ گیا، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی لیکن نشر کے نماز میں کچھ کا کچھ پڑھ گئے۔ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر دعا کی کہ خدا یا شراب کے بارے میں صاف صاف بیان کر دے) اس پر یہ آیت اتری:

﴿لَا تَقْرِبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى حَتَّى تَعْلَمُوا مَا تَفْعَلُونَ﴾ (۴۳/ النساء)

”نشر کی حالت میں تم نماز پڑھو، یہاں تک کہ جو تم کہو اس کو سمجھ بھی سکو۔“

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد جب نماز کا وقت آتا تھا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ایک منادی اعلان کرتا تھا کہ ”کوئی محظوظ نماز میں شامل نہ ہونے پائے“ لیکن چونکہ عام حکم نہ تھا، اس لیے نماز کے سواباتی اوقات میں لوگ بے تکلف پیتے بلاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر وہی دعا کی۔ \* اسی زمانہ میں کچھ لوگ شراب پی کر اس قدر بد مست ہوئے کہ آپس میں مار پیٹ تک نوبت پہنچ گئی، \* اس پر یہ آیت اتری:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أَمْنَوْا إِلَيْهَا الْخَمْرَ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ فِيْنَ عَمَلِ الشَّيْطَنِ

فَاجْتَنِبُوهُ لَعْلَمُكُمْ تُنْلَعِعُونَ ﴿إِلَيْهَا يُرِيدُ الشَّيْطَنُ أَنْ يُؤْقَعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي

الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَعْدَ كُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهُنَّ أَنْشَمُ مُنْهَمُونَ﴾ (۵/ المائدۃ: ۹۱، ۹۰)

”مسلمانوں اب شے شراب اور جو اور بہت اور قمار کے تیرنا پاک ہیں اور شیطان کے کام میں، تو تم اس سے بازاً و کتم کو فلاح حاصل ہو، شیطان تو صرف یہ چاہتا ہے کہ تم لوگوں میں شراب اور جوئے کے ذریعے سے دشمنی اور بغضہ ڈال دے اور تم کو خدا کی یاد سے اور نماز سے روک دے تو بولو ا تم بازاً تے ہو؟“

(ان آیتوں کے نزول کے بعد شراب قطعاً حرام ہو گئی) اسی وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی گلی کو چوں میں منادی کر ادی کہ آج سے شراب حرام ہے، لیکن باسی ہمہ شراب کی تجارت اور خرید و فروخت چاری تھی رضی اللہ عنہ میں یہی حرام ہو گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں لوگوں کو جمع کر کے اس کا اسی وقت اعلان کیا۔ \* اس کے بعد اسی سال فتح مکہ کے زمانہ میں آپ نے علی الاعلان ان چیزوں کی تجارت کی ممانعت

\* پورا اقتداء ابو داؤد، کتاب الاسریۃ، باب تحریم الخمر: ۲۶۷۰ میں مذکور ہے۔ \* صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب فضل سعد بن وفاصل: ۶۲۳۸۔ \* ابو داؤد میں پوری آیتیں مذکور نہیں ہیں بلکہ چند الفاظ اقل کر کے پوری آیت کی طرف اشارہ کر دیا ہے (رقم الحديث: ۳۶۷۲)۔ \* صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب یصحیح الله الربو: ۴۵۴۱ و صحیح مسلم، کتاب البيوع، باب تحریم بیع الخمر: ۴۰۴۷ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اواخر سورہ بقرہ کے نزول کے بعد جس میں حرمت بیع اکٹھم ہے یہ اعلان فرمایا، آیتیں رضی اللہ عنہا میں نازل ہوئی ہیں۔ \*

فرمائی جن کا کھانا یا کھنا جائز ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((ان الله ورسوله حرم بيع الخمر والميّة والخنزير والاصنام)) ﴿١﴾

”خدا اور اس کے رسول نے شراب، مردہ، سور اور بتوں کی خرید و فروخت حرام کر دی۔“

غور کرو! شراب کی حرمت کس طرح اعلان عام کے ساتھ عمل میں آئی، باس ہمہ بھی تک نہیں معین ہوا کہ یہ کس سال کا واقعہ ہے۔ محمدؐ میں اور ارباب روایت اس امر میں نہایت مختلف الآراء ہیں۔ ﴿٢﴾

حافظ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، کتاب التفسیر، سورہ مائدہ باب لیس علی الذین امنوا میں لکھتے ہیں:

والذى يظهر ان تحريمها كان عام الفتح سنة ثمان كماروى احمد من طريق عبد الرحمن بن وعلة قال سالت ابن عباس عن بيع الخمر فقال كان لرسول الله ﷺ صديق من ثقيف او دوس فلقى يوم الفتح براوية خمر

يهد إليها فقل: ((يا فلان اما علمت ان الله حرمها)). (الخ)

”او بظاهر یہ معلوم ہوتا ہے کہ شراب کی حرمت فتح کے زمانے ۸ھ میں ہوئی اور اس کی دلیل یہ ہے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے عبد الرحمن بن وعلة کی سند سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ شراب کا بیچنا کیسا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ آنحضرت ﷺ کے ایک دوست تھے جو ثقیف یادوں کے قبیلہ سے تھے، وہ آنحضرت ﷺ سے فتح کے میں ملے اور ایک مشک شراب تھنڈے میں پیش کی آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم کو معلوم نہیں کہ خدا نے شراب کو حرام کر دیا ہے۔“

ہماری رائے میں حافظ ابن حجر عسقلانی کا خیال اور ان کا استدلال صحیح نہیں، اس روایت سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ ان صاحب کو شراب کی حرمت کا حال فتح کے تک نہیں معلوم ہوا تھا۔ ﴿٣﴾ یہ کمال ثابت ہوتا

صحیح بخاری، کتاب البيوع، باب بيع الميّة والاصنام: ۲۲۳۶، ومسلم، کتب المسافة، باب تحريم بيع الخمر والميّة: ۴۰۴۸۔ ﴿٤﴾ سیرت ابن حجر عسقلانی حدادوں میں حرم شراب کی وہ تاریخیں و مختلف مقامات پر کاہی گئیں ہیں ۸ھ اور ۸ھ پہلا بیان عام ارباب سیر کا ہے دوسرا عالماء ابن حجر عسقلانی کی تحقیق ہے لیکن مصنفوں سیرت ابن حجر عسقلانی کی اصلی تحقیق یہاں مذکور ہوئی ہے اور وہ اس باب میں عام محمدؐ میں ساتھ ہیں جیسا کہ آگے بڑا کہ گے جل کو معلوم ہو گا۔ ”س“

مصنف کا یہ قیاس بالکل درست ہے جن صاحب کا یہ واقعہ ہے وہ قبیلہ ۸ھ میں مسلمان ہوا اور دوں گوہرہت پبلے اسلام لا چکے تھے لیکن وہ مدینہ سے بہت دور آباد تھے، اس کے علاوہ ایک اور کٹھی گھی ہے جس کی طرف ہمارے محمدؐ میں توجہ نہیں کی ہے وہ یہ ہے جیسا کہ تم میں پہلے لکھا کے ہیں کہ شراب کا بینا گوہ ۸ھ میں حرام ہو چکا تھا لیکن شراب کی تجارت بند نہیں ہوئی تھی پرانا نجہ یہ صاحب بھی سے فروش تھے، شراب کی خرید و فروخت مانع نہ رہا کی حرمت کے ساتھ عمل میں آئی ہے اور رہا کی حرمت سب سے آخر میں نازل ہوئی ہے لمحہ ۸ھ ہیں، شراب فروشی کی ممانعت مذکور ہے لیکن اس کا عام اعلان آپ نے فتح کے کے کے زمانہ میں فرمایا جیسا کہ احادیث فتح میں تصریح مذکور ہے (دیکھو صحیح بخاری، کتاب البيوع، باب بيع الميّة والاصنام: ۲۲۳۶) اور صحیح مسلم، کتاب المسافة، باب تحريم بيع الخمر: (۴۰۴۸) (باقی طائفہ اگلے مخفر پر ﴿۵﴾)

ہے کہ اس وقت تک حرمت نازل بھی نہیں ہوئی تھی، بہت سے احکام ہیں جن کی خبر دور کے رہنے والوں کو بہت دری کے بعد ہوئی۔ علاوہ اس کے خود بعض روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ فتح مکہ سے پہلے شراب کی حرمت نازل ہو چکی تھی یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ شراب جیسی ناپاک چیز ۸ ہفتک حلال رہتی اور آنحضرت ﷺ کی وفات سے صرف دو برس پہلے حرام ہوتی، حقیقت میں شراب بحیرت کے تیرے یاچو تھے بر سر حرام ہو چکی تھی۔ \*

### سودخواری کی حرمت

سودخواری \* بھی ان اخلاق ذمہ میں سے ہے جو اہل عرب کے رگ دریشہ میں سراست کر گئے تھے اسی لیے نہایت تدریج کے ساتھ اس کی حرمت کے احکام بھی اترے۔ قریش عموما تجارت پیشہ تھے، ان میں جو امیر اور دولت مند سوداگر تھے، وہ غربیوں اور کاشنکاروں کو بھی شرح سود پر روپیہ قرض دیتے اور جب تک قرض وصول نہ ہو جاتا، اصل سرمایہ کو ہر سال بڑھاتے جاتے \* خود آنحضرت ﷺ کے پیچا عباس بن عثیمین (اسلام سے پہلے) بہت بڑے سودی کاروبار کے مالک تھے \* آنحضرت ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو یہودی تاجر وہ کے سبب سے یہاں مختلف قسم کے سود کاروائی دیکھا، سب سے پہلے آپ ﷺ نے چاندی اور سونے کے اور احرار یہود فروخت کو سود قرار دیا \* پھر دو گنے اور چو گنے سود لینے کی ممانعت آئی اور یہ آیت اتری:

(\*) گزشتہ سے یوست (حافظ ابن حجر بن سیہ جو اس بات کے قائل ہیں کہ شراب کی حرمت ۸ ہے میں نازل ہوئی وہ خوب جدا ہے: ۲۶۱۳) قاضی عیاض بن سیدہ کے جواب میں لکھتے ہیں: قلت و يتحمل إن يكون تحريم التجارة فيها تاجر عن وقت تحريمها والله أعلم يعني: ممکن ہے کہ شراب پیئے کی حرمت کے بعد شراب کی تجارت کی حرمت نازل ہوئی \* صحیح مسلم میں ابو عیین خدری بن عثیمین سے روایت ہے کہ شراب پیئے کی حرمت کے بعد شراب پیئے اور اس کی خرید فروخت کی ممانعت ایک ساتھ نازل ہوئی مگن اس کے بعد حضرت عائشہؓؑ نے اور جابر بن عبد اللہؓؑ سے جو روایتیں ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں روایت میں ابو عیین خدری بن عثیمین سے روایت ہے کہ شراب پیئے کی حرمت کے بعد اس کی خرید فروخت سے فتح مکہ شراب نوشی کی حکیمی شراب نوشی کی حضرت کے نزول پر استدال کیا ہے وہ حدیث صحیح مسلم (باب تحريم بيع الحمر: ۴۰۴۳) میں بھی بتکن اس میں فتح مکہ کی تبیین نہیں) \* سب سے بڑی روایت اس کی یہ ہے کہ ”جب شراب کی حرمت نازل ہوئی تو لوگوں نے کہا کہ ہمارے مسلمان بھائی جو شراب پی کر بگ احمد میں شریک ہوئے اور اسی حالت میں مارے گئے ان کا کیا حال ہوگا، اس پر یہ آیت «إِنَّ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا» نازل ہوئی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب کی حرمت کا، اقواء جنگ احمد سے بالکل تعلق تھا اور جنگ احمد کا زمان یہی ہے، بخاری کتاب الشیر، تفسیر آیت نہ کوہہ: ۲۶۱۸ میں حضرت جابر بن عثیمینؓ کی روایت ہے:

صبح اناس غداة أحد الخمر فقتلوا من يومهم جميعاً شهداء وذالك قبل تحريمها۔

”غمزو و احد کی صبح کو کچھ لوگوں نے شراب پی کر جنگ ہوئے یہ شراب کی حرمت سے پہلے ہوا۔“

اس روایت کے ساتھ حضرت انس بن عثیمینؓ کی اس روایت ایسا: ۲۶۲۰ کو ملاؤ جو اس کے بعدی واقع ہے:

فقال بعض القوم قتل فهم وهى فى بطونهم قال فالنزل الله ﷺ إِنَّ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا الْحَلَّ

”حرمت شراب کی آیت نازل ہوئی تو بعض لوگوں نے کہا کہ کچھ لوگ اس حال میں مارے گئے ہیں کہ شراب ان کے پیٹ میں تھی اس پر یہ آیت اتری کہ مومن پر کچھ حرج نہیں ”س۔“

\* اضافۃ تم سود۔ \* مؤطا امام مالک، کتاب السیوع، باب ما جاء فی الربوافی الدین: ۱۳۷۸۔

\* ابن حجر ر تفسیر آیت ربیع ج ۲، ص ۶۵۔

\* صحیح مسلم، کتاب المساقاة، باب الصرف، بیع الذهب بالورق نقدا: ۴۰۵۹ تا ۴۰۷۰۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَضْعَافًا مُضَعَّفَةً وَالَّتَّوَالَّهُ لَعَلَّكُمْ فَلَمْ يُفْلِمُونَ﴾

(آل عمران: ۱۳۰)

”مسلمانو! اگنا چو گنا سود نہ کھایا کرو، اور خدا سے ڈرا کرو، تاکہ فلاج پاؤ۔“

اس کے بعد آپ ﷺ نے ہم جس اشیاء کا باہم گھٹ بڑھ کے مبارکہ منع فرمایا ہے میں غزوہ نجیر کے موقع پر مسلمانوں نے یہودی سوداگروں سے لین دین شروع کیا۔ اس وقت آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ ”سوئے کواشرنی کے بھاؤ گھٹا برھا کر پیچنا بھی سود ہے۔“ ہے سود کی حرمت کے متعلق تفصیلی احکام ۸ میں نازل ہوئے۔ آل عمران کے بعد سورہ بقرہ میں سب سے پہلے یہ آیت اتری:

﴿الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبُولَ أَيَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الرَّبِّيٌّ يَتَعَبَّطُهُ الشَّيْطَنُ مِنَ الْمَسِّ ذَلِكَ يَأْكُلُهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبُولِ وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَمَ الرِّبُولَ فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةً قِنْ رَزِّيَهُ فَأَنْتَيَ فَلَهُ مَا كَسَلَتْ﴾ (۲/ البقرۃ: ۲۷۵)

”جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ اس طرح کھڑے ہوں گے جس طرح شیطان کسی کو چھوکر مجبوٹ بنا دیتا ہے اس لیے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ بیع اور سود کا معاملہ ایک ہی ہے۔ خدا نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام کر دیا، پس جس کے پاس خدا کی طرف سے نصیحت کی بات پیش اور وہ بازاً گیا تو اس کو وہی لینا چاہیے جو پہلے دیا۔“

لوگوں کو یہ اعتراض تھا کہ سود بھی ایک قسم کی تجارت ہے، جب تجارت جائز ہے تو سود کیوں حرام ہے؟ اس سوال کا جواب تو کتاب کی دوسری جلدوں میں آئے گا۔ یہاں صرف سود کی تاریخ حرمت سے بحث ہے، بہر حال اس آیت میں بھی سود کی قطعی حرمت کا فیصلہ نہ ہوا۔ آخر تھوڑے ہی وقفہ کے بعد غالباً ۸ میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَتَقْوَا اللَّهَ وَذَرُوا مَا يَقْتَلُ مِنَ الْإِنْدِيلَادِ إِنَّمَا يَنْهَا فَإِذَا دُنُوا بِحَزْبٍ قَنَ اللَّهُو وَرَسُولُهُ وَإِنْ يُبْتَمِ فَلَكُمْ رُؤُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ﴾ (۲/ البقرۃ: ۲۷۸-۲۷۹)

”مسلمانو! خدا سے ڈر اور سود جو باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑو، اگر تم سچے مومین ہو، اگر یہ نہ کرو تو خدا اور رسول سے لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ، اگر بازاً جاؤ تو تم کو اپنے راس المال کا حق ہے نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر کوئی ظلم کرے۔“

یہ آیت جب اتری تو آپ ﷺ نے مسجد میں تمام مسلمانوں کو جمع کر کے یہ حکم سنایا ہے میں اہل

❶ صحیح مسلم، کتاب البيوع، باب بیع الطعام مثلاً بمثل: ۴۰۸۱۔

❷ صحیح مسلم، کتاب المسماة، باب بیع القلادة فیها خرز: ۴۰۷۶۔ ❸ صحیح بخاری، کتاب البيوع، باب تحریم التجارة فی الحمر: ۲۲۲۶؛ مسلم، کتاب المسماة، باب تحریم بیع الحمر: ۴۰۴۶۔

نجران سے جو معاهدات صلح ہوئے ان میں ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ ”سودنہ لیس گے“ ذی الحجہ ۱۴ھ میں جتنے الوداع کے موقع پر اس آیت کے نزول سے پہلے تمام ملک عرب میں جس قدر سودی معاملات تھے آپ ﷺ نے سب کو کا لعدم قرار دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سود کی حرمت کا حکم اسلام کے سلسلہ احکام کی سب سے آخری کڑی ہے۔

1 ابو داود، کتاب الخراج والاماۃ، باب فی اخذ الجزیۃ: ۳۰۴۱۔

2 ابن هشام، ج ۲، ص: ۳۹۰۔

3 صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب واقعہ یوم ما... - ۴۵۴۴۔

## سال اخیر، جمیع الوداع، اختتام فرض نبوت ذی الحجه ۱۴ مطابق فروری ۶۳۲ء

﴿إِذَا جَاءَكُمْ نَصْرٌ اللَّهُ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يُدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًاٌ فَسَكُنُمْ بِمُحَمَّدٍ رَّبِّكَ وَاسْتَعْفِرُهُ إِذَا كَانَ تَوَابًا﴾ (۱۱۰ / النصر: ۳، ۱)

”جب خدا کی مدد آگئی اور مکہ فتح ہو چکا اور تو نے دیکھ لیا کہ لوگ خدا کے دین میں فوج کی فوج داخل ہو رہے ہیں، تو خدا کی حمد کی شیع پڑھ اور استغفار کر، خدا تو بقبول کرنے والا ہے۔“

بظاہر یہ خیال ہوتا ہے کہ نصرت اور فتح کے مقابلہ میں شکر کی ہدایت ہوئی چاہیے تھی، شیع اور استغفار کو فتح سے کیا مناسبت ہے؟ اسی بنا پر ایک صحبت میں حضرت عمر بن الخطاب نے صحابہؓ سے اس آیت کے معنی پوچھے، لوگوں نے مختلف معنی بتائے، حضرت عمر بن الخطاب نے عبداللہ بن عباسؓ کی طرف دیکھا، وہ کسی نہیں تھے اور جواب دیتے تھے، حضرت عمر بن الخطاب نے ان کی ڈھارس بندھائی تو انہوں نے کہا کہ ”آیت آنحضرت ملکیتؓ کے قرب وفات کا اعلان ہے، کہ استغفار موت کے لیے مخصوص ہے۔“

اس سورہ کے نازل ہونے کے بعد آپؐ کو معلوم ہو گیا تھا کہ رحلت کا زمانہ قریب آ گیا ہے اس لیے اب ضرورت تھی کہ تمام دنیا کے سامنے شریعت اور اخلاق کے تمام اصول اساسی کا مجمع عام میں اعلان کر دیا جائے۔ آنحضرتؐ کے زمانے سے اب تک فریضہ حج اور نیم فرمایا تھا۔ ایک مدت تک تو قریش سد راہ رہے، صلح حدیبیہ کے بعد موقع ملا، لیکن مصالح اس کے مقتضی تھے کہ یہ فرض سب سے آخر میں ادا کیا جائے۔

**بہرحال ذوقہ میں اعلان ہوا کہ آنحضرتؐ حج کے ارادہ سے مکہ تشریف لے جارہے**

صحیح بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورہ نصر: ۴۹۷۰۔ **وَاحْدَى نَسْبَةِ اسَابِيلِ النَّزْولِ مِنْ لَكَهَابِيَّةِ كَيْرَوَةِ** آنحضرتؐ کی وفات سے دوسرے پہلے اتری لیکن ان قسم بحثیت نے زاوی العاد میں لکھا ہے کہ اسے اسیں ایام تشریق میں اتری (یہ درستی روایت اصل میں بھی کی ہے ان ہجر اور زرقانی نے تصریح کی ہے کہ ”اس کی سند صحیفہ ہے“ ج ۳ ص: ۱۱۹۔ اس لئے واحدی کی روایت تھی بے سیوٹی نے بھی اسابیل النزول میں مصنف عبد الرزاق کے حوالہ سے تھیں روایت نقل کی ہے کہ یہ سورہؐ فتح کے بعد ہی نورا نازل ہوئی، تصریحات ائمہ اور اشارات حدیث کے علاوہ خود اس سورہ کے طرز بیان نے ظاہر کر دیا ہے کہ وہ فتح کے متصل ہی اتری ہے۔ یعنی جمیع الوداع سے تقریباً دو ہفتے دوسرے پہلے جن روایتوں میں وفات سے چند روز پہلے اس سورہ کا نازل ہوتا بیان ہوا ہے وہ روایت اور روایت دونوں حصیتوں سے ضعیف ہیں۔ ”س“ **سُنْ أَنَّ الْمَاجِدَيْنِ** (کتاب المنساک باب حجۃ رسول اللہؐ مفتاح: ۳۰۷۶) کہ بحربت سے پہلے آپؐ نے دوچار فرمائے بعض حدیثوں میں جو یہ ہے کہ آپؐ نے ایک ہی حج کیا تھا (تر مذکور، ابواب الحج، باب کم حجۃ النبی مفتاح: ۸۱۵) اور ابو داؤد، کتاب المنساک، باب وقت الاحرام: (۱۷۷۰) اس سے مقصود، بعد بحربت ہے۔

ابو داؤد، کتاب المنساک، باب صفة حجۃ النبی مفتاح: ۱۹۰۵، اور صحبیح مسلم، کتاب الحج، باب حجۃ النبی: ۲۹۵۰ میں جمیع الوداع کا تعنیہ ہے تفصیل سے مذکور ہے جس کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت امام باقرؑ نے حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے جب وہ نامہ ہو گئے تھے آنحضرتؐ کے حج کا حال پوچھا، حضرت جابرؑ نے آںی رسول کی محبت سے امام باقرؑ کے گریبان کے شکنے کھولے اور ان کے سیدہ پر محبت سے تھوڑا کہرا کہیا: سمجھو! پوچھو! کیا پوچھتے ہو؟ (یقیناً حاشیاً لفظ صفر پر ﴿﴾)

ہیں۔ یہ خبر وعثہ پھیل گئی اور شرف ہر کابی کے لیے تمام عرب امند آیا۔ (سینچر کے دن) وہ قعده کی ۲۶ تاریخ کو آپ ﷺ نے عشی فرمایا، \* اور چادر اور تہبند باندھی، نماز ظہر کے بعد میدینے سے باہر نکلے اور تمام ازوں مطہرات کو ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ مدینہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ذوالحجۃ ایک مقام ہے، جو مدینہ کی میقات ہے، یہاں پہنچ کر (شب بھر) اقامت فرمانی اور دوسرے دن دوبارہ عشی فرمایا، حضرت عائشہؓ شہنشاہ نے اپنے ہاتھ سے آپ ﷺ کے جسم مبارک میں عطر ملا۔ \* اس کے بعد آپ ﷺ نے دور رکعت نماز ادا کی، پھر قصواء پر سوار ہو کر احرام باندھا اور بلند آواز سے یہ الفاظ کہے:

لَبِيكَ اللَّهُمَّ لَبِيكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبِيكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَكَ

لَا شَرِيكَ لَكَ۔

”اے خدا! ہم تیرے سامنے حاضر ہیں، اے خدا! تیرا کوئی شریک نہیں، ہم حاضر ہیں، تعریف اور نعمت سب تیری ہی ہے اور سلطنت میں تیرا کوئی شریک نہیں۔“

حضرت جابر رضی اللہ عنہ جو اس حدیث کے راوی ہیں، ان کا بیان ہے کہ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو آگے پیچے، دامیں جہاں تک نظر کام کرتی، آدمیوں کا جنگل نظر آتا تھا۔ \* آنحضرت ﷺ جب بیک فرماتے تھے تو ہر طرف سے اسی صدائے غلغله انگیز کی آواز بازگشت آتی تھی اور تمام دشت و جبل گونج اٹھتے تھے۔

فتح کمک میں آپ ﷺ نے جن منازل میں نماز ادا کی تھی، وہاں برکت کے خیال سے لوگوں نے مسجدیں بنائی تھیں، آنحضرت ﷺ ان مساجد میں نماز ادا کرتے جاتے تھے۔ سرفہنچ کر عشی فرمایا، دوسرے دن (التوار) کے روز ذوالحجۃ چار تاریخ کو صحیح کے وقت) مکہ معظمه میں داخل ہوئے۔ مدینہ سے مکہ تک کا یہ سفر نوں میں طے ہوا۔ خاندان ہاشم کے لاکوں نے آمد آمد کی خبر سنی تو خوشی سے باہر نکل آئے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ فرط محبت سے اونٹ پر کسی کو آگے کوئی کوچھ بھالیا۔ \* کعبہ نظر پر اتو فرمایا کہ ”اے خدا! اس گھر کو اور زیادہ عزت اور شرف دے۔“ پھر کعبہ کا طواف کیا، طواف سے فارغ ہو کر مقام ابراہیم میں دو گانہ ادا کیا اور یہ آیت پڑھی:

﴿وَاتْخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّىٰ﴾ (۱۲۵/ البقرة)

”اور مقام ابراہیم کو سجدہ گاہ بناؤ۔“

صفا پر پہنچنے والی آیت پڑھی:

(\*) گرشت سے بیوہت) بھرنیات تفصیل سے بھی ہوئی کہ تمام حالات بیان کے، اوقات کی تینیں بھی بخاری و مسلم میں حضرت ابن عباس، انس رضی اللہ عنہما اور حضرت عائشہؓ کی روایتوں میں ہے اور امام نسائی نے کتاب المناک میں آنحضرت ﷺ کے اوقات دن تاریخ کے لیے خاص باب باندھا ہے۔ باب الوقت الذی خرج فيه النبي ﷺ۔ ۲۶۵۱۔ \*

عشی کا ذکر طبقات ابن سعد ذکر حجۃ الوداع میں ہے (جز فہلی، قسم اول ص ۱۲۳) \*

بخاری، کتاب الحج، باب الطیب عند الاحرام: ۱۵۳۹  
وصحیح مسلم، کتاب الحج، باب استحباب الطیب قبل الاحرام: ۲۸۲۴۔

\* کم و بیش ایک لاکھ مسلمان شریک ہجت تھے۔ \*

نسائی، کتاب المناک الحج، باب استقبال الحج: ۲۸۹۷۔

﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَّالِرِ اللّٰهِ﴾ (٢/ البقرة: ١٥٨)

”صفا اور مروہ خدا کی نشانیاں ہیں۔“

(بیہاں سے) کعبہ نظر آیا تو یہ الفاظ فرمائے:

((لَا إِلٰهَ إِلٰهُ اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْبِي وَيُبَيِّنُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ لَا إِلٰهَ إِلٰهُ اللّٰهُ وَحْدَهُ أَنْجَزَ وَعْدَهُ نَصَرَ عَبْدَهُ وَهَرَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ)) ﴿۲﴾

”خدا کے سوا کوئی خدا نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اس کے لیے سلطنت اور ملک اور حمد ہے، وہ مارتا اور جلاتا ہے اور وہ تمام چیزوں پر قادر ہے، کوئی خدا نہیں گروہ اکیلا خدا، اس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندہ کی مدد کی اور اسکے تمام قبائل کو شکست دی۔“

صفا سے اتر کر کوہ مرودہ پر تشریف لائے، بیہاں بھی دعا تبلیغ کی۔ اہل عرب لایام حج میں عمرہ ناجائز صحیح تھے، صفا اور مروہ کے طواف و سعی سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے ان لوگوں کو حج کے ساتھ قربانی کے جانو نہیں تھے، عمرہ تمام کر کے احرام اتنا نے کا حکم دیا، بعض صحابہ نے گزشتہ رسوم مالوفہ کی بنا پر اس حکم کی بجا آؤ رہی میں معدرت کی، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”اگر میرے ساتھ قربانی کے اونٹ نہ ہوتے تو میں بھی ایسا ہی کرتا۔“ ﴿۱﴾ حضرت علیؓ کو کچھ پہلے یمن بھیج گئے تھے، اسی وقت وہ یمنی حاجیوں کا قافلہ لے کر مکہ میں وارد ہوئے چونکہ ان کے ساتھ قربانی کے جانور تھے اس لیے انہوں نے احرام نہیں اتنا، جمرات کے روز آٹھویں تاریخ کو آپ ﷺ نے تمام مسلمانوں کے ساتھ مہنی میں قیام فرمایا، دوسرے دن نویں ذی الحجه کو جمعہ کے روز صبح کی نماز پڑھ کر منی سے روانہ ہوئے۔ ﴿۲﴾ قریش کا معمول تھا کہ جب مکہ سے حج کے لیے نکلتے تھے تو عرفات کے بجائے مزدلفہ میں قیام کرتے تھے جو حرم کے حدود میں تھا، ان کا خیال تھا کہ قریش نے اگر حرم کے سوا کسی اور مقام میں مناسک حج ادا کیے تو ان کی شان یکتا میں فرق آ جائے گا لیکن اسلام کو جو مساوات عام قائم کرنی تھی، اس کے لحاظ سے یہ تخصیص روا نہیں رکھی جا سکتی تھی۔ اس لیے (خدا نے حکم دیا) ﴿ثُمَّ أَفِيْضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ﴾ (٢/ البقرة: ١٩٩)

آپ ﷺ بھی عام مسلمانوں کے ساتھ عرفات میں آئے ﴿۳﴾ اور یہ اعلان کر دیا۔ ﴿۴﴾

((قفووا علی مشاعر کم فانکم علی ارث من ارث ایسکم ابراهیم))

”اپنے مقدس مقامات میں نہ ہرے رہو کر تم اپنے باپ ابراہیم کی وراثت ہو۔“

یعنی عرفات میں حاجیوں کا قیام حضرت ابراہیم ﷺ کی یادگار ہے اور انہی نے اس مقام کو اس غرض خاص

﴿۱﴾ ابو داود، کتاب المنسک، باب صفة حجۃ النبی ﷺ و سنن ابن ماجہ، ابواب المنسک، باب حجۃ

رسول اللہ ﷺ - ۳۰۷۴۔ ﴿۲﴾ صحیح بخاری، کتاب الحج، باب من اهل فی زمان النبی ﷺ - ۱۵۵۸۔

﴿۳﴾ ابو داود، حوالہ سابق۔ ﴿۴﴾ صحیح بخاری، کتاب الحج، باب الوقوف بعرفة: ۱۶۶۵۔

﴿۵﴾ ابو داود، کتاب المنسک، موضع الوقوف بعرفة: ۱۹۱۹۔

کے لیے متعین کیا ہے۔ عرفات میں ایک مقام نہ رہے ہے وہاں آپ ﷺ نے ایک کمل کے خیمه میں قیام فرمایا، دو پہزادل گئی تو ناقہ پر (جس کا نام قصواع تھا) سوار ہو کر میدان میں آئے اور ناقہ کے اوپر ہی سے خطبہ پڑھا۔ آج پہلا دن تھا کہ اسلام اپنے جاہوجلال کے ساتھ نمودار ہوا اور جاہلیت کے تمام بے ہودہ مراسم کو مٹا دیا، اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا:

((الا كل شىء من امر الجاهلية تحت قدمي موضوع)) \*

”ہاں جاہلیت کے تمام دستور میرے دونوں پاؤں کے نیچے ہیں۔“

تکمیل انسانی کی منزل میں سب سے بڑا سنگ راہ امتیاز مراتب تھا، جو دنیا کی تمام قوموں نے تمام نماہب نے، تمام ممالک نے مختلف صورتوں میں قائم کر کھا تھا، سلطان سائیہ یزد انی تھے، جن کے آگے کسی کو چون و چرا کی بجائ نہ تھی، آئندہ مذہب کے ساتھ کوئی شخص مسائل مذہبی میں گفتگو کا مجاز نہ تھا، شرفاء، رذیلوں سے ایک بالا تر مخلوق تھی، غلام آقا کے ہمسر نہیں ہو سکتے تھے۔ آج یہ تمام فرقے، یہ تمام امتیازات، یہ تمام حد بندیاں دفعتاً ثوٹ گئیں۔ \*

((اَيُّهَا النَّاسُ اِلَا اَن رِبُّكُمْ وَاحِدٌ وَان اَبَاكُمْ وَاحِدٌ اَلَا لَفْضُ لُغْرِبِي عَلَى عَجمِي وَلَا  
عَجمِي عَلَى لُغْرِبِي وَلَا لَاحْمَرَ عَلَى اَسْوَدِ وَلَا لَاسْوَدَ عَلَى اَحْمَرِ الَا بِالنَّقْوِ)) \*

\* صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجۃ النبي ﷺ، ابو داود، کتاب المنسک، باب صفة حجۃ النبي ﷺ، ۱۹۰۵۔ یہ اور اس کے بعد کے تمام عربی محتاط آنحضرت ﷺ کے خطبے کے نکڑے میں یہ جملے کسی حدیث میں بجا یا انہیں ہوئے میں اس لیے ان مختلف ماذدوں سے جمع کرتا ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم (باب حجۃ النبي ﷺ) و باب الدیيات) اور ابو داود (باب الاشهر الحرام و حجۃ النبي ﷺ) وغیرہ میں یہ خطبہ حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت ابو امامہ باہمی، حضرت جابر، حضرت ابو یکبر رضی اللہ عنہم وغیرہ صحابی رواجوں سے مذکور ہے ان رواجوں میں بعض یا تین مشترک ہیں مثلاً ((ان دمائکم و اموالکم حرام عليکم كحرمة)) اخُذ اور بعض باشیں الگ ہیں، مختاری و سیر کی تباہوں میں کچھ اور باشیں بھی مذکور ہیں، اصل یہ ہے کہ یہ ایک طویل خطبہ، ہر ایک شخص کو جو فقرہ مادر و گیرا اسی کی اس نے روایت کر دی، اس بنابر مختلف ماذدوں سے ان کٹڑوں کو جمع کر لیا گیا ہے اور اس کے جا بجا حوالے دیے گئے ہیں، خطبہ کے بعض حصیں الفاظ مصنف نے چھوڑ دیے ہیں، روایتوں میں ایک اور اختلاف ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ اپنی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اپنی خطبہ کا دن یوم عرفی یعنی ۹ ذی الحجه اور حضرت ابو یکبر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور سری رواجوں میں یوم الحشر یعنی ۱۵ ذی الحجه بتاتے ہیں، بعض روایتوں یا مام التشریع کے خطبے کی ہیں۔ انہیں احراق نے اس کو مسلسل خطبے کے طور پر نقل کیا ہے۔ انہیں ترمذی اور مسند احمد میں خطبہ جوہی الوداع کے چند فقرے مقول ہیں جن میں یہ تصریح نہیں کہ کس تاریخ کے خطبے میں آپ نے یہ فرمایا ہر حال صحاح سہ اور مسانید کی تمام روایات کو بجا کرنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے اس حج میں تین دفعہ خطبہ دیا۔ ۹ ذی الحجه یوم عرفہ کو، ۱۵ ذی الحجه کو اور تیر میں ۱۴ یا ۱۳ ذی الحجه کو، ان خطبوں میں اصولی طور پر بعض ہاتھ مشترک ہیں اور بعض شخص القائم ہیں، یہ بہت ممکن ہے جیسا کہ بعض حدیث نے تصریح کی ہے کہ چونکہ مجع بہت بڑا تھا اور آپ جو پیغام اپنی امت کو بیچنا چاہتے تھے وہ تمہارت اہم خاصیاں لیے آپ نے اپنی تقریر کے بعض فقرے کر رکھا ہے ”س۔“

\* امام احمد نے مدد میں ابو نظر تابعی کے اساطیرے اور تابعی مذکور نے ایک صحابی سے جنہوں نے آنحضرت ﷺ کو جو جو الوداع کا خطبہ دیتے تھے اپنے تقریر نقل کیا ہے، (بحوالہ متنقی الاخبار ابن تیمیہ، ج ۲، ص: ۲۸۶؛ مطبع حجازی، ۱۳۵۱ھ، ۱۹۳۲ء)

\* مسنند احمد، ج ۵، ص: ۱۱۱۔

”لوگو! یہ نک تھا را رب ایک ہے اور بیٹھ تھا را باپ ایک ہے ہاں عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں، مگر تقویٰ کے سبب سے۔“

((ان کل مسلم اخو المسلم و ان المسلمين اخوة)) ❷

”ہر مسلمان دوسرا مسلمان کا بھائی ہے اور مسلمان مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں۔“

((ارقاء کم ارقاء کم اطعموهم مما تاکلون واکسوهم مما تلبسون)) ❸

”تمہارے علام! تمہارے علام!! جو خود کھاؤ ہی ان کو کھلاو جو خود پہنچو ہی ان کو پہناؤ۔“

عرب میں کسی خاندان کا کوئی شخص کسی کے ہاتھ سے قتل ہوتا تو اس کا انتقام لینا خاندانی فرض ہو جاتا تھا، یہاں تک کہ یہ نکروں برس گز رجاء نے پہنچی فرض پاتی اور تھا اور اسی بنابر لڑائیوں کا ایک غیر منقطع سلسلہ قائم ہو جاتا تھا اور عرب کی زمین بھیش خون سے نگین رہتی تھی۔ آج یہ سب سے قدیم رسم، عرب کا سب سے مقدم فخر، خاندان کا پر فخر مشغله برپا کر دیا جاتا ہے، (اور اس کے لیے نبوت کا منادی سب سے پہلے اپنا نمونہ آپ پیش کرتا ہے):

وَدَمَاءُ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضِعَةٌ وَإِنَّ أَوَّلَ دَمٍ أَضَعُّ مِنْ دَمِ ابْنِ رَبِيعَةَ بْنِ الْحَارِثِ ❹

”جالیت کے تمام خون (یعنی انتقام خون) باطل کر دیے گئے اور سب سے پہلے میں (اپنے خاندان کا خون) اربیعہ بن الحارث کے بیٹے کا خون باطل کر دیتا ہوں۔“

تمام عرب میں سودی کا رو بار کا ایک جال پھیلا ہوا تھا جس سے غرباً کاریشہ ریش جگڑا ہوا تھا اور ہمیشہ کے لئے وہ اپنے قرض خواہوں کے غلام بن گئے تھے، آج وہ دن ہے کہ اس جال کا تاریخ الگ ہوتا ہے، اس فرض کی تکمیل کے لیے یہی معلم حق سب سے پہلے اپنے خاندان کو پیش کرتا ہے۔

((وربا الجahلية موضوع واول ربا اضع ربانا ربا عباس بن عبدالمطلب)) ❺

”جالیت کے تمام سود بھی باطل کر دیے گئے اور سب سے پہلے اپنے خاندان کا سود، عباس بن عبدالمطلب کا سود باطل کرتا ہوں۔“

آج تک عورتیں ایک جائیداد منقول تھیں، جو قمار بازیوں میں داؤں پر چڑھادی جا سکتی تھیں، آج پہلا دن ہے کہ یہ گروہ مظلوم، یہ صنف الطیف، یہ جو ہر نازک، قدر دانی کا تاج پہنتا ہے:

❶ مستدرک حاکم، ج ۱، ص: ۹۳ و طبری ج ۴، ص: ۷۵۴؛ ابن اسحاق۔ ❷ ابن سعد بستہ زید بن خطاب، قسم اول جزء ثانی، ص: ۱۳۳۔ ❸ رہیم قریش کے خاندان سے تھا اور ان کے خون کا انتقام لینا سیراث کے طور پر ایک فرض خاندانی چلا آتا تھا (رہیم بن حارث بن عبدالمطلب آنحضرت ﷺ کے پیغمبر اسلام کے تھے اور بعض روایتوں میں خود ان کے قفل کا ذکر ہے لیکن صحیح نہیں)، رہیم خلافت فاروقی تک زندہ رہے اور ۲۳ھ میں وفات پائی، صحیح یہ ہے کہ رہیم کا اس نام ایک بینا تھا وہ قیلیہ، نو سعدیں پر پوش پارہا کر کہ نہیں۔ ❹ اس قول کر کر لاد، مکھیابو داود: ۵، ۱۹۰، و صحیح مسلم باب حجۃ النبی مفتخر: ۵۰، اور زرقانی، ج ۸، ص: ۲۹۵۔ ❺ آنحضرت ﷺ کے بیان میں عباس بن عاصی اسلام سے پہلے سود کا رو بار کرتے تھے، بہت سے لوگوں کے ذمہ ان کا سود باتی تھا، مگر تو قیسراً یہ رہا۔

((فاتقوا اللہ فی النساء)) ﴿۱﴾

”عورتوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو۔“

((ان لكم علی نسائکم حقا و لهن علیکم حقا)) ﴿۲﴾

”تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے۔“

عرب میں جان و مال کی کچھ قیمت نہ تھی جو شخص چاہتا تھا قتل کر دیتا تھا اور جس کا مال چاہتا تھا چھین لیتا تھا آج اسیں وسلامتی کا بادشاہ تمام دنیا کو صلح کا پیغام سناتا ہے:

((ان دمائکم و اموالکم علیکم حرام کحرمة يومكم هذا في شهركم هذا في

بلدكم هذا الى يوم تلقون ربكم)) ﴿۳﴾

”تمہارا خون اور تمہارا مال تا قیامت اسی طرح حرام ہے جس طرح یہ دن اس مہینہ میں اور اس

شہر میں حرام ہے۔“

اسلام سے پہلے بڑے بڑے مذاہب دنیا میں پیدا ہوئے لیکن ان کی بنیاد خود صاحب شریعت کے تحریری اصول پر تھی، ان کو خدا کی طرف سے جو مہابتیں مل تھیں، بندوں کی ہوں پرستیوں نے ان کی حقیقت گم کر دی تھی، ابتدی نہ ہب کا غیرہ اپنی زندگی کے بعد بدایات رہانی کا مجموعہ تھی، خود اپنے ہاتھ سے اپنی امت کو پر کرتا ہے اور تاکید کرتا ہے:

((وانی قد تركت فيکم مالن تضلوا بعده ان اعتصمتم به كتاب الله)) ﴿۴﴾

”میں تم میں ایک چیز چھوڑتا ہوں اگر تم نے اس کو مضبوط پکڑ لیا تو گمراہ نہ ہو گے، وہ چیز کیا ہے؟

كتاب الله!“

اس کے بعد آپ ﷺ نے چند اصولی احکام کا اعلان فرمایا: ﴿۵﴾

((ان الله عزوجل قد اعطى كل ذي حق حقه فلا وصية لوارث))

”خدا نے ہر حق دار کو (از روئے وراثت) اس کا حق دے دیا، اب کسی کو وراثت کے حق میں وصیت جائز نہیں۔“

• صحیح مسلم: ۲۹۵۰ و ابو داود: ۱۹۰۵۔ اس کے بعد آپ نے زن و شوهر کے فرائض کی تفصیل فرمائی۔

• طبری، ج ۴، ص ۱۷۵۴؛ ابن هشام، ج ۲، ص ۳۹۰ وغیرہ۔

• صحیح بخاری، کتاب الحج، باب الخطبة ایام منی: ۱۷۴۱ و مسلم: ۲۹۵۰ و ابو داود: ۱۹۰۵ وغیرہ۔

• مسلم، ایضاً، ابو داود، ایضاً۔

• سنن ابن ماجہ، باب الوصایا، باب من لا وصیة لوارث: ۲۷۱۳ و مسند ابو داود طیالسی: ۱۳۱۳، ابو داود کتاب الوصایا، باب ماجہ فی الوصیة للوارث: ۲۸۷۰ میں مختصر ابے، ابن سعد، جز ۲، قم، ص ۱۳۱ اور ابن احیا نقیب نے بھی اس کی بسدر روایت کی ہے کہ یہ عرف کے خطبے میں آپ ﷺ نے فرمایا۔

((الولد للفراش وللعاهر الحجر وحسابهم على الله)) ﴿١﴾

”لکا اس کا ہے جس کے ستر پر بیدا ہوا، زنا کار کے لیے پھر ہے اور ان کا حساب خدا کے ذمہ ہے۔“

((من ادعی الى غير ايه وانتمي الى غير موالي فعليه لعنة الله)) ﴿٢﴾

”جو لوگا اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کے نسب سے ہونے کا دعویٰ کرے اور جو غلام اپنے مولیٰ کے سوا کسی اور طرف اپنی نسبت کرے اس پر خدا کی لعنت ہے۔“

((الا لا يحل لامرأة ان تعطى من مال زوجها شيئا الا باذنه الدين مقتضى

والعارية موداة والمنحة مردودة والزعيم غارم)) ﴿٣﴾

”ہاں عورت کو اپنے شوہر کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر کچھ دینا جائز نہیں، فرض ادا کیا جائے، عاریت واپس کی جائے عطیہ لوٹایا جائے ضامن توان کا ذمہ دار ہے۔“

یہ فرمائے اپنے شیخ نے مجھ عالم کی طرف خطاب کیا:

((انتم مسؤولون عنى فيما انتم قائلون)) ﴿٤﴾

”تم سے خدا کے ہاں سیری نسبت پوچھا جائے گا تم کیا جواب دو گے۔“

صحابہؓ نے عرض کی: ”بھم کہیں گے کہ آپ نے خدا کا پیغام پہنچا دیا اور اپنا فرض ادا کر دیا۔“

آپؓ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور تین بار فرمایا:

((اللهُمَّ اشهدْ)) ﴿٥﴾     ((اے خدا تو گواہ رہنا۔

بعن اس وقت جب آپؓ فرض بوت ادا کر رہے تھے، یہ آیت اتری:

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لِكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتَمَّتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيَتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْنَكُمْ﴾

”آن میں نے تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے مذہب

اسلام کو اختیاب کر لیا۔“ (۵) (المائدۃ: ۳)

نہایت حیرت انگیز اور عبرت خیز مظہری تھا کہ شہنشاہ عالم جس وقت لاکھوں آدمیوں کے مجمع میں فرمان ربانی

کا اعلان کر رہا تھا، اس کے تخت شہنشاہی کا مندوب ایں (کجاوہ اور عرق گیر) ایک روپیہ سے زیادہ قیمت کا نتھا۔

خطبے سے فارغ ہو کر آپؓ نے حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا اور نظر ہر اور عصر کی نماز ایک

ساتھ ادا کی، پھر ناقہ پر سوار ہو کر موقف تشریف لائے اور وہاں کھڑے ہو کر دیریک قبلہ رودعا میں مصروف

❶ بخاری: ۶۷۴۹؛ مسلم: ۳۶۱۳؛ ابو داود: ۲۲۷۴۔ ❷ ابن ماجہ: ۲۶۰۹؛ ابن حبان: ۴۱۸۔

❸ مستند ابو داود الطیالسی، ص: ۱۵۴۔ ❹ صحیح مسلم: ۲۹۵۰؛ ابو داود: ۱۹۰۵۔

❺ صحیح بخاری: ۱؛ ۱۷۴۱؛ مسلم: ۲۹۵۰؛ ابو داود: ۱۹۰۵۔

❻ صحیح بخاری: ۴۵؛ صحیح مسلم: ۷۵۲۵؛ ۷۵۲۷ و ابو داود حوالہ سابق وغیرہ، طبقات ابن سعد جزء اول،

ص: ۱۲۵، میں تصریح خاص ہے۔ ❼ طبقات ابن سعد، جزء ۲، قسم: ۱، ص: ۱۲۷۔

رہے، جب آفتاب ڈوبنے لگا تو آپ ﷺ نے دہاں سے چلنے کی تیاری کی۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو اونت پر بیچھے بھالیا، آپ ﷺ ناقہ کی زمام کھینچے ہوئے تھے، یہاں تک کہ اس کی گروں کجاوے میں آ کر گئی تھی، لوگوں کے ہجوم سے ایک اغتراب سا پیدا ہو گیا تھا، لوگوں کو دست راست سے اور بخاری میں ہے کہ کوڑہ سے آپ ﷺ اشارہ کرتے جاتے تھے کہ ”آہستہ آہستہ“ اور زبان مبارک سے ارشاد فرمادے تھے:

((السکینۃ یا ایہا الناس السکینۃ یا ایہا الناس)) ﴿۱﴾

”لوگوں اسکون کے ساتھ، لوگوں اسکون کے ساتھ۔“

انثانے راہ میں ایک جگہ اتر کر طہارت کی، اسامہ بن عثمن نے کہا: یا رسول اللہ! نماز کا وقت شنگ ہو رہا ہے، فرمایا نماز کا موقع آگے آتا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ ﷺ تمام قافلہ کے ساتھ مزدلفہ پہنچ، یہاں پہلے مغرب کی نماز پڑھی، اس کے بعد لوگوں نے اپنے اپنے پڑاکوپر جا کر سواریوں کو بھایا، ابھی سامان کھولنے بھی نہ پائے تھے کہ فوراً ہی عشاء کی تیکبیر ہوئی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ لیٹ گئے اور صبح تک آرام فرمایا۔ ﴿۲﴾ میں روزانہ دستور کے خلاف عبادات شبانہ کے لیے بیدار نہ ہوئے۔ ﴿۳﴾ محمد بن عثمن نے لکھا ہے کہ یہی ایک شب ہے جس میں آپ ﷺ نے نماز تجداد انہیں فرمائی، صبح سوریے الٹھ کر بجماعت فجر کی نماز پڑھی۔ کفار قریش مزدلفہ سے اس وقت کوچ کرتے تھے جب آفتاب پورا کل آتا تھا اور آس پاس کے پھاڑوں کی چوٹیوں پر دھوپ پھکنے لگتی تھی، اس وقت آواز بلند کہتے تھے: ”کوہ شیر! دھوپ سے چمک جا۔“ آنحضرت ﷺ نے اس رسم کے ابطال کے لیے سورج نکلنے سے پہلے یہاں سے کوچ فرمایا یہ ذی الحجه کی دسویں تاریخ اور سینچر کا دن تھا۔

فضل بن عباس رضی اللہ عنہما آپ کے برداعم زاد ناقہ پر ساتھ تھے۔ اہل حاجت داہنے باسیں حج کے مسائل دریافت کرنے کے لیے آ رہے تھے، آپ ﷺ جواب دیتے تھے اور زور زور سے مناسک حج کی تعلیم دیتے جاتے تھے ﴿۴﴾ وادی محسر کے راست سے آپ جمرہ کے پاس آئے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جواب دیا گیا: ”مجھے نکریاں چن کر دو۔“ آپ ﷺ نے کنکریاں پھینکیں اور لوگوں کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا: ﴿۵﴾

((ایاكم والغلو فی الدین فانما اهلك من کان قبلکم الغلو فی الدین))

”ذهب میں غلو اور مبالغہ سے بچو کیونکہ تم سے پہلی قومیں اسی سے بر باد ہوئیں۔“

اس اثنائیں آپ ﷺ یہ بھی فرماتے:

﴿۱﴾ بخاری، کتاب الحج، باب امر النبی ﷺ بـالسکینۃ: ۱۶۷۱ و مسلم، کتاب الحج، باب حجۃ النبی ﷺ: ۲۹۰۰، ابو داود: ۱۹۰۵، ابن ماجہ: ۳۰۷۴۔ نوت: نمکوہ کتب میں ”یا“ کے بغیر ہے۔

﴿۲﴾ ابو داود، کتاب المناسک، باب صفة حجۃ النبی ﷺ: ۱۹۰۵، بخاری: ۱۳۹، مسلم: ۲۹۰۔

﴿۳﴾ ابن الجیم بے کہ آپ نے مزدلفہ میں مغرب عشاء کی نماز ایک اذان اور اقامت میں ادا کی اور لیٹ گئے اور طلوع فجر تک بیدار نہ ہوئے۔ (کتاب المناسک، باب حجۃ رسول اللہ ﷺ: ۳۰۷۴۔ ﴿۴﴾ سنن نسائی، کتاب المناسک، باب التقاط الحصی: ۳۰۵۹، ابن ماجہ، ابواب المناسک، باب قدر حصی الرمی: ۳۰۲۹۔

((لتاخذوا مناسکكم فانی لا ادری لعلی لا احج بعد حجتی هذه)) \*

”حج کے مسائل سیکھو، میں نہیں جانتا، شاید کہ اس کے بعد مجھے دوسرے حج کی نوبت نہ آئے۔“

بیہاں سے فارغ ہو کر منی کے میدان میں تشریف لائے اور وابہنے باکیں آگے پیچھے تقریباً ایک لاکھ مسلمانوں کا مجمع تھا۔ مہاجرین قبلہ کے وابہنے انصار بائیں اور نجع میں عام مسلمانوں کی صفیں تھیں۔ آنحضرت ﷺ ناقہ پر سوار تھے، حضرت بلاں ﷺ کے ہاتھ میں ناقہ کی مہار تھی، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ پیچھے پیچھے کپڑا تان کر سایہ کے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے نظر اٹھا کر اس عظیم الشان مجمع کی طرف دیکھا تو فراپن بوت کے ۲۳ سالہ ننانج نگاہوں کے سامنے تھے۔ زمین سے آسان تک قبول و اعتراض حق کا نور ضوششان تھا۔ دیوان قضائیں انبیاء سابقین کے فراپن تبلیغ کے کارنا موس پر ختم رسالت کی مہربنت ہو رہی تھی اور دنیا اپنی تخلیق کے لاکھوں برس کے بعد دین فطرت کی تکمیل کا مژرہ کائنات کے ذرہ ذرہ کی زبان سے سن رہی تھی۔ عین اسی عالم میں زبان حق محمد رسول اللہ ﷺ کے کام و دہن میں زمزمه پرداز ہوئی۔

اب ایک نئی شریعت ایک نئے نظام اور ایک نئے عالم کا آغاز تھا۔ اس بنا پر ارشاد فرمایا:

((ان الزمان قد استدار كهينته يوم خلق الله السموات والارض)) \*

”ابتداء میں خدا نے جب آسمان و زمین کو پیدا کیا تھا، زمانہ پھر پھر اکے آج پھر اسی نقطہ پر آگیا۔“

اب ایتم خلیل کے طریق عبادت (حج) کا موسم اپنی جگہ سے ہٹ گیا تھا، اس کا سبب یہ ہے کہ اس زمانہ میں کسی قسم کی خونریزی جائز نہیں تھی۔ \* اس لیے عربوں کے خون آشام جذبات حیله جنگ کے لیے اس کو کھی گھٹا کبھی بڑھادیتے تھے۔ آج وہ دون آیا کہ اس اجتماع عظیم کے اشهر حرم کی تعین کروی جائے، آپ نے فرمایا:

((السنة اثنا عشر شهرًا منها أربعة حرث ثلاثة متوليات ذو القعدة و ذو الحجة

ومحرم و رجب شهر مضر الذي بين جمادى و شعبان)) \*

”سال کے بارہ مہینے ہیں جن میں چار مہینے قابل احترام ہیں، تین تو متواتر مہینے ہیں، ذوقده، ذوالحجہ اور محرم اور چوتھا جب مضر کا مہینہ جو حادی الثاني اور شعبان کے بیچ میں ہے۔“

5 مسلم، کتاب الحج، باب استحباب رمي جمرة العقبة: ۱۳۷؛ ابو داود، کتاب المناسک، باب فی رمى الجمار: ۱۹۷۰۔ ② ابو داود، کتاب المناسک، باب الاشهر الحرم: ۱۹۴۷۔

3 حج کے ان مہینوں کے احترام اور برآنگی تکمیل عرب میں نہایت قدیم زمانے سے چلا آتا تھا اور عرب کے تمام فرقے خواہ بہودی یا عیسائی یا کسی اور نہ جہب کے بیرون ہوں سب برادران کی عزت کرتے تھے، ان مہینوں میں جنگ و جدال اور ایسی بھروسائی حرام جانتے تھے، قدیم اشعار عرب میں اس کا ہمان نہایت کثرت سے ہے، رومنوں کی تاریخ میں بھی عربوں کے اس عقیدہ کا ذکر ہے۔ ۵۷۰ میں رومنوں کو شام اور فلسطین میں کوئی جنگی کارروائی کرنی تھی اور ساتھ ہی عربوں کے جملہ کا خوف لگا تھا، پس سالا روم جو عربوں کے اندر دنیٰ حالات سے واقع تھا، اس نے جواب دیا کہ اس زمانہ میں عربوں سے کوئی خوف نہیں کیونکہ عقریب وہ دو مہینے آ رہے ہیں جن میں اہل عرب عبادتوں میں شغول رہتے ہیں اور کسی قوم کا تھیار نہیں لگاتے۔ سنا کے الامام محمود پاشا فلکی مص: ۳۵ کو واللہ فرج ایسا نیا لکم سوسائی بزرل اپریل ۱۸۳۲ء ”س۔“

4 ابو داود، کتاب المناسک، باب الاشهر الحرم: ۱۹۴۷ بروایت ابو بکرہ۔

دنیا میں عدل و انصاف اور جو روسم کا محور صرف تین چیزیں ہیں، جان، مال اور آبرو۔ آنحضرت ﷺ کل کے خطبہ میں گوان کے متعلق ارشاد فرمائے تھے لیکن عرب کے صد یوں کے زنگ دور کرنے کے لیے تکرر تاکید کی ضرورت تھی، آج آپ ﷺ نے اس کے لیے عجیب بلیغ انداز اختیار فرمایا۔

لوگوں سے مخاطب ہو کر پوچھا: ”کچھ معلوم ہے آج کون سادن ہے؟“ لوگوں نے عرض کی کہ خدا اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔ آپ دریتک چپ رہے لوگ سمجھے کہ شاید آپ اس دن کا کوئی اور نام رکھیں گے، دریتک سکوت کے بعد فرمایا: ”کیا آج قربانی کا دن نہیں ہے؟“ لوگوں نے کہا: ہاں بے شک ہے۔ پھر ارشاد ہوا: ”یہ کون سامہینہ ہے؟“ لوگوں نے پھر اسی طریقے سے جواب دیا، آپ نے پھر دریتک سکوت کیا اور فرمایا: ”کیا یہ ذوالحجہ کا مہینہ نہیں ہے؟“ لوگوں نے کہا: ہاں بے شک ہے۔ پھر پوچھا: ”یہ کون سا شہر ہے؟“ لوگوں نے بدستور جواب دیا، آپ نے اسی طرح دریتک سکوت کے بعد فرمایا: ”کیا یہ بُلدۃ الحرام نہیں ہے؟“ لوگوں نے عرض کی ہاں بے شک ہے۔ جب سامعین کے دل میں یہ خیال پوری طرح جا گزیں ہو چکا کہ آج کا دن بھی، مہینہ بھی اور خود شہر بھی محترم ہے یعنی اس دن، اس مقام میں جنگ اور خوزیری جائز نہیں ہے فرمایا:

((فَإِنْ دَمَاءَ كُمْ وَأَمْوَالُكُمْ وَاعْرَاضُكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحِرَمَةٍ يَوْمَكُمْ هَذَا فِي

شہر کم هذا فی يلد کم هذا)).

”تو تمہارا خون، تمہارا مال، اور تمہاری آبرو، (تا قیامت) اسی طرح محترم ہے جس طرح یہ دن، اس مہینہ میں اور اس شہر میں محترم ہے۔“

تموں کی بر بادی ہمیشہ آپ کے جنگ و جدال اور باہمی خوزیریوں کا نتیجہ رہی ہے، وہ تنفس بر جو ایک لازوال قویت کا بانی بن کر آیا تھا، اس نے اپنے بیرونیوں سے بآواز بلند کہا:

((وَسْتَلْقُونَ رَبَّكُمْ فَسِيسَالُوكُمْ عَنِ الْعَمَالِكُمْ إِلَّا فَلَا تَرْجِعُوا بَعْدِ ضِلَالٍ

يُضْرِبُ بِعِضْكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ)).

”ہاں امیرے بعد گراہ نہ ہو جانا کہ خود ایک دوسرے کی گردان مارنے لگتم کو خدا کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی بازار پر کرے گا۔“

ظلم و تم کا ایک عالمگیر پہلو یہ تھا کہ اگر خاندان میں کسی ایک شخص سے کوئی گناہ سرزد ہوتا تو اس خاندان کا ہر شخص اس جرم کا قانونی مجرم سمجھا جاتا تھا اور اکثر اصلی مجرم کے روپوں یا فرار ہو جانے کی صورت میں با دشہ کا اس خاندان میں سے جس پر قابو چلتا تھا اس کو سزا دیتا تھا، باپ کے جرم میں بیٹے کو سولی دی جاتی تھی، اور بیٹے کے جرم کا خمیازہ باپ کو اٹھانا پڑتا تھا، یہ سخت ظالما نہ قانون تھا، جو مدت سے دنیا میں حکمران تھا، اگرچہ قرآن مجید نے «لَا تَنْزِرُوا زِرًّا وَ زِرًّا أُخْرَى»<sup>۱</sup> کے وسیع قانون کی رو سے اس ظلم کی ہمیشہ کے لیے بین کنی کر دی تھی لیکن

<sup>۱</sup> صحیح بخاری، کتاب الحج، باب الخطبة ایام منی: ۱۷۴۱۔ برداشت ابو جہر

<sup>۲</sup> صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب حجۃ الوداع: ۶۴۰۶۔ برداشت ابو جہر

اس وقت جب دنیا کا آخري پیغمبر ایک نیا نظام سیاست ترتیب دے رہا تھا، اس اصول کو فراموش نہیں کر سکتا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا:

((الا لا يجْنِي جَانُ الْأَعْلَى نَفْسُهُ الْأَلَا يَجْنِي جَانُ عَلَى وَلَدِهِ وَلَا مُولُودٌ عَلَى  
وَالدَّهِ))

”ہاں! مجرم اپنے جرم کا آپ ذمہ دار ہے، ہاں باپ کے جرم کا ذمہ دار بیٹا نہیں اور بیٹے کے جرم کا جواب دہ باپ نہیں۔“

عرب کی بد امنی اور نظام ملک کی بے ترتیبی کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ ہر شخص اپنی خداوندی کا آپ مدعا تھا، اور دوسروں کی ماتحتی اور فرمابنبرداری کو واپسے لینے نگہ اور عمار جانتا تھا، ارشاد ہوا:

((إِنَّ أَمْرَكُمْ عَبْدٌ مَجْدُعٌ أَسْوَدٌ يَقُودُكُمْ بِكِتَابِ اللَّهِ فَاسْمَعُوا لَهُ وَاطِّعُوهُ))

”اگر کوئی جخشی بریدہ غلام بھی تمہارا امیر ہو اور وہ تم کو خدا کی کتاب کے مطابق لے چلے تو اس کی اطاعت اور فرمابنبرداری کرو۔“

ریگستان عرب کا ذرہ ذرہ اس وقت اسلام کے نور سے منور ہو چکا تھا اور خانہ کعبہ ہیمشہ کے لیے ملت ابراہیم کا مرکز بن چکا تھا اور فتنہ پرداز ان قوتیں پامال ہو چکیں تھیں، اس بناء پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ أَيْسَ إِنْ يَعْبُدُ فِي بَلْدِكُمْ هَذَا ابْدًا وَلَكُنْ سِيْكُونْ لَهُ طَاعَةً

فيما تحرقون من أعمالكم فيرضي به))

”ہاں، شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا کہ اب تمہارے اس شہر میں اس کی پرتشیش قیامت تک نہ کی جائے گی، لیکن البتہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں اس کی بیرونی کرو گے اور وہ اس پر خوش ہو گا۔“  
سب سے آخر میں آپ ﷺ نے اسلام کے فرائض اولین یاد دلائے:

((اعْبُدُوا رَبَّكُمْ فَصُلُوٰ خَمْسَكُمْ وَصُومُوا شَهْرُكُمْ وَاطِّعُوهُ اذَا آمَرْتُمْ تَدْخُلُوا

جَنَّةَ رَبِّكُمْ))

”اپنے پروردگار کو پوجو، پانچوں وقت کی نماز پڑھو، مہینہ کے روزے رکھا کرو، اور میرے احکام کی اطاعت کرو، خدا کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔“

یہ فرمائے آپ ﷺ نے مجع کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا:

۱ این ماجہ، ابواب المناسب، باب الخطبة يوم النحر: ۳۰۵۵۔ (معناہ)

۲ صحيح مسلم، کتاب الحج، باب استحباب رمي جمرة العقبة: ۳۱۳۸۔

۳ این ماجہ، ابواب المناسب، باب الخطبة يوم النحر: ۳۰۵۵۔ (معناہ)

۴ مسند احمد، ج ۵، ص: ۲۵۱ و مسند رک حاکم، ج ۱، ص: ۴۷۳؛ ترمذی: ۶۱۶۔

((الا هل بلغت؟)) ”کیوں میں نے پیغام خداوندی سنادیا؟“ سب بول اٹھے ہاں، فرمایا: ((اللهم اشهد)) ”اے خدا تو گواہ رہنا۔“ پھر لوگوں کی طرف غاطب ہو کر فرمایا: ((فليبلغ الشاهد الغائب)) ”جو لوگ اس وقت موجود ہیں وہ ان کو سنادیں جو موجود نہیں۔“ خطبہ ﷺ کے اختتام پر آپ ﷺ نے تمام مسلمانوں کو الوداع ﷺ کہا۔

اس کے بعد آپ قربانی گاہ کی طرف تشریف لے گئے، اور فرمایا کہ ”قربانی کے لیے منی کی کچھ تخصیص نہیں ہے بلکہ منی اور مکہ کی ایک ایک گلی میں قربانی ہو سکتی ہے۔“ آپ ﷺ کے ساتھ قربانی کے سواوٹ تھے، کچھ تو آپ ﷺ نے خود اپنے ہاتھ سے ذبح کیے اور باقی حضرت علیؓ کے پرد کر دیے کہ وہ ذبح کریں، اور حکم دیا کہ گوشت پوست جو کچھ ہو، سب خیرات کر دیا جائے، یہاں تک کہ قصاص کی مزدوری بھی اس سے ادا نہ کی جائے، ﷺ بلکہ الگ سے دی جائے۔

قربانی سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے معمربن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو بلوایا اور سر کے بال منڈوائے اور فرط محبت سے کچھ بال خود اپنے دست مبارک سے ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی ام سلمیم رضی اللہ عنہا اور بعض ان لوگوں کو جو پاس بیٹھے تھے، ﷺ عنایت فرمائے اور باقی ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ سے تمام مسلمانوں میں ایک ایک دو دو کر کے تقسیم کر دیے اس کے بعد آپ مکہ معظمہ تشریف لائے، خانہ کعبہ کا طواف کیا اس سے فارغ ہو کر چاہ زمزم کے پاس آئے۔

چاہ زمزم سے حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت خاندان عبدالمطلب سے متعلق تھی، چنانچہ اس وقت اسی خاندان کے لوگ پانی نکال کر لوگوں کو پلاپر ہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”یعنی عبدالمطلب! اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ مجھ کو ایسا کرتے دیکھ کر اور لوگ بھی تمہارے ہاتھ سے ڈول چھین کر خود اپنے ہاتھ سے پانی نکال کر پیس گے تو میں خود اپنے ہاتھ سے پانی نکال کر پیتا۔“ ﷺ

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ڈول میں پانی نکال کر پیش کیا، آپ ﷺ نے قبلہ رخ ہو کر کھڑے کھڑے پانی پیا۔ پھر یہاں سے منی واپس تشریف لے گئے اور وہیں نماز ظہر ادا فرمائی۔ ﷺ

۱ معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطبہ بہت بڑا تھا۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، باب استحباب رمى جمرة العقبة: ۲۱۳۸ میں روایت ہے کہ قال قولًا كثیرًا آپ نے بہت سی بیان فرمائیں صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب حجۃ الوداع ۴۰۲: میں ہے کہ آپ نے اس میں دجال کا بھی ذکر فرمایا تھا لیکن یہ عین نہیں کہ کس دن کے خطبے میں یہ فرمایا۔ ۲ صحیح بخاری، کتاب الحج، باب الخطبة لایام منی: ۱۷۴۲۔ ۳ بخاری، کتاب الحج، باب لا يعطى الجزاء... ۱۷۱۶۔

۴ مسلم، کتاب الحج، باب بیان ان السنۃ يوم النحر ایمان: ۳۱۵۲؛ ابو داود، کتاب المناسك، باب الحلق والقصیر: ۱۹۸۲، ۱۹۸۱۔ ۵ صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجۃ النبی ﷺ: ۲۹۵۰۔

۶ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث بخاری، باب این يصلی الظہر: ۱۶۵۳؛ مسلم: ۳۱۶۶، ڈولوں میں ہے کہ آپ نے ظہر کی نماز حسب رسم اس دن بھی منی میں پڑھی لیکن حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی جو طویل حدیث تصدیق جوہ الوداع میں ہے اس میں نہیں ہے کہ آپ نے کہ میں نماز ظہر پڑھی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت سے بھی سیکن ظاہر ہوتا ہے اس ہمارے محدثین میں (اقیہ حاشیا لگے صفحہ پر) ﷺ

بقيہ ایام انتشار یقینی ۱۲ اذی الحجۃ تک آپ ﷺ نے مستقل اقامت منی ہی میں فرمائی، ہر روز زوال کے بعد رمی جمار کی غرض سے تشریف لے جاتے اور پھر واپس آ جاتے۔ (ابوداؤ دباب الخطبہ بعکسی) میں ایک حدیث ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ۱۲ اذی الحجۃ کو بھی منی میں ایک خطبہ دیا تھا، جس کے الفاظ مختصر اور ہیں جو پہلے خطبوں میں گزر چکے ہیں۔ ۱۳ اذی الحجۃ کو سہ شنبہ کے دن زوال کے بعد آپ نے یہاں سے نکل کر وادی محصہ \* میں قیام کیا اور شب کو اسی مقام پر آرام فرمایا، پہلے پہراٹھ کر کے معظمہ تشریف لے گئے اور خانہ کعبہ کا آخری طواف کر کے دیں صبح کی نماز ادا کی، اس کے بعد قافلہ اسی وقت اپنے اپنے مقام کو روانہ ہو گیا، اور آپ نے مہاجرین و انصار کے ساتھ مدینہ کی طرف مراجعت فرمائی، رہا میں ایک مقام خم پڑا، جو جحمد سے تین میل پر ہے، یہاں ایک تالاب ہے عربی میں تالاب کو غدریہ کہتے ہیں اور اس لیے اس مقام کا نام عام روایتوں میں غدریخم آتا ہے، آپ نے یہاں تمام صحابہ کو جمع کر کے ایک مختصر ساخطہ دیا:

((اما بعد! الا ايها الناس! فانما انا بشر يوشك ان ياتي رسول ربى فاجيب وانا تارك فيكم الثقلين اولهما كتاب الله فيه الهدى والنور فخذلوا بكتاب الله

واستمسكوا به واهل بيته اذكركم الله في اهل بيته )) \*

”حمد و شنا کے بعد، اے لوگو! میں بھی بشر ہوں ممکن ہے کہ خدا کا فرشتہ جلد آ جائے اور مجھے قبول کرنا پڑے (یعنی موت)۔ میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں، ایک خدا کی کتاب جس کے اندر ہدایت اور روشنی ہے، خدا کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو اور دوسرا چیز میرے اہل بیت ہیں، میں ایسے اہل بیت کے بارے میں تمہیں خدا کو پا دلاتا ہوں۔“

آخری جملہ کو آپ نے تین دفعہ مکر فرمایا، یہ صحیح مسلم (مناقب حضرت علی بن ابی ذئب) کی روایت ہے۔ نسائی مسند امام احمد، ترمذی، طبرانی، طبری، حاکم، وغیرہ میں کچھ اور فقرے بھی ہیں جن میں حضرت علی بن ابی ذئب کی منقبت طاہری گئی ہے ان روایتوں میں ایک فقرہ کشمکشتر ک ہے:

((من كنت مولاه فعلي مولاه اللهم وال من والاه وعاد من عاده))

”جس کو میں محبوب ہوں علیٰ بھی اس کو محبوب ہونا چاہیے، الٰہی جو علیٰ سے محبت رکھے اس سے تو بھی محبت رکھے اور جو علیٰ سے عداوت رکھے اس سے تو بھی عداوت رکھے۔“

(\*) گزشتے پوست) ان دلوں قولوں کی باہمی ترجیح اور جو ترجیح میں اختلاف ہے، علامہ ابن حزم ہبھی نے دوسری روایت کو ترجیح دی ہے اور علامہ ابن قیم ہبھی نے زاد المخالیف پہلے قول کو مردح ثابت کیا ہے، فریقین کے موافق دلائل کے بعد ہم نے ان قسم ہبھی کا فصلہ قول کیا ہے۔ (\*) اسی کا دوسرے نام اسٹھ اور خوف میں کتابانے ہے۔

<sup>2</sup> صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب م: فضائل علم بن أبي طالب: ٦٢٢٥.

<sup>٣</sup> مسند احمد: ٤/٣٧٠؛ ترمذی: ٣٧١٢؛ ابن حیان: ٦٨٩٢؛ مستدرک حاکم: ٣/١١٠۔

احادیث میں خاص یہ تصریح نہیں کہ ان الفاظ کے کہنے کی ضرورت کیا پیش آئی۔ بخاری میں ہے کہ اسی زمانہ میں حضرت علیؓ میں بھیج گئے تھے، جہاں سے واپس آ کر وہ حج میں شامل ہوئے تھے۔ میں میں انہوں نے اپنے اختیار سے ایک ایسا واقعہ کیا تھا جس کو ان کے بعض ہمراہ یوں نے پسند نہیں کیا، ان میں سے ایک صاحب نے آ کر رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی، آپؐ نے فرمایا: ”علیؐ کو اس سے زیادہ کام تھا“، \* عجب نہیں کہ اسی قسم کے شکوک رفع کرنے کے لیے اس موقع پر آپؐ نے یہ الفاظ فرمائے۔ مدینہ کے قریب پہنچ کر ذوالحلیفہ میں شب بسری، صحیح کے وقت ایک طرف سے آفتاب نکلا اور دوسرا طرف کو کہہ نبوی مدینہ منورہ میں داخل ہوا، سو امیدینہ پر نظر پڑی تو یہ الفاظ فرمائے: ②

((الله اکبر لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على

كل شيء قدير، ائبون تائبون عابدون ساجدون لربنا حامدون، صدق الله

وعده و نصر عبده وهزم الاحزاب وحده)) \*

”خدا بزرگ و برتر ہے اس کے سوا کوئی خدا نہیں، کوئی اس کا شریک نہیں، بس اسی کی سلطنت ہے، اسی کے لیے مدح اور ستائش ہے، وہ ہر بات پر قادر ہے، لوٹے آ رہے ہیں تو بہ کرتے ہوئے، فرمان بردارانہ، زمین پر پیشانی رکھ کر، اپنے پروردگار کی مدح و ستائش میں مصروف ہو کر، خدا نے اپنا وعدہ چاکیا، اپنے بندہ کی نصرت کی اور تمام قبائل کو تھا شکست دی۔“

\* صحيح بخاری، کتاب المغازی، باب بعثت علی الى اليمن: ٤٣٥٠۔

\*\* صحیح ابو داود کے واقعات تمام ترجیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابو داود اور نسائی سے لیے گئے ہیں، ہر واقعہ کے لیے ان کتابوں میں کتاب الحج کے مقابلہ ابو بکر کھو۔ ③ صحیح بخاری، کتاب العمرۃ، باب ما يقول اذا رجع من الحج: ١٧٩٧؛ صحیح مسلم: ٣٢٧٨؛ ابو داود: ٢٧٧٠؛ ترمذی: ٩٥٠۔

## وفات

﴿إِنَّكَ مَيِّتٌ وَلَا تَهُمْ مَيِّتُونَ﴾ (الزمر: ٣٩)

### ربيع الاول ۱۴۰۶ھ مطابق می ۲۲۳ء

روح قدسی کو عالم جسمانی میں اسی وقت تک رہنے کی ضرورت تھی کہ تکمیل شریعت اور تذکیرے نفوس کا عظیم الشان کام درجہ کمال تک پہنچ جائے۔ جبجو الوداع میں یہ فرض اہم ادا ہو چکا، تو حیدر کامل اور مکارم اخلاق کے اصول عملًا قائم کر کے عرفات کے مجمع عام میں اعلان کر دیا گیا کہ

﴿الْيَوْمَ أَمْلَأْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَتُ عَلَيْكُمْ نُعْمَانِ﴾ (المناذنة: ۳)

”آج کے دن میں نے تمہارے لیے دین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں پوری کر دیں۔“

سورہ فتح کا نزول خاص خاص صحابہؓ کو آنحضرت ﷺ کے قرب وفات کی اطلاع دے چکا تھا، ۱۱۰ / النصر: ۳) کے مطابق زیادہ تراوقات تشیع و تلیل میں بسر فرماتے تھے، ۲۰۸ عوام ہر سال رمضان مبارک میں دس دن اعتکاف میں بیٹھتے تھے لیکن رمضان رات ۱۴ھ میں بس دن اعتکاف میں بیٹھے۔ سال میں ایک دفعہ ماہ رمضان میں آپ ﷺ پورا قرآن ناموس اکبر (حضرت جبریل علیہ السلام) کی زبانی سنتے تھے لیکن وفات کے سال دو دفعہ یہ شرف حاصل ہوا جو الوداع کے موقع پر مناسک حج کی تعلیم کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ نے یہ اعلان بھی فرمایا کہ ”مجھے امید نہیں کہ آیندہ سال تم سے مل سکوں۔“ بعض روایتوں میں یہ الفاظ اس طرح وارد ہوئے ہیں: ”شاید میں اس کے بعد حج نہ کر سکوں۔“ ۲۰۹ غدری خم کے خطبہ میں بھی اسی قسم کے الفاظ ادا ہوئے۔

غزوہ احمد کے بیان میں گزر چکا ہے کہ شہدائے احمد کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی گئی تھی، تمام غزوات میں صرف غزوہ احمد ہی ایسا غزوہ ہے جس میں مسلمانوں نے سب سے زیادہ بے کسی کے ساتھ جان دی، اس لیے ان کی یاد آپ ﷺ کے دل میں اس وقت بھی موجود تھی۔

جبجو الوداع کے موقع پر تمام مسلمانوں کو اپنے فیض دیدار سے مشرف فرمایا اور ان کو حضرت کے ساتھ الوداع کیا۔ شہدائے احمد جو ﴿بَلْ هُمْ أَحْيَاءٌ﴾ کے مژده جاں فرز سے فیض یا ب تھے، آٹھ برس کے بعد آخری دفعہ آپ ﷺ نے ان کو بھی اپنی زیارت سے مشرف کرنا ضروری سمجھا، چنانچہ اسی زمانے میں ان کی قبر پر تشریف لے گئے اور ان کے لیے دعائے خیر فرمائی اور اس رقت انگیز طریقہ سے ان کو الوداع کیا کہ ”جس

\* صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله: فسبح بحمد ربک: ۴۹۷۰۔ \* اس قسم کی روایتیں گوطری، ابن خزیم اور ابن مردویہ میں ہیں لیکن مختصر اصحابی صحیح بخاری، تفسیر اذ اذاء: ۴۹۶۸ میں بھی مذکور ہیں۔ \* صحیح بخاری، باب الاعتكاف فی العشر الاوسط من رمضان: ۲۰۴۳ و کتاب فضائل القرآن، باب کان جبریل بعرض القرآن: ۴۹۹۸۔

\* نسانی، کتاب مناسک الحج، باب الرکوب الى الجمار: ۳۰۶۴۔

طرح ایک مرنے والا اپنے زندہ اعزہ کو وداع کرتا ہے۔ \* اس کے بعد ایک خطبہ دیا جس میں فرمایا: ”میں تم سے پہلے حوض پر بخار ہوں، اس کی وسعت اتنی ہے حتیٰ الیہ سے جھٹک، مجھ کو تمام دنیا کے خزانوں کی کنجی دی گئی ہے، مجھے خوف نہیں ہے کہ میرے بعد تم شرک کرو گے لیکن اس سے ڈرتا ہوں کہ دنیا میں نہ بتلا ہو جاؤ اور اس کے لیے آپس میں کشت و خون نہ کرو، تو پھر اسی طرح ہلاک ہو جاؤ جس طرح تم سے پہلی قومیں ہلاک ہوئیں۔“ راوی کا بیان ہے کہ یہ آخری دفعہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خطبہ دیتے ہوئے سن۔

غزوہات میں گزر چکا ہے کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو حدود شام کے عربوں نے شہید کر دالا تھا، آنحضرت ﷺ ان سے اس کا قصاص لینا چاہتے تھے، آغاز عالت سے ایک روز پہلے آپ ﷺ نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو مامور کیا کہ وہ فوج لے کر جائیں اور ان شریروں سے اپنے باپ کا انتقام لیں۔ \* (۱۸) یا (۱۹) صفر ۱۱ھ میں آجھی رات کو آپ ﷺ جنتِ ابیقیع میں جو عام مسلمانوں کا قبرستان تھا شریف لے

\* صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب الصلوة علی الشهید: ۳۵۹۶، ۱۳۴۴ و صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب اثبات حوض نیتا: ۵۹۶۶۔ و القی اور ابن حاصل کا بیان ہے کہ اس غزوہ میں آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو بھی جانے کا حکم دیا تھا لیکن یہ روایتیں بے حد ہیں، اس لئے علماء ابن تیمیہ نے اس سے ثابت کے ساتھ انکار کیا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق تو نہیں کہا جاسکتا لیکن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے ایام عالت میں امام نما مقرر فرمایا، اور یہ صحیح روایت سے ثابت ہے اس بنا پر اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ پہلے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو جانے کا حکم ہوا تھا تو معلوم ہوتا ہے کہ بعد آپ ﷺ نے مستحب کر لیا۔

\* آنحضرت ﷺ کی ابتدائی مرض کے دن، مدت عالت اور تاریخ وفات کی تسلیم میں روایات مختلف ہیں امر مختلف فیروز سے پہلے ان امور کو بتا دینا چاہیے جن پر تمام روایات کا اتفاق ہے اور جن پر گویا محدثین اور ارباب سیر کا اجماع عام ہے اور وہ یہ ہیں (۱) سال وفات ادھ ہے۔ (۲) مہینہ ربیع الاول کا تھا (۳) میم سے ۱۲ ایک کوئی تاریخ حقیقی (۴) وشنیہ کو ان تھا (صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب موت یوم الاثنين: ۱۳۸۷) زیدہ تر روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کل ۱۳ دن بیمار ہے اس بنا پر اگر یہ حقیقی طور سے متعین ہو جائے کہ آپ نے کس تاریخ کو وفات فرمائی تو تاریخ آغاز مرض بھی تسلیم کی جائی گی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کے حصر برداشت صبح ۸ روز (ایک دو شنبہ سے دوسرے دو شنبہ تک) بیمار ہے اور کہیں وفات فرمائی اس لیے ایام عالت کی مدت آٹھ روزاتھی ہے عام روایات کی رو سے پانچ دن اور چانہ کیں اور قرآن سے بھی معلوم ہوتا ہے اس لیے ۱۳ دن مدت عالت تھی ہے۔ عالت کے ۵ دن آپ نے دوسری ادھ کے حجریوں میں بصر فرمائے۔ اس حساب سے علات کا آغاز چار شنبہ سے ہوتا ہے۔

تاریخ وفات کی تسلیم میں رادیوں کا اختلاف ہے، کتب حدیث کا تمام ترقیت چھان ذاتے کے بعد گھنی تاریخ وفات کی جھوک کوئی روایت احادیث میں نہیں مل لیکی، ارباب سیر کے ہاں تین روایتیں ہیں، کمر ربیع الاول، دوم ربیع الاول اور ۱۰ ربیع الاول۔ ان تینوں روایتوں میں باہم ترجیح دینے کے لیے اصول روایت و درایت دنوں سے کام لینا ہے اور روایت و دوم ربیع الاول کی روایت بشام، ابن محمد بن سائب کلی اور ابو الحسن کے واسطے مروی ہے۔ (طبری، ج ۲۷، ج ۱۸۱۵) اس روایت کو اکثر قدیم مورخوں (خازن یعقوبی و سعد وغیرہ) نے قول کیا ہے لیکن محمد محدثین کے زور یک یہ دنوں مشہور دروغ گوار غیر معتبر ہیں، یہ روایت و افادی کی این سعد و طبری نے نقل کی تے طبقات ابن سعد، ج ۲، ج ۵: ۲۷۵ وفاتات) لیکن ولقی کی مشہور ترین روایت جس کو اس نے متعدد اخفاصل سے نقل کیا ہے وہ ۱۰ ربیع الاول کی ہے (ایضاً، ج ۱۸، ج ۲۵) البتہ تکمیل نے دلائل میں بندھن سلیمان ایسی سے دو مرتبیں اول کی روایت نقل کی ہے (لو اخیر اس ابن سید الناس ذکر وفاتات) لیکن کمر ربیع الاول کی روایت ثقہ ترین ارباب سیر موسیٰ بن عقبہ سے اور مشہور محدث امام لیث مصری سے مروی ہے۔ (فتح الباری، ج ۲۸، ج ۹۸) امام کلی نے روشن الانف میں اسی روایت کو تقریب الیائق تھا ہے (ن، ج ۲۷، ج ۲۸) اور سب سے پہلے امام مذکور ہی نے دراہی اس کنکو دریافت کیا کہ درجِ الاول کی روایت قطعاً ناقابل تسلیم ہے کوئی کو درج باتیں لیکن طور پر ثابت ہیں، روایت و شنبہ کو ان تھا (صحیح بخاری: ۱۳۸۷ و صحیح مسلم: ۶۰۹۴)۔

گئے۔ وہاں سے واپس تشریف لائے تو مراج ناساز ہوا، یہ حضرت میمون بن شیبنا کی باری کا دن تھا اور روز چہار شنبہ تھا، پانچ دن تک آپ علیہ السلام اس حالت میں بھی از راہ عدل و کرم باری باری ایک ایک بیوی کے حمڑہ میں تشریف لے جاتے رہے، دو شنبہ کے دن، مرض میں شدت ہوئی تو ازاوج مطہرات سے اجازت لی کہ حضرت عائشہ بنی شیبنا کے گھر قیام فرمائیں۔ خلق عیم کی بنا پر اجازت بھی صاف اور علائی شیبنا طلب کی، بلکہ پوچھا کہ کل میں کس کے گھر رہوں گا۔ وسرادن (دو شنبہ) حضرت عائشہ بنی شیبنا کے یہاں قیام فرمانے کا تھا ازاوج مطہرات نے مرضی اقدس سمجھ کر عرض کی کہ آپ علیہ السلام جہاں چاہیں قیام فرمائیں۔ ضعف اس قدر ہو گیا تھا کہ چلانہیں

(\*) گزشتہ سے پوست) تاریخ کو جمع کا دن تھا (صحیح بخاری تفسیر) (الیوم اکملت لكم دینکم: ۶۰۷۴) ۹ ذی الحجه  
۱۴۹۰ھ و زیارت مسجد نبیؐ کو جمع سے ۱۲ ربیع الاول ذی الحجه تک حساب لگا، ذی الحجه محرم صفر، ان تینوں مہینوں کو خواہ ۲۹-۳۰-۳۰ خواہ ۲۹-۳۰-۳۰ بعض کسی حالت  
اور کسی شکل سے ۱۲ ربیع الاول کو دو شنبہ کا دن نہیں پڑ سکتا۔ اس لئے دریچہ بھی یہ تاریخ غلط ہے، دوام ربیع الاول کے حساب سے اس وقت  
دو شنبہ پڑ سکتا ہے جب تینوں میں سے ۲۹ کے ہوں۔ جب دو پہلی صورتیں صحیح نہیں ہیں تو اب صرف تیسرا صورت رہ گئی ہے جو کثیر الواقع ہے  
لیکن یہ کہ دو میں سے ۲۹ کے اور ایک میں کاملاً جایا ہے، اسی حالت میں کمربدی ربیع الاول کو دو شنبہ کا دوام اعلیٰ ہو گا اور میں اتنا شخص کی روایت  
ہے۔ ذیل کے نقشہ سے معلوم ہو گا کہ اگر ذی الحجه کو جمع ہو تو اکل ربیع الاول میں اس حساب سے دو شنبہ کس سکس دن اعلیٰ ہو سکتا ہے۔

نمبر شمار	صورت مفروضہ	دوشنبہ	دوشنبہ	دوشنبہ	دوشنبہ
۱	ذی الحجہ، حرم اور صفر سب میادن کے ہوں۔	۱۳	۶		
۲	ذی الحجہ، حرم اور صفر سب ۲۹ دن کے ہوں۔	۱۲	۹	۲	
۳	ذی الحجہ، ۲۹، حرم اور صفر سب ۳۰ کا ہو۔	۱۵	۸	۱	
۴	ذی الحجہ ۳، حرم اور صفر ۲۹ کا ہو۔	۱۵	۸	۱	
۵	ذی الحجہ، ۲۹، حرم ۳۰ اور صفر ۲۹ کا ہو۔	۱۵	۸	۱	
۶	ذی الحجہ ۳، حرم ۲۹ اور صفر ۳۰ کا ہو۔	۱۳	۷		
۷	ذی الحجہ ۳، حرم ۳۰ اور صفر ۲۹ کا ہو۔	۱۳	۷		
۸	ذی الحجہ ۲۹ کا ہو حرم و صفر ۳۰ کے ہوں۔	۱۲	۷		

ان مفروض ستار بخوبی میں سے ۱۔ ۷۔ ۸۔ ۹۔ ۱۲۔ ۱۵۔ خارج از بحث ہیں کہ علاوہ اور جو کہ ان کی تائید میں کوئی روایت نہیں، رہ گئیں کیم اور دم تاریخیں، دو مترجع صرف ایک صورت میں پرستی کی ہے جو خلاف اصول ہے کہ تاریخ تمیں صورتوں میں واقع ہو سکتے ہے اور تمیں کشش الہواعیں اور روایت ثقات ان کی تائید میں ہیں اس لئے ثقات نبی کی صحیح تاریخ ہمارے زندگی کے درجے اول میں ہے۔ اب میں فقط روایت بہلماں کا اعتبار کیا گیا ہے جس پر اسلامی قمری مہینوں کی بنیاد پر اصول علمی سے ممکن ہے کہ اس پر خداتوار ہو سکتے ہوں۔ کتب تفسیر میں آیت «الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ» حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مردی ہے کہ اس آیت کے لیے مذہل (ذی الجھری) سے روز وفات تک کے ۸۱ دن ہیں۔ (دیکھو ابن جریر، ج ۲، ص ۳۲۳ وابن کثیر، ج ۲، ص ۳۶۰ اور یک مہینہ ۳۰ لے کر جو ہماری مفروضہ صورت ہے پورے ۸۱ دن ہوتے ہیں اب تو فہم نہیں کہ ولائل میں سند کم برحق الاول تک تاریخ وفات نقل کی ہے۔ صفحہ ۱۴۶۔ تہذیب ابن سعد و عبد المرزاق بسنده صحيح و صحیح مسلم، کتاب الصلوة، باب استخلاف الامام: ۹۳۷۔ ۲۔ صحیح بخاری، کتاب المعازی، باب مرض النبی متفقۃ ووفاته: ۴۵۰۔ ابن سعد نے روایات صحیح نقل کیے کہ الحضرت ﷺ کی طرف (یعنی شاگردی صحیح) (۱۵)

جاتا تھا، حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہا دونوں بازو تھام کر بمشکل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے جھرے میں لائے۔ آمد و رفت کی وقت جب تک ری آپ ﷺ مسجد میں نماز پڑھانے کی غرض سے تشریف لاتے رہے، سب سے آخری نماز جو آپ ﷺ نے پڑھائی وہ مغرب ﷺ کی نماز تھی، سر میں درد تھا، اس لیے سر میں رومال باندھ کر آپ ﷺ تشریف لائے اور نماز ادا کی جس میں سورہ والمرسلات عرف قراءت فرمائی۔ عشاء کی نماز کا وقت آیا ﷺ تو دریافت فرمایا کہ نماز ہو چکی؟ لوگوں نے عرض کی کہ سب کو حضور کا انتظار ہے، لگن میں پانی پھرو اکر عسل فرمایا، پھر اٹھنا چاہا تو غش آ گیا، افاقہ کے بعد پھر فرمایا کہ نماز ہو چکی؟ لوگوں نے پھرو ہی جواب دیا آپ ﷺ نے پھر عسل فرمایا اور پھر جب اٹھنا چاہا تو غش آ گیا، افاقہ ہوا تو پھر دریافت فرمایا اور لوگوں نے وہی جواب دیا، تیرسری دفعہ حسم مبارک پر پانی ڈالا پھر جب اٹھنے کا ارادہ کیا تو پھر غشی طاری ہو گئی جب افاقہ ہوا تو ارشاد ہوا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھا میں۔ (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مذہرت کی کہ یا رسول اللہ! ابو بکر نہایت رائق القلب ہیں آپ ﷺ کی جگہ ان سے کھڑانہ ہو جائے گا آپ نے پھر یہی حکم دیا کہ ابو بکر نماز پڑھا میں چنانچہ کئی دن ﷺ تک حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی۔

وفات سے چار دن پہلے (جمرات کو) آپ ﷺ نے فرمایا کہ دوات کا غذا لاو ﷺ میں تمہارے لیے

(\*) گزشتہ سے پیوستہ) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اجازت طلب کی تھی اطباقات ابن سعد، جز ۲، رقم: ۱۲۹؛ ص: ۲۴

یہ حدیث بخاری: ۷۶۳، ۴۴۲۹ و مسلم: ۱۰۳۳، ۱۰۱؛ ابو داؤد: ۱۰۱، ۱۰۲؛ ترمذی: ۸۱، ۸۰؛ اورنسائی: ۹۸۶ میں مذکور ہے آئینہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ جس میں مذکور ہوا گا کہ آخری نماز مسجد میں طبری آپ ﷺ نے پڑھائی۔ حافظ ابن حجر بیانیہ نے فتح الباری میں ان دونوں میں اس طرح تطہیق کیا ہے کہ مغرب کا اوقات درون حجرہ نبوی کا اوقات ہے جیسا کہ نسائی میں ہے (رقم: ۹۸۱) لیکن آن گے چل کر حافظ موصوف کی نظر ترمذی کی روایت پر پڑھی جس میں مذکور ہے کہ ”آخر حضرت ﷺ نے پڑھنے کے بعد نکل کر نماز پڑھائی“ اس کی تاویل ان کو یہ کرنی پڑی کہ ”اس سے مقصود ہے کہ خواباگاہ سے باہر آ کر“ (جند ۲۰۲ صفحہ ۲۰۲) لیکن ہمارے زندگی یہ تاویل صحیح نہیں کہ اول احرارہ نبوی ﷺ میں اتنی جگہ تھی کہ کوئی بڑی جماعت ہو سکے وہ درست یہ کہ خواباگاہ کے علاوہ حجرہ نبوی ﷺ میں ہے اور جگہ کہاں تھی علاوہ ازیں احادیث میں صلی بنا کے یہی معنی ہے کہ امام ہن کر نماز پڑھائی گھر کی نماز پر یہ لظ صادق نہیں آتا۔ اس لئے صحیح یہ ہے کہ نماز مسجد نبوی میں پڑھی گئی جیسا کہ عالم روایات کا اشارہ ہے۔ آخری نماز مغرب تھی باظہ، اس کی تطہیق یہ ہے کہ آخر حضرت ﷺ نے پڑھنے کے بعد اس کا اقتطاع مغرب کی نماز مذکورہ پر ہوا جیسا کہ آخری نماز کے ذکر میں آئے گا طبری کی نماز جو آخر حضرت ﷺ نے کی مسئلہ امامت کا اقتطاع مغرب کی نماز مذکورہ پر ہوا جیسا کہ آخری نماز کے ذکر میں آئے گا عشاء کی نماز کے ذکر میں آئے گا طبری کی نماز جو آخر حضرت ﷺ نے مسجد میں آ کر ادا فرمائی وہ اتفاقی تھی اصل میں امام پہلے حصے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے، آخر حضرت ﷺ نے مسجد میں آپ کی آخری نماز تھی۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ مذکور ہے کہ آخری نماز صحیح کی تھی، یہ حقیقت ان کا اپنا واقعہ ہے سبھی ان کو آخری بار یہی موقع ملا۔“ (ص) صحیح بخاری، کتاب الادان، باب انہا جعل الامام لیوتم به: ۶۸۷ و مسلم، کتاب الصلوة، باب استخلاف الامام: ۹۳۶ میں برداشت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھی حصہ ہے۔ (بخاری، کتاب الصلوة، باب اعلم العلم والفضل احق بالامامة: ۶۸۱) میں حضرت انس بن مالہ سے مروی ہے کہ یعنی ہن آخر حضرت ﷺ نے نماز پر ہمالہ در حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ کی قائم مقامی کی، اس قائم مقامی کا آغاز قبض جمع کی نماز عشاء سے ہے اور اختتامہ و شنبہ کی نماز کی نماز پر ہمالہ بخاری، کتاب الصلوة، باب من رجع القهقری فی الصلوة: ۱۲۰۵) کل یہ ۳۰ دن میں کے اوقات کی نمازیں ہوں گی۔ امن مدد نے وتدی سے بیرون یہی روایتیں کی گئیں، ایک میں ہے کہ ۳۰ دن امامت کی درمری میں ہے کے اوقات کی جریانی میں: ۲۳ ص۔ (ص) یہ روایت صحیح بخاری، کتاب المغاری، باب مرض النبی ووفاته: ۴۴۳۲، ۴۴۳۱، ۴۴۳۰ میں ہے صحیح بخاری میں یہ حدیث مختلف ابواب میں مذکور اور ہر جگہ الفاظ میں پکھنہ کچھ اختلاف ہے (صحیح مسلم، کتاب الوصیۃ (ایقہ حاشیا لفاظ صخر پر) (ص))

ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے، بعض صحابہؓ نے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ ”رسول اللہؐ علیہ السلام کو مرض کی شدت ہے (غله الوجع) اور تمہارے پاس قرآن مجید موجود ہے جو ہمارے لیے کافی ہے“، اس پر حاضرین میں اختلاف پیدا ہوا، بعض کہتے تھے کہ تمیل ارشاد کی جائے، بعض کچھ اور کہتے تھے، اختلاف اور سور و غل زیادہ ہوا تو بعض نے کہا ”اہجر استفهمو“ خود آپ سے دریافت کرو، لوگ جب پوچھنے لگے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: ”مجھے چھوڑ دو میں جس مقام میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو۔“

(اس کے بعد آپ علیہ السلام نے تین) وصیتیں فرمائیں جن میں سے ایک یہ تھی کہ کوئی مشرک عرب میں رہنے نہ پائے، دوسری یہ کہ سفراء کا اسی طرح احترام کیا جائے جس طرح آپ کے زمانہ میں دستور تھا، تیسرا وصیت راوی کو یاد رہیں رہی۔ ۱۴۲۳ اسی دن ظہر کی نماز کے وقت آپ کی طبیعت کچھ سکون پذیر ہوئی، آپ نے حکم دیا کہ پانی کی سات میکیں آپ پر ڈالی جائیں، عمل فرمائچے تو حضرت علی اور حضرت عباس علیہما السلام

۱۴۲۴ گزشتہ سے پہلے (یہ پہلی وصیت) میں یہ راوی میں بجا ہیں) جن صحابی نے قلم دوات لانے میں گشتوں کی بخاری میں ان کا نام نہیں لیکن حدیث کی اور کتابوں میں (مشائخ مسلم) پتصریح حضرت عمر بن الخطاب کا نام ہے۔ صحیح مسلم، کتاب الوصیۃ، باب ترك الوصیۃ: ۴۲۳۴ میں (ان کے) یہ الفاظ میں: قند غلب عليه الوجع و عندكم القرآن و حسبنا كتاب الله ”آپ علیہ السلام کو مرض کی شدت ہے ہمارے پاس قرآن موجود ہے خدا کی کتاب ہمارے لئے کافی ہے۔“ صحیح مسلم کی روایتوں کے یہ الفاظ ہیں۔  
 (۱) فاللوا ان رسول الله علیہ السلام یہجر (ایضاً: ۴۲۳۳)۔ ”تو لوگوں نے کہا کہ رسول الله علیہ السلام یہ جو اسی (جہر) کی باتیں کرتے ہیں۔“  
 (۲) فاللوا ان رسول الله علیہ السلام یہجر استفهمو۔ (ایضاً: ۴۲۲۶، بخاری: ۴۴۳۱) ”تو لوگوں نے کہا: کیا آپ بے حواسی کی باتیں کرتے ہیں، آپ سے خود پوچھو تو۔“

اس بنا پر یہ راویت شیعہ دسی کا برا معرکہ آرامیداں بن گئی ہے، شیعہ کہتے ہیں کہ آنحضرت علیہ السلام حضرت علیہ السلام کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے۔ سنی کہتے ہیں کہ آنحضرت علیہ السلام کو اتفاق تکلیف تھی اور یہ معلوم تھا کہ شریعت کے متعلق کوئی عکتہ باقی نہیں رہا خود قرآن مجید میں آیت (البوم اکملت لكم) نازل ہو جو حلیقی اس لیے حضرت عمر بن الخطاب نے آپ علیہ السلام کو تکلیف دیا مناسب نہیں سمجھا اگر کوئی ضروری حکم ہوتا تو آنحضرت علیہ السلام کسی کے روکنے سے کیونکر کر سکتے تھے، اس واقعہ کے بعد چاروں ہتھ آپ زندہ رہے اس وقت نہیں بعد کو کھوادیا ہوتا (اور یہ کیونکہ معلوم ہوا کہ آپ علیہ السلام کو بلاکر عبد اللہ بن ابی بکر علیہ السلام کو بلاکر حضرت ابو بکر علیہ السلام کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے، پھر آپ نے ضروری نہیں سمجھا اور فرمایا کہ ”خود خدا اور اہل اسلام ابو بکر علیہ السلام کے سوا کسی اور کو پسند نہ کریں گے۔“ اس اختلاف کے بعد آپ علیہ السلام نے لوگوں کو زبانی تین وصیتیں جو ضروری بات آپ علیہ السلام کا خذیرہ لکھوانا چاہتے تھے مگر ہیں ہے کہ وہ بھی ہوں یا اگر وہ ان کے علاوہ تھی تو آپ کو ان عام وصیتوں کے ساتھ زبانی بھی فرمائتے تھے اس کے بعد مجمع عام میں اس کا اظہار فرمائستھے) ”س“ مجھ کو احتیاط کرنی چاہیے کہ کتاب تاریخ کی حیثیت سے نکل کر علم کلام کے داراءہ میں نہ آجائے تاہم جو ہیری ذائقہ تھیں ہے میں الفاروقی میں لکھ دکا ہوں۔“

۱۴۲۵ صحیح بخاری، کتاب المغاری، باب مرض النبی علیہ السلام: (صحیح مسلم: ۴۴۳۱، ۴۲۳۶)

۱۴۲۶ روایتوں میں بالصریح یہ کہ اس دن کے ظہر کا واقعہ ہے لیکن صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب النهى عن بناء المساجد علی القبور: ۱۱۸۸ میں حضرت جنوب علیہ السلام کی روایت ہے کہ ”حضرت ابو بکر علیہ السلام میں جو الفاظ آپ نے فرمائے تھے جن کا بیان آتا ہے وہ دفاتر سے یا نی روز بیشتر فرمائے تھے، اور چونکہ مرض (بیتیح حاشیہ اگلے صفحہ پر) ۱۴۲۷

کر مسجد میں لائے جماعت کھڑی ہو چکی تھی اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے آہٹ پا کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پیچھے ہے، آپ نے اشارہ سے روکا اور ان کے پہلو میں میٹھے کر نماز پڑھائی، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر حضرت ابو بکر اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر اور لوگ ارکان ادا کرتے جاتے تھے۔

نماز کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ دیا جو آپ کی زندگی کا سب سے آخری خطبہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”خدانے اپنے ایک بندہ کو اختیار عطا فرمایا ہے کہ خواہ وہ دنیا کی غمتوں کو قبول کرے، یا خدا کے پاس (آخرت میں) جو کچھ ہے اس کو قبول کرے، لیکن اس نے خدا ہی کے پاس کی چیزیں قبول کیں۔“ یہ سن کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پڑھے، لوگوں نے ان کی طرف تجہب سے دیکھا کہ آپ تو ایک شخص کا واقعہ بیان کرتے ہیں، یہ رونے کی کوئی کوئی بات ہے لیکن رازدار بہوت سمجھ چکا تھا کہ وہ بندہ خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، آپ نے اپنی تقریر کا سلسہ آگے بڑھایا، اور فرمایا: ”سب سے زیادہ میں جس کی دولت اور محبت کاممnon ہوں، وہ ابو بکر ہیں، (صلی اللہ علیہ وسلم)۔“ اگر میں دنیا میں کسی کو اپنی امت میں سے اپنا دوست بنائتا تو میں ابو بکر کو بناتا، لیکن اسلام کا رشتہ دوستی کے لیے کافی ہے۔ مسجد کے رخ کوئی دریچہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دریچہ کے سواباتی نہ رکھا جائے، ہاں تم سے پہلی قوموں نے اپنے پیغمبروں اور بزرگوں کی قبور کو عبادت گاہ بنالیا ہے دیکھو تم ایسا نہ کرنا میں منع کر جاتا ہوں۔“

زمانہ عالم میں انصار آپ کی عنایات اور مہربانیوں کو یاد کر کے روتے تھے، ایک دفعہ اسی حالت میں حضرت ابو بکر اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کا گزر ہوا، انہوں نے انصار کو روتے دیکھا تو جہد ریافت کی، انہوں نے بیان کی کہ ”حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیتیں یاد آتی ہیں۔“ ان میں سے ایک صاحب نے جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا۔ آج اس کی تلافی کا موقع تھا، اس لیے اس کے بعد آپ نے انصار کی نسبت لوگوں کی طرف خطاب کر کے فرمایا: ”یا ایها الناس! میں انصار کے معاملہ میں تم کو وصیت کرتا ہوں، عام مسلمان بڑھتے جائیں گے لیکن انصار اس طرح کم ہو کر رہ جائیں گے جیسے کھانے میں نہ کم وہ اپنی طرف سے اپنا فرض ادا کر چکے، اب تمہیں ان کا فرض ادا کرنا ہے، وہ میرے جسم میں (بکنزہ) معدہ کے ہیں، جو تمہارے لفغ و نقصان کا متولی ہوں (یعنی جو خلیفہ ہو) اس کو چاہیے کہ ان میں جو نیکو کار ہوں ان کو قبول کرے اور جن سے خطاب ہوئی ہو ان کو

(\*) گزشتہ سے پورستہ) الموت کا خطبہ اسی نماز ظہر کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا جیسا کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے اس لیے یہ وفات سے پانچ روز پہلے جعرات کا واقعہ تھا، حافظ ابن حجر نے بھی قرآنی میں سیکھ دیا ہے اس۔“

صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب هجرة النبي صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ۔ ۲۹۰۴ و مسلم، کتاب فسائل الصحابة، باب من فضائل ابی بکر: ۶۱۷۰ ۶۱۷۰ صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب النہی عن بناء المساجد علی القبور: ۱۱۸۸ میں ہے۔

معاف کرے۔” \*

اوپر گزر چکا ہے کہ دمیوں کی طرف جس فوج کا بھیجا آنحضرت ﷺ نے تجویز کیا تھا اس کی سرداری اسماء بن زیدؓ کو تفویض فرمائی تھی، اس پر لوگوں نے (ابن سعد نے تصریح کی ہے کہ وہ منافقین تھے) شکایت کی کہ بڑے بوڑھوں کے ہوتے ہوئے نوجوان کو یہ منصب کیوں عطا ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے اس مسئلہ کی نسبت ارشاد فرمایا:

”اگر اسماء کی سرداری پر تم کو اعتراض ہے تو اس کے باپ (زید) کی سرداری پر بھی تم متعارض ہے۔ خدا کی قسم وہ اس منصب کا مستحق تھا اور وہ مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا اور اب اس کے بعد یہ سب سے زیادہ محبوب ہے۔“ \*

اسلام اور دیگر مذاہب میں ایک نہایت دقیق فرق یہ ہے کہ اسلام شریعت کے تمام احکام کا واضح اور حاکم بر اہ راست خدائے پاک کو قرار دیتا ہے، تغییر کا صرف اسی قدر فرض ہے کہ احکام اللہ کو اپنے قول و عمل کے ذریعہ سے بندوں تک پہنچا دے، چونکہ دوسرے مذاہب میں یہ غلط فہمی شرک و کفر تک مخبر ہو چکی تھی اور اس کے نتائج پیش نظر ہتھے، اس لیے ارشاد فرمایا:

”حلال و حرام کی نسبت میری طرف نہ کی جائے، میں نے وہی چیز حلال کی ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حلال کی ہے اور وہی چیز حرام کی ہے جو خدا نے حرام کی ہے۔“

انسان کی جزا اوسرا کی بنیاد خود اس کے ذاتی عمل پر ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

”اے تغییر خدا کی بیٹی فاطمہ! اور اے تغییر خدا کی پھوپھی صفیہ! خدا کے ہاں کیلئے کچھ کرو، میں تمہیں خدا سے نہیں پھا سکتا۔“ \*

خطبہ سے فارغ ہو کر آپ ﷺ جو رہ عائشہؓ میں واپس تشریف لائے۔

آپ ﷺ کو حضرت فاطمہ زہراؓ سے بے حد محبت تھی (اثانے علامت میں) ان کو بلا بھیجا، تشریف لا لیں تو ان سے کچھ کان میں باتیں کیں، وہ رونے لگیں پھر بلا کر کچھ کان میں کہا تو نہیں پڑیں، حضرت عائشہؓ سے دیانتے دریافت کیا تو کہا پہلی دفعہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”میں اسی مرض میں انتقال کروں“

\* صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، قول النبی ﷺ: اقبلو من محسنهم ..... ۳۸۰۰۔

\* صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب مناقب زید بن حارثة: ۴۴۶۹، ۳۷۳۰۔

(یہ اور اس کے اوپر کی حدیث مسند امام شافعی، باب استقبال القبلة، ص: ۱۶، کتاب الام امام شافعی اور ابن سعد جزء اనوفات، جزء ۲، ثانی، ص: ۴۲ میں بسند حسن مردی ہے لیکن ان روایتوں میں مذکور ہے کہ مجھ کی نماز کے بعد آپ ﷺ نے یہ فرمایا لیکن بخاری کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ آپ ﷺ نے تغییر کی نماز میں شرکت فرمائی تھی اور اس کے بعد خطبہ دی تھا، وہ سری نعلیٰ مسند اور ابن سعد کی روایتوں میں یہ ہے کہ وہ دو شنبہ کی صبح یعنی روز وفات کا واقعہ کو اتحاد کو بیان کرتے ہیں حالانکہ بروایات صحیح ثابت ہے کہ دو شنبہ کی صبح کو آپ ﷺ نے صرف پرداخت کر جانا تھا، نہ باہر تشریف لائے اور نماز میں شرکت فرمائی (س)

گا۔ جب میں رونے لگی تو فرمایا کہ میرے خاندان میں سے پہلے تمہیں مجھ سے آ کر ملوگی، ۲۰ توبہ نہیں۔ یہود و نصاریٰ کے مزارات اور یادگاروں کی تعظیم میں جو افراد کی تھی وہ بت پرستی کی حد تک پہنچ گئی تھی۔ اسلام کا فرض اولین بت پرستی کی رُگ و ریشہ کا استیصال کرنا تھا، اس لیے حالت مرض میں جو چیز سب سے زیادہ آپ ﷺ کے پیش نظر تھی یہی تھی (اتفاق سے بعض ازواج مطہرات نے جو بخشہ ہوا آئی تھیں، اسی حالت میں وہاں کے عیسائی معبدوں ۲۱ کا اور ان کے محسوموں اور تصویروں کا تذکرہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی ۲۲ مر جاتا ہے تو اس کے مقبرہ کو عبادت گاہ بنالیتے ہیں اور اس کا بت بنا کر اس میں کھڑا کرتے ہیں، قیامت کے روز اللہ عز و جل کی نگاہ میں یہ لوگ بدترین مخلوق ہوں گے۔“) ۲۳ میں کرب کی شدت میں جبکہ چادر کی منہ پر ڈال لیتے تھے اور کبھی گرمی سے گھبرا کر اٹ دیتے تھے، حضرت عائشہ ؓ نے زبان مبارک سے یہ الفاظ نے:

((العنة الله على اليهود والنصارى اتخذوا قبور انبنيهم مساجد)) ۲۴

”یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو، انہوں نے اپنے شفیروں کی قبروں کو عبادت گاہ بنالیا۔“ اسی کرب اور بے چینی میں یاد آیا کہ حضرت عائشہ ؓ نے جسٹا کے پاس پکھا شر فیاں رکھوائی تھیں۔ دریافت فرمایا: ”عائشہ اور اشر فیاں کہاں ہیں؟ محمد خدا سے بدگمان ہو کر ملے گا؟ جاؤ ان کو خدا کی راہ میں خیرات کرو۔“ ۲۵ (وفات سے ایک دن ۲۶ پہلے اتوار کو) لوگوں نے دو اپالانی چاٹی چونکہ گوارننگی آپ ﷺ نے انکار فرمایا۔ اسی حالت میں غشی طاری ہو گئی، لوگوں نے منہ کھول کر پلاوی، افاقہ کے بعد آپ ﷺ کو حساس ہوا تو فرمایا: ”سب کو دو اپالانی جائے۔“ معلوم ہوا جن لوگوں نے زبردستی دو اپالانی تھی ان میں حضرت عباس ؓ شامل نہ تھے اس لیے وہ اس حکم سے مستثنی رہے۔ ۲۷ محمد شین اس واقعہ کو لکھ کر لکھتے ہیں کہ یہ بشریت کا اقتضا تھا، یعنی جس طرح یہاروں میں نازک مزاجی آجائی ہے آپ ﷺ نے بھی اسی طرح یہ حکم دیا تھا، لیکن ہمارے نزدیک تو یہ تنگ مزاجی نہیں بلکہ لطف طبع تھا۔ مرض میں اشتد اور تغفیف ہوتی رہتی تھی۔ جس دن وفات ہوئی یعنی (دو شنبہ کے روز) بظاہر طبیعت کو سکون تھا۔ تجھرہ مبارک مسجد سے ملا ہوا تھا، آپ نے (صحیح کے وقت) پرده اٹھا کر دیکھا تو لوگ (نیجر کی) نماز میں مشغول تھے، دیکھ کر سرت سے ہنس پڑے، لوگوں نے آہت پا کر خیال کیا

۱ صاحیح بخاری، کتاب المغاری، باب مرض النبی ﷺ و وفاتہ: ۴۴۳۴، ۴۴۳۳۔

۲ کوئی رسم یا تہوار کر جا ہوگا، جس میں حضرت عائشہ ؓ اور حضرت مریم ؓ اور ولیوں اور شہیدوں کے مجسمے اور تصویریں ہوتی ہیں۔

۳ جس کو عیسائی پیش کرتے ہیں۔ ۴ صاحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب الصلوٰۃ فی البقوٰر: ۱۱۸۱۔ ۵ صحیح بخاری، کتاب احادیث مسلم، کتاب المساجد، باب النہی عن بناء المساجد علی القبور: ۱۱۸۱۔ ۶ مسند ابن حنبل، الانبیاء، باب ما ذکر عن بنی اسرائیل: ۴۴۴۴، ۳۴۵۴ و صحیح مسلم: ۱۱۸۷۔

۷ ج ۶، ص: ۴۹ و ابن سعد جزء الوفات بروایت متعدد جزء ثانی، قسم ثانی، ص: ۳۲۔

۸ ابن سعد، جزء ثانی قسم ثانی، ص: ۳۱۔ ۹ صحیح بخاری، کتاب المغاری، باب مرض

النبی ﷺ: ۴۵۸ و صحیح مسلم، کتاب السلام، باب (کراہة التداوى باللدود: ۵۷۶۱)

کہ آپ ﷺ باہر آنا چاہتے ہیں فرط سرت سے تمام لوگ بے قابو ہو گئے اور قریب تھا کہ نمازیں ثوٹ جائیں، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جو امام تھے، چاہا کہ پیچھے ہٹ جائیں، آپ ﷺ نے اشارہ سے روکا اور جگہ شریف میں داخل ہو کر پردے ڈال دیئے ۔ (صحیح مسلم میں ہے کہ اس قدر ضعف تھا کہ آپ ﷺ پردے بھی اچھی طرح نہ ڈال سکے۔ یہ سب سے آخری موقع تھا کہ صحابہ نے جمال القدس کی زیارت کی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کا چہرہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ مصحف کا کوئی ورق ہے یعنی سپید ہو گیا تھا۔) دونجیے جیسے چڑھتا جاتا تھا آپ ﷺ پر بار بار غشی طاری ہوتی تھی اور پھر افاقہ ہو جاتا تھا۔ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا یہ دیکھ کر بولیں: ۔ ۔ ۔ ”واکرب اباہ“ ہائے میرے باپ کی بے چینی! آپ ﷺ نے فرمایا: ”تمہارا باپ آج کے بعد بے چین نہ ہو گا۔“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: آپ جب تدرست تھے تو فرمایا کرتے تھے کہ ”پیغمبروں کو اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ خواہ موت کو قبول کریں یا حیات دنیا کو ترجیح دیں۔“ اس حالت میں اکثر آپ ﷺ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ ادا ہوتے رہے:

﴿مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ﴾ ( النساء: ٦٩) ”ان لوگوں کے ساتھ جن پر خدا نے انعام کیا۔“

اور بھی یہ فرماتے:

﴿اللَّهُمَّ فِي الرَّفِيقِ الْأَعْلَى﴾۔ ”خداوند ابڑے رفیق ہیں۔“ ۔ ۔ ۔

وہ سمجھ گئیں کہ اب صرف رفاقت الہی مطلوب ہے۔

وفات سے ذرا پہلے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے صاحزادے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ خدمت القدس میں آئے آپ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سینہ پر سریک کر لیئے تھے۔ عبدالرحمٰن کے ہاتھ میں مساوک تھی، مساوک کی طرف نظر جما کر دیکھا، حضرت عائشہ سمجھیں کہ آپ مساوک کرنا چاہتے ہیں، عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے مساوک لے کر دانتوں سے نرم کی اور خدمت القدس میں پیش کی، آپ ﷺ نے بالکل تدرستوں کی طرح مساوک کی۔ اب وفات کا وقت قریب آ رہا تھا، سہ پہنچی، سینہ میں سانس کی گھر گھرا ہٹ محسوس ہوتی تھی، اتنے

صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب اهل العلم والفضل احق بالامامة: ٦٨٠، ٦٨١ و کتب صحاح، کتاب الصلوة۔ ۲ صحیح مسلم، کتاب الصلوة: ٩٤٧۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت میں جو صحیح مسلم (کتاب الصلوة: ٩٤٤-٩٤٧) میں ہے، یہاں ہے کہ تین دن کے بعد آپ اس وقت صحیح کی نماز کے وقت برآمد ہوئے تھے میں جماعت میں شریک نہ ہو سکے اور اپنے گھرے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الام میں اور ابن سعد نے جزء الوفات میں اہن ابی بہرہ سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ اس نماز میں شریک جماعت ہوئے لیکن یہ درحقیقت راوی کا سہو ہے۔ صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں پتصریح نہ کرو ہے کہ آپ ﷺ شریک جماعت نہ ہو کے اور اپنے گھرے، راوی گوگز شمس نہار نظیر کی شرکت کا القبas ہوا، تین دن کے بعد سے مراد جمارات کے روز جس دن آپ ﷺ نے خطبہ دیا تھا اس کے بعد سے جمعہ سپتھر اور اتوار کے دن ہیں۔ ۴ بخاری: ٤٤٦٢۔ ۴ بخاری: ٤٤٣٦ تا ٤٤٣٨۔

ابن احیا حق نے سیرت میں لکھا ہے کہ وفات دوپہر کو ہوئی لیکن حضرت انس رضی اللہ عنہ، مالک سے بخاری، کتاب الاذان، باب هل یلتفت لا امر ۷۵۴ اور مسلم میں روایت ہے کہ آخر یوم یعنی دوشنبہ کے آخر وقت وفات فرمائی۔ حافظ ابن ججر رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں روایتوں میں اسی طرح تطبیق دی ہے کہ دوپہر ڈھل پچھلی ٹھی اور سپرہ کا وقت تھا۔ فتح الباری، ج ۸، ص: ۱۱۰۔

میں اب مبارک ہے تو لوگوں نے یہ الفاظ سنے:

((الصلة و ما ملكت ايمانكم)) \* "نماز اور غلام۔"

پاس پانی کی لگن تھی، اس میں بار بار ہاتھ ڈالتے اور چہرے پر ملتے (جاد رکھی منہ پر ڈال لیتے اور کھی ہٹادیتے، اتنے میں) ابھا اٹھا کر (انگلی سے اشارہ کیا اور تین دفعہ) فرمایا:

((بل الرفیق الاعلی)) "اب اور کوئی نہیں بلکہ وہ بزر ارشاد درکار ہے۔"

یہی کہتے کہتے ہاتھ لٹک آئے آنکھیں پھٹ کر چھت سے لگ گئیں اور روح پاک عالم قدس میں پہنچ گئی۔ \*

اللهم صل علیه وعلی الہ واصحابہ صلواۃ کثیراً کثیراً

### تجھیز و تکفین

تجھیز و تکفین کا کام دوسرا دن سہ شنبہ دوریق الاول کو شروع ہوا، اس تاخیر کے متعدد اسباب تھے:

① عقیدت مندوں کو یقین نہیں آتا تھا کہ حضور ﷺ نے اس دنیا کو الوداع کہا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تواریخی کہ جو یہ کہے گا کہ آنحضرت ﷺ میں وفات پائی، اس کا سر اڑا دوں گا۔ \*

لیکن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آئے اور انہوں نے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے خطبہ دیا کہ حضور ﷺ کا اس جہان سے تشریف لے جانا یقین تھا اور قرآن مجید کی آیتیں پڑھ کر سنا میں تو لوگوں کی آنکھیں کھلیں اور اس ناگزیر واقعہ کا یقین آیا۔ \*

② اس کے بعد اتنا وقت نہیں رہا تھا کہ غروب آفتاب سے پہلے تجھیز و تکفین سے فراغت ہو سکے۔

③ قبر کنی کا کام غسل و کفن کے بعد شروع ہوا، اس لیے دیرینک انتظار کرنا پڑا۔

④ جس محروم میں آپ ﷺ نے وفات پائی تھی وہیں لوگ علی الترتیب تھوڑے تھوڑے کر کے جاتے اور نماز جنازہ ادا کرتے تھے اس لیے بھی بڑی دیریگی اور سہ شنبہ کا دن گزر کر رات کو فراغت ملی۔ \*

تجھیز و تکفین کی خدمت خاص اعزہ و اقارب نے انجام دی۔ فضلہ بن عباس اور امام بن زید رضی اللہ عنہما نے پرداہ کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے غسل دیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی موقع پر موجود تھے اور بعض روایتوں میں ہے

١ ابو داود، کتاب الادب، باب فی حق المملوک: ۱۵۶؛ الادب المفرد امام بخاری: ۱۵۸، سنن ابن ماجہ، کتاب الوصایا: ۲۶۹۸ اور ابن سعد جزء الوفات بست صدیح، ص: ۴۴۔

٢ صحيح بخاری، کتاب المغازی، باب اخر ما تکلم به النبي ﷺ: ۴۶۳۔

٣ طبری، ج ۴، ص: ۱۸۱۷۔ ٤ صحيح بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبي ﷺ و وفات: ۴۴۵۔

٥ ابن سعد وغیرہ کی بعض روایتوں میں ہے کہ چار شب کو تکفین ہوئی لیکن یہ تمام مرکذب اور جھوٹ ہے، خود ابن سعد میں صحیح روایت یہیں کہ سہ شنبہ کو تکفین ہوئی البتہ چار شب کی شام شروع ہو گئی تھی، ابن ماجہ، (کتاب الجنائز، باب ذکر وفاتہ ودفنه: ۱۶۲۸) کی روایت ہے فلمما فرغوا من جهازه يوم الثلاثاء "جب سہ شنبہ کے دن تجھیز و تکفین سے فرست ہوئی۔"

کان ہی نے پردہ بھی کیا تھا جو نکلے اس شرف میں ہر شخص شریک ہونا چاہتا تھا اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اندر سے کواڑ بند کر لیے تھے انصار نے دروازہ پر آواز دی کہ خدا کے لیے ہمارے حقوق کا بھی خیال رکھیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری میں ہمارا بھی حصہ ہے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جیسا کہ واقعہ کا بیان ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کسی کا حق نہیں ہے، اس لیے اگر سب کو اجازت دے دی گئی تو کام روہ جائے گا لیکن (النصار کے اصرار پر) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اوس بن خولی انصاری رضی اللہ عنہ کو جو صحابہ بدرا میں تھے اندر بلا لیا وہ پانی کا گھڑا بھر بھر کر لاتے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جسم مبارک کو سینہ سے لگا رکھا تھا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے دونوں صاحبزادے قشم اور فضل رضی اللہ عنہما کی کروٹیں بدلتے تھے اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اور پسر سے پانی ڈالتے تھے۔ ❶

(کفن کے لیے پہلے جو کپڑا انتخاب کیا گیا تھا وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبد اللہ کی میم کی بنی ہوئی ایک چادر تھی لیکن بعد کو اس اسی میم کی) ❷ اور تین سوتی سفید کپڑے جو حوال کے بننے ہوئے تھے کافی میم میں دیئے گئے ان میں قمیص اور عمامہ نہ تھا۔ ❸

(غسل و کفن کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ آپ کو دفن کہاں کیا جائے؟ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ”نبی جس مقام پر قبر کھودنا تجویز ہوا ❹ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی میدان میں اس لیے دفن نہیں کیا گیا کہ آخری لمحوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال تھا کہ لوگ فرقہ عقیدت سے میری قبر کو بھی عبادت گاہ نہ بنائیں، میدان میں اس کی دار و گیر مشکل تھی ❺ اس لیے مجرہ کے اندر دفن کیا گیا۔)

مدینہ میں دو صاحب قبر کھونے میں ماہر تھے، حضرت ابو عبیدہ بن جراح اور ابو عطہ رضی اللہ عنہما حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہا ملکہ کے دستور کے مطابق صندوقی قبر کھو دتے تھے اور ابو عطہ رضی اللہ عنہما مدینہ کے روانج کے مطابق لحدی - لوگوں میں اختلاف پیش آیا کہ کس قسم کی قبر کھو دی جائے - حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ”اختلاف مناسب نہیں دونوں صاحبوں کے پاس آدمی بھیجا جائے جو پہلے آ جائے“ ❻ لوگوں نے اس رائے کو پسند کیا، چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے دونوں صاحبوں کے پاس آدمی بھیجے، اتفاق یہ کہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ گھر موجو دنہ

❶ طبقات ابن سعد، ص: ٦٢ ، ٦٣ جزء الوفات، طبری، ج ٤، ص: ٢١٣٠؛ مختصر ابن داود، کتاب الجنائز، باب کم یدخل القبر: ٢٢٠٩ میں بھی ان صاحبوں کے نام میں نیز ابن ماجہ، کتاب الجنائز: ١٦٢٨۔

❷ صحیح مسلم، کتاب الجنائز فی کفن المیت: ٢١٨٠۔ ❸ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب الکفن بغیر قمیص: ١٢٧١ و مسلم: ٢١٨٠ وابوداود: ٣١٥١۔ ❹ ابن سعد جزء الوفات، ص: ٢١٥١۔ ❺ ابن ماجہ، کتاب الجنائز ذکر وفات: ١٦٢٨۔ ❻ صحیح بخاری، کتاب الجنائز ما یکرہ من اتخاذ المساجد: ١٣٣٠۔ ❼ ابن ماجہ، کتاب الجنائز، باب ما جاء في الشق: ١٥٥٨۔

تھے، ابو طلحہ رضی اللہ عنہ آئے اور انہی نے مدینہ کے رواج کے مطابق قبر کھو دی، جو لحدی یعنی بغلی تھی، زمین چونکہ نہ تھی اس لیے جس بستر پر آپ نے وفات پائی تھی وہ قبر میں بچھا دیا گیا۔ ﴿ جنازہ تیار ہو گیا تو لوگ نماز کے لیے ٹوٹے (جنازہ جمرہ کے اندر تھا، باری باری سے لوگ تھوڑے تھوڑے کر کے جاتے تھے) پہلے مردوں نے، پھر عورتوں نے، پھر بچوں نے نماز پڑھی لیکن کوئی امام نہ تھا۔ ﴿ جسم مبارک کو حضرت علی، فضل بن عباس (اسامہ بن زید اور حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم) نے قبر میں اتنا را۔ ﴿

\*\*\*\*  
 \* ابن سعد، جز ثانی، قسم ثانی، ص: ۷۵۔ \* ابن ماجہ، کتاب الجنائز، باب ذکر وفاتہ: ۱۶۲۸؛ ابن سعد بروایت صحیح جزء الوفات، ص: ۷۰۔ \* ابو داود، کتاب الجنائز، باب کم یدخل القبر: ۳۲۰۹؛ ابن ماجہ: ۱۶۲۸ اور ابن سعد، ص: ۷۷ میں اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم کے مجاہے کم بن عباس اور شقر ان (غلام خاص) کے نام میں، ارباب نظر جانتے ہیں کہ ان دور و ایتوں میں ترجیح کس کو ہو سکتی ہے۔

## متروکات

(آنحضرت ﷺ نے جب انتقال فرمایا تو اپنے مقتوبات و جائیداد میں سے کیا کیا چیزیں ترکہ میں چھوڑیں؟ اس سوال کا اصل جواب تو یہ ہے کہ آپ ﷺ خود اپنی زندگی میں اپنے پاس کیا رکھتے تھے، جو مرنے کے بعد چھوڑ جاتے اور اگر کچھ تھا بھی تو اس کے متعلق عام اعلان فرمائے چکے تھے:

((لا نورث ماتر کنا صدقة))

”هم (انیا کا) کوئی وارث نہیں ہوتا جو چھوڑا وہ عام مسلمانوں کا حق ہے۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”میرے وارث اشرافی بانٹ کر نہیں پائیں گے۔“ یعنی نہ ہوگی نہ پائیں گے، چنانچہ یاد ہو گا کہ وفات کے وقت چند دینار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس امامت تھے، آپ نے اسی وقت نکلا کر خیرات کر دیے۔

عمرو بن حويرث رضی اللہ عنہ سے جو امام المؤمنین جو یہ رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے، بخاری میں روایت ہے:

ما ترک رسول اللہ ﷺ عند موته در همان لا دیناراً ولا عبداً ولا امة ولا

شيئاً الا بغلة البيضاء وسلامه وارضاً جعلها صدقة۔

آنحضرت ﷺ نے مرتب وقت کچھ نہ چھوڑا، نہ درہم، نہ دینار، نہ غلام، نہ لوڈی اور نہ اور کچھ صرف اپنا خچرا اور ہتھیار اور کچھ زمین جو عام مسلمانوں پر صدقہ کر گئے۔“

ابوداؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے:

ماترک رسول اللہ ﷺ دیناراً ولا درہماً ولا بعیراً ولا شاة۔

آنحضرت ﷺ نے دینار چھوڑا نہ درہم نہ اونٹ نہ بکری۔“

بہر حال متروکات میں اگر تھیں تو یہی تین چیزیں تھیں کچھ زمین سواری کے جانور اور ہتھیار۔

زمین

(حضرت عمرو بن حويرث رضی اللہ عنہ نے جس زمین کا ذکر کیا ہے وہ مدینہ، خیر اور فدک کے چند باغ تھے۔ مدینہ کی جائیداد سے یونفسیر کی جائیداد مراد ہے۔ یا تحریر بق نام ایک یہودی نے ۳۵۰ میں (غزوہ احمد کے موقع پر آنحضرت ﷺ کو چند باغ و صیہہ بہبہ کیے تھے، وہ مراد ہیں لیکن صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ

۱۔ یقہرہ تمام حدیث کی کتابوں میں ہے، بخاری میں متعدد مقامات میں ہے، کتاب الفرانض، باب قول النبي ﷺ: لا نورث: ۶۷۳۰؛ مسلم: ۴۵۷۷؛ ابو داود: ۲۹۶۳؛ ترمذی: ۱۶۱۰۔

۲۔ بخاری، کتاب الوصایا، باب نفقة القيم۔ ۲۷۷۶۔

۳۔ صحیح بخاری، کتاب الوصایا: ۲۷۳۹، ۲۸۷۳۔

۴۔ ابو داود، کتاب الوصایا، باب ما یؤمر به من الوصیة: ۲۸۶۳؛ مسلم: ۴۲۲۹۔

آنحضرت ﷺ نے یہ باغ اسی وقت متحققین کو تقسیم کر دیئے تھے۔ \*

ذکر اور خبر کی نسبت ابتدائی سے شیعہ اور اہلسنت میں اختلاف ہے۔ شیعہ کہتے ہیں کہ یہ آپ کی ذاتی جائیداد تھی اور رواشت کے طور پر اہل بیت میں تقسیم ہونی چاہیے تھی، اہلسنت کہتے ہیں کہ یہ بطور ولایت اسلامی آپ کے قبضے میں تھی اور ذاتی ہو گئی تو آپ ﷺ نے خود فرمادیا تھا کہ ”ہمارا جو ترکہ ہو وہ صدقہ ہے۔“

اصل یہ ہے کہ یہ اختلاف خود صحابہ کے وقت میں پیدا ہو چکا تھا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ (آپ کے چچا) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا (صاحبزادی) اور اکثر ازدواج مطہرات رضی اللہ عنہنَّا مدعا تھیں کہ اس جائیداد کو بطور رواشت تقسیم ہونا چاہیے۔ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما اور دیگر اکابر صحابہ نے کہا کہ یہ وقف عام ہے، آنحضرت ﷺ خود اپنی زندگی میں جس طرح اور جن مصارف میں ان کی آمدی صرف کرتے تھے، اس میں تغیرہ ہو گا۔ \*

آنحضرت ﷺ نے اپنے زمانہ حیات میں ان تینوں جائیدادوں کی آمدی مختلف مددوں میں منعین کر دی تھی۔ بنفسیر کی جائیداد کی آمدی ناگہانی ضروریات کے لیے مخصوص تھی، ذکر کی آمدی مسافروں کے لیے وقف تھی، خبیر کی آمدی کو آپ تمیں حصوں میں تقسیم فرماتے تھے، وو حصے عام مسلمانوں کے لیے تھے اور ایک حصہ ازدواج مطہرات کو سالانہ مصارف کے لیے ملتا تھا، \* اس میں سے بھی جو نجگات اتنا وہ غریب مهاجرین کی اعانت میں کام آتا آتا آخر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصرار پر مدینہ کی جائیداد ان دونوں کی تولیت میں دے دی تھی لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس پر قبضہ کر لیا تھا۔ خبیر اور ذکر بدستور حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک خلافت کے باہم میں رہے۔ \*

جانور

ارباب سیر نے آپ ﷺ کے اس طرح کا تفصیل اس طرح لکھی ہے۔ جس سے ایک والی ملک کے اصلبل اور دواب خانہ کا دھوکہ ہوتا ہے۔ طبری نے ان تمام جانوروں کے نام اور حالات تفصیل سے لکھے ہیں اور اگر وہ قابل اعتبار ہوتے تو حقیقت میں نہایت لچکپ تھے لیکن اس کے متعلق طبری کی جس قدر روایتیں ہیں سب بلا استثناء قدی سے ماخوذ ہیں۔ پچھلے مصنفوں جن میں بڑے بڑے محمد شیخ میں مثلاً: یغمہ، مغلطائی، حافظ عراقی، وغیرہ نے بھی یہ تفصیل لکھی ہے اور چونکہ یہ مصنفوں اکثر سلسلہ سنن نبی مسیح کا لکھتے اس لیے اکثر لوگ ان کے مستند ہونے کی بنا پر اس واقعہ کو صحیح خیال کرتے ہیں لیکن جب تحقیش کی

\* بخاری، کتاب فرض الخمس، باب فرض الخمس، میں ۲۰۹۳ میں ہے وہ صدقہ بالمدینۃ یہ انہیں باغوں کے متعلق ہے تفصیل کے لیے فتح الباری، ج ۶، ص: ۴۰۔ ادیبو نیز صحیح بخاری میں کتاب المعازی، حدیث بنی الصیر: ۴۰۳۳۔

\* صحیح بخاری، کتاب الفرائض، باب قول النبي ﷺ لا نورث ماتر کا صدقہ: ۶۷۲۵، ۶۷۳۰۔

\* صحیح بخاری کے محدث دو باب میں مذکور ہے، ویکھو کتاب الفرائض: ۶۷۲۸، ۲۹۰۴۔

\* سنن ابن داود، کتاب الخراج والamarah، باب فی صفائی رسول الله ﷺ: ۲۹۶۵۔

\* حوالہ مذکورہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے باغ ذکر سادات کو دے دیا تھا۔

جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کی تمام رواتیوں کا سلسلہ سند و اقدی سے آگئے نہیں بڑھتا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت اور گزر جکی ہے:

ما ترک رسول اللہ ﷺ دینار او لا درهم او لا بعيرا ولا شافٰ۔

”آنحضرت ﷺ نے زدینار چھوڑا نہ درهم نہ اونٹ نہ بکری۔“

صحیح بخاری میں عمرو بن حیرث (ام المؤمنین جو یہ زنجیر کے بھائی تھے) سے روایت ہے:

ما ترک النبی ﷺ الا بغلته البيضاء و سلاحه و اراضي اتر کھدا صدقۃ۔

”آنحضرت ﷺ نے کچھ نہیں چھوڑا، بجز اپنے سفید خچرا اور تھیار اور ایک زمین کے جو وقف عام ہو گئی۔“

ان رواتیوں سے معلوم ہو گا کہ متعدد خاصہ میں صرف ایک جانور تھا، ان صحیح اور مسلم روایات کے ہوتے آنحضرت ﷺ کے اسباب اور وواب کی اتنی بڑی فہرست جو طبری وغیرہ نے درج کی ہے اور جو ایک تاجدار سلطنت کے شایان حال ہے، کیونکہ تسلیم کی جاسکتی ہے۔

احادیث صحیح کے استقراء سے اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ عمرو بن حیرث رضی اللہ عنہ کی مختصر فہرست سے زائد چیزیں بھی آپ ﷺ کے قبضہ میں آئیں لیکن اس سے عمرو کی روایت پر اثر نہیں پڑ سکتا، کیونکہ عمرو صرف اس بات کے مدعی ہیں کہ وفات کے وقت یہی سرمایہ تھا۔ ممکن ہے کہ یہ چیزیں وفات سے پہلے آپ ﷺ نے حسب عادت ہبہ یا خیرات کر دی ہوں، بہر حال (از روئے روایت صحیح مختلف اوقات میں) حسب ذیل جانور آپ ﷺ کے دائرہ ملک میں آئے:

لخیف ایک گھوٹا تھا جو ابی بن عباس کے باغ میں بندھتا تھا، بخاری نے کتاب الجہاد میں اس کا ذکر کیا ہے۔

عفیر ایک گدھا تھا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ کو اپنے ساتھ اس پر بھایا تھا۔

عضاۓ و قصواء نہایت تیز اونٹی تھی۔ قصواء بھی اسی کا نام ہے۔ اسی کو آپ نے بھرت کے وقت

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے خریدا تھا اور اسی پر سوراہ وکر آپ نے بھرت فرمائی تھی اور مدینہ پہنچ کر حضرت ابو

ایوب رضی اللہ عنہ کے مکان کے پاس جا کر بیٹھ گئی تھی۔ جب ایسا وادع کا خطبہ بھی آپ ﷺ نے اسی کی پشت پر دیا تھا۔ یہ ہر معزکر میں بازی لے جاتی تھی ایک دفعہ ایک بدباہر سے آیا، اس کی سوراہ میں ایک اونٹ تھا،

جو بھی جوان بھی نہیں ہوا تھا۔ عضاۓ کا اس سے مقابلہ ہوا، اور وہ آگے نکل گیا۔ صحابہ کو ملاں ہوا، آپ ﷺ

مسلم، کتاب الوصیة، باب ترك الوصیة: ۴۲۹، ابو داود: ۲۸۶۳، ابن ماجہ: ۲۶۹۵۔

صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب بغلة النبي ﷺ: ۲۸۷۳۔

اسم الفرس والحمار: ۲۸۵۵۔ ایضاً: ۲۸۵۶۔ طبری، ج ۴، ص: ۱۷۸۴۔ آپ کی اونٹی قصواء عضاۓ کا ذکر بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجهاد: ۲۷۳۱، ۲۷۳۲ اور کتاب الجهاد: ۲۸۷۱ میں بھی ہے۔

صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب هجرة النبي ﷺ: ۳۹۰۶۔

صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجۃ النبي: ۲۹۵۰، ابو داود: ۱۹۰۵۔

نے فرمایا کہ ”یہ خدا کا فرض ہے کہ دنیا کی کوئی چیز جب سراخاۓ تو اس کو پست کر دے۔“ ❶  
ولذل جس کا ذکر اکثر روایتوں میں ہے اسی چھر کا نام ہے جس کا ذکر عمرو بن حوریث رضی اللہ عنہ کی روایت  
میں ہے چنانچہ بخاری کے شارصین نے تصریح کی ہے یہ چھر مقتول مصری نے آپ کو تخفہ میں بھیجا تھا۔ صحیح بخاری  
میں ہے کہ ابن العلما (ریس ایله) نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک سفید چھر (غزوہ تبوک کے موقع پر تخفہ بھیجا  
تھا)۔ ❷

غزوہ حنین میں جس سپید چھر پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوار تھے وہ فروہ بن نفاشہ جذاہی نے ہدیۃ بھیجا تھا، ارباب  
سیر نے اس چھر کو دل سمجھا ہے لیکن یہ غلط ہے ❸ صحیح مسلم میں اس کی تصریح موجود ہے۔ ❹  
اسلم

اس زہد و قناعت کے ساتھ جہاد کی ضرورت سے تو شہ خانہ مبارک میں حسب ذیل سامان تھا، نو عدد  
تلواریں تھیں جن کے یہ نام ہیں، ماٹور، عصب، زوالفقار، قلعی، بتار، حتف، مخدزم، قضیت۔

ماٹور والدماجد سے میراث میں مل تھی، زوالفقار بدر میں ہاتھ آئی تھی، تلوار کا قبضہ چاندی کا تھا۔ فتح مکہ میں  
جو تلوار آپ کے ہاتھ میں تھی اس کا قبضہ زریں تھا، سات زر ہیں تھیں ذات الفضول ذات الوشاح، ذات الحوش،  
سعدیہ، نضہ، تمبراء، خرقن۔ ذات الفضول وہی زرہ تھی جو تمیں صاع پر ایک یہودی کے ہاں سال بھر کے لیے  
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رہن رکھی تھی۔ ❺ زر ہیں سب لو ہے کی تھیں اگرچہ عرب میں چجزے کی زر ہیں بھی ہوتی تھیں۔  
چھ کمانیں تھیں، زوراء، روحاء، صفراء، بیضااء، کوتوم، شداد۔ کوتوم وہ کمان تھی جو غزوہ احد میں نوٹ گئی تھی  
اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قادہ رضی اللہ عنہ کو دے دی تھی۔ ایک ترکش تھا جس کو کافور کہتے تھے، پھرے کی ایک بیٹی تھی، جس  
میں چاندی کے تین حلقات تھے، لیکن ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ کسی حدیث سے مجھ کو نہیں پتہ لگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے کبھی پیٹی لگائی بھی تھی، ایک ڈھال تھی جس کا نام زلوق تھا۔ پانچ برچھیاں تھیں، لو ہے کا ایک مغرب تھا، جس کا  
نام موش تھا، ایک اور مغرب تھا جس کو سیونگ کہتے تھے۔ تین جبے تھے جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم لڑائی میں پہنچتے تھے، کہتے  
ہیں کہ ان میں سے ایک دیباۓ سبز کا تھا، ایک سیاہ علم تھا جس کا نام عقاب تھا اور بھی زرد سفید علم تھے۔ ❻

### آثار متبرکہ

ان متروکات کے علاوہ بعض یادگاریں بھی تھیں جو لوگوں نے تبر کا اپنے پاس رکھ چھوڑ دی تھیں۔ جتنے  
الوادع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقیدت مندوں کو موعِ مبارک عطا فرمائے تھے، جو زیادہ تر حضرت ابو

❶ بخاری، کتاب الجهاد، باب ناقة النبي ﷺ: ۲۸۷۲۔ ❷ صحیح بخاری، کتاب الجهاد، رقم الباب:

۶۱ ریس ایله ابن العلما کا نام یوحنان رویہ تھا (عمدة القاری)، کتاب الزکوة، باب خرس التمر، ج ۴، ص: ۴۱۶)۔

❸ فتح الباری ذکر غزوہ حنین، ج ۸، ص: ۲۴۔ ❹ صحیح مسلم، کتاب الجهاد، باب غزوہ حنین:

۴۶۱۲۔ ❺ صحیح بخاری، کتاب البيوع، باب شراء النبي ﷺ بالنسیۃ: ۲۰۶۸ و کتاب فی الرهن، باب

من رهن در عده: ۲۵۰۹۔ ❻ زاد المعاد، ج ۱، ص: ۳۲۔

طلیعہ انصاری رضی اللہ عنہ کے ہاتھاے تھے۔ ❶ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس بھی موئے مبارک تھے، اُن کے پاس دو چیزیں اور تھیں، نعلین مبارک اور ایک لکڑی کاٹوٹا ہوا پپیالہ، جو چاندی کے تاروں سے جوڑ دیا گیا تھا۔ ❷ ذوالقدر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس تھی ان کے بعد ان کے خاندان میں یادگار رہی۔ حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد وہ حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ کے ہاتھ آئی، بعض صحابہ نے آ کر ان کی خدمت میں عرض کی کہ مجھے ذر ہے کہ کہیں یہ یادگار آپ سے چھن نہ جائے اگر مجھے عنایت ہو تو یہ میری جان کے ساتھ رہے لیکن انہوں نے یہ ایشارہ گوارہ کیا۔ ❸

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ کپڑے تھے جن میں آپ نے انتقال فرمایا تھا۔ ❹ اتحقق خلافت کی بنابر خاتم (مہر) اور عصائے مبارک جن کا احادیث میں ذکر ہے پہلے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پھر حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے قبضہ میں آئے لیکن انہیں کے عہد میں یہ دونوں چیزیں ضائع ہو گئیں۔ اگرچہ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے ایک کنوئیں میں گرگئی اور عصائے مبارک کو ججاہ غفاری ❺ نے توڑ ڈالا۔ امام بخاری رضی اللہ عنہ نے ان آثارِ مبارک کے ذکر کے لیے ایک خاص باب باندھا ہے۔ ❻ مسکن مبارک

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کمن تھے کہ والدین کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اپنے دادا اور بچپا کے گھروں میں پرورش پائی اور بیہیں سن رشد کو پہنچ۔ چھیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی، یہ متفق طور پر نہیں معلوم کہ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے موروثی مکان میں اقامت فرمائی یا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی کے گھر رہے، لیکن آپ کے حصہ کا ایک پدری مکان مکہ میں موجود تھا، جس پر عقیل رضی اللہ عنہ نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پچازا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی تھے اور اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، قبضہ کر لیا تھا چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر جب آپ کہ تشریف لائے تو لوگوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! آپ کہاں قیام فرمائیں گے؟ کیا اپنے دولت خانہ پر ٹھہریں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”عقیل نے ہمارے لیے گھر کہاں چھوڑا؟“ ❻ مدینہ منورہ میں تشریف آوری کے بعد چھ مہینے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوالیوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر

❶ صحیح مسلم، کتاب الحج، باب بیان ان السنۃ يوم النحر ان بری: ۳۱۵۲۔ ۳۱۵۵۔

❷ صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب الماء الذي يغسل به شعر الانسان: ۱۷۰۔

❸ بخاری، کتاب فرض الخمس: ۳۱۰۷؛ شماںل ترمذی، باب ما جاء في قدر رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: ۱۹۴۔

❹ بخاری کی تصریح کے مطابق یہ مطالیب حضرت سورین خرمتے کیا تھا۔ (بخاری: ۳۱۱) ”س۔“

❺ ان تمام آثار مذکورہ بالا کا ذکر صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب ذکر من درع النبي صلی اللہ علیہ وسلم و عصاه و سیفه وقدحه و خاتمه: ۳۱۱ تا ۳۱۲۔ میں ہے۔ ❻ خاتم کا ذکر کتاب الجہاد کے علاوہ بخاری، کتاب اللباس، باب خاتم الفضة: ۵۸۶۶ میں ہے؛ حصائے مبارک کا حالف فتح الباری، ج ۶، ص: ۱۴۸ میں مذکور ہے ”س۔“

❼ بخاری، کتاب الجهاد، باب ما ذکر من درع النبي صلی اللہ علیہ وسلم و عصاه و سیفه و قدحه و خاتمه۔

❽ بخاری، کتاب المغازی: ۴۲۸۲۔

قیام فرمائے۔ اس اثناء میں آپ ﷺ تھا تھے اہل دعیاں کمکتی میں تھے جب آپ نے مسجد نبوی کی بنیاد ڈالی تو اسی کے اطراف میں چھوٹے چھوٹے حجرے تیار فرمائے اور اس وقت آپ ﷺ نے آدمی بھیج کر کمکتے اہل دعیاں کو بلوایا اور انہی حجروں میں اتارا۔

آخریام میں آنحضرت ﷺ کی توبویاں تھیں اور الگ الگ حجروں میں رہتی تھیں جن میں نہ صحن تھا نہ دلان تھے نہ ضرورت کے الگ الگ کرے تھے ہر حجرہ کی وسعت عموماً چھ سات ہاتھ سے زیادہ نہ تھی، دیواریں مٹی کی تھیں جو اس قدر کمزور تھیں کہ ان میں شکاف پڑ گیا تھا اور ان سے اندر ہوپ آتی تھی، پھر کھجور کی شاخوں اور پتوں سے چھائی تھی۔ باڑش سے بچنے کے لیے بال کے کمل پیٹ دینے جاتے تھے بلندی اتنی تھی کہ آدمی کھڑا ہو کر چھٹت کو ہاتھ سے چھوٹکتا تھا۔ گھر کے دروازوں پر پردہ یا ایک پٹ کا کواڑ ہوتا تھا۔

آنحضرت ﷺ ہمیشہ باری باری سے ایک ایک شب ایک حجرے میں بسر فرماتے تھے، دن کو عموماً اصحاب ﷺ کی مجلس میں مسجد میں تشریف رکھتے، جو گویا ان حجروں کا صحن یا گھر کی مردانہ نشست گا تھی۔ ان حجروں کے علاوہ ایک بالا خانہ بھی تھا، جس کو احادیث میں ”مشربہ“ کہا گیا ہے،<sup>۹</sup> میں جب آپ نے ایلاء کیا تھا اور نیز گھوڑے پر سے گر کے چوٹ کھائی تھی ایک مہینہ اسی پر اقامت فرمائی تھی۔<sup>۱۰</sup> اس بالا خانہ پر سامان آرائش کیا تھا ایک چٹائی کا ستر، چڑے کا ایک تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، اور ادھر ادھر چند کھالیں لکھی ہوئی تھیں۔

کاشانہ بیوت گوانوار الہی کا مظہر تھا تاہم اس میں رات کو چرانگ تک نہیں ہوتا تھا۔<sup>۱۱</sup> گھر کی دنیاوی اور ظاہری آرائش بھی پسند خاطر نہ تھی۔ ایک بار حضرت عائشہؓ نے اپنے بیویوں پر دھاری دارنگیں کپڑے منڈھے، تو آپ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا: ”اینہ اور پھر کولباس پہنانے کے لیے مال نہیں دیا گیا ہے۔“<sup>۱۲</sup> یہ حجرہ ہائے مبارک آپ کی وفات کے بعد ازاوج مطہرات کے قبضہ میں رہے۔ ان میں جب کسی کا انتقال ہو جاتا، تو وہ حجرہ ان کے اعزہ کی ملکیت میں چلا جاتا۔ جن سے حضرت معاویہؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں اکثر حجروں کو خرید لیا تھا۔<sup>۱۳</sup> حضرت عمرؓ کے عہد تک یہ تمام حجرے اپنے حال پر قائم رہے۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں بعض حجرے توڑ کر مسجد نبوی میں داخل کر لیے گئے، تاہم ولید بن عبد الملک کے زمانہ تک بہت سے حجرے باقی تھے۔<sup>۱۴</sup> میں جب حضرت عمر بن عبد العزیزؓ مدینہ کے والی تھے، تمام

\* ابن سعد جزء اول، قسم اول، ص: ۱۶۱۔ \* یوپوری تفصیل الادب الحسفرد بخاری، باب التطاول فی

البيان: ۴۵۱، ۴۵۰ میں ہے۔ \* ابو داؤد، کتاب الصلاة، باب الامام يصلی من قعود: ۶۰۲۔

\* صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب ما كان النبي ﷺ يتحوز من اللباس والبسط: ۵۸۴۳۔

\* صحیح بخاری، کتاب الصلوة، باب التطوع خلف المرأة: ۳۸۲، ۵۱۳۔

\* ابو داؤد، کتاب اللباس، باب فی الصور: ۴۱۵۳۔

\* ابن سعد جزء نساء جزء، ص: ۱۱۸۔

حجرے میں جو حجرہ عائشہؓ کے کوہ مدفن نبویؓ ہے، تو ذکر مسجد نبوی میں ملا دیے گئے۔ جس دن یہ حجرے نوٹے یہی تمام مدینہ میں کھرام مچا ہوا تھا، کہ حضور انورؑ کی ایک اور یادگار مرتگئی۔

دایہ

آنحضرتؑ کو جو ترکہ والد سے ملتا تھا اس میں ایک جھیلہ کنیز بھی تھیں جن کا نام ام ایمن تھا، آنحضرتؑ کی اصلی انایا دایہ ہی تھیں۔ آنحضرتؑ کی وفات تک زندہ رہیں۔ آنحضرتؑ ہمیشہ ان کو مال کہہ کر پکارتے تھے، اور جب ان کو دیکھتے تو فرمایا کرتے کہ ”اب یہی میرے خاندان کی یادگار رہ گئی ہیں۔“ جب آپ نے حضرت خدیجہؓ کے عقد کیا تو ان کو آزاد کر کے حضرت زیدؑ سے جو آپ کے متنبی اور محبوب خاص اور حضرت خدیجہؓ کے غلام تھے، شادی کر دی۔ اسماءؓ ابھی کے بطن سے ہیں۔ آنحضرتؑ کے مزاح کا یہ واقعہ جو کتابوں میں منقول ہے کہ ایک عورت نے آنحضرتؑ سے ایک اونٹ مانگا آپ نے فرمایا میں اونٹ کا بچہ دوں گا، بولی کہ بچے لے کر میں کیا کروں گی، آپ نے فرمایا کہ ”جتنے اونٹ ہیں اونٹ کے بچے ہی ہوتے ہیں۔“ ابھی کا واقعہ ہے۔

یہ اکثر غزادت میں شریک رہیں۔ جنگ احمد میں سپاہیوں کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کی مرہم پہنچیں، جنگ خبر میں بھی شریک تھیں۔

### خدام خاص

صحابہؓ میں سے بعض عقیدت منداہیے تھے، جو دنیا کے سب کام کا ج چھوڑ کر ہمہ وقت خدمت اقدس میں حاضر رہتے اور خاص خاص کام انجام دیتے، ان کے نام حسب ذیل ہیں:

❶ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ مشہور صحابی ہیں، فتنی کے بانی اول گویا وہی ہیں، امام ابوحنیفہؓ کی فقہ کا سلسلہ ابھی کی روایت اور استنباطات پر مبنی ہوتا ہے۔ مکہ معظمه میں قرآن مجید کی اشاعت آنحضرتؑ کے ابتدائی زمانے میں ان ہی نے کی۔ ستر (۷۰) سورت میں خود آنحضرتؑ کی زبان مبارک سے سن کر یاد کی تھیں۔

یہ آنحضرتؑ کے رازدار بھی تھے اور جب آنحضرتؑ سفر میں جاتے تو خواب گاہ، وضواور مسوک کا اہتمام ابھی کے متعلق ہوتا جب آپ مجلس سے اٹھتے توجوٰتے پہناتے۔ راہ میں آگے آگے عصارے کر چلتے۔ جب آپ کہیں کسی مجلس میں جا کر بیٹھتے تو غلیم مبارک اتار کر غل میں رکھ لیتے پھر اٹھنے کے وقت سامنے لا کر کر کھدیتے، جلوٹ و خلوٹ میں ساتھ رہتے تھے، آنحضرتؑ کے اخلاق و عادات کا نمونہ بن

❷ ایضاً، ص: ۱۲۰۔ ❸ صحیح مسلم، کتاب الجهاد، باب رد المهاجرین الى الانصار من اهجمهم: ۴۶۰۳۔

❹ یہ تمام حالات طبقات ابن سعد جزء، ۸، تذكرة ام ایمن، ص: ۱۶۲ سے مأخوذه ہیں۔

گئے تھے۔

❸ حضرت بلال رضی اللہ عنہ دنیا ان کو موزون کے لقب سے جانتی ہے (یہ بخشی نژاد غلام تھے کہ میں ایمان لائے تھا اور جس جوش و خروش سے ایمان لائے تھا، اس کا مختصر ذکر آغاز کتاب میں گزر چکا ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا تھا، اس وقت سے برابر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے،) آپ کا خانگی انتظام انہی کے پرروختھا، بازار سے سودا سلف لانا، قرض دام لینا، پھر ادا کرنا، مہمانوں کے لکھانے پینے کا انتظام کرنا یہ تمام باتیں ان ہی سے متعلق تھیں۔

❹ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بھی آپ کے خادم خاص تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو وہ نہایت کمسن تھے ان کی ماں خدمتِ اقدس میں ان کو لا کیں اور عرض کی ”یار رسول اللہ! یہ میرا بیٹا ہے، لائی ہوں کہ خدمت گزاری کرے۔“

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے دس تک آپ کی خدمت کی۔ لوگوں کے پاس آنا جانا، چھوٹے چھوٹے کام کرنا، دھوکا پانی لانا، ان کے فرائض تھے چونکہ ابھی کمسن تھے ان سے کام بن نہیں آتے تھے لیکن آپ نے ان سے کبھی باز پرس نہ فرمائی۔

۱) یہ پوری تفصیل طبقات ابن سعد، جزء ۲، فتح اول، جم: ۸، ایں ہے جملہ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ باب مناقب عبد اللہ بن مسعود: ۳۷۶۷ میں لکھی یہ مذکور ہے۔ ۲) ابو داؤد، کتاب الخراج، باب فی الامام یقبل هدایا المشرکین: ۵۰۵۵۔ ۳) صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل انس: ۶۳۷۶ تا ۶۳۷۷۔ ۴) ابو داؤد، کتاب الادب، باب فی الحلم و اخلاق النبی ﷺ: ۴۷۷۴، ۴۷۷۳۔

## شماں

## شکل ولباس و طعام و مذاق طبیعت

حلیہ اقدس

آپ ﷺ میانے قد اور موزوں اندام تھے، رنگ سفید سرخ تھا، پیشانی چوڑی اور ابر و پیوستہ تھے، بینی مبارک درازی مائل تھی، چہرہ ملکا لیکن بہت پر گوشت نہ تھا، دہانہ کشادہ تھا، دندان مبارک بہت پیوستہ نہ تھے، گردن اوپری، سر برہ اور سینہ کشادہ تھا اور فراخ تھا، سر کے بال نہ بہت پیچیدہ تھے، نہ بالکل سیدھے تھے، ریش مبارک گھنی تھی، چہرہ کھڑا کھڑا تھا، آنکھیں سیاہ و سرگلیں اور بیکلیں بڑی بڑی تھیں، شانے پر گوشت اور موٹھوں کی ہڈیاں بڑی تھیں، سینہ مبارک میں ناف تک بالوں کی بلکل تحریر تھی، شانوں اور کلاسیوں پر بال تھے، ہتھیلیاں پر گوشت اور چوڑی، کلائیاں لمبی اور پاؤں کی ایڑیاں نازک اور بلکل تھیں، پاؤں کے تلوے نیچے سے ذرا خالی تھے، نیچے سے پانی نکل جاتا تھا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم پر آپ کے حسن و خوبی کا بہت اثر پڑتا تھا، حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جو پہلے یہودی تھے، پہلے پہل جب چہرہ اقدس پر ان کی نظر پڑی ہے تو بولے: ”خدا کی قسم یہ جھونٹے کا چہرہ نہیں۔“ جابر بن سرہ رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں ان سے کسی نے پوچھا آپ کا چہرہ توار سا چمکتا تھا؟ بولے: ”نہیں ماہ و خورشید کی طرح۔“ یہی صحابی روایت کرتے ہیں کہ ایک شب کو جب مطلق ابر شد تھا اور چاند نکلا تھا، میں کہیں آپ کو دیکھتا تھا کہ چاند کو دیکھتا تھا تو آپ مجھے چاند سے زیادہ خوب و معلوم ہوتے تھے۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ صحابی کہتے ہیں، میں نے کسی جوڑے والے کو سرخ (خط کے) لباس میں آپ سے زیادہ خوبصورت نہیں دیکھا۔

آپ کے پسینہ میں ایک قسم کی خوبی تھی چہرہ مبارک پر پسینہ کے قطرے موٹی کی طرح ڈھلنے تھے، جسم مبارک کی جلد نہایت زرم تھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ کا رنگ نہایت کھلتا تھا آپ کا پسینہ موٹی معلوم ہوتا تھا میں نے دیبا اور حریر بھی آپ کی جلد سے زیادہ زرم نہیں دیکھے اور مشک و غیر میں آپ کے بدن سے زیادہ خوبیوں تھی۔

۱ یہ طیبہ تفصیل شماں ترمذی، باب ما جاء في خلق رسول الله ﷺ، مستند احمد بن حنبل، ج ۱، ص: ۱۱۶، ۱۱۷ میں اور مختصر بخاری، کتاب الفضائل، باب صفة النبي ﷺ، ۵۸۴۸، ۳۵۰۱، مسلم، باب صفة النبي ﷺ، ترمذی: ۶۰۶۴ تا ۶۰۶۶ میں ہے۔

۲ مسلم، کتاب الفضائل، باب اثبات خاتم النبوة: ۶۰۸۴۔

۳ ترمذی: ۲۸۱۱؛ سنن الکبری للنسائی: ۹۵۶۲۔

۴ مسلم، باب طیب عرقہ: ۶۰۵۵۔

۵ مسلم، کتاب المغازی، حدیث الافك: ۴۱۴۱۔

۶ بخاری، کتاب المغازی، حدیث الافك: ۳۵۶۱۔

عام طور سے مشہور ہے کہ آپ ﷺ کے سامیہ نہ تھا لیکن اس کی کوئی سند نہیں ہے۔

### مہر نبوت

شانوں کے بیچ میں کبوتر کے انڈے کے برابر خاتم نبوت تھی، یہ ظاہر سرخ ابھرا ہوا گوشت ساتھا (صحیح مسلم اور) شماں ترمذی میں حضرت جابر بن سرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

رأیت الخاتم بين كتفی رسول الله ﷺ غدۃ حمراء مثل بيضة الحمامۃ۔

”میں نے آنحضرت ﷺ کے دونوں شانوں کے بیچ میں خاتم کو دیکھا تھا جو کبوتر کے انڈے کے برابر سرخ غدہ تھا۔“

لیکن ایک اور روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بائیں شان کے پاس چند مہا سوں کی مجموعی ترکیب سے ایک متدری شکل پیدا ہو گئی تھی، اسی کو مہر نبوت کہتے تھے ۲۱ تمام صحیح روایات کی تلقین سے یہ ثابت ہوتا ہے، کہ دونوں شانوں کے درمیان ایک ذرا ابھرا ہوا گوشت کا حصہ تھا، جس پر قتل تھے اور بال اگے ہوئے تھے۔

### موئے مبارک

سر کے بال اکثر شانے تک لٹک رہتے تھے، فتح مکہ میں لوگوں نے دیکھا تو شانوں پر چار گیسو پڑے تھے۔ ۲۲ مشرکین عرب بالوں میں مانگ نکالتے تھے۔ آنحضرت ﷺ چونکہ کفار کے مقابلہ میں اہل کتاب کی موافقت پسند کرتے تھے، ابتداء میں آپ ﷺ بھی اہل کتاب کی طرح بال چھوٹے ہوئے رکھتے تھے پھر مانگ نکالنے لگے یہ شماں ترمذی کی روایت ہے، معلوم ہوتا ہے کہ جب مشرکین کا وجود نہ رہا تو ان کی مشابہت کا احتمال بھی جاتا رہا اخیر زمانہ میں مانگ نکالنے لگے۔ ۲۳

(بالوں میں اکثر تیل ذاتی تھے اور ایک دن بیچ کنگھی کرتے تھے ریش مبارک میں گنتی کے چند بال سفید ہونے پائے تھے)۔

رفقار بہت تیز تھی، چلتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ ڈھلوان ز میں پر اُتر رہے ہیں۔ ۲۴ ضعیف روایتوں میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے سامیہ نہ تھا یعنی ز میں پر جسم اقدس کا سامیہ نہیں پڑتا تھا، لیکن محمد بنین کے نزدیک یہ روایتیں صحت سے خالی اور ناقابل اعتبار ہیں۔

۱ شماں ترمذی: ۱۷؛ مسلم: ۶۰۸۴۔ ۲ صاحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب اثبات خاتم النبوة: ۶۰۸۸ مشہور ہے کہ پشت پر جو خاتم نبوت تھی اس میں گویا اُتری طور پر گلہ طبیب تھا۔ یہ بالکل بے سند بات ہے، احادیث سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، محمد بنین نے قصر تھے کہ ان میں سے بعض روایتیں باطل اور بعض بہت ی ضعیف ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں لہم بیشت منها شیء (ازرقانی) بر موالہ، ج ۱، ص: ۱۸۴) البیتلک اس نظری خاتم میں منقوش تھی جو گوشت مبارک میں خطوط پر مرکرنے کی غرض سے آپ ﷺ پہنچا کرتے تھے ا لوگوں نے غلطی سے اس کو خاتم نبوت کی طرف منسوب کر دیا۔ ”س۔“

۳ شماں ترمذی: ۲۸۔ ۴ بخاری: ۳۵۵۸، ۳۹۴۴؛ مسلم: ۶۰۶۲؛ شماں ترمذی: ۲۰۔

۵ شماں ترمذی: ۳۳، ۳۴۔ ۶ شماں ترمذی: آنے والے مکتبہ: ۱۲۴، ۱۲۳، ۱۲۲۔

## گفتگو اور خنده و قسم

گفتگو نہایت شیریں اور دلاؤ ریتھی، بہت ٹھہر ٹھہر کر گفتگو فرماتے تھے، ایک ایک فقرہ الگ ہوتا کہ سنے والوں کو یاد رہ جاتا معمول تھا کہ ایک ایک بات کو تین تین دفعہ فرماتے ہے جس بات پر زور دینا ہوتا بار بار اس کا اعادہ فرماتے، حالت گفتگو میں اکثر رکاہ آہان کی طرف ہوتی تھی، آواز بلند تھی ہے حضرت امام ہانیؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کعبہ میں قرآن مجید پڑھتے تھے اور ہم لوگ گھروں میں پلنگوں پر لیٹے لیٹے سنتے تھے۔ ⑥

حضرت خدیجہؓ کے پہلے شوہر سے ایک صاحبزادے تھے جن کا نام ہند تھا، وہ نہایت خوش تقریر تھے، جس چیز کا بیان کرتے اس کی تصویر کھینچ دیتے، حضرت امام حسن عسکریؑ نے ان سے پوچھا: "آنحضرت ﷺ کیونکر تقریر فرماتے تھے۔" انہوں نے کہا: "آپ ہمیشہ متفکر رہتے تھے، اکثر چپ رہتے اور بے ضرورت کبھی گفتگو نہ فرماتے ایک ایک فقرہ الگ اور صاف اور واضح ہوتا تھا، ہاتھ سے اشارہ کرتے تو پورا ہاتھ اٹھاتے، کسی بات پر تجوہ کرتے تو ہتھیں کارخ پلٹ دیتے، تقریر میں کبھی ہاتھ پر ہاتھ مارتے، بات کرتے کرتے جب کبھی مسرت کی کیفیت طاری ہوتی تو آنکھیں پتھی ہو جاتیں ہنستے بہت کم تھے، بھی آتی تو مسکرا دیتے اور یہی آپ کی بھی تھی۔" ⑦ جریر بن عبد اللہ ؓ کا بیان ہے کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ کو دیکھا ہو اور مسکرانہ دیا ہو۔ روایتوں میں آیا ہے کہ کبھی کبھی جب آپ کو زیادہ بھی آتی تو داڑھ کے دانت (نواجذ) نظر آنے لگتے ہیں یعنی ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے لکھا ہے کہ یہ طرز ادا کا مبالغہ ہے ورنہ کبھی آپ اس زور سے نہیں ہنسے کہ نواب ذہن نظر آئیں۔ ⑧

## لباس

لباس کے متعلق کسی قسم کا التزام نہ تھا، عام لباس چادر، قمیض اور تہندہ تھی، پا جامہ کبھی استعمال نہیں فرمایا لیکن امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور اصحاب سنن اربعہ نے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے منی کے بازار میں پا جامہ خریدا تھا۔ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ استعمال بھی فرمایا ہو گا۔ ⑨ موزوں کی عادت نہ تھی لیکن بجا شی نے جو سیاہ موزے بھیجے تھے آپ ﷺ نے استعمال فرمائے۔ ⑩ بظاہر روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چرپی تھے۔ عمائد کا شملہ کبھی دوش مبارک پر کبھی دونوں شانوں کے نیچے میں پر ارتھتا تھا، کبھی تخت الحنک کی طور پر لیتے تھے عمائد اکثر سیاہ رنگ کا ہوتا تھا، ⑪ عمائد کے نیچے سر سے لپٹی ہوئی نوپی ہوتی تھی اور پنجی نوپی کبھی استعمال نہیں فرمائی۔ (عمائد کے نیچے نوپی کا التزام تھا، فرماتے تھے کہ ہم میں اور مشرکین

① شمال: ۲۲۳۔ ② شرح زرقانی، ج ۴، ص: ۱۰۴۔ ③ ابن ماجہ، باب اقامۃ الصلاۃ، باب ماجاء فی القراءۃ فی صلوة اللیل: ۱۳۴۹۔ (کعبہ کا گزینہ) ④ شمالی ترمذی: ۲۲۴۔ ⑤ شمالی ترمذی: ۲۲۹۔

⑥ یہ بحث تفصیل سے شرح زرقانی، ج ۲، ص: ۲۱۶ میں امام سیوطی کی نسبت سے بیان کی گئی ہے۔

⑦ شرح زرقانی، ج ۵، ص: ۵۲۔ ⑧ شرح زرقانی، ج ۵، ص: ۵۳۔ ⑨ ایضاً، ص: ۴۔

میں یکی امتیاز ہے کہ تم تو یوں پر عمامہ باندھتے ہیں)۔ ۱  
 قادر

لباس میں سب سے زیادہ یمن کی دھاری دار چادر میں ۲ پسند تھیں جن کو عربی میں حمرہ کہتے ہیں۔  
 عبا

بعض اوقات شامی عبا استعمال کی ہے جس کی آستین اس قدر تنگ تھی کہ جب وضو کرنا چاہا تو چڑھنے کی، اور  
 با تھکوا آستین سے کالا ناپڑا نوشیر والی قابچی جس کی جیب اور آستینوں پر دیبا کی سجا ف تھی، استعمال کی ہے۔ ۳  
 کمبیل

جب انتقال ہوا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کمبل جس میں پیوند لگے ہوئے تھے اور گاڑھے کی ایک تہبند  
 نکال کر دکھائی کہ انہی کپڑوں میں آپ ﷺ نے دفات پائی۔ ۴  
 حلہ حمراء

رواتیوں میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے حلہ حمراء بھی استعمال کیا ہے، حمراء کے معنی سرخ کے ہیں اس  
 لیے اکثر محمد محدثین نے وہی عام معنی لیے ہیں لیکن ابن القیم جو سعیدہ نے اصرار کے ساتھ دعویٰ کیا ہے کہ سرخ  
 لباس آپ ﷺ نے کبھی نہیں پہننا اور نہ آپ ﷺ مردوں کے لیے اس کو جائز رکھتے تھے، حلہ حمراء ایک قسم  
 کی یعنی چادر تھی، جس میں سرخ دھاریاں بھی ہوتی تھیں، اس بنا پر اس کو حمراء کہتے تھے اور یہی کبھی کبھی استعمال  
 کرتے تھے، عام محمد محدثین کہتے ہیں کہ اس تخصیص کا کوئی ثبوت نہیں، زرقانی (ج ۵، ص: ۲۷) میں یہ بحث  
 نہایت تفصیل سے مذکور ہے۔ مختلف روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے سیاہ، سرخ، بزر، زعفرانی  
 ہر برنگ کے کپڑے پہنے ہیں لیکن سفید رنگ بہت مرغوب تھا ۵ (بعض اوقات اس قسم کی چادر بھی استعمال  
 فرمائی ہے جس پر بجادے کی شکل بنی ہوئی تھی) ۶  
 نعلین

نعلین مبارک اس طرز کے تھے جس کو اس ملک میں چپل کہتے ہیں، یہ صرف ایک تلا ہوتا تھا جس میں  
 تھے لگے ہوتے تھے۔ پچھونا چھڑے کا گدا ہوتا تھا جس میں روئی کے بجائے کھجور کے پتے ہوتے تھے چار پالی  
 بان کی بنی ہوتی تھی، جس سے اکثر حرم پر بدھیاں بیجا تھیں۔ ۷

۱ ابو داود کتاب اللباس، باب فی العمامہ: ۴۰۷۸۔ ۲ صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب البرود

والحریر والشملة: ۵۸۱۲ تا ۵۸۱۴۔ ۳ بخاری: ۵۷۹۸۔

۴ بخاری، کتاب اللباس، باب الاصکسیہ: ۵۸۱۸۔

۵ ابو داود، کتاب اللباس، باب فی البیاض: ۴۰۶۱؛ مستند این حنبل، ج ۱، ص: ۲۴۷۔

۶ ابو داود، کتاب اللباس، باب لبس الصوف والشعر: ۴۰۳۲۔

۷ شرح زرقانی، ج ۵، ص: ۵۶۲، ۵۶۴۔

جب آپ ﷺ نے بجاشی اور قیصر روم کو خطر لکھنا چاہا تو لوگوں نے عرض کی کہ سلطین مہر کے بغیر کوئی تحریر قول نہیں کرتے، اس بنا پر چاندی کی انکوٹھی بنوائی، جس میں اوپر تلے تمیں سطروں میں محمد رسول اللہ (ﷺ) لکھا ہوا تھا۔ بعض صحابہؓؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ صرف مہر لگانے کے وقت اس کا استعمال فرماتے تھے اور داہنے ہاتھ کی انگلی میں پہنچتے تھے۔ \*

### خودوزرہ

لڑائیوں میں زرہ اور مغفر بھی پہنچتے تھے۔ أحد کے معزکہ میں جسم مبارک پر دوزر ہیں تھیں۔ توار کا قبضہ بھی چاندی کا بھی ہوتا تھا۔ \*

### غذا اور طریقہ طعام

اگرچہ ایثار اور قاععت کی وجہ سے لذیذ اور پر تکلف کھانے کبھی نصیب نہ ہوتے، یہاں تک کہ (جیسا کہ صحیح بخاری کتاب الاطعمة باب الخبر المرفق: ۵۳۸۵ میں ہے) تمام عمر آپ ﷺ نے چپاتی کی صورت تک نہیں دیکھی، تاہم بعض کھانے آپ کو نہایت مرغوب تھے۔

### مرغوب کھانے

سرکہ، شہد، حلوا، روغن زیتون، کدو، خصوصیت کے ساتھ پسند تھے سالن میں کدو ہوتا تو پیالہ میں اس کی قاشیں انگلیوں سے ڈھونڈتے، \* ایک دفعہ حضرت ام بانیؓؓ کے گھر تشریف لے گئے اور پوچھا کہ کچھ کھانے کو ہے، بولیں کہ سرکہ ہے، فرمایا کہ جس گھر میں سرکہ ہواں کو نادار نہیں کہہ سکتے۔ عرب میں ایک کھانا ہوتا ہے جس کو حیس کہتے ہیں، یہ بھی میں پیار اور بھورڈاں کر پکایا جاتا ہے آپ کو یہ بہت مرغوب تھا۔

ایک دفعہ حضرت امام حسن عسکریؑ اور عبداللہ بن عباسؓؓ سلمی کے پاس گئے اور کہا کہ آج ہم کو وہ کھانا پکا کر کھلاؤ جو آخر حضرت ﷺ کو بہت مرغوب تھا، بولیں تم کو وہ کیا پسند آئے گا؟ لوگوں نے اصرار کیا تو انہوں نے جو کا آٹا پیس کر ہاندی میں چڑھا دیا اور پر سے روغن زیتون اور زیرہ اور کالی مرچیں ڈال دیں، پک گیا تو لوگوں کے سامنے رکھا اور کہا کہ یہ آپ ﷺ کی محبوب ترین غذا تھی۔ گوشت کے اقسام میں سے آپ ﷺ نے دنبہ، مرغ، بیبری، (حباری) اونٹ، بکری، بھیز، گورخ، خرگوش، مچھلی کا گوشت کھایا ہے۔ دست کا گوشت بہت پسند تھا شامل ترندی میں حضرت عائشہؓؓ کا قول نقل کیا ہے کہ دست کا گوشت فی نفس آپ ﷺ کو چند اس مرغوب نہ تھا، بات یہ تھی کہ کئی کئی دن تک گوشت نصیب نہیں ہوتا تھا، اس لیے جب کبھی مل جاتا تو آپ ﷺ چاہتے تھے کہ جلد پک کر تیار ہو جائے۔ دست کا گوشت جلدی گل جاتا ہے، اس لیے آپ ﷺ اسی کی فرمائش

\* بخاری: ۶۵، ۲۹۲۸، ۴۵۸۷۳، ۵۴۷۸: مسلم: ۵۴۸۸: ابو داود: ۴۲۱۴۔

\*\* شرح زرقانی، ج ۵، ص: ۴۳۵۔ \* بخاری، کتاب الاطعمة، باب من تبع حوالی القصعة: ۵۳۷۹۔

کرتے لیکن متعدد روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ یوں بھی آپ ﷺ کو گوشت پسند تھا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے نکاح میں جب آپ ﷺ نے ولیمہ کا کھانا کھلایا تھا، تو صرف کھجور اور ستوپہ، تربوز کو کھجور کے ساتھ ملا کر کھاتے تھے، پرانی لگڑیاں پسند تھیں، ایک دفعہ معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہ کی صاحزادی نے کھجور اور پرانی لگڑیاں خدمت میں پیش کیں، (بعض اوقات روشنی کے ساتھ بھی کھجور تناول فرمائی ہے)۔

### پانی، دودھ، شربت

شہنشاد پانی نہایت مرغوب تھا، دودھ بھی خالص نوش فرماتے، کبھی اس میں پانی ملا دیتے، کشش، کھجور، انگور پانی میں بھکھو دیا جاتا، پچھلے دیر کے بعد وہ پانی نوش جان فرماتے، کھانے کے ظروف میں ایک لگڑی کا پیالہ تھا جو لوہے کے تاروں سے بندھا ہوا تھا، روایت میں اسی قدر ہے قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹوٹ گیا ہو گا اس لیے تاروں سے جوڑ دیا ہو گا۔

### معمولاتی طعام

دستِ خوان پر جو کھانا آتا اگر ناپسند ہوتا تو اس میں باہنہ ڈالتے لیکن اس کو براند کہتے، جو سالن سامنے ہوتا اسی میں ہاتھ ڈالتے ادھر ادھر ہاتھ نہ بڑھاتے اور اس سے اور وہ کو بھی منع فرماتے، کھانا بھی مندی یا نکیہ پر بیک لگا کر نہ کھاتے اور اس کو ناپسند فرماتے میریا خوان پر کبھی نہیں کھایا۔ خوان زمین سے کسی قدر اوپر بھی میر ہوتی تھی، عموم اسی پر کھانا رکھ کر کھاتے تھے چونکہ یہ بھی فخر اور امتیاز کی علامت تھی یعنی امرا اور اہل جاہ کے ساتھ مخصوص تھی، اس لیے آپ ﷺ نے اس پر کھانا پسند نہیں فرمایا، کھانا صرف تین انگلیوں سے کھاتے ॥ گوشت کو کبھی کبھی چھری سے کاث کر بھی کھاتے۔ صحیح بخاری میں یہ روایت موجود ہے۔ ॥ ابو داؤد میں ایک حدیث ہے کہ گوشت چھری سے نہ کاٹو کیونکہ یہ اہل عموم کا شعار ہے لیکن ابو داؤد نے خداوس حدیث کو ضعیف کہا ہے اس حدیث کے ایک راوی ابو معشر رجح ہیں جن کی نسبت بخاری نے لکھا ہے کہ وہ منکر الحدیث ہیں اور انہی مکسرات میں حدیث مذکور بھی ہے۔ ॥

### خوش لباسی

گوٹکلف اور جاہ پسندی سے آپ ﷺ کو فرست تھی لیکن کبھی کبھی آپ ﷺ نہایت قیمتی اور خوش نما لباس بھی زیب تن فرماتے تھے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہا جب حورویہ کے پاس سفیر بنا کر بھیجے گئے تو وہ بیکن کے نہایت قیمتی کپڑے پہن کر گئے۔ حورویہ نے کہا: کیوں ابن عباس ایہ کیا لباس ہے؟ بولے کہ تم اس پر

۱۔ غذا کے متعلق زیادہ تر واقعات شمائل ترمذی باب ماجاه فی صفة اکل رسول اللہ ﷺ: ۱۴۱ تا ۱۳۶ و بباب ما جاء فی صفة خبر رسول اللہ: ۱۴۲ تا ۱۴۳ و بباب ماجاه فی ادام رسول اللہ ﷺ: ۱۵۰ تا ۱۵۱ و ۱۳۶ تا ۱۳۳ اور زاد المعاذ ابن قیم، ج ۱، ص: ۳۷ فصل طعام سے مأخوذهیں۔ ۲۔ بخاری، کتاب الاطعمة، باب قطع اللحم بالسکین: ۵۴۰۸۔ ۳۔ قسطلانی شرح صحيح بخاری، ج ۸، ص: ۲۰۵ مصر۔

معترض ہو، میں نے آنحضرت ﷺ کو بہتر سے بہتر کپڑوں میں دیکھا ہے۔ ❶  
 حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نہایت متفقہ تھے ایک دفعہ بازار سے ایک شامی حلہ مول لیا، گھر پر آ کر دیکھا تو اس میں سرخ دھاریاں تھیں، جا کر واپس کر آئے، کسی نے یہ واقعہ حضرت اماماء رضی اللہ عنہما حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کی بہن سے کہا، انہوں نے آنحضرت ﷺ کا جب ملکوا کر لوگوں کو دکھلایا جس کی جیبوں اور آستینیوں اور دامن پر دیبا کی سجا ف تھی۔ ❷ (بعض امراء سلطانیں نے آنحضرت ﷺ کو بیش قیمت کپڑے ہدیہ نہیں کیے، آپ ﷺ نے قبول فرمایا، اور کبھی زیب تن کیے)۔

### مرغوب رنگ

رنگوں میں زرد رنگ بہت پسند تھا۔ حدیثوں میں ہے کہ کبھی کبھی آپ تمام کپڑے بیہاں تک کہ ہمامہ بھی اسی رنگ کا رنگوا کر پہنتے تھے۔ ❸ (سفید رنگ بھی بہت پسند تھا، فرماتے تھے کہ یہ رنگ سب رنگوں میں اچھا ہے؟) نامرغوب رنگ

سرخ لباس ناپسند فرماتے تھے، ایک دفعہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سرخ کپڑے پہن کر آئے، تو فرمایا: ”یہ کیا لباس ہے۔“ عبداللہ رضی اللہ عنہما نے جا کر آگ میں ڈال دیا، آپ ﷺ نے سناتو فرمایا: ”جلانے کی ضرورت نہ تھی کسی عورت کو دے دیا ہوتا۔“ ❹

عرب میں سرخ رنگ کی مٹی ہوتی ہے جس کو ”مفرہ“ کہتے ہیں، اس سے کپڑے رنگا کرتے تھے، یہ رنگ آپ ﷺ کو نہایت ناپسند تھا۔ ایک دفعہ حضرت زینب رضی اللہ عنہما اس سے کپڑے رنگ رہی تھیں، آپ ﷺ گھر میں آئے اور دیکھا تو واپس چلے گئے، حضرت زینب سمجھ گئیں، کپڑے دھو ڈالے، آنحضرت ﷺ دوبارہ تشریف لائے اور جب دیکھ لیا کہ اس رنگ کی کوئی چیز نہیں تب گھر میں قدم رکھا۔ ❺ ایک دن ایک شخص سرخ پوشک پہن کر آیا، تو آپ ﷺ نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا۔ ایک دفعہ صحابے نے سوری کے اونٹوں پر سرخ رنگ کی چادریں ڈال دی تھیں آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں یہ دیکھنا نہیں چاہتا کہ یہ رنگ تم پر چھا جائے۔“ فوراً صحابہ نہایت تیزی سے دوڑے اور چادریں اتار کر پھینک دیں۔ ❻

### خوبصورت استعمال

خوبصورت آپ ﷺ کو بہت پسند تھی، کوئی شخص خوبی کی چیز ہدیہ بھیتا تو کبھی روشنہ فرماتے۔ ایک خاص قسم کی خوبصورتی اعطر ہوتا ہے جس کو سکھ کہتے ہیں، یہ بیش آپ ﷺ کے استعمال میں رہتا تھا، صحابہ کہتے ہیں کہ

❶ ابو داود، کتاب اللباس، باب لباس الغلیظ: ۴۰۳۷۔ ❷ ابو داود، کتاب اللباس، باب الرخصة في

العلم وخيط الحرير: ۴۰۵۴۔ ❸ ابو داود، کتاب اللباس، باب فی المصبوغ: ۴۰۶۴۔

❹ ابو داود، کتاب اللباس، باب فی الحمرة: ۴۰۶۶، ۴۰۶۸، ۴۰۷۱۔

❺ ایضاً: ۴۰۷۱۔ ❻ ایضاً: ۴۰۷۰۔

جس گلی کوچے سے آپ ﷺ نکل جاتے وہ معطر ہو جاتا، اکثر فرمایا کرتے: ”مردوں کی خوبیاں ہونی چاہیے کہ خوبیوں پھیلے اور رنگ نظرنا ہے اور عورتوں کی ایسی کہ خوبیوں پھیلے اور رنگ نظر آئے۔“ \*

### اطافت اور نفاست

مزاج میں اطافت تھی، ایک شخص کو میلے کپڑے پہنے دیکھا تو فرمایا کہ اس سے اتنا نہیں ہوتا کہ کپڑے دھولیا کرے۔ \* ایک دفعہ ایک شخص خراب کپڑے پہنے ہوئے خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے پوچھا: ”تم کو کچھ مقدار ہے؟“ بولا ہاں ارشاد ہوا کہ ”خدا نے نعمت دی ہے تو صورت سے بھی اس کا اظہار ہونا چاہیے۔“ \* عرب تہذیب و تمدن سے کم آشنا تھے، مسجد میں آتے تو عین نماز میں دیواروں پر یا سامنے زمین پر تھوک دیتے، آپ ﷺ اس کو نہایت ناپسند فرماتے، دیواروں پر تھوک کے دھبوں کو خود چھڑی کی نوک سے کھڑج کر مٹاتے۔ ایک دفعہ تھوک کا دھبہ دیوار پر دیکھا تو اس قدر غصہ آیا کہ چہرہ مبارک سرخ ہو گیا، ایک انصاری عورت نے دھبہ کو مٹایا اور اس جگہ خوبیاں کر لی، آپ ﷺ نہایت خوش ہوئے اور اس کی تحسین کی۔ \* کبھی کبھی مجلسِ عالی میں خوبیوں کی انجیلیں جلائی جاتیں جن میں اگر اور کبھی کبھی کافور ہوتا \* ایک دفعہ ایک عورت نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ خضاب لگانا کیسا ہے؟ بولیں کچھ مضا کتفہ نہیں لیکن میں اس لیے ناپسند کرتی ہوں کہ میرے جسیب (رسول اللہ ﷺ) کو حتا کی بونا گوارتھی۔ \* اکثر مشکل اور غیر کا استعمال فرماتے۔

ایک شخص کے بال پر بیشان دیکھتا تو فرمایا: ”اس سے اتنا نہیں ہو سکتا کہ بالوں کو درست کر لے۔“ \* ایک دفعہ اون کی چادر اوڑھی، پسینہ آیا تو اتار کر کھدی۔ \* ایک دن لوگ مسجد نبوی میں آئے چونکہ مسجد تھی اور کاروباری لوگ میلے کپڑوں میں چلتے تھے، پسینہ آیا تو تمام مسجد میں بوپھیل گئی، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”نہا کر آتے تو اچھا ہوتا۔“ \* اسی دن سے غسل جمعہ ایک شرعی حکم بن گیا۔

مسجد نبوی میں جھاڑ دینے کا انتظام تھا، امّ جن نامی ایک عورت جھاڑ دیا کرتی تھی۔ اہن مجھ میں روایت ہے کہ آپ نے حکم دیا کہ مساجد میں نچے اور مجنوں نہ جانے پائیں اور خرید و فروخت نہ ہونے پائے، یہ بھی حکم دیا کہ مساجد میں جمعہ کے دن خوبیوں کی انجیلیں جلائی جائیں۔ \* اہل عرب بدعت کے اثر سے

\* شمائل ترمذی، باب ما جاء فی تعطر رسول الله ﷺ: ۲۱۸۱ تا ۲۱۸۸، ترمذی: ۴۱۷۲۔

\* ابو داود، کتاب اللباس، باب فی الخلقات: ۴۰۶۲۔ \* ایضاً: ۴۰۶۳۔ \* نسائی، کتاب المساجد، باب تخلیق المساجد: ۷۲۹۔ \* نسائی، کتاب الزينة، باب البخور: ۵۱۳۸۔ \* نسائی، کتاب الزينة، باب کراہیہ ربع الحنا: ۵۰۹۳۔ \* ابو داود، کتاب اللباس، باب فی الخلقات: ۴۰۶۲۔

\* ابو داود، کتاب اللباس، باب فی السواد: ۴۰۷۴۔ \* اس مضمون کی متعدد حدیثیں بخاری شریف (غسل جمعہ) میں با اختلاف الفاظ و ادعیات مذکور ہیں۔ \* ابن ماجہ، ابواب المساجد، باب ما یکرہ فی المساجد: ۷۵۰۔

لطفات اور صفاتی کا نام نہیں جانتے تھے، اس بنابر اس خاص باب میں آپ کو نہایت اہتمام کرتا پڑا تھا۔ عرب کی عادت تھی (اور آج بھی بدویوں میں عموماً پاکی جاتی ہے) کہ راستے میں بول و برآز کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ اس کو نہایت ناپسند فرماتے اور اس سے منع کرتے تھے۔ احادیث میں کثرت سے روایتیں موجود ہیں کہ آپ ﷺ نے ان لوگوں پر لعنت کی ہے جو راستے میں یاد رختوں کے سامنے میں بول و برآز کرتے ہیں۔ امر اکا دستور ہے کہ کاملی کی وجہ سے کسی بتن میں پیشتاب کر لیا کرتے ہیں، اس سے بھی منع فرماتے تھے۔

عرب میں پیشتاب کے بعد استغنا کرنے یا پیشتاب سے کپڑوں کے بچانے کا مطلق دستور نہ تھا، آپ ﷺ ایک دفعہ راہ میں جاری ہے تھے و قبریں نظر آئیں، فرمایا: ”ان میں سے ایک پر اس لیے عذاب ہو رہا ہے کہ وہ اپنے کپڑوں کو پیشتاب سے محفوظ نہیں رکھتا تھا۔“ \*

ایک دفعہ آپ ﷺ مسجد میں تشریف لائے دیواروں پر جا بجا تھوک کے وہی تھے، آپ کے ہاتھ میں کھجور کی بیٹی تھی اس سے کھڑ کھڑ کر تمام وہبے مٹائے پھر لوگوں کی طرف خطاب کر کے غصہ کے الجہ میں فرمایا: ”کیا تم پسند کرتے ہو کہ کوئی شخص تمہارے سامنے آ کر تمہارے منہ پر تھوک دے۔ جب کوئی شخص نماز پڑھتا ہے تو خدا اس کے سامنے اور فرشتے اس کے راہنی جانب ہوتے ہیں اس لیے انسان کو سامنے یاد کیں جانب تھوکنا نہیں چاہیے۔“ \*

ایک صحابی نے عین نماز میں (جبکہ وہ امام نماز تھے) تھوک دیا، آنحضرت ﷺ دیکھ رہے تھے، فرمایا: ”یہ شخص اب نمازنہ پڑھائے۔“ نماز کے بعد یہ صاحب خدمت القدس میں آئے اور پوچھا کہ کیا آپ ﷺ نے یہ حکم دیا ہے فرمایا: ”باں تم نے خدا اور بتغیر کو اذیت دی۔“ \*

بودار چیزوں مثلاً: پیاز، لہسن اور مولی سے نفرت تھی، حکم تھا کہ یہ چیزوں کھا کر لوگ مسجد میں نہ آئیں۔ بخاری میں حدیث ہے کہ ”جو شخص پیاز لہسن کھائے وہ ہمارے پاس نہ آئے اور ہمارے ساتھ نمازنہ پڑھے۔“ \* اپنے زمانہ خلافت میں ایک مرتبہ حضرت عمر بن الخطوب نے خطبہ میں کہا کہ تم لوگ پیاز اور لہسن کھا کر مسجد میں آتے ہو حالانکہ میں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا تھا کہ کوئی شخص یہ چیزوں کھا کر مسجد میں آتا تو آپ حکم دیتے کہ مسجد سے نکال کر بقیع پہنچا دیا جائے۔ \*

\* الترغیب والترہیب للمنذری، کتاب الطهارة، باب الترہیب من البول فی الماء۔ ۲۵۳۔

\* صحيح بخاری، کتاب الجنائز، باب عذاب القبر من الغيبة والبول: ۱۳۶۱۔

\* كتاب الصلاة، باب الترهيب من البصاق في المسجد: ۴۳۱۔ ۴ ابو داود، كتاب الصلاة، باب في

كرهية البزاق: ۴۸۱۔ ۵ بخاري، كتاب الاذان، باب ما جاء في الشوم: ۸۵۴، ۸۵۳۔

\* مسلم، كتاب المساجد، باب نهى من اكل الشوم: ۱۲۵۸ و ابن ماجه، ابواب اقامة الصلاة، باب من اكل الشوم: ۱۰۱۴۔

## سواری کا شوق

گھوڑے کی سواری آپ ﷺ کو نہایت مرغوب تھی (آپ ﷺ فرمایا کرتے: ((الخيل معقود في نواصيها الخير)) گھوڑوں کے علاوہ گدھے، خچر، اونٹ پر آپ ﷺ نے سواری فرمائی ہے۔ آپ ﷺ کے خاص سواری کے گھوڑے کا نام الحیف تھا۔ گدھے کا نام عفیر اور خچر کا نام دلذل اور تیہ اور اونٹیوں کا نام قصواء اور عضباء تھا)۔

## اسپ دوائی

مدینہ سے باہر ایک میدان تھا جس کی سرحد حصاء سے شنیۃ الوداع تک ۶ میل تھی، یہاں گھڑ دوڑ کی مشق کرائی جاتی تھی۔ گھوڑے جوش کے لیے تیار کرائے جاتے تھے ان کی تیاری کا یہ طریقہ تھا کہ پہلے ان کو خوب دانہ گھانس کھلاتے تھے، جب وہ موٹے تازے ہو جاتے تو ان کی غذا کم کرنی شروع کرتے اور گھر میں باندھ کر چار جامد کتے۔ پسینہ آتا اور خشک ہوتا روزانہ یہ عمل جاری رہتا، رفتہ رفتہ جس قدر گوشت چڑھا گیا تھا، خشک ہو کر ہلکا ہلکا، چھری ابدن نکل آتا، یہ مشق چالیس دن میں ختم ہوتی۔

آنحضرت ﷺ کی سواری کا ایک گھوڑا تھا جس کا نام سمنہ تھا، ایک دفعہ اس کو آپ ﷺ نے بازی میں دوڑ لیا، اس نے بازی جیتی تو آپ ﷺ کو خاص صرفت ہوئی۔

گھوڑ دوڑ کا اہتمام حضرت علیؓ کے سپرد تھا، انہوں نے اپنی طرف سے سراقد بن مالکؓ کو یہ خدمت پر دی کی اور اس کے چند قاعدے مقرر کئے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

① گھوڑوں کی صفائی قائم کی جائیں اور تم دفعہ پکار دیا جائے کہ جس کو لگام درست کرنی یا پچ کو ساتھ رکھنا یا زین الگ کر دینی ہو الگ کر لے۔

② جب کوئی آواز نہ دے تو تم دفعہ تکبیریں کہی جائیں، تیسرا تکبیر پر گھوڑے میدان میں ڈال دیے جائیں۔

③ گھوڑے کے کان آگے نکل جائیں تو سمجھ لیا جائے گا کہ وہ آگے نکل گیا۔  
حضرت علیؓ خود میدان کے انتہائی سرے پر بیٹھ جاتے اور ایک خط کھینچ کر دوآ و میوں کو دونوں کناروں پر کھڑا کر دیتے۔ گھوڑے انہی دونوں کے درمیان سے ہو کر نکلتے۔

اونٹوں کی دوڑ بھی ہوتی۔ آنحضرت ﷺ کی خاص سواری کا ناقہ عضباء ہمیشہ بازی لے جاتا۔ ایک دفعہ ایک بد و اونٹ پر سوار آیا اور مسابقت میں عضباء سے آگے نکل گیا تمام مسلمانوں کو سخت صدمہ ہوا۔

\* نسائی، کتاب الحیل والسبق، باب الحیل معقود فی ۳۵۹۱۔

\* دارقطنی، کتاب السبق بین الحیل: ۴۷۷۸؛ مسند احمد: ۱۶۰ / ۲؛ اور بنی ہاشم میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے۔

\* یہ پوری تفصیل دارقطنی، کتاب السبق بین الحیل: ۴۷۹۰ میں ہے لیکن محمد عاذہ حیثیت سے یہ روایت ضعیف ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”خدا پر حق ہے کہ دنیا کی جو چیز گردان اٹھائے اس کو نیچا دکھائے۔“ \* رُغُون میں صندلی، مشکلی اور کمیت بہت پسند تھا۔ گھوڑوں کی دم کامنے سے متع فرمایا، کہ کمھی ہاٹکنے کا مورچل ہے۔ \*

1) صحیح بخاری: ۲۸۷۲ و نسانی: ۳۶۲۲ و دارقطنی، ج ۴، ص: ۳۰۱۔  
 2) نسانی، کتاب الخیل والسبق، باب ما یستحب من شیة الخیل: ۳۵۹۵۔ 3) کتب سنن کتاب الادب۔

## معمولات

(ترمذی نے شامل میں حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت علیؓ نے اپنے اوقات کے تین حصے کر دیے تھے، ایک عبادت الہی کے لیے، دوسرا عام خلق کے لیے اور تیسرا پی ذات کے لیے)۔

صحیح سے شام تک کے معمولات

معمول تھا کہ نماز فجر پڑھ کر (جانماز پر) آلتی پالتی مار کر بیٹھ جاتے، بہاں تک کہ آنفاب اچھی طرح نکل آتا ہے (اور یہی وقت دربار نبوت کا ہوتا۔ لوگ پاس آ کر بیٹھتے اور آپ علیؓ ان کو موعظ و نصائح تلقین فرماتے)۔

اکثر صحابہؓ سے پوچھتے کہ کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے، کسی نے دیکھا ہوتا تو عرض کرتے آپ علیؓ اس کی تعبیر بیان فرماتے، کبھی خود اپنا خواب بیان فرماتے، اس کے بعد ہر قسم کی گفتگو ہوتی لوگ جاہلیت کے قصے بیان کرتے، شعر پڑھتے، ہنسی خوشی کی باتیں کرتے۔ آنحضرت علیؓ صرف مسکرا دیتے، اکثر اسی وقت مال غیمت اور وظائف و خراج وغیرہ کی تفصیل فرماتے۔

بعض روایتوں میں ہے کہ جب دن کچھ چڑھ جاتا تو چاشت کی کبھی چار، کبھی آٹھ رکعت نماز ادا فرماتے۔ گھر جا کر گھر کے دھنڈے میں مشغول رہتے، پھر کبڑے دن کو سیئے، جو تاثوٹ جاتا تو اپنے ہاتھ سے گاٹھ لیتے، دودھ دو رہتے۔

نماز عصر پڑھ کر ازواع مطہرات میں سے ایک ایک کے پاس جاتے اور ذرا زاد بریخہرتے، پھر جس کی باری ہوتی دہیں رات بسر فرماتے۔ تمام ازواع مطہرات وہیں جمع ہو جاتیں۔ عشاء تک صحبت رہتی ہے پھر نماز عشاء کے لیے مسجد میں تشریف لے جاتے اور واپس آ کر سورتے، ازواع رخصت ہو جاتیں، نماز عشاء کے بعد بات چیت کرنی ناپسند فرماتے۔

### خواب

عام معمول یہ تھا کہ آپ علیؓ اول وقت نماز عشاء پڑھ کر آرام فرماتے تھے۔ سوتے وقت التراما

❶ شمسائل ترمذی، ص: ۲۵۹، لم اقف عليه۔ ❷ صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب تبسمه علیه: ۶۰۳۵۔

❸ جامع ترمذی، أبواب العلم، باب ما جاء في الأخذ بالسنة: ۲۶۷۶۔ ❹ صحيح مسلم، كتاب الرؤيا، باب في تأويل الرؤيا: ۵۹۳۱۔ ❺ صحيح بخاري، كتاب التعبير، باب القصر في المنام: ۷۰۲۳۔

❻ نسائي، كتاب السهر، باب قعود الإمام في مصلاه: ۱۳۵۹۔

❼ بخاري أو رحمد بیث کی کتابوں میں متعدد جزئی و افات نہ کوئی میں۔ ❽ صحيح بخاري، كتاب الادب، باب کیف

یكون الرجل في اهلة: ۶۰۳۹۔ ❾ صحيح مسلم، كتاب الرضاع، باب القسم بين الزوجات: ۳۶۲۸۔

❿ بخاري، كتاب مواقيت الصلوة، باب ما يكره من السمر بعد صلوٰۃ العشاء: ۵۹۹۔

قرآن مجید کی کوئی سورہ (بني اسرائیل، زمر، حدید، حشر، صاف، تغابن، جمعد) پڑھ کر سوتے۔ شاکل ترمذی میں ہے کہ آرام فرماتے وقت یہ الفاظ فرماتے: ”شماکل ترمذی میں ہے کہ آرام فرماتے وقت یہ الفاظ فرماتے: ((اللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ أَمُوتُ وَأَحْيٰ))۔ ”خدا یا تیر انام لے کر مرتا ہوں اور زندہ رہتا ہوں۔“ جاگتے تو فرماتے:

((الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلٰهُ النُّشُورِ)) ﴿۱﴾

”اُن شادا کاشکر حس نے موت کے بعد زندہ کیا، اور اسی کی طرف حشر ہو گا۔“

آدمی رات یا پہر رات رہے جاگ اٹھتے، مساوک ہمیشہ سر ہانے رہتی تھی، اٹھ کر پہلے مساوک فرماتے، پھر وضو کرتے اور عبادت میں مشغول ہوتے، آپ ﷺ کی بجہ گاہ ﴿۲﴾ آپ ﷺ کے سر ہانے ہوتی تھی۔ ہمیشہ داہنی کروٹ اور دایاں ہاتھ رخسار کے نیچے رکھ کر سوتے تھے لیکن جب کبھی سفر میں پچھلے پھر منزل پر اتر کر آرام فرماتے تو معمول تھا کہ دایاں ہاتھ دوچا کر کے پھرہ اس پر پیک کر سوتے کہ گھری نینڈ آجائے، ﴿۳﴾ نینڈ میں کسی قدر خرانے کی آواز آتی تھی۔

بچونے میں کوئی التزام نہ تھا، کبھی معمولی بستر پر، کبھی کھال پر، کبھی چٹائی پر اور کبھی خالی زمین پر آرام فرماتے۔ ﴿۴﴾

### عبادتِ شبانہ

آنحضرت ﷺ کے خانگی معمولات اور ارادے حضرت عائشہؓ کے برابر کوئی واقف نہ تھا۔ ان سے مردی ہے کہ جب سورہ مزمل کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں تو آپ ﷺ نے اس قدر نمازیں پڑھیں کہ پاؤں پر درم آ گیا، بارہ مہینے تک باقی آیتیں رکی رہیں، سال بھر کے بعد جب بقیہ آیتیں اتریں تو قیامِ یل جو اب تک فرض تھا غفل رہ گیا۔

شب کو آٹھ رکعت متصل پڑھتے، جن میں صرف آٹھویں رکعت میں قعدہ کرتے، پھر ایک اور رکعت پڑھتے اور اس میں بھی جلس کرتے، پھر دور کتعیں اور ادا کرتے اس طرح گیارہ رکعتیں ہو جاتیں۔ لیکن جب عمر زیادہ ہو گئی اور جسم ذرا بھاری ہو گیا تو سات رکعتیں پڑھتے، جن کے بعد دور کتعیں اور ادا کرتے، کبھی کبھی رات کو اتفاق آئیند کاغذ بہوت اور اس معمول میں فرق آتا تودن میں بارہ رکعتیں پڑھ لیتے تھے۔ ﴿۵﴾

ابو داؤد میں حضرت عائشہؓ سے ایک روایت ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

”عشاء کی نماز جماعت سے پڑھ کر گھر میں چلا آتے اور یہاں چار رکعتیں پڑھ کر خواب راحت

﴿۱﴾ بخاری: ۶۳۱۲؛ شماقیل ترمذی: ۲۵۵۔ ﴿۲﴾ یعنی بجہ کا مقام جہاں بحالت نماز آپ ﷺ سجدہ کرتے تھے ”س۔“۔

﴿۳﴾ ترمذی: ۳۳۹۸؛ شماقیل ترمذی: ۲۵۳۔ ﴿۴﴾ یہ پوری تفصیل رزقانی، ج ۵، ص ۸۰، ۷۹ میں حدیث کی متعدد کتابوں

کے حوالے سے مذکور ہے۔ ﴿۵﴾ سنن ابو داؤد، کتاب التطوع، باب فی صلوٰۃ اللّٰلیل: ۱۳۴۲۔

فرماتے، وضو کا پانی اور مسوک سرہانے رکھ دی جاتی، سو کراثتے پہلے مسوک فرماتے، پھر وضو کرتے اور جائے نماز پر آ کر آٹھ رکعتیں ادا کرتے۔\*

حضرت عبداللہ بن عباس رض کہتے ہیں کہ ایک دن میں اپنی خالہ میمونہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں تھیں) کے یہاں خاص اس غرض سے رہا کہ دیکھوں آپ رات کو کس طرح نماز پڑھتے ہیں، زمین پر فرش بچھا ہوا تھا، آپ نے اس پر آرام فرمایا، میں سامنے آڑا سویا، قریب ارارات ڈھلے آپ آٹھ رکعتیں ملتے ہوئے اٹھے۔ آمل عمران کی اخیر دن آئیں پڑھیں، پانی کی مشکل لگی ہوئی تھی، اس سے وضو کیا، پھر نماز شروع کی، میں بھی وضو کر کے بائیں پہلو میں کھڑا ہو گیا، آپ نے ہاتھ پکڑ کر واہنی جانب پھیر دیا۔ تیرہ (۱۳) رکعتیں پڑھ کر آپ سور ہے، یہاں تک کہ سانس کی آواز آنے لگی، صبح ہوتے حضرت بلال رض نے اذان دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے فجر کی سنتیں ادا کیں، پھر مسجد میں تشریف لے گئے۔\*

### معمولات نماز

ابتداء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لیے نیا وضو کرتے تھے لیکن جب یہ گزر نے لگا، تو صرف پنج وقتے مسوک رہ گئی۔ فتح مکہ میں آپ نے سب سے پہلے ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھیں۔\* تاہم عادتاً آپ اکثر نے وضو کے ساتھ نماز ادا فرماتے تھے۔ وضو میں عام معمول یہ تھا کہ پہلے تین بار ہاتھ دھوتے پھر کلی کرتے اور ناک میں پانی ڈالتے، اس کے بعد تین تین بار منہ ہاتھ دھوتے، سر کا صح کرتے اور تین بار پاؤں کو دھوتے۔\* بعض اوقات کسی عضو کو تین بار اور کسی عضو کو دو بار اور کسی عضو کو ایک بار دھوتے۔\*

سنن و نوافل زیادہ تر گھر ہی میں ادا فرماتے، اذان صبح ہی کے ساتھ اٹھتے اور فجر کی دور رکعت سنت نہایت اختصار کے ساتھ ادا کرتے، یہاں تک کہ حضرت عائشہ رض کا بیان ہے کہ مجھے بعض اوقات یہ خیال ہوتا تھا کہ آپ نے سورہ فاتحہ پڑھی یا نہیں،\* لیکن فرض کی دور رکعون میں عموماً طویل سورتیں پڑھتے۔ حضرت عبداللہ بن سائب رض سے مردی ہے کہ ایک بار آپ نے مکہ میں نماز فجر میں سورہ مونون پڑھی اسی طرح کبھی واللیل اذا عسعس اور کبھی سورہ قل پڑھتے۔ صحابہ کا اندازہ ہے کہ آپ صبح کی نماز میں سانحہ سے لے کر سوآئیں تک پڑھتے تھے۔\*

ظہر و عصر میں اگرچہ بہ نسبت فجر کے تخفیف فرماتے تھے تاہم ابتداء کی دور رکعون میں سورہ فاتحہ کے ساتھ اتنی بڑی سورہ پڑھتے کہ آدمی بقیع تک جاتا تھا اور یہاں اپنا کام کرتا تھا پھر پڑ کر گھر آتا تھا اور وضو کرتا تھا اور پہلی رکعت میں جا کر شام ہو جاتا تھا۔ حاجہ رحمۃ اللہ علیہ نے اندازہ کی، تو معلوم ہوا کہ ظہر کی اول دور رکعون

\* ابو داود، ایضاً: ۱۳۴۶۔ \* ابو داود، ایضاً: ۱۳۵۳۔ \* مسلم، کتاب الطهارة، باب جواز الصلوات کلہا بوضوء واحد: ۶۴۲۔ \* مسلم، کتاب الطهارة، باب صفة الوضوء: ۵۳۸۔  
\* مسلم، کتاب الطهارة، باب آخر في صفة الوضوء: ۵۵۸۔ \* مسلم، کتاب صلاة المسافرين، باب استحباب ركعتي سنة الفجر والمحث عليها: ۱۶۸۵، ۱۶۸۴۔ \* مسلم: ۱۰۲۲، تاہی: ۱۰۲۵۔

میں آپ ﷺ اس قدر قیام فرماتے ہیں، جس میں اللہ تنزیل السجدۃ کے برابر سورہ پڑھی جائیتی ہے۔ اخیر کی دور رکعتوں میں یہ مقدار نصف رہ جاتی تھی۔ عصر کی دونوں پہلی رکعتوں میں ظہر کی آخری رکعتوں کے برابر قیام فرماتے تھے اور اخیر کی دور رکعتوں میں پہلی رکعتوں کی نصف مقدار رہ جاتی تھی حضرت ابو سعید خدري رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کی پہلی ظہر کی پہلی رکعت میں تیس آیتوں کے برابر اور دوسری رکعت میں پندرہ آیتوں کے یا اس کے نصف کے برابر، اور عصر میں پندرہ آیتوں کے برابر پڑھا کرتے تھے۔ ﴿ جابر بن سرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ظہر میں آپ ﷺ ﴿ سَيِّحُ اسْمَ رِبِّكَ الْأَعْلَى ۝ ۵﴾ پڑھتے تھے۔ ایضاً: ۱۰۳۰۔ مغرب کی نماز میں والمرسلات اور سورۃ طور پڑھتے تھے۔ ﴿

عشاء کی نماز میں ﴿ وَاللَّيْلَ وَالرَّيْتُونَ ۝ ۵﴾ اور اسی کے برابر کی سورتیں پڑھتے تھے۔ تجدی نماز میں بڑی بڑی سورتیں پڑھتے تھے، مثلاً: سورۃ بقرہ، سورۃ آل عمران اور نساء۔ جمود کی پہلی رکعت میں سورۃ جمعہ ﴿ يَسْبِحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ ۝ ۱﴾ اور دوسری رکعت میں ﴿ إِذَا جَاءَكَ الْمُفْلِقُونَ ۝ ۲﴾ اور کبھی ﴿ سَيِّحُ اسْمَ رِبِّكَ الْأَعْلَى ۝ ۵﴾ اور ﴿ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ ۝ ۵﴾ عیدین میں بھی دوچھلی سورتیں یعنی ﴿ سَيِّحُ اسْمَ رِبِّكَ الْأَعْلَى ۝ ۵﴾ اور ﴿ هَلْ أَتَاكَ ۝ ۱﴾ پڑھتے تھے اور اتفاق سے اگر عید اور جمعہ ایک ساتھ پڑھاتا تو دونوں نمازوں میں یہی سورتیں پڑھا کرتے تھے، جمود کے دن کی نماز صبح میں اللہ تنزیل السجدۃ اور ﴿ هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ حِينَ مِنَ الدَّهْرِ ۝ ۱﴾ پڑھنے کا معمول تھا۔ ﴿

### معمولات خطبہ

وعظ و پند اور ارشاد و ہدایت کے لیے آپ ﷺ اکثر خطبہ دیا کرتے تھے، بالخصوص جمود کے لیے تو خطبہ لازمی تھا، جمود کے خطبات میں معمول یہ تھا کہ جب لوگ جمع ہو جاتے تو آپ ﷺ نہایت سادگی کے ساتھ گھر سے نکلتے مسجد میں داخل ہوتے تو لوگوں کو سلام کرتے پھر منبر پر شریف لے جاتے تو لوگوں کی طرف رخ کر کے سلام کرتے اور اذان کے بعد فراخطبہ شروع کر دیتے، پہلے ہاتھ میں ایک عصا ہوتا تھا لیکن جب منبر بن گیا تو ہاتھ میں عصا لینا چھوڑ دیا۔ خطبہ ہمیشہ نہایت مختصر اور جامع ہوتا تھا، فرمایا کرتے تھے: ”نماز کا طول اور خطبہ کا اختصار آدمی کے تفہیم کی دلیل ہے۔“ جمود کے خطبہ میں عموماً سورہ ”ق“ پڑھتے تھے۔ اس میں قیامت اور حشر و نشر کا بہ تفصیل ذکر ہے۔

خطبہ ہمیشہ حمد خداوندی کے ساتھ شروع کرتے تھے، اگر اثنائے خطبہ میں کوئی کام پیش آ جاتا تو منبر سے اتر کر اس کو کر لیتے، پھر منبر پر جا کر خطبہ کو پورا فرماتے۔ ایک بار آپ ﷺ میں نذکور ہیں۔

﴿ مسلم، کتاب الصلاة، باب المقررة في الظهر والعصر: ۱۰۱۴ - ۱۰۲۱﴾ ایضاً: ۱۰۳۳۔

﴿ ی تمام روایتیں صحیح مسلم، کتاب الصلوة، کتاب الجمعة، والعبیدین: میں نذکور ہیں۔

﴿ صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب تحفیف الصلوة والخطبة: ۲۰۱۵ - ۲۰۱۶﴾

حالت میں ایک آدمی نے آ کر کہا: ”یا رسول اللہ! میں مسافر آدمی ہوں اپنے دیر کی حقیقت سے ناواقف ہوں اس کے متعلق پوچھنے آیا ہوں۔“ آپ ﷺ منبر سے اتر آئے، ایک کرسی رکھ دی گئی، اس پر بیٹھنے کے اور اس کو تعلیم و تلقین کی، پھر جا کر خطبہ کو پورا کیا ۔ ایک بار آپ ﷺ خطبہ دے رہے تھے، حضرت امام حسینؑ سرخ کپڑے پہنے ہوئے مسجد میں آگئے، چونکہ بھین کی وجہ سے لاکھڑاتے آتے تھے، آنحضرت ﷺ نے دیکھا تو ضبط نہ ہو سکا، منبر سے اتر آئے اور گود میں انھالیا اور یہ آیت پڑھی:

﴿إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَلْدَامُ فِتْنَةٌ﴾ (٦٤ / التغابن: ١٥)

خطبہ کی حالت میں لوگوں کو بیٹھنے اور نماز پڑھنے کا بھی حکم دیتے تھے، چنانچہ عین خطبہ کی حالت میں ایک شخص مسجد میں آیا آپ نے پوچھا: ”کیا تم نماز پڑھی؟“ اس نے کہا نہیں آپ ﷺ نے فرمایا: ”اٹھو اور پڑھو۔“ ۔ میدان جہاد میں جب خطبہ دیتے تھے تو کمان پر یہک لگا کر کھڑے ہوتے تھے، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ ﷺ ہاتھ میں توار لے کر کھڑے ہوتے تھے لیکن ان قیم بیانات نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے خطبہ کی حالت میں کبھی توار ہاتھ میں نہیں لی۔ ۔ ععظ و ارشاد کے لیے عموماً نامندے کر خطبہ دیا کرتے تھے، تاکہ لوگ گھبرانہ جائیں۔ ۵

### معمولات سفر

حج، عمرہ اور زیادہ تر جہاد کی وجہ سے آپ ﷺ کو اکثر سفر کی ضرورت پیش آیا کرتی تھی، سفر میں معمول یہ تھا کہ پہلے ازواج مطہرات میں قرعہ ڈالتے، جس کے نام قرعہ پڑتا وہ سفر ہوتیں ۔ جمrat کے دن سفر کرنا پسند فرماتے تھے ۔ اور صبح کے تر کے روانہ ہو جاتے تھے، افواج کو بھی جب کسی ہم پر روانہ فرماتے تو اسی وقت روانہ فرماتے جب سواری سامنے آتی اور رکاب میں قدم مبارک رکھتے تو بسم اللہ کہتے اور جب زین پر سوار ہو جاتے تو تمیں بار بکیر کہتے اس کے بعد یہ آیت پڑھتے:

﴿سُبْعُنَ الَّذِي سَخَرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُفْرِنِينَ ۝ وَإِنَّا إِلَى رَبِّنَا الْمُنْقَبِينَ ۝﴾ ۶

”سب تعریف اس خدا کی جس نے اس جانور کو ہمارا فرمانبردار بنا دیا حالانکہ ہم خود اس کو مطبع نہیں کر سکتے تھے اور ہم اپنے خدا کی طرف پلشوار لے ہیں۔“ (٢٣/الرخف: ١٢٠)

۱۔ ادب المفرد للبخاری، باب الجلوس على السرير: ١١٦٤۔ ۲۔ جامع ترمذی، کتاب المناقب: ٣٧٧٤۔

۳۔ بخاری، کتاب الجمعة، باب اذار ایام رجلاء و هو يخطب امراء ان يصلی رکعتين: ٩٣١، ٩٣٠۔

۴۔ زاد المعاد، ج ۱، ص ۱۲۰: فصل فی هدیه فی خطبہ۔ ۵۔ بخاری، کتاب العلم، باب ما كان النبي ﷺ يتخولهم بالموعظة: ٦٨۔ ۶۔ بخاری، کتاب المغازی، باب حدیث الافک: ٤١٤١۔

۷۔ ابو داود، کتاب الجهاد، باب فی ای یوم ستحب السفر: ٢٦٥ و باب فی الایتکار فی السفر: ٢٦٠۔

۸۔ ابو داؤد کی روایت میں ہے کہ سوار ہو جانے کے بعد تم تین بار بکیر و تمید کرتے، پھر یہ عاپر ہتھے (سبحانک انی ظلمت نقصی فاغفرلی انہ لَا يغفرُ الذُّنُوبُ إِلَّا تَنْتَ) ابو داود، کتاب الجهاد، باب ما یتول الرجل اذار کب: ٢٦٢۔

پھر یہ دعا فرماتے:

((اللَّهُمَّ إِنِّي نَسْأَلُكَ فِي سَفَرٍ نَاهِدًا الْبَرَّ وَالنَّقْوَىٰ وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضِي اللَّهُمَّ  
هَوْنَ عَلَيْنَا سَفَرُنَا وَاطْبُعْ عَنَّا بُعْدَهُ اللَّهُمَّ ائِنَّ الصَّاحِبَ فِي السَّفَرِ وَالْخَلِيفَةِ فِي  
الْأَهْلِ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ وَعْنَاءِ السَّفَرِ وَسَكَابَةِ الْمُنْقَلِبِ وَسُوءِ الْمُنْظَرِ فِي  
الْأَهْلِ وَالْمَالِ)) \* \*

”خداوند! اس سفر میں ہم تجھے سے نیکی، پر چیز گاری اور عمل پسندیدہ کی درخواست کرتے ہیں، خداوند! ہمارے اس سفر کو آسان اور اس کی مسافت کو طے کر دے۔ خداوند! اس سفر میں تورفیق ہے، بال پھوٹ کے لیے تو ہمارا قائم مقام ہے۔ خداوند! میں سفر اور واپسی کے آلام، مصائب اور گھر بار کے مناظر قبیح سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔“

جب واپس ہوتے تو اس میں اس قدر اضافہ کر دیتے ((إِلَيْنَا رَبُّ الْمُؤْمِنِينَ تَائِبُونَ عَابِدُونَ لِرَبِّنَا حَامِدُونَ))۔ راستے میں جب کسی چوٹی پر چڑھتے تو تکمیر کرتے اور جب اس سے نیچے اترتے تو ترمیم ریتیج ہوتے، سحابہ بھی آپ کے ہم آواز ہو کر تکمیر و تسبیح کا نلغہ بلند کرتے۔ جب کسی منزل پر اترتے تو یہ دعا فرماتے:

((يَا أَرْضِ ارْبَى وَرَبِّكَ اللَّهُ أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شَرِّكَ وَشَرِّ مَا فِيكَ وَشَرِّ مَا خَلَقَ فِيكَ  
وَشَرِّ مَا يَدْبُبُ عَلَيْكَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ أَسْدٍ وَأَسْوَدٍ وَمِنَ الْحَيَّةِ وَالْعَقْرَبِ وَمِنْ  
سَاكِنِي الْبَلْدِ وَمِنْ وَالْدِ وَمَا وَلَدَ)) \*

”اے زمین! میرا اور تیرا پروردگار خدا ہے، میں تیری برائی سے اور اس چیز کی برائی سے جو تیرے اندر ہے اور اس چیز کی برائی سے جو تیرے اندر بیدا کی گئی ہے اور اس چیز کی برائی سے جو تجھ پر حلقتی ہے پناہ مانگتا ہوں، خداوند تجھ سے شیر، سانپ، پھنگ اور اس گاؤں کے رہنے والوں اور آدمیوں سے پناہ مانگتا ہوں۔“

جب کسی آبادی میں داخل ہونا چاہتے تو یہ دعا پڑھتے:

((اللَّهُمَّ رَبَّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ وَمَا أَظْلَلْنَ وَرَبَّ الْأَرْضِينَ السَّبْعِ وَمَا أَقْلَلْنَ  
وَرَبَّ الشَّيَاطِينِ وَمَا أَضْلَلْنَ وَرَبَّ الرِّيَاحِ وَمَا ذَرَنَ اسْأَلْكَ حَيْرَ هَذِهِ الْقُرْيَةِ  
وَخَيْرَ أَهْلِهَا وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ أَهْلِهَا وَشَرِّ مَا فِيهَا)) \*

”خداوند! اے ساتوں آسمان اور ان تمام چیزوں کے پروردگار جن پر وہ سایہ افکن ہیں، اے ساتوں زمینوں اور ان تمام تخلوقات کے پروردگار جو ان پر موجود ہیں، اے شیاطین اور ان تمام

ابوداؤد: ۲۵۹۹؛ زاد المعاد، ج ۱ ص: ۱۳۰۔ \* ایضاً

ابو داؤد، کتاب الجہاد، باب ما یقول الرجل اذا نزل المثلث: ۲۶۰۳۔

زاد المعاد، فصل فی هدیہ فی السفر، ج ۱، ص: ۱۲۱؛ حاکم، ۱۴۶/۱۔

لغوں کے پروردگار جن کو وہ گمراہ کرتے ہیں، اے ہوا اور ان تمام اشیاء کے پروردگار جن کو وہ اڑاتی چیزیں میں تجھ سے اس گاؤں اور اس گاؤں کے رہنے والوں کی بھلائی کی درخواست کرتا ہوں اور اس گاؤں اور اس گاؤں کے رہنے والوں کی برائی سے پناہ مانگتا ہوں۔“

مدینہ پہنچتے تو پہلے مسجد میں جا کر درکعت نماز ادا فرماتے ॥ پھر مکان کے اندر تشریف لے جاتے۔ تمام لوگوں کو حکم تھا کہ سفر سے آنے کے ساتھ ہی گھر کے اندر نہ چلے جائیں، تاکہ عورتیں اطمینان کے ساتھ سامان درست کر لیں۔ ॥

### معمولاتِ جہاد

جہاد میں معقول یہ تھا کہ جب فوج کو کسی مہم پر روانہ فرماتے تو امیرالعسکر کو خاص طور پر پہیز گاری اختیار کرنے اور اپنے رفقا کے ساتھ یہی کرنے کی ہدایت فرماتے، پھر تمام فوج کی طرف مخاطب ہو کر فرماتے: ((أَغْزُوْا وَلَا يَاسِمِ اللَّهِ فِي سَيِّلِ اللَّهِ فَاتِلُوْا مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ أَغْزُوْا وَلَا تَغْلُوْا وَلَا تَغْدُرُوا وَلَا تُمَثِلُوْا وَلَا تَقْتَلُوْا وَلِيَدًا))

”خداء کے نام پر خدا کی راہ میں کفار سے لڑو۔ خیانت اور بد عہدی نہ کرنا، مردوں کے ناک کا نہ کامنا بچوں کو قتل نہ کرنا۔“

اس کے بعد شرائطِ جہاد کی تلقین کرتے۔ ॥

جب فوج کو خصت کرتے تو یہ الفاظ فرماتے:

((أَسْتَوْدِعُ اللَّهَ دِيْنَكُمْ وَأَمَانَتَكُمْ وَخَوَاتِيمَ أَعْمَالِكُمْ)) ॥

”میں تمہارے دین کو اور تمہارے اعمال کے نتائج کو اللہ کے حوالے کرتا ہوں۔“

جب خود شریک جہاد ہوتے اور حملہ کے مقام پر شب کو پہنچتے تو صبح کا انتظار کرتے صبح ہو جاتی تو حملہ کرتے، ॥ اگر صبح کے وقت حملہ کرنے کا اتفاق نہ ہوتا تو دو پہرہ ہلے حملہ کرتے ॥ جب کوئی مقام فتح ہو جاتا تو اقامت عدل و انصاف کے لیے وہاں تین دن تک قیام فرماتے ॥ جب فتح و ظفر کی خبر آتی تو سجدہ شکرانہ بجالاتے۔ ॥ جب میدانِ جہاد میں شریک کا رزار ہوتے تو یہ دعا فرماتے:

((اللَّهُمَّ أَنْتَ عَضْدُى وَنَصِيرُى بِكَ أَحُوْلُ وَبِكَ أَصُولُ وَبِكَ أُقَاتِلُ)) ॥

❶ ابو داود، کتاب الجنہاد، باب فی اعطاء البیشیر: ۲۷۷۳۔ ❷ ابو داود، کتاب الجنہاد، باب فی الطروق: ۲۷۷۸۔ ❸ صحیح مسلم، کتاب الجنہاد، باب تأمیر الامام الامراء علی البعث: ۴۵۲۲۔

❹ ابو داود، کتاب الجنہاد، باب فی الدعاء عند الوداع: ۲۶۰۱، ۲۶۰۰۔ ❺ بخاری، کتاب المعازی، باب غزوۃ خیبر: ۴۲۰۰۔ ❻ ابو داود، کتاب الجنہاد، باب فی ای وقت یستحب اللقاء: ۲۶۵۵۔

❾ ابو داود، کتاب الجنہاد باب فی الامام یقیم عند الظهور علی العدو بار ضهم: ۲۶۹۵۔ ❿ ابو داود، کتاب سجھاد، باب فی سجود الشکر: ۲۷۷۵، ۲۷۷۴۔ ❻ ابو داود، کتاب الجنہاد، باب ما یدعی عن اللقاء: ۲۶۳۲۔

”خداوند! تو میرا دست و بازو ہے، تو میرا مدگار ہے تیرے سہارے پر میں مدافعت کرتا ہوں، حملہ کرتا ہوں اور لڑتا ہوں۔“

### عمولاتِ عیادت و عزا

بیماروں کی عیادت و غم خواری آپ ﷺ ضرور فرماتے تھے اور صحابہ کو ارشاد ہوتا تھا کہ ”عیادت بھی ایک مسلمان کا فرض ہے۔“ ❶ بھرت کے ابتدائی زمانہ میں معمول شریف یہ تھا کہ جب کسی شخص کی موت کا وقت قریب آ جاتا تو صحابہ نبی اللہ ﷺ آپ کو اس کی اطلاع دیتے آپ اس کے مرنے سے پہلے شریف لاتے، اس کے لیے دعائے مغفرت فرماتے اور اخیر دم تک اس کے پاس بیٹھ رہتے، یہاں تک دم واپسی کے انتظار میں آپ کو اس قدر دریہ بوجاتی کہ آپ کو تکلیف ہونے لگتی۔ صحابہ نے تکلیف کا احساس کیا اور اب ان کا یہ معمول ہو گیا کہ جب کوئی شخص مر جکتا تو آپ کو اس کی موت کی خبر دیتے، آپ اس کے مکان پر شریف لے جاتے اس کے لیے استغفار فرماتے، جنازہ کی نماز پڑھتے اس کے بعد اگر مٹی دینا چاہتے تو ٹھہر جاتے ورنہ واپس چلے آتے لیکن صحابہ نبی اللہ ﷺ کو آخر آپ کی یہ تکلیف بھی گوارانہ ہوئی، اس لیے خود جنازہ آپ ﷺ کے مکان تک لانے لگے اور یہی عام معمول ہو گی۔ ❷

عیادت کے لیے جب کسی بیمار کے پاس تشریف لے جاتے تو اس کو تسلیم دیتے، پیشانی اور برض پر ہاتھ رکھتے اس کی صحت کے لیے دعا فرماتے ❸ اور کہتے: ”اُن شَاءَ اللَّهُ طَهُورٌ“ خدا نے چاہا تو خیریت ہے۔ ”کوئی بد فوای کے فقرے کہتا تو ناپسند فرماتے۔ ایک بار ایک اعرابی مدینہ میں آ کر بیمار پڑ گیا، آپ ﷺ اس کی عیادت کو تشریف لے گئے اور کلمات تسلیم ادا فرمائے، اس نے کہا: ”تم نے خیریت کہا، شدید تپ ہے، جو قبر ہی میں ملا کر چھوڑے گی۔“ آپ ﷺ نے فرمایا ”ہاں اب یہی ہو۔“ ❹

### عمولاتِ ملاقات

معمول یہ تھا کہ کسی سے ملنے کے وقت ہمیشہ پہلے خود سلام اور مصافحہ کرتے، کوئی شخص اگر جھک کر آپ ﷺ کے کان میں کچھ بات کہتا تو اس وقت تک اس کی طرف سے رخص پھیرتے جب تک وہ خود منہذ ہٹالے۔ مصافحہ میں بھی یہی معمول تھا، یعنی کسی سے ہاتھ ملاتے تو جب تک کہ وہ خود نہ چھوڑ دے، اس کا ہاتھ نہ چھوڑتے۔ مجلس میں بیٹھتے تو آپ کے زاویہ بھی ہم نہیں سے آگے لٹکے ہوئے رہتے۔ ❺

جو شخص حاضر ہونا چاہتا دروازے پر کھڑے ہو کر پہلے ”السلام علیکم“ کہتا پھر پوچھتا کہ کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟ (خود بھی آپ ﷺ کسی سے ملنے جاتے تو اسی طرح اجازت مانگتے) کوئی شخص اس طریقے کے خلاف

❶ صحیح بخاری، کتاب المرضی، باب وجوب عیادة المريض: ۵۶۴۹ میں مریض کی عیادت کا حکم ہے۔

❷ مسند ابن حنبل، ج ۲، ص: ۶۶۔ ❸ صحیح بخاری، کتاب المرضی، باب وضع اليد على المريض: ۵۶۵۶۔ ❹ صحیح بخاری، کتاب المرضی، باب عیادة الاعراب: ۵۶۵۶۔

❻ ترمذی، ابواب صفة القيامة، باب تواضعه مع جليسه: ۲۴۹۰؛ ابن ماجہ: ۳۷۱۶۔

کرتا، تو آپ اس کو واپس کر دیتے ایک دفعہ ہن عامر کا ایک شخص آیا اور دروازہ پر کھڑا ہو کر پکارا کہ اندر آ سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا کہ ”جا کر ان کو اجازت طلبی کا طریقہ سکھاؤ“، یعنی پہلے سلام کر لے تو اجازت مانگ۔

ایک دفعہ صفوان بن امیہ نے جو قریش کے رئیس اعظم تھے، آنحضرت ﷺ کے پاس اپنے بھائی کلدہ کے ہاتھ، دودھ ہرن کا بچہ اور لکڑیاں بھیجیں، کلدہ یوں ہی بے اجازت چلے آئے آپ نے فرمایا: ”واپس جاؤ اور سلام کر کے اندر آؤ۔“ \*

ایک دفعہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ زیارت کو آئے اور دروازہ پر دستک دی۔ آپ نے پوچھا: ”کون ہے؟“ بولے ”میں“ آپ نے فرمایا: ”میں، میں“ یہ کیا طریقہ ہے؟ نام بتانا چاہیے۔ \* جب آپ خود کسی کے گھر پر جاتے تو دروازہ کے دائیں یا باائیں جانب کھڑے ہو جاتے اور السلام علیکم کہہ کر اذن طلب فرماتے (راوی کا بیان ہے کہ آپ عین دروازہ کے سامنے اس وجہ سے نکھڑے ہوتے ہو تے کہ اس وقت تک دروازوں پر پرده ڈالنے کا رواج نہ تھا) اگر صاحب خانہ اذن نہ دیتا تو پلٹ آتے، چنانچہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ کے گھر تشریف لائے اور باہر کھڑے ہو کر اذن طلب کے لیے ”السلام علیکم ورحمة الله“ کہا: سعد نے اس طرح آہستہ سلام کا جواب دیا کہ آنحضرت ﷺ نے نہیں سن۔ حضرت سعد کے فرزند قیس بن سعد نے کہا کہ آپ رسول اللہ کو اندر آنے کی اجازت کیوں نہیں دیتے، حضرت سعد نے کہا: چپ رہو، رسول ﷺ بار بار سلام کریں گے جو ہمارے لیے برکت کا سبب ہوگا۔ آنحضرت ﷺ نے دوبارہ السلام علیکم کہا اور سعد نے پھر اسی طرح جواب دیا۔ آنحضرت ﷺ نے تیری دفعہ پھر اسی طریقہ سے اذن طلب کیا اور جب کوئی جواب نہ ملا تو آپ واپس چلے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جب آپ کو جاتے دیکھا تو دوڑ کر گئے اور عرض کی کہ میں آپ کا سلام سن رہا تھا لیکن آہستہ جواب دیتا تھا (کہ آپ ﷺ بار بار سلام فرمادیں)۔ \*

(کسی کے گھر تشریف لے جاتے تو ممتاز مقام پر بیٹھنے سے پر بیز فرماتے، ایک بار آپ ﷺ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے مکان پر تشریف لے گئے، انہوں نے آپ کے بیٹھنے کے لیے چڑے کا ایک گداہ دیا، لیکن آپ ﷺ زمین پر بیٹھ گئے اور گداہ آنحضرت ﷺ اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان آگیا۔) \*

\* یہ دونوں روایتیں ابو داود، کتاب الادب، باب کیف الاستاذان: ۵۱۷۷، ۵۱۷۶ میں ہیں۔

\* ابو داود، کتاب الادب، باب الرجل يستاذن بالدق: ۵۱۸۷۔

\* ابو داود، کتاب الادب، باب کم مرۃ یسلم الرجل: ۵۱۸۵۔

\* ادب المفرد: ۱۱۷۶۔

## مumoلات عامہ

(تین یعنی داہنی طرف سے یاداہنے ہاتھ سے کام کرنا آپ ﷺ کو محبوب تھا، جو تا پہلے داہنے پاؤں میں پہنچتے، مسجد میں پہلے داہن پاؤں رکھتے، مجلس میں کوئی چیز تقسیم فرماتے تو داہنی طرف سے، اسی طرح کسی کام کو شروع کرنا چاہتے تو پہلے بسم اللہ کہہ لیتے)۔

• بخاری، کتاب الوضوء، باب التیمن فی الوضوء: ۱۶۸۔

مجالسِ نبوی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖہ وَسَلَّمَ

دریانپوت

شہنشاہ کو نہیں ملی یقین کا دربار نیقیب و چاؤش اور خل حشم کا دربار نہ تھا، دروازہ پر دربان بھی نہیں ہوتے تھے، تاہم نبوت کے حلال سے ہر شخص پیکر تصور نظر آتا تھا۔ حدیثوں میں آیا ہے کہ آنحضرت ملی یقین کی مجلس میں لوگ بیٹھتے تو یہ معلوم ہوتا کہ ان کے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہوئی ہیں، یعنی کوئی شخص ذرا جنہیں بھی نہیں کرتا تھا گفتگو کی احجازت میں ترتیب کالا نظر ہتا تھا لیکن یہ امتیاز مراتب نسب و نام یاد ولست و مال کی بناء پر نہیں بلکہ فضل و استحقاق کی بناء پر ہوتا تھا حساب سے پہلے آپ ملی یقین اہل حاجت کی طرف متوجہ ہوتے اور ان کے معروضات کو سن کر ان کی حاجت براری فرماتے۔

تمام حاضرین ادب سے سر جھکائے رہتے خود بھی آپ ملی اللہ تعالیٰ مودب ہو کر بیٹھتے، جب کچھ فرماتے تو تمام مجلس پر سننا چھا جاتا، کوئی شخص بولتا تو جب اسکے وہ چپ نہ ہو جائے دوسرا شخص بول نہیں سکتا تھا، اہل حاجت عرض مدعایں ادب کی حد سے بڑھ جائے تو آپ کمال علم کے ساتھ برداشت فرماتے۔ آپ کسی کی بات کاٹ کر لفگونہ فرماتے جو بات ناپسند ہوتی اس سے تغافل فرماتے اور نال جاتے، کوئی شخص شکر یا ادا کرتا تو اگر آپ نے واقعی اس کا کوئی کام انجام دیا ہے تو شکر یہ قبول فرماتے۔ مجلس میں جس قسم کا ذکر چھڑ جاتا آپ بھی اس میں شامل ہو جاتے، بلی اور مہذب ظرافت میں بھی شریک ہوتے خود بھی مذاقہ با تیں فرماتے۔ کبھی کسی قبیلہ کا کوئی معزز شخص آ جاتا تو حسب مرتبہ اس کی تعظیم فرماتے، اور فرماتے: ((کرموا کریم کل قوم))۔ مراج پری کے ساتھ ہر شخص سے دریافت فرماتے کہ کوئی ضرورت اور حاجت تو نہیں ہے، یہ بھی فرماتے: ”جو لوگ اسے مطالب مجھ تک نہیں پہنچا سکتے مجھ کو ان کے حالات اور ضروریات کی خبر دو۔“

اپنے ایام کے آغاز میں، کریمؑ کو سید علیؑ کی تعلیم کو کھڑے ہو جاتے۔ یہ بھی  
اقaudہ تھا کہ رؤسا اور امرا جب دربار جاتے تو لوگ سینوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑے رہتے۔ آپ ﷺ نے ان  
باتوں سے منع فرمایا اور ارشاد کیا کہ ”جس کو یہ پسند آتا ہے کہ لوگ اس کے سامنے تعظیم سے کھڑے رہیں، اس  
کو پنی جگہ دوزخ میں ڈھونڈ دھنی چاہیے۔“ **۲** البتہ جوش محبت میں آپ کسی کسی کے لیے کھڑے ہو جاتے،  
چنانچہ حضرت فاطمہ زہراؑ نے اسی کبھی آجاتیں تو اکثر کھڑے ہو جاتے اور فرط محبت سے ان کی پیشانی  
چھوٹتے۔ (حضرت حیہہ سعدیہؓ کے لیے بھی آپ ﷺ نے اٹھ کر چادر پچھا دی تھی، اسی طرح ایک دفعہ آپ  
کرنے کا ایامہ آئی تھا، کریمؑ کو سر کھڑے رہنے کے لئے اور اس کو اس سامنے پھینک دیا تھا)۔

کے رضاعی بھائی آئے تو ان کے لیے بھی محبت سے کھڑے ہو گئے اور ان کو اپنے سامنے بھایا۔ ۲۶  
ہر شخص کو اس کے رتبہ کے مناسب جگہ ملتی، کسی شخص کے دل میں یہ خیال نہیں آنے پاتا کہ دوسرا شخص

٥٢٢٩ - ابو داود، كتاب الادب، باب الرجل يقوم للرجل ...

<sup>٢</sup> ابو داود، كتاب الادب، باب في بر الوالدين: ٥١٤٥.

اس سے زیادہ عزت یاب ہے، جب کوئی شخص اچھی بات کہتا تو آپ ﷺ تمیز تحسین فرماتے اور نامناسب گفتگو کرتا تو اس کو مطلع فرمادیتے۔

ایک دفعہ دو شخص مجلسِ اقدس میں حاضر تھے، ان میں ایک معزز اور دوسرا کم رتبہ تھا، معزز صاحب کو چھینک آئی لیکن انہوں نے اسلامی شعائر کے موافق الحمد للہ نہیں کہا، دوسرا صاحب کو بھی چھینک آئی انہوں نے الحمد للہ کہا آنحضرت ﷺ نے حسب معمول یرحک اللہ کہا، معزز صاحب نے شکایت کی، آپ ﷺ نے فرمایا: ”انہوں نے خدا کو یاد کیا تو میں نے بھی کیا، تم نے خدا کو بھلا دیا تو میں نے بھی تم کو بھلا دیا۔“ **❸**  
صحابہ کو اس بات کی سخت تاکید تھی کہ کسی کی شکایت یا عیوب آپ تک نہ پہنچائیں، آپ ﷺ فرماتے تھے کہ ”میں چاہتا ہوں کہ دنیا سے جاؤں تو سب کی طرف سے صاف جاؤں۔“ **❹**  
 **مجلس ارشاد**

آنحضرت ﷺ کی تعلیم و تلقین کا فیض اگرچہ سفر، حضر، جلوت، خلوت، نشت، برخاست غرض ہر وقت جاری رہتا تھا تاہم اس سے وہی لوگ مستفیض ہو سکتے تھے جو اتفاق سے موقع پر ہوتے تھے۔ اس بنا پر آپ ﷺ نے تعلیم و ارشاد کے لیے بعض اوقات خاص کر دیے تھے کہ لوگ پہلے سے مطلع رہیں اور جن کو استفادہ منظور ہو وہ آسکیں۔

یہ صحبتیں عموماً مسجدِ نبوی میں منعقد ہوتی تھیں، مسجدِ نبوی میں ایک چھوٹا سا صحن تھا، کبھی آپ وہاں نشت فرماتے، ابتداءً آنحضرت ﷺ کی نشت کے لیے کوئی ممتاز جگہ نہ تھی، باہر سے اجنبی لوگ آتے تو آپ ﷺ کو پہچاننے میں دقت ہوتی، صحابہ نے ایک چھوٹا سا منی کا چبوڑہ بنادیا۔ آپ اس پر تشریف رکھتے، باقی دونوں طرف صحابہ حلقة باندھ کر بیٹھ جاتے۔ **❻**

### آداب مجلس

ان مجلس میں آنے والوں کے لیے کوئی روک نہ تھی، عموماً بد و اپنے اسی وحشت نما طریقہ سے آتے اور بے با کا نہ سوال و جواب کرتے۔ خلقِ نبوی کا منظر ان مجلس میں زیادہ حیرت انگیز بن جاتا ہے آپ ﷺ پیغمبر خاتم کی حیثیت سے رونق افروز ہیں، صحابہ عقیدت کیش غلاموں کی طرح خدمتِ اقدس میں حاضر ہیں، ایک شخص آتا ہے اور اس کو آنحضرت ﷺ میں اور حاشیہ نہیں میں کوئی ظاہری امتیاز نظر نہیں آتا۔ لوگوں سے پوچھتا ہے ”محمد ﷺ کون ہے؟“ صحابہ بتاتے ہیں کہ ”یہی گورے سے آدمی جو نیک لگائے ہوئے بیٹھے ہیں، وہ کہتا ہے：“اے ابن عبد المطلب! میں تم سے نہایت تھنی سے سوال کروں گا خفانہ۔

❸ یہ تمام تفصیل شسائلِ ترمذی، باب ماجاء، فی تواضع رسول اللہ ﷺ، ۳۲۱، ۳۳۵ کی دو فصل روایتوں سے مانوذہ ہے جن میں آنحضرت ﷺ کے عام اخلاق کا ذکر ہے۔ ❹ الادب المفرد، باب اذالم یحمد اللہ لا یشتم: ۹۳۲۔ ❺ ابو داود، کتاب الادب، باب فی رفع الحدیث: ۴۸۶۰۔ ❻ اشارہ از مجلس ارشاد تا قبل اوقات مجلس۔ ❾ ابو داود، کتاب السنۃ، باب الفدر: ۴۶۹۸۔

ہوتا، آپ ﷺ بخوبی سوال کی اجازت دیتے ہیں۔ \*

بایں ہمہ سادگی و تواضع، یہ مجلس رعب و وقار اور آداب نبوت کے اثر سے لبریز ہوتی تھیں۔ آنحضرت ﷺ کی تعلیمات و تلقینات کا دائرہ، اخلاق، مذهب، اور ترکیہ نفوس تک محدود تھا، اس کے علاوہ اور باقی منصب نبوت سے خارج تھیں، لیکن بعض لوگ نہایت معمولی اور خفیف باقی پوچھتے تھے، مثلاً: یا رسول اللہ! میرے باپ کا نام کیا ہے؟، میرا اونٹ کھو گیا ہے وہ کہاں ہے؟ آپ اس قسم کے سوالات کو ناپسند فرماتے تھے۔ ایک بار اسی قسم کے نفوس والات کے لئے تو آپ ﷺ نے برہم ہو کر فرمایا کہ ”جو پوچھنا ہو پوچھو، میں سب کا جواب دوں گا۔“ حضرت عمر بن الخطاب نے آپ کے چہرے کا رنگ دیکھا تو نہایت الحاج کے ساتھ کہا۔ رضیت الخ۔ \*

کوئی شخص کھڑے کھڑے سوال نہیں کرتا تھا، ایک شخص نے اس طرح سوال کیا تو آپ ﷺ نے اس کی طرف تجب سے دیکھا، اسی طرح یہ بھی معمول تھا کہ جب ایک مسئلہ طے ہو جاتا تو دوسرا مسئلہ پیش کیا جاتا۔ بعض اوقات آپ گفتگو کرتے ہوتے کوئی صحرائشین بدوجو آداب مجلس سے ناقص ہوتا، دفعتاً آجاتا، اور عین سلسلہ تقریر میں کوئی بات پوچھ بیحتا آپ سلسلہ تقریر قائم رکھتے اور فارغ ہو کر اس کی طرف متوجہ ہوتے اور جواب دیتے، ایک دفعاً آپ تقریر فرماتے تھے ایک بدآیا اور آنے کے ساتھ اس نے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ تقریر کرتے رہے، حاضرین سمجھے کہ آپ ﷺ نے نہیں سما کی نے کہا ”سنا“، لیکن آپ کو ناگوار ہوا، آپ گفتگو سے فارغ ہو چکے تو دریافت فرمایا: ”پوچھنے والا کہا ہے؟“ بد نے کہا ”میں یہ حاضر ہوں،“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جب لوگ امانت کو ضائع کرنے لگیں گے۔“ بولا کہ امانت کیوں ضائع ہو گی؟ فرمایا: ”جب ناالبوں کے ہاتھ میں کام آئے گا۔“ \*

اوقات مجلس

اس قسم کی مجلس کے لیے جو خاص وقت مقرر تھا وہ صحیح کاتھا، نماز فجر کے بعد آپ بیٹھ جاتے اور فیوض روہانی کا سرچشمہ جاری ہو جاتا۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نماز کے بعد آپ پھر جاتے اور مجلس قائم ہو جاتی، چنانچہ کعب بن مالک بن عثیمینؓ پر جب غزوہ جمک کی غیر حاضری کی وجہ سے عتاب نازل ہوا تو وہ انہی مجلس میں آ کر آنحضرت ﷺ کی خوشنودی مزاج کا پتہ لگاتے، خود ان کے الفاظ یہ ہیں:

وَاتَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَاسْلَمَ عَلَيْهِ وَهُوَ فِي مَجْلِسِهِ بَعْدَ الصَّلَاةِ فَاقُولُ فِي

نفسی هل حرك شفتیه بر دالسلام على ام لا۔ \*

\* بخاری، کتاب العلم، باب القراءة والعرض: ٦٣۔ \* بخاری، کتاب العلم، باب العجب في الموعضة: ٩٢۔ \* صحيح بخاری، کتاب العلم، باب من سئل علماً: ٥٩۔ ٦٤٩٦۔ \* بخاری، کتاب المغازی، باب حدیث کعب بن مالک: ٤٤١٨۔

”میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آتا تھا اور سلام کرتا تھا اور آپ بعد نماز کے اپنی مجلس میں ہوتے تھے تو میں اپنے جی میں کہتا تھا کہ آپ نے جواب سلام میں اپنے لب بلائے یا نہیں۔“  
صحیح کی مجلسوں میں کبھی بھی آپ ﷺ وعظ فرماتے۔ ترمذی اور ابو داؤد میں عرب پاش بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

وعظنا رسول الله ﷺ يوماً بعد صلوة الغداة موعضة بلية ذرفت منها العيون ووجلت منها القلوب۔

”رسول اللہ ﷺ نے ایک دن صحیح کی نماز کے بعد ایک بیغ وعظ کہا، جس سے آنکھیں اشک ریز ہو گئیں اور دل کا پانچھڑی۔“

نماز کے بعد جو مجلس منعقد ہوتی، اس میں وعظ و نصیحت اور اس قسم کی جزوی باتوں پر گفتگو ہوتی تھی، لیکن ان اوقات کے علاوہ آپ ﷺ خاص طور پر حکاکیں و معارف کے اظہار کے لیے مجلس منعقد فرماتے تھے، یہی مجالس ہیں، جن کی نسبت احادیث میں یہ الفاظ آئے ہیں:

کان يوماً بارزا للناس۔

”آنحضرت ﷺ ایک دن عام طور پر لوگوں کے لیے باہر نکلے تھے۔“

چونکہ افادہ عام ہوتا تھا، اس لیے آپ ﷺ چاہتے تھے کہ کوئی شخص فیض سے محروم نہ رہنے پائے، اس بنا پر جو لوگ ان مجالس میں آ کر واپس چلے جاتے، ان پر آپ نہایت ناراض ہوتے، آپ ایک مرتبہ صاحب کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ تین شخص آئے ایک صاحب نے حلقہ میں تھوڑی سی جگہ خالی پائی وہیں بیٹھے گئے، دوسرا صاحب کو درمیان میں موقع نہیں ملا، اس لیے سب کے پیچے بیٹھے، لیکن تیرے صاحب واپس چلے گئے، آنحضرت ﷺ جب فارغ ہوئے تو فرمایا: ”ان میں سے ایک نے خدا کی طرف پناہ لی، خدا نے اس کو بھی پناہ دی، ایک نے حیا کی، خدا بھی اس سے شرمیا، ایک نے خدا سے منہ پھیراخدانے اس سے بھی منہ پھیر لیا۔“

پند و نصائح کتنے ہی مؤثر طریقہ سے بیان کیے جائیں لیکن ہمیشہ سنتے سنتے آدمی اکتا جاتا ہے اور نصائح بے اثر ہو جاتے ہیں، اس بنا پر آنحضرت ﷺ وعظ و نصائح کی مجالس نامودے کر منعقد فرماتے تھے۔ بخاری میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

كان النبي ﷺ يتخولنا بالموعظة في الأيام كراهة السامة علينا۔

● ترمذی، ابواب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنة: ۲۶۷۶، ابو داؤد: ۴۶۰۷۔ ● سنن ابن ماجہ، باب فی الایمان: ۶۴۔ ● بخاری، کتاب العلم، باب من قعد حيث ينتهي به المجلس: ۶۶، ۴۷۴۔ ● بخاری، کتاب العلم، باب ما كان النبي ﷺ يتخولهم بالموعظة: ۶۸۔

”آنحضرت ﷺ ہم لوگوں کو ناغدے کرنصیحت فرماتے تھے کہ ہم لوگ اکٹا نہ جائیں۔“

عورتوں کے لیے مخصوص مجالس

ان مجالس کا فیض زیادہ تمروں تک محدود تھا اور عورتوں کو موقع کم ملتا تھا، اس بنا پر عورتوں نے درخواست کی کہ ہمارے لیے خاص دن مقرر فرمایا جائے، آنحضرت ﷺ نے یہ درخواست منظور کی اور ان کے وعظ و ارشاد کے لیے ایک خاص دن مقرر ہو گیا۔

اگرچہ مسائل شرعیہ کے متعلق ہر قسم کے سوالات کی اجازت تھی اور خاتونان حرم وہ مسائل دریافت کرتی تھیں جو خاص پرداز نہیں تو اس قسم کے تعلق رکھتے ہیں تاہم جب کوئی پرداز کا واقعہ مجلس عام میں سوال کی غرض سے پیش کیا جاتا تو فرط حیا سے آپ ﷺ کو ناگوار ہوتا اس قسم کے پرداز کی بات مرد بھی جنم عام میں پوچھتے تو آپ ﷺ کو نکدر ہوتا، ایک دفعہ ایک انصاری نے (جن کا نام عاصم تھا) مجلس عام میں پوچھا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو غیر کے ساتھ دیکھ لے تو کیا حکم ہے؟ آنحضرت ﷺ کو ناگوار ہوا اور آپ نے ان کو ملامت کی۔

### طریقہ ارشاد

کبھی بھی آپ ﷺ خود امتحان کے طور پر حاضرین سے کوئی سوال کرتے، اس سے لوگوں کی جو دت فکر اور اصابت رائے کا اندازہ ہوتا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ آپ ﷺ نے پوچھا: ”وہ کونسا درخت ہے جس کے پتے جھترے نہیں اور جو مسلمانوں سے مشابہت رکھتا ہے؟“ لوگوں کا خیال چنگلی درختوں کی طرف گیا، میرے ذہن میں آیا کہ کھجور کا درخت ہو گا، لیکن میں کمن تھا اس لیے جرأت نہ کر سکا، بالآخر لوگوں نے عرض کی حضور بتائیں، ارشاد فرمایا: ”کھجور۔“ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو تمام عمر حسرت رہی کہ کاش میں نے جرأت کر کے اپنا خیال ظاہر کر دیا ہوتا۔

ایک روز آپ ﷺ مسجد میں تشریف لائے، صحابہ رضی اللہ عنہم کے دو حلقات قائم تھے، ایک قرآن خوانی اور ذکر و دعا میں مشغول تھا اور دوسرے حلقت میں علمی باتیں ہو رہی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا: ”دونوں عمل خیر کر رہے ہیں، لیکن خدا نے مجھ کو صرف معلم بنا کر مبعوث کیا ہے۔“ یہ کہہ کر علمی حلقة میں بیٹھ گئے۔

ان مجالس میں دقيقہ مباحثت کو جن کی زیستک عوام نہیں پہنچ سکتے ناپسند فرماتے تھے، چنانچہ ایک روز صحابہ کی مجلس میں مسئلہ تقدیر پر گفتگو ہو رہی تھی آپ ﷺ نے ساتو جھرے سے نکل آئے، آپ کا چہرہ اس قدر سرخ ہو گیا تھا کوئی عارض مبارک پر کسی نے اثار کے دانے پھوٹ دیے ہیں۔ آپ نے صحابہ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: ”کیا تم اسی لیے پیدا کیے گئے ہو؟ قرآن کو باہم نکل رہے ہو، گزشتہ اتنیں انہی باتوں سے بر باد ہوئیں۔“

\* بخاری، کتاب العلم، باب هل يجعل للنساء يوم ۱۰۱: ۱۲۴۹۔ \* بخاری، کتاب الطلاق، باب اللعن ومن طلق: ۵۳۰۸۔ \* بخاری، کتاب العلم: ۱۲۱۔ \* سنن ابن ماجہ، کتاب السنۃ، باب فضل العلماء: ۲۲۹۔ \* ایضاً، باب فی القدر: ۸۵۔

ان مجلس کا مقصد یہ بھی تھا کہ صحابہؓ جن مسائل میں باہم اختلاف کرتے آنحضرتؐ ان کا صحیح فصلہ کر دیتے، مثلاً: شہرت طلبی اور جاہ پرستی غلوص عمل کے منافی بھی جاتی ہے اور خود صحابہؓ کے زمانہ میں بھی بھی جاتی تھی، چنانچہ آنحضرتؐ کی مجلس میں دو شخصوں نے اس مسئلہ میں گفتگو کی، ایک نے کہا: "اگر ہم نے دشمن سے مقابلہ کیا اور ایک شخص نے خیریہ یہ کہہ کے نیزہ مارا کہ" میر اور لینا میں غفاری جوان ہوں" تو اس میں تمہاری کیا رائے ہے؟ مخاطب نے جواب دیا میری رائے میں کچھ ثواب نہ ملے گا، تیرے آدمی نے یہ گفتگو کر کہا میرے نزد یہ اس میں کوئی حرج نہیں، اس پر دونوں میں اختلاف ہوا۔ آنحضرتؐ نے ان کی گفتگو سنی تو فرمایا: "ثواب اور شہرت دونوں میں کوئی مخالفت نہیں۔" \*

عام خیال یہ تھا کہ قوائے عالمیہ کے بیکار کردینے کا نام تقدیر ہے، لقدر یہ میں جو کچھ لکھا ہو گا اس کو کوئی عملی طاقت مٹا نہیں سکتی لیکن آنحضرتؐ نے ایک مجلس میں جو اتفاقاً معتقد ہو گئی تھی، اس خیال کی تردید کی اور فرمایا کہ "اعمال تو خود تقدیر ہیں، انسان کو خدا جن اعمال کی توفیق دیتا ہے وہی اس کا نوشہ تقدیر ہیں، اس لیے توکل قوت عمل کے بیکار کر دینے کا نام نہیں۔" چنانچہ صحابہؓ ایک جنازہ میں شریک تھے، آنحضرتؐ تشریف لائے اور صحابہؓ جمع ہو گئے، آپؐ کے ہاتھ میں ایک چھڑی ہو گئی، اس سے زمین کریڈے نے لگے، پھر فرمایا: "تم میں کوئی ایسا نہیں ہے جس کی جگہ جنت یادوؤخ میں لکھی نہ جا سکی ہو۔" ایک شخص نے کہا: "تو ہم اپنی تقدیر پر توکل کر کے عمل کیوں نہ چھوڑ دیں، جو شخص سعادت مند ہو گا وہ خود بخوبی سعادت مندوں میں داخل ہو جائے گا اور جو شخص بد بخت ہو گا وہ بد بختوں سے مل جائے گا، آپؐ نے فرمایا: "سعادت مند وہ لوگ ہیں جن کو سعادت مندوں کے عمل کی توفیق دی جاتی ہے اور بد بخت وہ ہیں جن کے لیے شفاوت کے کام کے اسباب جمع ہو جاتے ہیں۔" \*

### مجلس میں شگفتہ مزاجی

باہم جو داس کے کہ ان مجلس میں صرف ہدایت، ارشاد، اخلاق اور تزکیہ نفوس کی باتیں ہوتی تھیں اور صحابہؓ آنحضرتؐ کی خدمت میں اس طرح بیٹھتے تھے کان الطیر فوق رؤوسهم۔ تاہم یہ مجلسیں شگفتہ مزاجی کے اثر سے خالی نہ تھیں۔ ایک دن آپؐ نے ایک مجلس میں بیان فرمایا: "جنت میں خدا سے ایک شخص نے کھیتی کرنے کی خواہش کی، خدا نے کہا: کیا تمہاری خواہش پوری نہیں ہوئی ہے؟ اس نے کہا: ہاں لیکن میں چاہتا ہوں کہ فوراً ابوؤں اور ساتھی تیار ہو جائے، چنانچہ اس نے تیج ڈالے، فوراً دنہا گا، بڑھا اور کٹنے کے قابل ہو گیا۔" ایک بد و بیضا ہوا تھا اس نے کہا: یہ سعادت صرف قریشی یا النصاری کو نصیب ہو گی جو

\* ابو داؤد، کتاب الملباس، باب ما جاءَ فی اسْبَالِ الْأَزَارِ: ٤٠٨٩۔

\*\* بخاری، کتاب التفسیر، باب وکذب بالحسنی: ٤٩٤٨۔

زراعت پیشہ ہیں لیکن ہم لوگ تو کاشتکار نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ۔

ایک دفعہ ایک صاحب خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں تباہ ہو گیا، ارشاد ہوا: ”کیوں؟“ بولے میں نے رمضان میں یوں سے ہم بستری کی، آپ ﷺ نے فرمایا: ”ایک غلام آزاد کرو۔“ بولے غریب ہوں، غلام کہاں سے لاوں، ارشاد ہوا: ”دو مہینے کے روزے رکھو۔“ بولے یہ مجھ سے ہو نہیں سکتا، فرمایا: ”سامنے مسکینوں کو کھانا کھلاو۔“ بولے اتنا مقدور نہیں،اتفاق سے کہیں سے زنبیل بھر کر کھجوریں آگئیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ”لوغریبوں کو خیرات کر آؤ۔“ عرض کی اس خدا کی قسم جس نے آپ کو خیر بنا�ا سارے مدینہ میں مجھ سے بڑھ کر کوئی غریب نہیں، آپ ﷺ بے ساختہ نہیں پڑے اور فرمایا: ”اچھا تم خود ہی کھالو۔“ ۲

### فیض صحبت

(ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ ہم جب خدمت اقدس میں حاضر ہوتے ہیں تو دنیا یقیناً معلوم ہوتی ہے لیکن جب گھر میں بال بچوں میں بیٹھتے ہیں تو حالت بدل جاتی ہے آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر ایک صالح رہتا تو فرشتے تمہاری زیارت کو آتے۔“ ۳

ایک دفعہ حضرت حظله رضی اللہ عنہ خدمت اقدس میں آئے اور کہا: یا رسول اللہ ﷺ! میں منافق ہو گیا ہوں، میں جب خدمت اقدس میں حاضر ہوتا ہوں اور آپ ﷺ دو ذخ و جنت کا ذکر فرماتے ہیں تو یہ چیزیں آنکھوں کے سامنے آ جاتی ہیں لیکن بال بچوں میں آ کر سب بھول جاتا ہوں ارشاد ہوا: ”اگر باہر نکل کر بھی وہی حالت رہتی تو فرشتے تم سے مصافحہ کرتے۔“ ۴

۱ بخاری، کتاب التوحید، باب کلام الرب مع اهل الجنة: ۷۵۱۹۔

۲ بخاری، کتاب الصوم، باب اذا جامع في رمضان: ۱۹۳۶۔ ۳ ترمذی، ابواب صفة الجنة، باب ما جاء في صفة الجنة ونعيمها: ۲۰۲۶، امام ترمذی بریکتیہ کے زادیک یہ حدیث قوی نہیں۔

۴ ترمذی، ابواب الزهد: ۲۴۵۲ و صحیح مسلم، کتاب التوبہ، باب فضل دوام الذکر: ۱۹۶۶۔

## خطابِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

**خطابات** ۱۰ اور تقریر نبوت کا نہایت ضروری عصر ہے، اسی بنا پر جب خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس پیغمبر بنا کر بھیجا، تو ان کو یہ دعا مانگی پڑی:

﴿وَاحْلُّ عُقْدَةً مِّنْ لِسَانِي﴾ يقُولُوا فَقُولْنَا (۲۰ / طہ: ۲۷)

”خداوند میری زبان کی گردکھول کر لوگ میری بات سمجھیں۔“

لیکن سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو خود بارگاہ الہی سے یہ وصف کامل عطا کیا گیا تھا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحدیث نعمت کے طور پر فرمایا:

((انا افصح العرب، بعثت بجوا مع الكلم)) ۱۱

”میں فصح ترین عرب ہوں، میں کلمات جامعہ لے کر معموت ہو اہوں۔“

عرب میں اگرچہ ہر قبیلہ فصاحت و بلاغت کا مادی تھا، تاہم تمام عرب میں دو قبیلے اس وصف میں نمایاں امتیاز رکھتے تھے، قریش اور بنو هوازن، قریش خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قبیلہ تھا اور بنو هوازن کے قبیلہ میں آپ نے پروش پائی تھی، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

((انا اغربکم انا من قريش ولسانی لسان بني سعد بن بكر)) ۱۲

”میں تم میں فصح تر ہوں، قریشی ہوں اور میری زبان بنو سعد کی زبان ہے۔“

### طرزِ بیان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت سادہ طریقہ پر خطبہ دیتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے مجرے سے خطبہ دینے کے لیے نکلتے تھے تو سلاطین کی طرح نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چاؤش ہوتے تھے، نہ آپ خطبا کا لباس پہننے تھے، ہاتھ میں صرف ایک عصا ہوتا تھا اور کبھی کبھی کمان پر ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے ۱۳ ابن ماجہ میں ہے کہ مسجد میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیتے تو دست مبارک میں عصا ہوتا تھا اور میدان جنگ میں خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوتے تو کمان پر ٹیک لگاتے تھے ۱۴ جمعہ اور عید کا خطبہ تو متعین تھا، لیکن اس کے علاوہ خطبہ کا کوئی وقت مقرر نہ تھا۔ جب ضرورت پیش آتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم فی البدیہ خطبہ کے لیے تیار ہو جاتے تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ نے زمین پر، منبر پر، اونٹ پر جس جگہ جیسا موقع پیش آیا ہے خطبہ دیا ہے، ضرورت کے حاذف سے اگرچہ آپ کو کبھی کبھی طویل خطبہ بھی دینا پڑتا تھا تاہم آپ کے خطبے عموماً مختصر ہوتے تھے۔

۱۱ اضافتاً ثالث باب۔ ۱۲ بخاری، کتاب الاعتصام، باب قول النبي ﷺ: بعثت بجوا مع الكلم: ۷۲۷۳۔

۱۳ طبقات ابن سعد ج ۱ قسم اول ص: ۷۱۔ ۱۴ بنو سعد قبیلہ ہوازن کی ایک شاخ ہے۔ ۱۵ ابو داود، کتاب الصلوة الرجل يخطب على قوس: ۱۰۹۶۔ ۱۶ ابن ماجہ، باب ما جاء في الخطبة يوم الجمعة: ۱۱۰۷۔

عام نصائح اور پندر کی باتیں گواہ آپ ﷺ اخباری فقروں میں بیان فرماتے لیکن جب کلام کو خاص طور پر موثر بنانا ہوتا تھا، تو خطبہ کو عموماً سوال کی صورت میں شروع فرماتے تھے، غزوہ حنین میں آپ ﷺ نے انصار کے سامنے جو خطبہ دیا وہ اول سے آخر تک سوال و جواب ہے، جتنے الوداع وغیرہ اور تمام خطبات میں جیسا کہ آتا ہے یہ خصوصیت نہیاں ہے۔ جوش بیان کا یہ حال تھا کہ آنکھیں سرخ اور آواز نہایت بلند ہو جاتی تھی، غصہ بڑھ جاتا تھا، انگلیاں اٹھتی جاتی تھیں، گویا یہ معلوم ہوتا تھا کہ آپ ﷺ کسی فوج کو جنگ کے لیے ابھار رہے ہیں ॥ جوش بیان میں جسد مبارک جھوم جھوم جاتا تھا، ॥ باخنوں کو تحرکت دینے سے پھوٹ کے چھٹنے کی آواز آتی تھی ॥ کبھی مٹھی بند کر لیتے تھے کبھی کھول دیتے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس قسم کی پر جوش حالت کی نہایت صحیح تصویر ان الفاظ میں لکھی ہے:

سمعت رسول الله ﷺ على المنبر يقول يأخذ الجبار سمواته وارضيه بيده  
وقبض يده فجعل يقبضها ويسقطها ..... قال و يتماثل رسول الله ﷺ عن  
يمينه وعن شماله حتى نظرت الى المنبر يتحرك من اسفل شيء منه حتى  
انى لا قول اساطط هو برسول الله ﷺ .

”آنحضرت ﷺ کو منبر پر خطبہ دیتے سنافر مار ہے تھے کہ خداوند صاحب جبروت آسمان و زمین کو اپنے ہاتھ میں لے لے گا، یہ بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ مٹھی بند کر لیتے تھے اور پھر کھول دیتے تھے..... آپ ﷺ کا جسم مبارک کبھی دائیں، کبھی باسیں جھکتا جاتا تھا یہاں تک کہ میں نے منبر کو دیکھا تو اس کا سب سے نیچا حصہ بھی اس قدر بل رہا تھا، میں نے خیال کیا کہ آپ ﷺ کو لے کر گرفتوں میں پڑے گا۔“

### آنحضرت ﷺ کے خطبات کی نوعیت

احادیث کی کتابوں میں آنحضرت ﷺ کے خطبات اور ان کے جستہ جستہ فقرے بغیر کسی خاص ترتیب کے جمع کردیے گئے ہیں لیکن آنحضرت ﷺ کی مختلف حیثیتیں تھیں اور اس کا اثر آپ کے طرز بیان پر پڑتا تھا۔ آپ دائیٰ مذهب تھے، فائح تھے، واعظ تھے، امیر الحجیش تھے، قاضی تھے، پیغمبر تھے، اس اختلاف حیثیت نے آپ کے خطبات اور زور بیان میں نہایت اختلاف پیدا کر دیا ہے اور بلااغت کا تقاضا بھی یہی ہے آپ بحیثیت دائیٰ مذهب ہونے کے جو خطبہ دیتے تھے اس میں نہایت زور اور جوش پیدا ہو جاتا تھا اور اس وقت آپ کی حیثیت بالکل ایک امیر الحجیش کی ہوتی تھی، چنانچہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَةَ الْأَفْرَادِ يُنَزَّلُونَ﴾ (۲۶) الشعرا: ۲۱۴)

۱) صحيح مسلم، باب تخفيف الصلة والخطبة: ۲۰۰۵۔ ۲) ابن ماجہ، ابواب الزهد، ذکر البعث: ۴۲۷۵۔

۳) مسنـد احمد بن حنبل، ج ۶، ص: ۴۰۲۔ ۴) ابن ماجہ، ابواب الزهد، باب ذکر البعث: ۴۲۷۵۔

کی شقاوت نے اگرچہ اس خطبہ کو پورا نہیں ہونے دیا تاہم آپ ﷺ کی زبان سے اس موقع پر جو چند جملے نکل گئے، اس سے آپ کے زور بیان کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ آپ نے صفا پر چھکر پہلے پکارا ((یا صبا حادہ)) یہ وہ لفظ ہے، جو عرب میں اس وقت بولا جاتا ہے جب صبح کے وقت کوئی قبیلہ کی قبیلہ پر رفعۃ غارت گری کے لیے نوٹ پڑتا ہے، تمام لوگ یہ لفظ سن کر چونک اٹھے اور آپ ﷺ کے گرد جمع ہو گئے آپ ﷺ نے فرمایا:

((ارأيتم ان اخبرتكم ان خيلا تخرج من سفح هذا الجبل اكتتم مصدقى))

”بِتَاءُ أَغْرِيَ مِنْ تَهْبِيْسٍ يَخْرُدُوا كَمَا سَبَقَهُمْ“  
”بِتَاءُ أَغْرِيَ مِنْ تَهْبِيْسٍ يَخْرُدُوا كَمَا سَبَقَهُمْ“  
”میری تصدیق کرو گے؟“

سب نے جواب دیا، اب تک آپ ﷺ کی نسبت ہم کو کسی قسم کی دروغ گوئی کا تجربہ نہیں ہوا ہے،  
جب آپ ﷺ نے یہ اقرار لے لیا تو فرمایا:

((انی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید))

”میں تمہیں ایک ایسے عذاب سے ڈرا تا ہوں جو تمہارے سامنے ہے۔“

ابوالہب نے نہایت احتفاظ کے ساتھ کہا، کہا ہم سکھوں کو اسی لیے جمع کیا تھا یہ کہہ کر چل کھڑا ہوا۔

غزوہ حنین میں آپ ﷺ نے تمام مال غنیمت مولفۃ القلوب کو دے دیا اور انصار بالکل محروم رہ گئے تو چند لوگوں کو یہ نہایت ناگوار ہوا اور انہوں نے کہا: خدا یخیر کی مغفرت کرے، قریش کو دیتا ہے اور ہم کو چھوڑ دیتا ہے، حالانکہ ہماری تکواروں سے خون پیک رہا ہے، آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو تمام انصار کو ایک خیہ میں جمع کر کے اصل حقیقت دریافت فرمائی۔ لوگوں نے کہا: چند لوگوں نے یہ کہا ہے، لیکن ہم میں جو لوگ صاحب الرائے اور سردار ہیں، انہوں نے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ اب آپ ﷺ نے اس موقع پر کھڑے ہو کر ایک خطبہ دیا:

((يَا مُعْشِرَ الْأَنْصَارِ إِنَّكُمْ ضَلَالًا فَهَدَاهُمُ اللَّهُ بِي وَكُنْتُمْ مُتَفَرِّقِينَ  
فَالْفَكِيمُ اللَّهُ بِي وَعَالَةُ فَاغْنَاهُمُ اللَّهُ بِي))

”اسے گروہ انصار اکیا میں نے تم کو گمراہ نہیں پایا پس خدا نے میری وجہ سے تمہیں بدایت دی،  
تم متفرق تھے خدا نے میری وجہ سے تم کو مجتمع کر دیا، تم محتاج تھے خدا نے میری وجہ سے تم کو غشی کر دیا۔“

النصار ہر بات پر کہتے جاتے تھے: خدا اور اس کا رسول بہت امین ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ کیوں نہیں کہتے کہ اے محمد ﷺ! تم اس حالت میں آئے تھے کہ لوگ تمہاری تکذیب کرتے تھے ہم نے تمہاری

۴۷۲ - بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ تبٰہ۔

قصد یق کی، تمہارا کوئی مددگار نہ تھا، ہم نے تمہاری مدد کی، تم گھر سے نکالے ہوئے تھے، ہم نے تم کو گھر دیا، تم محتاج تھے، ہم نے تمہاری غم خواری کی۔“ اس کے بعد آپ ﷺ نے اصل اعتراض کا جواب دیا:

((اتر رضون ان يذهب الناس بالشأة والبعير وتدھون بالسي الى رحالكم فوالله

لما تنقلبون به خير مما ينقلكون))

”کیا تم یہ نہیں پسند کرتے کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے کے جائیں اور تم اپنے گھروں میں خود پیغمبر کو لے کر جاؤ، خدا کی قسم! تم لوگ جو لے کر واپس جاتے ہو وہ اس سے بہتر ہے، جس کو تمام لوگ لے کر جاتے ہیں۔“

اس پر تمام انصار پکارا تھے ”رضینا“ یعنی ہم سب راضی ہیں۔ ﴿ اس خطبہ کے وجہ پر اگر غور کیا جائے تو ایک منحصر سار سالہ تیار ہو سکتا ہے۔ فاتحانہ حیثیت سے آپ ﷺ نے صرف فتح مکہ کے موقع پر ایک تقریر کی تھی جس کے جتنے جتنے فقرے احادیث کی کتابوں میں مذکور ہیں، مکہ عرب کے نزدیک نہایت مقدس شہر تھا، حرم ایک دارالامان تھا، جس میں کبھی خوزی زی نہیں ہو سکتی تھی فتح مکہ میں سب سے پہلے اس کے دامن عظمت پر خون کا دھبہ لگایا گیا اور چونکہ مذہب کے ہاتھ سے لگایا گیا تھا اس لیے خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ ہمیشہ کے لیے اس کا یہ احترام نہ مٹ جائے۔ آنحضرت ﷺ کو انہی دونوں پہلوؤں پر اپنی تقریر میں زور دینا تھا، چنانچہ آپ نے بتیریں ان ہی کی طرف توجہ کی، سب سے پہلے آپ ﷺ نے صحابہ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا:

((ان الله حرم مکة يوم خلق السموات والارض فھی حرام بحرام الله الی يوم القيمة لم تحل لا حد قبلی ولا تحل لا حد بعدی ولم تحل لی قط الا ساعۃ من الدھر لا ينفر صیدھا ولا يعتصد شوکھا ولا يختلى خلاھا ولا تحل لقططھا الا لمنشد))

”خدانے جس دن آسمان اور زمین کو پیدا کیا اسی دن مکہ کو حرام کر دیا، پس وہ بحرمت خدا حرام بہ وہ میرے پہلے نہ کسی پر حلال ہوا اور نہ میرے بعد حلال ہو گا اور میرے لیے بھی بھر چند گھنٹوں کے ہر گز حلال نہیں ہوا، ناس کے شکاروں کو بد کیا جا سکتا، ناس کا کاشنا کا تاجا جا سکتا ہے، ناس کی گھاس کاٹی جا سکتی، ناس کی گم شدہ چیز حلال ہو سکتی ہے، بھروسہ شخص کے جو اس کو ڈھونڈ ہر باب ہے۔“

آنحضرت ﷺ کا سب سے مهم باشان خطبہ وہ ہے جو آپ ﷺ نے جنہے الوداع میں دیا تھا۔ یہ خطبہ صرف احکام کا ایک سادہ مجموعہ ہے جس کو قدرت خلک اور روکھا پھیکا ہونا چاہیے تاہم سلاست، روائی، اور

صحیح بخاری، کتاب المعازی، باب غزوۃ الطائف: ۴۳۲۰، ۷۷۴۵۔

اس کے ہم ہمیں روایات صحیح میں موجود ہیں۔ بخاری، کتاب جزاء الصید، باب لایحل الفتال بسکة: ۱۸۳۴، مسلم، کتاب الحج، باب تحریم بسکة: ۲۳۰۲۔

شستیگی الفاظ کے لحاظ سے یہ خطبہ بھی اور خطبوں سے کم نہیں آپ ﷺ نے حمد و نعمت کے بعد اس خطبہ کی اہمیت اس طرح ظاہر کی:

((ایہا النّاس! اسمعوا فانی لا ادری لعلی لا القاکم بعد عامی هذا فی موقفی

هذا فی شهر کم هذا فی بلد کم هذا)) \*

”لوگو! سنو! کیونکہ شاید میں اس سال کے بعد اس جگہ، اس مہینہ میں، اس شہر میں تم سے نہل سکوں۔“

سادہ ساجدہ یہ تھا کہ ”غالباً یہ میری عمر کا آخری سال ہے۔“ لیکن اس تفصیل اور اس پیرایہ بیان نے اس مفہوم کو اور بھی زور دار بنادیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمانوں کی عزت، آبرو، جان مال، سب مسلمانوں پر حرام ہے اس مطلب کو اس بلغ طریقہ سے ادا کیا ہے:

((اتدرؤن ای یوم هذا؟)) قالوا: اللہ ورسولہ اعلم قال: ((فان هذا یوم حرام

افتدرؤن ای بلد هذا؟)) قالوا: اللہ ورسولہ اعلم قال: ((بلد حرام)) قال:

((اتدرؤن ای شهر هذا؟)) قالوا: اللہ ورسولہ اعلم قال: ((شهر حرام)) \*

”کیا جانتے ہو کہ یہ کون سا دن ہے؟“ لوگوں نے کہا: خدا اور رسول کو اس کا علم ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ یوم الحرام ہے، کیا جانتے ہو کہ یہ کونا شہر ہے؟“ لوگوں نے کہا: خدا اور رسول کو اس کا علم ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”بلد الحرام ہے، کیا جانتے ہو یہ کونا مہینہ ہے؟“ لوگوں نے کہا: خدا اور رسول کو اس کا علم ہے آپ ﷺ نے فرمایا: ”شهر حرام ہے۔“

اس طرح جب لوگوں کے دل میں اس مہینہ اور اس شہر کی حرمت کا خیال تازہ ہو گیا تو آپ ﷺ نے اصل مقصد کو بیان فرمایا:

((ان اللہ حرم عليکم دماء کم و اموالکم و اعراضکم کحرمة يومکم هذا فی

شهر کم هذا فی بلد کم هذا لا ترجعوا بعدی کفارا يضرب بعضکم رقاب

بعض)) \*

”خدا نے تمہارا خون، تمہارا مال، تمہاری آبرو، تم پر اس مہینہ میں، اس شہر میں، اس دن کی

حرمت کی طرح حرام کیا، میرے بعد کافرنہ ہو جانا کہ تم میں ہر ایک دوسرے کی گردن

مارے۔“

آپ ﷺ نے ان الفاظ میں مساوات کی تعلیم دی ہے:

((ان ربکم واحد و ان اباء کم واحد کلکم من ادم و ادم من تراب ان

۱ اس مفہوم کی روایت کنز العمال: ۱۴۹۲۳ میں ہے۔

۲ بخاری، کتاب الحج، باب الخطبة ایام منی: ۱۷۴۲۔ ۳ ایضاً: ۱۷۳۹، ۱۷۴۱۔

اکرمکم عندالله اتفاقاکم)) جامع ترمذی ، کتاب المناقب: ۳۹۵۶، ۳۹۵۵

اور ابو داود ، کتاب الادب: ۱۱۶ میں اس کے ہم معنی حدیث موجود ہے۔

”تمہارا خدا ایک، تمہارا بابا ایک، تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی کے تھے، خدا کے نزدیک تم میں شریف تر وہ ہے جو زیادہ پر ہیز گار ہے۔“

عرب کا عام ذریعہ معاش غارت گری تھی، لیکن شہر حرم کے چار میلیتک وہ لوگ بیکار نہیں رہ سکتے تھے اس لیے ان میتوں کو اول بدل لیا کرتے تھے جس کوئی کہتے ہیں، قرآن مجید نے اس کی ممانعت کی:

**﴿إِنَّمَا الظَّنِّ عُزِيزٌ أَدَةٌ فِي الْكُفَّارِ﴾ (التوبۃ: ۹۷)**

”نفسی کفر میں اضافہ کرتا ہے۔“

آپ ﷺ نے اپنے خطبے میں اس کا اعلان ان الفاظ میں فرمایا:

**((اَنَّ الزَّمَانَ قَدْ اسْتَدَارَ كَهْيَتَهُ يَوْمَ خَلْقِ اللَّهِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ))**

”زمانہ ہیر پھیر کے پھراسی مرکز پر آ گیا جیسا کہ اس دن تھا جب خدا نے آسمان و زمین کو پیدا کیا تھا۔“

ان حیثیتوں کے علاوہ آپ ﷺ کی حیثیت ایک معلم اور واعظ کی تھی، آپ نے اس حیثیت سے جو خطبے دیے ہیں وہ اگر چنانہ یہ سادہ ہیں تاہم ان میں بھی بلاغت کا اسلوب موجود ہے۔ ایک اخلاقی واعظ کے لیے چیزیں ترکیب، شاندار الفاظ اور تشبیہ و استعارہ کی ضرورت نہیں ہوتی، اس کو صرف سادہ الفاظ، واضح جملے اور منقصہ ترکیبوں سے مطالب کو ذہن نشین کرنا پڑتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس حیثیت سے جو خطبے دیے ہیں وہ تمام تر اسی قسم کے ہیں، مدینہ آ کرسب سے پہلا فقرہ جوزبان مبارک سے لکھا یہ تھا:

**((يَا ايَّهَا النَّاسُ، افْشُوا السَّلَامَ، وَاطْعُمُوا الطَّعَامَ، وَصَلُوْا وَالنَّاسُ نِيَامٌ، تَدْخُلُوا**

**الجَنَّةَ بِسَلَامٍ))**

”لوگو! سلام پھیلاؤ، کھانا کھلایا کرو، نماز پڑھا کرو، جب اور لوگ سوتے ہوں، جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔“

مدینہ میں جو سب سے پہلا جمعہ آپ ﷺ نے پڑھا ہے۔ ابن اسحاق کی روایت کے مطابق حمد و شکر کے بعد اس میں آپ ﷺ نے یہ خطبہ دیا تھا:

**((اَمَّا بَعْدُ! اِيَّهَا النَّاسُ! فَقَدْ مُوَالَ نَفْسَكُمْ تَعْلَمُنَ وَاللَّهُ لِيَصْعَنَ اَحَدَكُمْ ثُمَّ**

**لِيَدْعُنَ غَنْمَهُ لِيَسْ لَهُارَعَ ثُمَّ لِيَقُولُنَ لَهُ رَبِّهِ لِيَسْ لَهُ تَرْجِمَانَ وَلَا حَاجَبَ يَحْجَبَهُ**

\* بخاری: ۴۶۶۲۔ طبقات ابن سعد، جزء اول، قسم اول، ص: ۱۵۹۔ یہ روایت ترمذی: ۲۴۸۵۔ ابن ماجہ: ۱۳۳۴؛ مسند احمد، ج ۵، ص: ۴۵۱۔ اور حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی الفاظ سے تھوڑے فرق کے ساتھ موجود ہے۔

دونہ الہ یا تک رسولی فبلغک و ایتک مala فافضلت علیک فما قدمت لنفسک، فلینظرن یمیناً و شمالاً فلا یرى شيئاً ثم لینظرن قدامه فلا یرى غير جهنم فمن استطاع ان یتفقی بوجهه من النار ولو بشق من تمرة فلیفعل ومن لم یجد فبكلمة طيبة فانها تجزی الحسنة بعشر امثالها الى سبع مائة ضعف والسلام عليکم ورحمة الله وبرکاته)) \*

”حمد و شکر بعد اے لوگو! اپنے لیے پہلے سے سامان کرو، تم کو معلوم ہو جائے گا کہ خدا کی قسم! تم میں سے ایک جب اپنے ہوش و حواس کھو چکے گا اور اپنی بکریوں (مال و دولت) کو چھوڑ جائے گا، جن کا کوئی تمہیان نہ ہوگا، پھر خدا، اس کے لیے بچ میں نہ کوئی ترجمان ہے نہ دربان ہے جورو کے گا، اس سے کہہ گا کہ کیا تیرے پاس میرافتادہ نہیں آیا اور میرا بیغام نہیں پہنچایا اور میں نے تجھ کو دولت نہیں دی اور حاجت سے زیادہ نہیں عطا کیا، تو، تو نے اپنے لیے پہلے سے کیا سامان کیا، اس وقت وہ بندہ داہنے با میں دیکھے گا تو اس کو پچھناظرنہیں آئے گا، اپنے سامنے دیکھے گا تو جہنم کے سوا اس کو کوئی چیز نظر نہیں آئے گی، پس جس کو قدرت ہو وہ اپنے کو اس آگ سے بچائے گو چھوڑا رے کے ایک ٹکڑے ہی سے کیوں نہ ہو، کسی کے پاس یہ بھی نہ ہو تو ایک اچھی اور خوش اخلاقی کی بات ہی سے کیونکہ ایک تیکی کا بدلہ دل گنا بلکہ، ہفت صد گنا دیا جائے گا، تم پر خدا کی سلامتی اور اس کی رحمت و برکت نازل ہو۔“

اس کے بعد وسری و فعاً پ ﷺ نے فرمایا:

((الحمد لله احمده واستعينه ونحوذ بالله من شر و انفسنا ومن سينات اعمالنا من يهدى الله فلا مضل له ومن يضل فلا هادي له، وشهاد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له، ان احسن الحديث كتاب الله قد افلح من زيه الله في قلبه وادخله في الا سلام بعد الكفر فاختاره على ماسواه من احاديث الناس انه احسن الحديث وابلغه، احبوا ما احب الله احبوا الله من كل قلوبكم ولا تملوا كلام الله و ذكره ولا تقدس عنه قلوبكم فاعبدوا الله ولا تشركوا به شيئاً واتقوا حق تقاته وصدقوا الله صالح ماتقولون بافواهكم وتحابوا بروح الله بينكم ان الله يغضب ان ينكث عهده، والسلام عليکم ورحمة الله وبرکاته)) \*

\* ابن هشام، ج ۱، ص: ۳۰۰۔ \* ابن هشام، ج ۱، ص: ۳۰۱۔

”خدا کی حمد ہو، میں خدا کی حمد کرتا ہوں اور اس کے واسن میں ہم اپنے نفس کی برائیوں اور اپنے اعمال کی خرابیوں سے بناہ چاہتے ہیں، جس کو خدا ہدایت دے اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ ہدایت نہ کرے، اس کی کوئی راہنمائی کرنے والا نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی اور معبود نہیں، وہی تھا ہے کہ کوئی اس کا شریک نہیں، بہترین کلام خدا کی کتاب ہے۔ کامیاب ہوا وہ جس کے دل کو خدا نے اس سے آراستہ کیا اور اس کو کفر کے بعد اسلام میں داخل کیا، انسانوں کی باتوں کو چھوڑ کر خدا کے کلام کو پسند کیا، یونکہ خدا کا کلام سب سے زیادہ بہتر اور سب سے زیادہ پراثر ہے جس کو خدا دوست رکھتا ہے تم بھی دوست رکھو اور خدا کو دل سے پیار کرو اور اس کے کلام و ذکر سے کبھی نہ ٹکھو اور تھمارے دل اس کی طرف سے سخت نہ ہوں پس خدا ہی کو پوجو اور کسی کو اس کا ساجھی نہ بناؤ اور اس سے ڈر جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور خدا سے پچی بات کہوا در آپس میں ایک دوسرے کو ذات الہی کے واسطے سے پیار کرو خدا اس سے ناراض ہوتا ہے کہ کوئی اپنے عبد کو پورانہ کرے، تم پر خدا کی سلامتی اور رحمت اور برکت نازل ہو۔“

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے خطبہ دیا جس میں صرف پانچ باتیں بیان کیں:

((انَّ اللَّهَ لَا يَنْأِمُ وَلَا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَنْأِمَ يَخْفِضُ الْقَسْطَ وَيَرْفَعُ عَلَيْهِ عَمَلَ الظَّلَلِ

قبلِ عمل النهار، وعمل النهار قبلِ عمل الليل، حجابة النور))

”ہاں خدا سوتا نہیں اور نہ سوتا اس کی ذات کے شایان شان ہے، وہی قسمت کو پست و بلند کرتا ہے، رات کے اعمال اس کو دن سے پہلے پیش جاتے ہیں اور دن کے اعمال رات سے پہلے، خدا کا پرده نور ہے۔“

جمعہ کے خطبہ میں عموماً زہد و رقاق، حسن اخلاق، خوف قیامت، عذاب قبر، توحید و صفات الہی بیان کرتے تھے۔ ہفتہ میں کوئی ہمتم بالشان واقعہ پیش آتا تھا تو اس کے متعلق ہدایات فرماتے تھے۔ اکثر ایسا بھی کرتے کہ نئے خطبہ کے بجائے قرآن مجید کی کوئی انہیں مضامین کی مؤثر سورت ق وغیرہ پڑھ دیا کرتے، یہ سورہ آپ ﷺ جمعہ کے خطبہ میں اکثر و پیشتر پڑھا کرتے تھے۔ عید کے خطبے میں ان مضامین کے علاوہ صدقہ پر خاص طور پر زور دیتے تھے۔ اتفاقی خطبے ضرورت کے موقعوں پر دیا کرتے تھے اور ان میں مقتضائے وقت کے مناسب مطالب بیان فرماتے تھے، ایک دفعہ آنquat میں گہن لگا، اتفاق سے اسی دن آپ کے کسن فرزند حضرت ابراہیم ﷺ نے وفات پائی تھی۔ مزومات عرب کے مطابق لوگوں نے کہا کہ یہ گہن اسی لیے لگا ہے، آپ ﷺ نے اس موقع پر حسب ذیل خطبہ دیا:

-----  
آپ ﷺ نے اس موقع پر حسب ذیل خطبہ دیا:

\* مسلم، کتاب الایمان، باب فی قوله عليه السلام، ان الله لا ينام: ٤٤٥

((اما بعد! يا ايها الناس! انما الشمس والقمر ايتان من آيات الله وانهما لا ينكسفان لموت احد من الناس، ما من شيء لم اكن رايته الا قد رأيت من مقامي هذا حتى الجنة والنار وانه قد اوحى الى انكم تفتتون في القبور مثل فتنة الدجال فيؤتى احدكم فيقال ما علمك بهذا الرجل فاما الموقن فيقول هو محمد هو رسول الله جاء بالبيانات والهدى فاجبنا واطعننا، اما المرتاب فيقول لا ادرى سمعت الناس يقولون شيئاً فقلتـ انه عرض على كل شيء تولجونه فعرضت على الجنة حتى لوتنا ولت منها قطعاً اخذته فقصرت يدي عنه وعُرِضَتْ على النار فرأيت فيها امراة تعذب في هرة لها بطنها فلم تطعمها ولم تدعها تأكل من حشاش الارض ورأيت ابا ثمامه عمرو بن مالك يجر قصبه في النار وانهم كانوا يقولون ان الشمس والقمر لا يخسفان الا الموت عظيم وانه ايتان من آيات الله يريكمو هما فإذا خسفاً فصلوا حتى تنجلی))

”حمد ونشا کے بعد، لوگو! آفتاب و ماہتاب خدا کی دو نشانیاں ہیں، وہ کسی کے مرنسے تاریک نہیں ہوتے۔ جس چیز کو میں نے پہلے نہیں دیکھا تھا اس کو کہیں دیکھ لیا یہاں تک کہ جنت و دوزخ کو بھی اور ہاں مجھے وہی کی گئی ہے کہ تم قبروں میں آزمائے جاؤ گے، جس طرح دجال سے آزمائے جاؤ گے، تم میں سے ہر شخص کے پاس ایک آنے والا آئے گا اور پوچھے گا کہ اس شخص (یعنی خود آنحضرت ﷺ) کی نسبت کیا جانتے ہو، یقین و اے کہیں گے یہ محمد ﷺ ہیں، یہ خدا کے رسول ہیں، جو نشانیاں اور ہدایتیں لے کر آئے، تو ہم نے ان کو قبول کیا اور ان کی پیروی کی اور متفکک کہیں گے میں نہیں جانتا لوگوں کو جو کہتے سناؤ کہہ دیا۔ میرے سامنے وہ تمام مقامات پیش ہوئے جن میں تم داخل ہو گے تا آنکہ اگر میں چاہتا تو اس کا پھل تو زیستا لیکن میرے ہاتھ رک گئے، دوزخ میرے سامنے رونما کی گئی، میں نے اس میں ایک عورت کو دیکھا جس کو صرف اس لیے سزادی جارہی تھی کہ اس نے ایک بلی کو باندھ رکھا تھا، نہ اس کو خود کچھ کھانے کو دیتی تھی اور نہ چھوڑتی تھی کہ وہ زمین کی گری پڑی کوئی چیز کھائے، میں نے دوزخ میں ابوثمامہ عمرو بن مالک کو دیکھا، یہ وہ لوگ تھے جو کہتے تھے کہ آفتاب و ماہتاب میں کسی بڑے آدمی کی موت سے گہن لگتا ہے حالانکہ وہ تو خدا کی دو نشانیاں ہیں، جب تم گہن دیکھو تو نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ تا آنکہ وہ صاف ہو جائے۔“

رد بدعـت اور اعتقاد بالـشیعـیـم آپ ﷺ کا مختصر خطبـه تغیر الفاظ حـدیـث کی اکثر کتابوں میں منقول ہے:

صحیح مسلم بروایات مختلفہ، کتاب الكسوف، باب صلوٰۃ الكسوف و مابعدہ: ۲۱۰ تا ۲۲۱۔

((انما هما اثنان الكلام والهدى فاحسن الكلام كلام الله فاحسن الهدى  
هدى محمد الا واياكم ومحدثات الامور فان شر الامور محدثاتها وكل  
محدثة بدعة وكل بدعة ضلاله الا لا يطولن عليكم الامد فيقسوا قلوبكم الا  
ان ماهوات قريب وان البعيد ماليس بآت الا انما الشقى من شقى في بطن  
امه والسعيد من وعظ بغیره الا ان قتال المؤمن کفر وسبابه فسوق ولا يحل  
لمسلم ان یهجو اخاه فوق ثلات الا واياكم والکذب)) ﴿

”صرف دو با تیں ہیں قول اور عملی طریقہ، تو عمدہ کلام خدا کا کلام ہے اور عمدہ طریقہ محمد ﷺ کا  
طریقہ ہے، خبردار (نمہب میں) نئی باتوں سے بچو، نئی با تیں بدترین چیزیں ہیں، ہر نئی بات  
بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے تم کو درازی عمر کا خیال نہ پیدا ہو کہ تمہارے دل سخت ہو  
جائیں، جو چیز آنے والی ہے وہ تحریک ہے، دورہ چیز ہے جو آنے والی نہیں ہے، بدجنت اپنی  
ماں کے پیٹ میں بدجنت ہوتا ہے، خوش نصیب وہ ہے جو غیر سے موعظت حاصل کرے،  
خبردار مسلمان سے لڑنا کفر اور اس سے گالی گلوچ کرنا فتنہ ہے، مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ  
تین دن سے زیادہ اپنے بھائی سے رنجیدہ رہے، ہاں خبردار جھوٹ سے پرہیز کرنا۔“

### اثر انگلیزی

خطباتِ نبوی ﷺ تاثیر اور رقت انگلیزی میں درحقیقت مجذہ الہی تھے، پھر سے پھر دل بھی ان کو سن کر  
چند لمحوں میں موم ہو جاتے تھے، مکہ میں ایک دفعہ آپ ﷺ نے سورہ والجم کی آیتیں تلاوت کر کے سنائیں تو  
یہ اثر ہوا کہ آپ ﷺ کے ساتھ مسلمان تو مسلمان، بڑے بڑے کفار بھی جدہ میں گر پڑے۔ ﴿  
آنحضرت ﷺ کے زمانہ جاہلیت کے ایک دوست جو جھاڑ پھوک کرنا جانتے تھے یہ سن کر کہ نعوذ بالله  
آپ کو جنون ہے بغرض علاج آئے، آپ ﷺ نے ان کے سامنے مختصری تقریر کی، انہوں نے کہا کہ  
محمد ﷺ ذرا اس کو پھر تو دہرانا، غرض آپ نے کئی بار تقریر دہرانی تو اخیر میں انہوں نے کہا: ”میں نے  
شاعروں کے قصیدے اور کاہنوں کے کلام سنے ہیں لیکن یہ تو چیز ہی اور ہے۔“ ﴿

ایک دفعہ ایک نو مسلم قبیلہ بھرت کر کے مدینہ آیا آپ ﷺ نے ان کی امداد کی ضرورت سمجھی، مسجد نبوی  
میں تمام مسلمان جمع ہوئے تو آپ ﷺ نے ایک خطبہ دیا جس میں قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی کہ تمام انسان  
ایک ہی نسل سے ہیں یعنی:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِذَا قَوَّا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقْتُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاَحْدَقْتُمْ﴾ (٤١/النَّاسَ)

ابن ماجہ، باب اجتناب البدع: ٤٦۔ ﴿ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب فاسجدوا اللہ واعبدوا:  
٤٨٦٢ - ﴿ صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب تحفیض الصلوة الخطبة: ٢٠٠٨ -

”اے لوگو! اس خدا سے ڈرو جس نے ایک ذات سے تم سب کو پیدا کیا۔“

پھر سورہ حشر کی یہ آیت تلاوت کی:

﴿وَلَنَتَظَرُنَّفَسْقَاقَدَّمَتْلِغَر﴾ (۱۸: ۵۹ / الحشر)

اس کے بعد فرمایا ”درہم، کپڑا، غلہ، بلکہ چوبہارے کا ایک ٹکڑا، جو ہو، راہ خدا میں دو، مدینہ کے مسلمانوں کی مالی حالت جیسی کچھ تھی وہ سیرت کے ہر صفحہ سے ظاہر ہے لیکن با ایس ہم آپ ﷺ کی رقت الگیز اور موثر تقریر سے یہ عالم پیدا ہو گیا کہ ہر صحابی کے پاس جو کچھ قہاں نے سامنے رکھ دیا۔ بعضوں نے اپنے کپڑے اتار دیے، کسی نے گھر کا غلہ لا کر دے دیا، ایک انصاری گئے اور گھر سے اشر فیوں کا ایک توڑا اٹھا لائے جو اس قدر بھاری تھا کہ بکشکل ان سے اٹھ سکتا تھا، راوی کا بیان ہے کہ تھوڑی دیر کے بعد آپ کے سامنے غلہ اور کپڑے کے دو بڑے بڑے ڈھیر لگ گئے اور خوشی سے آپ کا چہرہ کندن کی طرح دکنے لگا۔ \*

سخت سے سخت اشتغال انگیز اوقات میں آپ ﷺ کے چند فقرے معاملہ کو رفع دفع کر کے جوشِ محبت کا دریا بہادیتے تھے۔ اوس و خرزج کی سالہا سال کی عادوں میں اس اعجاز کی بدولت مبدل بمحبت ہو گئیں۔ غزوہ کادر یا بہادیتے تھے۔ اوس و خرزج کی سالہا سال کی عادوں میں اس اعجاز کی بدولت مبدل بمحبت ہو گئیں۔ غزوہ بدر سے پہلے ایک دفعہ آپ ﷺ سوار ہو کر نکلے۔ مسلمان اور منافقین سمجھا بیٹھے ہوئے تھے، مسلمانوں نے تو ادب سے سلام کیا لیکن منافقین نے ایک گستاخانہ فقرہ استعمال کیا، یہ چنگاری تھی جس نے خرمن میں آگ لگا دی، تقریب تھا کہ جنگ و جدل برپا ہو جائے لیکن آپ ﷺ کے چند فقوہوں نے آگ پر پانی ڈال دیا۔ \*

غزوہ مصطلق سے واپسی میں ایک واقعہ پر بعض منافقین نے اشتغال پیدا کیا اور بہت ملکن تھا کہ مہاجرین و انصار باہم دست و گریبان ہو جائیں کہ میں وقت پر آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی، آپ تشریف لائے تو اس طرح تقریر فرمائی کہ چند لمحوں میں مہاجرین و انصار پھر شیر و شکر تھے۔ \* واقعہ افک میں اوس و خرزج میں اس قدر اختلاف پیدا ہوا کہ خاص مسجد نبوی میں شاید تلواریں نیام سے نکل پڑتیں، آپ منبر پر تشریف فرماتے، آپ ﷺ نے سلسہ تقریب کو جاری رکھا اور اثر یہ تھا کہ برادران مجبت کی لہریں پھر جاری ہو گئیں۔ \*

غزوہ حنین میں مال غنیمت کی تقسیم پر جب انصار میں آزر دیگی پیدا ہو گئی تھی، اس وقت آپ ﷺ نے جس بلیغانہ انداز میں تقریر فرمائی ہے اس کا مختصر ساز کرو پر گزر چکا ہے۔ اس تقریر کا کیا اثر ہوا؟ یہ ہوا کہ وہی انصار جو چند لمحے پہلے کبیدہ خاطر ہو رہے تھے اس قدر روئے کہ ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں اور دل کا سارا غبار آپ کو شکر کے ان قطروں سے دفعہ دھل گیا۔ \*

فتح کمک کے موقع پر انصار کی توقع کے خلاف جب آپ نے رو سائے قریش کی جان بخشی فرمائی تو ان

\* صحيح مسلم، کتاب الزکوة، باب الحث على الصدقة: ۲۳۵۱۔ \* صحيح بخاری، کتاب الاستذان، باب السلام في مجلس فيه اخلاق: ۶۲۵۴۔

\*\* صحيح بخاری، کتاب الفسیر، تفسیر سورہ منافقین: ۴۹۰۰ و ابن سعد غزوہ مذکور۔

\*\*\* صحيح بخاری، کتاب المغازی، باب حدیث الافک: ۴۱۴۱۔

\*\*\*\* صحيح مسلم، کتاب الجهاد، باب فتح مکہ: ۴۶۲۲۔

میں سے وہ لوگ جن کی آنکھوں میں ٹھنپ نبوی ﷺ کا جلوہ نہ تھا، مفترض ہوئے کہ ”آخر آپ کو اپنے وطن و خاندان کی محبت آہی گئی۔“ آپ کو یہ معلوم ہوا تو تمام انصار کو جمع کر کے دریافت کیا کہ ”کیا یہ حق ہے کہ تم نے ایسا کہا ہے؟“ عرض کی ہاں یا رسول اللہ! فرمایا: ”وطن و خاندان کی پاس داری میرے پیش نظر نہ تھی، میں خدا کا بندہ اور اس کافر ستادہ ہوں، میں نے اللہ کی طرف تبرّت کی اور تمہاری طرف، اب میرا جینا تمہارا جینا ہے اور میرا مرنا تمہارا مرنا ہے۔“ یہ سن کر انصار پر رفت طاری ہو گئی اور رونے لگے۔ وعظ و نصیحت میں جو خطبات آپ ارشاد فرماتے تھے، وہ بھی اسی قدر موثر ہوتے تھے۔ ایک صحابی موقع کی تصویر ان الفاظ میں کھینچتے ہیں:

وعظنا رسول اللہ ﷺ يوماً بعد الصلوة الغدا موعظة بلغة ذرفت منها العيون ووجلت منها القلوب۔ ۱

”صبح کی نماز کے بعد آنحضرت ﷺ نے ایک دن ایسا موثر و عظیم کہا کہ آنکھیں اشک ریز ہو گئیں اور دل کا پ اٹھے۔“

ایک اور مجلس وعظ کے تاثیر کی کیفیت حضرت امامہ بنت ابی بکرؓ کی بیان کرتی ہیں:

قام رسول اللہ ﷺ خطيباً فذكر فتنة القبر التي يغتن بها المرء فلما ذكر

ذلك ضجع المسلمين ضججاً۔ ۲

”آنحضرت ﷺ خطبہ دینے کو کھڑے ہوئے اور اس میں فتنہ قبر کو بیان کیا جس میں انسان کی آزمائش کی جائے گی، جب یہ بیان کیا تو مسلمان چیخ اٹھے۔“

حضرت ابو ہریرہؓ اور ابو سعیدؓ سے مردی ہے کہ ایک دفعہ آپ خطبہ دے رہے تھے کہ آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکل: ((والذی نفسی یدہ)) ”قیم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے۔“ یہ الفاظ آپ نے تین دفعہ فرمائے اور پھر جھک گئے۔ لوگوں پر یہ اثر ہوا کہ جو جہاں تھا وہیں سر جھکا کر رونے لگا۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم کو یہی ہوش نہ رہا کہ آپ قسم کس بات پر کھار ہے ہیں۔ ۳

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ایک دن آپ نے خطبہ دیا۔ یہ خطبہ اس قدر موثر تھا کہ میں نے ایسا خطبہ نہیں سنائے۔ اثاثے تقریر میں آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے لوگو! جو میں جانتا ہوں اگر تم وہ جانتے تو ہبنتے کم اور روتے زیادہ۔“ اس نفرتہ کا داد ہونا تھا کہ لوگوں کی یہ حالت ہو گئی کہ منہ پر کپڑے ڈال کر بے اختیار رونے لگے۔ ۴

۱ ابو داود، کتاب السنۃ، باب لزوم السنۃ، ۴۶۰۷؛ ترمذی، ابواب العلم، باب ما جاء فی الأخذ بالسنۃ واجتناب البدعة: ۲۶۷۶۔

۲ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی عذاب القبر: ۱۳۷۳۔

۳ سنن نسائی، کتاب الزکوٰۃ، باب وجوب الزکوٰۃ: ۲۴۴۰۔

۴ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورہ مائدۃ، باب قوله لا تستلوا عن اشياء: ۴۶۲۱۔

## عبدات نبوی ﷺ

﴿فَإِذَا فَرَغْتَ فَأَنْصُبْهُ وَإِلَى رِتَّكَ فَأَرْغِبْهُ﴾ (٩٤ / الانشراح: ٧، ٨)

”اے محمد ﷺ! جب تھے فرست ملے عبادت کے لیے گھرے ہو جاؤ اور اپنے رب سے دل لگاؤ۔“  
 (دنیا) میں آنحضرت ﷺ کے سوا اور کوئی پیغمبر ایسا نہیں گزر اجس کے متعلق صحیح طور پر معلوم ہو سکے کہ اس کا طریقہ عبادت کیا تھا؟ اس کے کون کوں سے اوقات اس کے لیے مخصوص تھے؟ اور اس کی عبادتوں کی نوعیت کیا تھی؟ گزشتہ انبیا میں حضرت نوح علیہ السلام، بلکہ آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام تک جن کے حالات تورات میں مذکور ہیں، ان کی زندگی کا یہ باب صاف نبی اسرائیل سے قطعاً متفقہ ہے۔ انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہیں کہیں صرف اس قدر ملتا ہے کہ وہ کبھی کبھی دعا میں ماٹا کرتے تھے لیکن جب کہ ان مذاہب کے پیر و مولیٰ نے اپنے پیغمبروں کے ساتھ اس قدر بے اعتمانی برتی ہے کہ یہ ضروری امور بھی، جن پر دین و شریعت کا دار و مدار ہے، وہ محفوظ نہیں رکھ سکے۔ پیر و ان اسلام کو پیغام ہے کہ انہوں نے اول سے آخر تک اپنے پیغمبر کے اوقات عبادات، اس کے طریقہ، اس کے انواع، اس کی کیفیات غرض اس کے ایک ایک جزئیات کو محفوظ رکھا ہے۔

### دعا اور نماز

آنحضرت ﷺ نبوت سے پہلے بھی عبادت الٰہی میں مصروف رہتے تھے اور غارہ رامیں جا کر مہینوں قیام اور مرافقہ کرتے تھے۔ نبوت کے ساتھ آپ کو نماز کا طریقہ بھی بتایا گیا لیکن چونکہ کفار قریش کا ڈر تھا اس لیے چھپ کر نماز ادا کرتے تھے، نماز کا وقت جب آتا، کسی پہاڑ کی گھٹائی میں چلے جاتے اور وہاں نماز پڑھ لیتے، ایک دفعہ آپ حضرت علیؓ کے ساتھ کسی درہ میں نماز پڑھ رہے تھے، اتفاق سے ابوطالب آنکھ انہوں نے دیکھا تو پوچھا ”بنتیجے ایتم کیا کر رہے ہو؟“ آپ نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔

چاشت کی نماز آپ سب کے سامنے حرم ہی میں ادا کرتے تھے کیونکہ یہ نماز قریش کے مذہب ۴ میں بھی جائز تھی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دن آپ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے اور وہ سامنے قریش بیٹھے تھے خرازہ رہے تھے ابو جہل نے کہا ”کاش اس وقت کوئی جاتا اور اونٹ کی او جھنجاست سمیت اٹھا لاتا اور محمد (علیہ السلام) جب بجھدہ میں جاتے تو وہ ان کی گردن پر ڈال دیتا۔“ چنانچہ اس تجویز کے مطابق یہ فرض عقبہ نے انجام دیا، ۵ نماز میں جب آپ جر سے قراءت فرماتے تو کفار بر ایجاد کرتے۔ ایک دفعہ آپ حرم میں نماز ادا کر رہے

۱ اضافہ تاخم باب۔ ۲ صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، ۳۳۹۲، ۳۔ ۳ مسند احمد، ج ۱، ص: ۹۹۔

۴ ابن اثیر ذکر الاختلاف فی اول من اسلام، ج ۲، ص: ۴۳ مطبوعہ لیتن: ۱۸۶۷ء۔

۵ صحیح بخاری، کتاب الوضوء باب اذا الفی علی ظهر المصلى فذر..... وکتاب الصلوة، باب المرأة تطرح عن المصلى شيئاً من الانزی.....

۶ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورہ بنی اسرائیل، باب قوله ولا تجهر بصلوتك: ۴۷۲۲۔

تھے بعض اشیائیں چاہا کہ آپ کے ساتھ گناہی سے پیش آئیں، \* ایک دفعہ ایک شقی نے گلے میں پھانی ڈال دی \* لیکن با ایس ہمہ مرحومت، لذت شناسی یادِ الٰہی اپنے فرض سے باز نہیں آتا تھا۔

راتوں کو انھی اٹھ کر آپ ﷺ نمازیں پڑھا کرتے تھے، اس عبادت شبانہ کے متعلق مختلف صحابہ سے مختلف روایتیں ہیں۔ ایک راوی کا بیان ہے کہ آپ ﷺ رات بھرنماز میں کھڑے رہے۔ امام علمہ شیعۃ کہتی ہیں کہ آپ کچھ دیر سوتے پھر کچھ دیر اٹھ کر نماز میں مصروف ہوتے پھر سو جاتے پھر اٹھ بیٹھتے اور نماز ادا کرتے، غرض صحت تک یہی حالت قائم رہتی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آجھی رات کے بعد آپ اٹھتے تھے اور ۳۲ رکعتیں ادا کرتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ۹ رکعت کی ہے، محمد بن عاصی نے ان سب میں تطبیق دی ہے کہ آپ ﷺ ان طریقوں میں سے ہر ایک طریقہ سے نماز ادا کرتے تھے، ہر راوی نے اپنا مشاہدہ بیان کیا ہے \* عام طور پر آخر میں آپ کا طرز عمل وہی تھا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابن عباس رضی اللہ عنہا کی زبانی عبادت شبانہ کے عنوان میں گزر چکا ہے۔

فرائض پنجگانہ کے علاوہ آپ ﷺ کم از کم سمن و نوافل کی ۶۳ رکعتیں روزانہ معمولاً ادا کرتے تھے دو صبح، چار چاشت، چھ ظہر، چھ عصر، چار پہلے اور دو بعد نماز (حسب روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) دو مغرب چھ عشاء، تیرہ تہجد و تر، ان کے علاوہ صلوٰۃ الا وابین سنت تحیۃ مسجد۔ وغيرہ الگ تھیں، تمام سمن میں سب سے زیادہ صبح کی دور رکعتوں کے آپ ﷺ تھتی سے پابند تھے \* کسی وقت کی سنت خلاف معمول اگر چھوٹ جاتی تو اس کی قضایا پڑتے، حالانکہ اصل شریعت کی رو سے اس کی ضرورت عام امت کے لئے نہیں ایسا واقعہ حضرت میں صرف ایک ہی دفعہ پیش آیا ہے، ظہر و عصر کے درمیان ایک وفد خدمت القدس میں باریاب ہوا جس کی وجہ سے آپ ﷺ کے بعد کی دور رکعت نہ پڑھ سکے، نماز عصر کے بعد آپ ﷺ نے بعض ازوٰج مطہرات کے مجرموں میں جا کر دور رکعت نماز ادا کی، چونکہ یہ نماز بالکل خلاف معمول تھی اس لئے ازوٰج مطہرات نے استفسار کیا، آپ ﷺ نے واقعہ بیان فرمایا، عام امت کے لئے ایک نماز کی قضایا ایک دفعہ کافی ہے لیکن پونکہ آپ جس چیز کو شروع کرتے تھے پھر اس کو ترک کرنا پسند نہیں فرماتے تھے، اس لئے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ آپ نے اس قضایا کو تمام عمر ادا کیا۔ \*

رمضان کا مہینہ آپ ﷺ کی عبادتوں کے لئے سب سے زیادہ ذوق افزا تھا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ”آپ ﷺ فیاض تو نہیں ہی لیکن جب رمضان کا مہینہ آتا اور جبریل علیہ السلام

\* ابن هشام ذکر اسلام حمزہ، ج ۱، ص: ۱۸۲۔ \*\* صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب مالقی النبی ﷺ واصحابہ من المشرکین بمکہ: ۳۸۵۶۔ \*\*\* اس بحث کو زرقانی نے شرح موابہ، جلدے، صفحہ: ۲۵۵ میں بالتفصیل لکھا ہے۔

\*\*\*\* صحیح بخاری، کتاب التہجد، باب تعاهد رکعنی الفجر: ۱۱۶۹۔

\*\*\*\*\* بخاری: ۱۲۳۳ و ابو داود، کتاب الصلوٰۃ، باب الصلوٰۃ بعد العصر: ۱۲۷۳؛ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب معرفة الرکعین اللذین کان یصلیہما..... ۱۹۳۴، ۱۹۳۳۔

قرآن نے آتے تو آپ کی فیاضی کی کوئی حد نہ ہتی، آپ کی فیاضی ہوا سے بھی آگے نکل جاتی ॥ رمضان کے آخری عشرہ میں آپ اور زیادہ عبادت گزار ہو جاتے، حضرت عائشہؓؑ کہتی ہیں کہ جب رمضان کا آخری عشرہ آتا تو آپ رات بھر بیدار رہتے تھے، ازوان سے بے تعلق ہو جاتے تھے، اہل بیت کو نماز کے لئے جگاتے تھے، اس آخری عشرہ میں آپ عموماً اعتکاف میں بیٹھا کرتے تھے ॥ یعنی ہر وقت مسجد میں بیٹھ کر یادِ الہی اور عبادت گزاری میں مصروف رہتے تھے۔

قرآن مجید کی تلاوت روزانہ فرماتے تھے ابو داؤدؓ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تلاوت کا وقت نماز عشاء کے بعد تھا۔ ॥ روزانہ سورتوں کی تعداد مقرر تھی اسی تعداد کے موافق آپ ﷺ تلاوت کر لیا کرتے تھے۔ رمضان میں پورے قرآن کا دورہ کرتے تھے ॥ پچھلی رات کاٹھ کر کوئی سورہ یا چند آیات تلاوت کرتے تھے، حضرت ابن عباسؓؑ کہتے تھے کہ ایک رفع رات کو میں نے دیکھا کہ آپ پچھلے پھر بیدار ہوئے، آنکھیں ملتے ہوئے اٹھ رات کے نئے میں تارے بھسلار ہے تھے، آپ نے نظر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا اور یہ آیتیں پڑھیں:

﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْلَافِ الْأَيَّلَيْنِ وَالْهَمَارِ لَآيَاتٍ لِّذُلُّ الْكُلُّاَبِ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قَيْمًا وَقَعْدًا وَعَلَى جُنُوبِهِمْ وَيَقْلُوْنَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبِّنَا مَا خَلَقَتَ هُنَّا إِبَّا طَلَّا سِعْنَكَ فَقَنَاعَذَابَ النَّارِ رَبِّنَا إِنَّكَ مَنْ تُدْخِلُ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ رَبِّنَا إِنَّا سَمِعْنَا مُنَادِيَيْنَادِي لِلْأَيَّلَانِ أَنْ أَمْنُوا إِنْ كُنْتُمْ فَأَمْنَّا رَبِّنَا فَغَفَرْنَا ذُمُونَنَا وَغَفَرْنَا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَهَ الْأَبْرَارِ رَبِّنَا وَإِنَّا مَا وَعَدْنَا إِنَّا عَلَى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّكَ لَا تُخْفِي الْمِيعَادَ فَاسْتَجُوْبَ لَهُمْ رَبِّهِمْ أَتَيْنَا لَا أَصْبِحْ عَمَلُ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مَّنْ ذَكَرَ أَوْ أَنْطَلَ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأَخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَوْدُوا فِي سَيِّئِي وَقَتْلُوا وَقُتْلُوا لَا كَفَرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَا دُخْلُهُمْ جَنَّتٍ تَجْرِي مِنْ كَعْبَةِ الْأَكْثَرِ تَوَابًا مِّنْ يَعْدِ اللَّهِ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ التَّوَابِ﴾

(ال عمران ۱۹۰، ۱۹۵ تا ۱۹۶)

❶ صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب اجود ما کان النبی ﷺ یکون فی رمضان: ۱۹۰۲۔

❷ بخاری، کتاب الصوم، باب العمل فی العشر الاواخر من رمضان: ۲۰۲۴۔

❸ صحیح بخاری، کتاب الاعتكاف، باب الاعتكاف فی العشر الاواخر: ۲۰۲۶، ۲۰۲۵۔

❹ ابو داؤد، ابواب شهر رمضان، باب تخربی القرآن: ۱۳۹۳۔

❺ صحیح بخاری، باب الوجع: ۱۹۰۲، ۶۔

❻ صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب قراءة القرآن بعد الوضوء: ۱۸۳ و صحیح مسلم: ۱۷۸۹، بخاری و مسلم کی روایت میں صرف آل عمران کی آخری دس آیات پڑھنے کا ذکر ہے، آیتیں درج نہیں کی ہیں۔

”آسمان اور زمین کی پیدائش اور شب و روز کے انقلاب میں ان داشمنوں کے لیے نشانیاں ہیں جو اٹھتے بیٹھتے اور پہلوپر لیٹئے ہوئے اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمان و زمین میں غور کرتے ہیں کہ خدا یا! تو نے یہ (نظامِ عالم) بے نتیجہ نہیں پیدا کیا تو پاک ہے پس ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا، خدا یا! جس کو تو دوزخ میں داخل کرے اس کو تو نے رسول کر دیا، گناہ گاروں کا کوئی مدد گار نہیں، خداوند! ہم نے ایک پکارنے والے کی آواز سنی، جو پکار کر یہ کہہ رہا تھا کہ اپنے پروردگار پر ایمان لا د تو ہم ایمان لائے، خداوند! تو ہمارے گناہ بخش دے، ہماری برائیوں پر پر دہڑاں اور نیکوں کے ساتھ دنیا سے اٹھا، خداوند! تو نے اپنے رسولوں کے ذریعہ ہم سے جس چیز کا وعدہ کیا ہے وہ ہم کو عنایت کر اور قیامت کے دن ہمیں رسول کرنا، تو اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا، پروردگار نے پکارنے لی اور دعا قبول کر لی کہ میں کسی کام کرنے والے کے کام کو ضائع نہیں کرتا مرد ہو یا عورت تم ایک دوسرے سے ہو، جنہوں نے بھرت کی یا اپنے گھروں سے نکالے اور میری راہ میں ستائے گئے ہیں اور وہ لڑائے ہیں اور مارے گئے ہیں میں ان سب کے گناہوں کو مٹا دوں گا اور ان کو جنت میں جگد دوں گا، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، اللہ کی طرف سے ان کو یہ جزا ملے گی اور اللہ ہی کے پاس اچھی جزا ہے۔“

اسی موقع پر آپ یہ الفاظ بھی کہا کرتے تھے جو سرتاپ اثر اور روحانیت میں ڈوبے ہوئے ہیں:

((اللَّهُمَّ لِكَ الْحَمْدُ أَنْتَ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلِكَ الْحَمْدُ أَنْتَ قِيَامُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلِكَ الْحَمْدُ أَنْتَ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ أَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُكَ الْحَقُّ وَقُولُكَ الْحَقُّ وَلِقَاءُكَ الْحَقُّ وَالجَنَّةُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ حَقٌّ اللَّهُمَّ لِكَ اسْلَمْتُ وَبِكَ امْتَنَّتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْكَ ابْتَدَأْتُ وَبِكَ خَاصَّمْتُ وَإِلَيْكَ حَاكَمْتُ فَاغْفِرْلِي مَا قَدَّمْتُ وَاحْرَثْتُ وَاسْرَرْتُ وَاعْلَمْتُ أَنْتَ الْهُنْدِي لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ)) \* \*

”خداوند! تیری حمد ہو، تو آسمان و زمین کا نور ہے۔ تیری حمد ہو تو آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کا پروردگار ہے۔ تو حق ہے تیر او عده حق ہے، تیری بات حق ہے، تجھے مذاقن ہے، جنت حق ہے، دوزخ حق ہے، قیامت حق ہے۔ خداوند! میں نے تیرے ہی آستانے پر سر جھکا کیا ہے، تجھی پر ایمان لایا ہوں، تجھی پر میں نے بھروسہ کیا ہے، تیرے ہی زور سے جھکتا ہوں، تجھی سے فیصلہ چاہتا ہوں، تو میرا الگا اور پچھلا، کھلا اور پچھا، ہر ایک گناہ معاف کر۔ تو ہی میرا عبود ہے، تیرے سوا کوئی اور معبود نہیں۔“

\* صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرين، باب صلاة النبي ﷺ ودعاته بالليل: ۱۸۰۸ -

کبھی گھر کے لوگ جب سو جاتے آپ ﷺ چپ چاپ بستر سے اٹھتے اور دعا و مناجات الٰہی میں مصروف ہو جاتے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ایک رات میری آنکھ کھلی تو آپ کو بستر پر نہ پایا کہجھی کہ آپ کسی اور بیوی کے محبرے میں تشریف لے گئے۔ اندھیرے میں ہاتھ سے ادھر ادھر ٹولا تو دیکھا کہ پیشانی اقدس خاک پر ہے اور آپ سر بخوبی دعاء میں مصروف ہیں۔ یہ دیکھ کر حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ مجھ کو اپنے شبہ پر ندامت ہوئی اور دل میں کہا: سبحان اللہ! ہم کس خیال میں ہیں اور آپ کس عالم میں۔ ۲ کبھی بھی راتوں کو انھ کر آپ تن تھا تبرستان میں تشریف لے جاتے تھے اور دعا وزاری کرتے تھے ایک دفعہ آپ کے پیچھے پیچھے حضرت عائشہؓ کیسیں تو دیکھا کہ آپ جنتِ ابیقیع میں داخل ہوئے اور دعائیں۔ ۳

دعا اور نماز کے بعد آپ ﷺ سو جاتے یہاں تک کہ خراٹے کی آواز سنائی دیتی کہ دفعۃ سپیدہ صح نمودار ہوتا، آپ بیدار ہوتے، صح کی سنت ادا کر کے مسجد کو تشریف لے جاتے اور اس وقت یہ الفاظ زبان مبارک پر ہوتے:

((اللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا نُورًا وَ فِي لِسٰنَنَا نُورًا وَ اجْعَلْ فِي سَمْعِنَا نُورًا وَ اجْعَلْ فِي بَصَرِنَا نُورًا وَ اجْعَلْ فِي خَلْفِنَا نُورًا وَ مِنْ أَمَامِنَا نُورًا وَ اجْعَلْ مِنْ فَوْقِنَا نُورًا وَ تَحْتِنَا نُورًا وَ اعْيُطْنَا نُورًا)) ۴

”خدایا میرے دل میں نور پیدا کرو میری زبان میں اور میری قوت سامنہ میں نور پیدا کر، آنکھوں میں نور پیدا کرو میرے پیچھے اور میرے آگے نور پیدا کر، میرے اوپر اور میرے پیچے نور پیدا کرو مجھے نور عطا کر۔“

ارکان نماز میں سب سے کم و قدر رکوع کے بعد قیام میں ہوتا ہے لیکن حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مردی ہے کہ آنحضرت ﷺ رکوع کے بعد اتنی درینک کھڑے رہتے تھے کہ ہم لوگ بکھتے تھے آپ سجدہ میں جانا بھول گئے۔ ۵ جو چیز نماز کی حضوری میں خلل ڈالتی تھی اس سے احتراز فرماتے تھے، ایک دفعہ چادر اوڑھ کر نماز ادا فرمائی جس میں دونوں طرف حاشیے تھے، نماز میں اتفاق سے حاشیوں پر نظر پڑ گئی نماز سے فارغ ہو کر فرمایا: ”یہ لے جا کر فلاں شخص (ابو جنم) کو دے آؤ اور ان سے انجانی مانگ لاو۔“ حاشیوں نے نماز کی حضوری میں خلل ڈالا۔ ۶

۱ سنن نسائی، کتاب عشرة النساء، باب الغيرة: ۳۴۱۴، ۳۴۱۳۔

۲ سنن نسائی، کتاب الجنائز، باب بالاستغفار للمؤمنين: ۲۰۳۹۔ ۳ صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرين، باب صلاة النبي ﷺ: ۱۷۹۹۔ ۴ مسند ابن حنبل، ج ۳، ص: ۱۷۲۔

۵ صحیح بخاری، کتاب الصلوة، باب اذا صلی فی ثوب له اعلام: ۳۷۳۔ انجانی ایک کپڑے کا نام ہے۔

ایک دفعہ دروازے پر منتش پرداہ پڑا ہوا تھا، نماز میں اس پر نگاہ پڑی تو حضرت عائشہؓ نے بتتا سے فرمایا:  
”اس کو بہادو، اس کے نقش و نگار حضور قلب میں خلل انداز ہوئے۔“ \*

روزہ

انجیا اور داعیان مذہب نے تکمیل روحانیت کے لیے تقلیل غذا، بلکہ ترک غذا (روزہ) کو اسباب ضروری میں شمار کیا ہے، ہندوستان کے ریاضت کش اور مرتباض داعیان مذہب تو اس راہ میں حد افراط سے بھی آگے نکل گئے ہیں لیکن داعی اسلام کا طرز عمل اس باب میں افراط اور تفریط کے سچ میں تھا۔ اسلام سے پہلے اہل عرب عاشورا کے دن روزہ رکھا کرتے تھے، آنحضرت ﷺ بھی معمولاً اس دن روزہ رکھتے تھے، بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ کے قیام کے زمانہ میں آپ ﷺ متواتر کی کمی مہینوں تک روزہ رکھتے تھے لیکن مدینہ آ کراس معمول میں فرق آ گیا، مدینہ میں یہود بھی عاشورا کا روزہ رکھتے تھے آپ ﷺ نے بھی رکھا بلکہ تمام مسلمانوں کو اس دن روزہ رکھنے کی تاکید فرمائی \* لیکن جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو عاشورا کا روزہ نفل رہ گیا۔

رمضان کے علاوہ پورے مہینہ کا روزہ مدینہ میں آپ ﷺ نے کبھی نہیں رکھا، صرف ایک شعبان مستثنی ہے، اس میں قریب قریب پورے مہینہ بھر آپ ﷺ روزہ سے رہتے، اس طرح سال میں دو مہینے شعبان اور رمضان تو پورے روزوں میں گزرتے تھے، \* سال کے باقیہ مہینوں میں یہ کیفیت رہتی تھی کہ روزہ رکھنے پر آتے تھے تو معلوم ہوتا تھا، کہ آپ کبھی روزہ نہ توڑیں گے، پھر روزہ توڑ دیتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ اب کبھی روزہ نہ رکھیں گے، \* مہینہ کے نصف اول میں جن کو ایام بیض کہتے ہیں آپ اکثر روزوں سے رہتے تھے، مہینہ میں تین دن دودھ شبہ اور ایک جمعرات کو آپ معمول روزے رکھا کرتے تھے بعض روایتوں میں ہے کہ جمعہ کا روزہ بھی معمولات میں سے تھا ان کے علاوہ محرم کے دس دن کیم سے عاشورا تک اور شوال کے آغاز میں چھ دن دوسرا سے ساتویں تک آپ روزوں میں گزارتے تھے۔ \*

اتفاقی روزے ان کے علاوہ تھے، آپ کبھی گھر میں تشریف لا کر پوچھتے تھے کہ کچھ کھانے کو ہے جواب ملتا کچھ نہیں آپ ﷺ فرماتے: ”تو میں آج روزہ سے ہوں۔“ \* کبھی کبھی آپ صوم وصال بھی رکھتے تھے یعنی متواتر کی کمی دن تک ایک روزہ رکھتے تھے سچ میں مطلق افطار نہیں کرتے تھے یا برائے نام کچھ کھا

\* صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب کراہیۃ الصلوۃ فی النصویر، ۶۵۶۔ و کتاب الصلوۃ، باب ان صلی فی ثوب مصلب: ۳۷۴۔

\*\* صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب صوم النبی ﷺ: ۲۲۲۱۔

\*\*\* صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب صیام النبی ﷺ: ۲۲۲۱۔

\*\*\*\* روزہ کے متعلق یہ حدیث تمام کتب حدیث میں میں اس وقت ابو داؤد، صحیح مسلم، کتاب الصوم یعنی نظریں۔

\*\*\*\*\* ابو داؤد، کتاب الصیام، باب فی الرخصة فیه: ۲۴۵۵۔

لیتے تھے لیکن جب صحابہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں آپ کی تقلید کرنی چاہی تو آپ نے منع فرمایا، بعض لوگوں نے اس ممانعت کو صرف اس معنی پر محول کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حکما نہیں بلکہ شفقت سے منع فرماتے ہیں، اس لئے اس ممانعت کے باوجود آپ کے ساتھ انہوں نے بھی اس قسم کے روزے رکھنے شروع کئے، آپ کو یہ خبر معلوم ہوئی تو دون تھنچل روزہ رکھا تیرے دن اتفاق سے چاند ہو گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر مہینہ بڑھ سکتا تو میں اتنے دن تک افطار نہ کرتا کہ ان مذہب میں غلوکرنے والوں کا سارا غلو جاتا رہتا۔" صحابہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپھر حضور کیوں کئی کئی دن تک افطار نہیں کرتے؟ ارشاد ہوا: "تم میں مجھ سا کون ہے؟ مجھ کو تو ایک کھلانے والا ہے جو کھلاتا ہے اور ایک پلانے والا ہے جو پلاتا ہے۔" بعض روایتوں میں یہ الفاظ اس طرح وارد ہوئے ہیں: "تم میں مجھ جیسا کون ہے؟ میں شب بسر کرتا ہوں تو میرا خدا مجھ کو کھلاتا اور پلاتا ہے۔"

عام مسلمانوں کے لئے آپ اس قسم کی مذہبی خیتوں کو ناپسند فرماتے تھے اور عام طور پر خود بھی ان چیزوں سے احتراز کرتے تھے تفصیلی واقعات آگے آتے ہیں۔

### زکوٰۃ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسلام سے پہلے بھی بہت کچھ خیرات اور مرمرات کیا کرتے تھے، جیسا کہ آغاز اسلام میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے شہادت دی ہے۔ آپ کے بعد آپ کی یہ کیفیت تھی کہ کوئی چیز نقدا پنے پاس رہنے نہیں دیتے تھے جو کچھ آتا مستحقین میں تقسیم فرمادیتے لیکن با اسی بہتر کوہہ کا دار کرنا آپ سے ثابت نہیں اس سے بعض فقہاء نے یہ توجیہ لکالا ہے کہ انہیا صلی اللہ علیہ وسلم پر زکوہ فرض نہیں ہوتی لیکن اصل یہ ہے کہ زکوہ کے دو مفہوم ہیں ایک مطلق صدقہ و خیرات اور اس باب میں جو آپ کی کیفیت تھی وہ کس سے مخفی ہے؟ دوسرا یہ کہ چاندی سونے یا جانور وغیرہ کی مخصوص مقدار و تعداد پر جو حاجت اصلیہ سے زیادہ ہو اور سال بھر تک مالک کے قبضہ میں رہی ہو، ایک عاص شرح رقم ادا کی جائے۔ یہ مصطلحہ زکوہ بھی آپ پر فرض ہی نہیں ہوئی۔ کاشانہ بیوت میں کوئی قابل زکوہ چیز سال بھر تک تو کیا رہتی یہ بھی پسند خاطر نہ تھا کہ شب گزر جائے اور مال و دولت کا کوئی نشان گھر کے اندر رہ جائے ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ خراج کی رقم اس قدر زیادہ آگئی کہ وہ شام تک ختم نہ ہو سکی، آپ نے رات بھر مسجد میں آرام فرمایا اور کاشانہ اقدس میں اس وقت تک قدم نہیں رکھا جب تک حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آ کر یہ اطلاع نہ دی کہ "یا رسول اللہ! اخنانے آپ کو سکدوں ش کیا۔"

صوم وصال کی یہ حدیث میں صحیح۔ سلم، کتاب الصیام، باب النبی عن الوصال فی الصوم: ۲۵۶۳ تا ۲۵۷۲ سے لگتی ہیں۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الوضو: ۳۔

ابو داود، کتاب الخراج، باب فی الامام يقبل هدایا المشرکین: ۵۵۰۳۔

اسلام سے پہلے آپ ﷺ نے جس قدر حج کیے ان کی صحیح تعداد متعین نہیں کی جاسکتی۔ ابن الاشر نے لکھا ہے کہ چونکہ قریش معمول اہر سال حج کیا کرتے تھے ۱۱۴ اس لیے قبیلہ غالب یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ بھی ہر سال حج ادا کرتے ہوں گے۔ ترمذی میں ہے کہ قیام مکہ کے زمانے میں آپ نے دو حج کئے تھے ۱۱۵ اور ابن الجب او رحکم میں ہے کہ تین حج کئے تھے لیکن یہ سب روایتیں مرسل ہیں۔ ۱۱۶ مدینہ کے زمانہ قیام میں متفقہ ثابت ہے کہ صرف ایک حج ۱۱۷ اہم کیا، ۱۱۸ یہ وہی جمیع الاداع ہے، جس کا ذکر بہ تفصیل پہلے اگر رچکا ہے۔

حج کے علاوہ آپ نے عمرے بھی ادا کئے ہیں، بھرت کے بعد چار عمرے ثابت ہیں۔ ایک عمرہ ذیقعده کے مہینے میں ایک حدیبیہ کے سال، ایک غزوہ ہجیں کے بعد اور چوتھا جمیع الاداع ۱۱۹ کے ساتھ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جمیع الاداع والے عمرہ کے سواتمام عمرے آپ نے ذیقعده کے مہینے میں ادا کئے۔ ایک دفعہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ آنحضرت ﷺ نے کتنے عمرے کئے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: ”چار عمرے، ان میں سے ایک ماہ رب میں“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ سنات تو کہا: ”خدا ابو عبد الرحمن (ابن عمر کی نیت) پر حرم فرمائے آپ نے کوئی عمرہ ایسا نہیں کیا جس میں وہ شریک نہ ہوں، آنحضرت ﷺ نے رب جب میں کوئی عمرہ نہیں کیا۔“ ۱۲۰

سال حدیبیہ میں سب سے پہلی دفعہ جب آپ عمرہ ادا کرنے کے لیے روان ہوئے تھے تو کفار قریش نے قدم پر رونکنے کی کوشش کی، صحابہ رضی اللہ عنہم ان کی مدافعت میں آپ سے بچھز گئے، لیکن آپ ﷺ کو خانہ کعبہ کی زیارت کا یہ ذوق و شوق تھا کہ اپنے ہمراہ یوں کا انتشار کئے بغیر بے خطر آپ سب سے آگے بڑھے چلے جا رہے تھے۔ آخر جان ثاروں نے ابو قادہ النصاری کو بھیجا کہ وہ جا کر ہماری جانب سے سلام عرض کریں اور یہ درخواست کریں کہ ”آپ ذرا توقف فرمائیں ہمیں یہ ذر ہے کہ دشمن کہیں ہمارے اور آپ کے درمیان حائل نہ ہو جائیں۔“ آپ نے ان کی یہ درخواست قبول فرمائی۔ ۱۲۱

دؤام ذکر الہی

قرآن مجید نے اہل ایمان کا یہ وصف خاص بیان کیا ہے:

۱۱۴. الكامل فی التاریخ، واقعات ۹ ذکر حج ابی بکر، ج ۲، ص: ۲۲۲۔

۱۱۵. ترمذی، ابواب الحج، باب کم حج النبی ﷺ: ۸۱۵۔

۱۱۶. رزقانی، ج ۸، ص: ۱۶۴۔ ۱۱۷. صحيح مسلم، کتاب الحج، باب حجۃ النبی ﷺ: ۲۹۵۰۔

۱۱۸. وابوداؤد، کتاب المنسک، باب صفة حجۃ النبی ﷺ: ۱۹۰۶۔ و ترمذی باب کم حج النبی ﷺ: ۸۱۵۔

۱۱۹. جامع ترمذی، ابواب الحج، باب کم حج النبی ﷺ: ۸۱۵۔

۱۲۰. بخاری، کتاب العمرہ، باب کم اعتمدر النبی ﷺ: ۱۷۷۶۔ مسلم، کتاب الحج، باب بیان عدد عمر

النبی ﷺ و زمانہن: ۳۰۳۷؛ ترمذی: ۹۳۶۔

۱۲۱. صحیح بخاری، کتاب جزاء الصید، باب اذاری المحرمون: ۱۸۲۲۔

﴿الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيمًا وَقَعُودًا وَعَلَى جُنُوبِهِمْ﴾ (۱۹۱/ ال عمران)

”جو خدا کو اٹھتے بیٹھتے لیتے یا کرتے ہیں۔“

﴿لَا تُنْهِيْهُمْ تِجَارَةً وَلَا بَيْهَ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ﴾ (۲۴/ التور)

”جن کو اشغالی دنیوی خدا کی یاد سے غافل نہیں کرتے۔“

اور قرآن کا مبلغ ان اوصاف کا خود بہترین مظہر تھا، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ حضرت ﷺ کے آستانہ پر پھرہ دیتے تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کی تسبیح و تہلیل کی آواز سننے سنتے میں تحکم جاتا تھا، اور مجھے نیند آ جاتی تھی۔ ۳۰ اٹھتے، بیٹھتے، چلتے پھرتے، کھاتے پیتے، سوتے جاتے، وضو کرتے، نئے کپڑے پہننے، سوار ہوتے، سفر میں جاتے، واپس آتے، گھر میں داخل ہوتے، مسجد میں قدم رکھتے، غرض ہر حالت میں دل و زبان ذکر الہی میں مصروف رہتے۔ چنانچہ اسی ہنا پر احادیث میں مختلف اوقات و حالات کے لیے کثرت سے ادعیہ ما ثور منقول ہیں۔ اخیر زندگی میں جب سورہ اذا جاء اتری جس میں تحریم و تسبیح کا حکم ہے تو امہات المؤمنین کا بیان ہے کہ ہر وقت اور ہر حالت میں زبان مبارک پر تسبیح و تہلیل جاری رہتی تھی۔ ۳۱

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ”آپ ﷺ اکثر یہ دعا ((رَبِّ اغْفِرْلِيْ وَتُبْ عَلَيْ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَابُ الْغَفُورُ)) تھوڑے تھوڑے و قد کے بعد پڑھا کرتے تھے۔ ہم نے گناہوں کی ایک ایک اشت میں سو سو دفعہ یہ الفاظ آپ ﷺ کی زبان سے ادا ہوئے۔ ۳۲ سفر اور کوچ کی بے اطمینانی میں بھی آپ ﷺ یاد کی طرف رخ ہے یا نہیں۔ سواری کا جانور جدھر چل رہا ہوتا آپ ﷺ ادھر ہی منہ کے نماز کی نیت کر لیتے ۳۳ کہ ﴿فَإِنَّمَا تُؤْلَمُ فَمَنْ وَجَهَ اللَّهُ﴾ (۲۱۵/ البقرۃ) ”جدھر رخ کرو ادھر ہی خدا کا منہ ہے۔“

### ذوق و شوق

آپ ﷺ اصحاب ﷺ کی محفل میں یا امہات المؤمنینؓ کے محروم میں بات چیت میں مشغول ہوتے کہ دھننا اذا ان کی آواز آتی آپ اٹھ کھڑے ہوتے ۳۴ رات کا ایک معتمدہ حصہ گوش بیداری میں گزرتا تھا تاہم ہنچ کے وقت ادھر موذن نے اللہ اکبر کہا ادھر آپ ﷺ بستر سے اٹھ بیٹھے ۳۵ شب کے وقت

۳۰ ابو داؤد، کتاب الطهارة، باب فی الرجل بذکر الله علی غیر طہر: ۱۸۔ ۳۱ مسند احمد، ج ۴ ص: ۵۹۔

۳۲ ابن سعد، قسم ثانی جز ثانی جزء الوفاة، ص: ۱۔ ۳۳ ترمذی، کتاب الدعوات، باب ما يقول اذا قام من مجلسه: ۳۴۳۴ وابن ماجہ، ابواب الادب، باب الاستغفار: ۳۸۱۴؛ مسند عبد بن حمید: ۷۸۶۔

۳۴ صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب التوجیه نحو القبلة: ۴۰۰ وصحیح مسلم: ۱۲۰۷۔

۳۵ صحیح بخاری، کتاب النفقات، باب حدمة الرجل فی اهله: ۵۳۶۳۔

۳۶ صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب من انتظر الاقامة: ۶۲۶۔

جس ذوق و شوق اور وجہ کی حالت میں نماز پڑھتے اس کا نقشہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان الفاظ میں کھینچا ہے ”کبھی پوری پوری رات آنحضرت ﷺ کھڑے رہتے، سورہ بقرہ، سورہ آل عمران، سورہ نساء (قرآن کی سب سے بڑی سورتیں ہیں) پڑھتے، جب کوئی خوف اور خشیت کی آیت آتی، خدا سے دعاء مانگتے اور پناہ طلب کرتے کوئی رحمت اور بشارت کی آیت آتی تو اس کے حصول کی دعاء مانگتے۔ قراءت اتنی زور سے فرماتے کہ دور دور تک آواز جاتی اور لوگ اپنے بستروں پر پڑے پڑے آپ ﷺ کی آواز سنتے۔ کبھی کبھی کوئی ایسی آیت آ جاتی کہ آپ ﷺ اس کے ذوق و شوق میں محو ہو جاتے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ ﷺ نے نماز میں یہ آیت پڑھی:

﴿إِنْ تَعْذِّبُهُمْ فَإِنَّهُمْ عَبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْعَلِيُّمُ﴾

(۱۱۸/۵) (المائدۃ: ۱۱۸)

”اگر تو سزادے تو تیرے بندے ہیں اور اگر معاف کر دے تو غالباً اور حکمت والا ہے۔“

تو یہ اثر ہوا کچھ تک آپ ﷺ یہی آیت پڑھتے رہ گئے۔ ❶

زید بن خالد جنی ﷺ ایک صحابی ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ اداہ کیا کہ آج شب میں آپ کو نماز پڑھتے دیکھوں گا، (غالباً یہ کسی سفر کا واقعہ ہے) نماز کا وقت آیا تو آپ ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوئے پہلے دور کعیتیں معمولی ادا کیں پھر دور کعیتیں بہت ہی بھی اور بڑی دیر تک پڑھیں، پھر دو دو رکعتیں کر کے آٹھ رکعتیں بقدر تین چھوٹی چھوٹی پڑھیں اور سب کے آخر میں وتر ادا کی۔ ❷ خباب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے ایک شب آپ ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو صحیح تک مصروف رہے۔ ❸

حضرت حدیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شب مجھ کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا، آپ نے سورہ بقرہ شروع کی (قرآن کی یہ سب سے بڑی سورہ ہے) میں سمجھا آپ ﷺ سو آجou تک پڑھیں گے لیکن آپ ان کو پڑھ کر اور آگے بڑھے، میں نے دل میں کہا شاید پوری سورہ آپ ایک ہی رکعت میں ختم کرنا چاہتے ہیں چنانچہ آپ نے جب اس سورہ کو ختم کیا تو میں نے خیال کیا کہ اب آپ رکوع کریں گے لیکن آپ نے فوراً ہی سورہ آل عمران شروع کر دی، یہ بھی ختم ہو چکی تو سورہ نساء شروع کی (یہ تینوں سورتیں مل کر سوا پانچ پاروں کے قریب ہیں) بہت تھہر تھہر کر نہایت سکون اور اطمینان سے آپ قراءت کر رہے تھے اور ہر آیت کے مضمون کے مطابق بیچ بیچ میں تسبیح اور دعا کرتے جاتے تھے، اس کے بعد آپ نے رکوع کیا،

❶ ابن ماجہ: ۱۳۵۲ تا ۱۳۵۱؛ مسنند احمد، ج ۶، ص: ۹۲۔ ❷ ابن ماجہ، ابواب الصلوٰة، باب ماجاء فی القراءة صلوٰة الليل: ۱۳۴۹۔ ❸ ایضاً: ۱۳۵۰۔ ❹ صحیح مسلم، کتاب صلوٰة المسافرین: ۱۸۰؛ ابو داود، کتاب التطوع، باب فی صلوٰة الليل: ۱۳۶۶؛ موطا، باب صلوٰة النبی ﷺ فی الورث: ۲۶۸۔ ❻ نسانی، کتاب قیام اللیل، باب تسویة القيام والركوع: ۱۶۶۶۔

رکوع میں قیام ہی کے برابر توقف فرمایا پھر کھڑے ہوئے اور اتنی ہی دیرینک کھڑے رہے سجدہ کیا اور سجدہ میں بھی اسی قدرتا خیر فرمائی۔ ﴿ میدان جنگ میں یادِ الٰہی

میں اس وقت جب دونوں طرف سے فوجیں برسر پیکار ہوتیں، تیر و سنان اور تنقیخ و نجمر کی چمک سے آنکھیں خیرہ ہوتیں اور ہر طرف نے شوردار و گیر برپا ہوتا، آپ ﷺ نہایت خضوع و خشوع اور اطمینانِ قلب کے ساتھ دعا و زاری اور ذکرِ الٰہی میں مصروف ہوتے۔ سپاہی شجاعت کے فخر و غرور سے پیشانیوں پر مل ڈالے ہوئے دشمنوں کے مقابلہ میں ہوتے لیکن خود سپہ سالار کی پیشانی زمین نیاز پر ہوتی۔ بدرا، احد، خندق، خیبر، تبوک تمام بڑے بڑے معروکوں میں آپ کی یہی کیفیت تھی۔ معزکہ ہائے جنگ میں سپہ سالاروں کو اپنے بہادر سپاہیوں کی قوت پر ناز ہوتا ہے لیکن اسلام کے قائدِ عظم کو صرف خدائے ذوالجلال کی قوت پر ناز تھا۔ عالم اسباب کے لحاظ سے گواپ ﷺ نے اصولِ جنگ کے مطابق ہر میدان میں اپنی فوجیں مرتب کیں لیکن اصلی اعتماد اور بھروسہ اسباب کائنات سے ماوراء قادر مطلق کی ذات پر تھا۔ بدرا میں دو صحابی حاضر ہوتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ! ہم کو کافروں نے اس شرط پر رہا کیا ہے کہ ہم جنگ میں شرکت نہ کریں، ارشاد ہوتا ہے کہ ”ہم کو صرف خدا کی مدد درکار ہے۔“ ﴿ بدرا کا میدانِ خون سے لالہ زار ہو رہا ہے اور آپ خشوع و خضوع سے دونوں ہاتھ پھیلایا کر بارگاہ ایزدی میں عرض کر رہے ہیں کہ ”خدایا! اپنا وعدہ نصرت پورا کر۔“ محیت اور بے خودی میں ردائے مبارک کندھ سے گرپٹی ہے اور آپ ﷺ کو خبر نہیں ہوتی بھی سجدے میں گرپٹتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ ”خدایا! اگر آج یہ چند نفوس مٹ گئے تو پھر تو قیامت تک نہ پوجا جائے گا۔“ ﴿ اسی اثنائیں حضرت علیؓ تین دفعہ میدانِ جنگ سے حاضر خدمت ہوتے ہیں اور ہر دفعہ یہ دیکھتے ہیں کہ وہ مقدمہ پیشانی خاک پر ہے۔ ﴿

غزوہِ احد کے خاتمه پر ابوسفیان مرسٰت سے ہبل کی بے پکارتا ہے لیکن آپ ﷺ اس دل شکستی کے عالم میں بھی حضرت عمر بن الخطابؓ کو حکم دیتے ہیں کہ تم بھی کہو:

((الله مولانا ولا مولى لكم، الله اعلى واجل)) ﴿

”خدا ہمارا آقا ہے تمہارا کوئی آقانہیں، خدا بڑا اور بلند ہے۔“

1) صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب استحباب تطويل القراءة في صلوة الليل: ۱۸۱۴ ونسائي، كتاب قيام الليل، باب تسوية القيام والركوع: ۱۶۶۵۔ 2) صحيح مسلم، كتاب الجهاد، باب الوفاء بالعهد: ۴۶۲۹۔ 3) صحيح بخاري، كتاب المعازى، باب قول الله: اذستغيثون ۳۹۵۳: يَا لِفَاطِحَةِ مُسْلِمٍ ہیں و کیمیتِ صحيح مسلم، كتاب الجهاد، باب الادمداد بالملائكة: ۴۵۸۸۔ 4) سيرة جلد ۱، ص: ۴۳۴۔ طبع جدید۔ 5) بخاري، كتاب المعازى، باب غزوه أحد: ۴۰۴۳۔

غزوہ احزاب میں آپ ﷺ خود اپنے دست مبارک سے خندق کھونے میں مصروف تھے اور لب مبارک پر یہ الفاظ جاری تھے:

((اللّٰهُمَّ لَا خَيْرٌ إِلَّا خَيْرٌ الْآخِرَةِ فَبَارِكْ فِي الْأُنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَةِ)) ۱

”خدا یا! بھلائی صرف آخرت کی بھلائی ہے انصار اور مہاجرین کو برکت عطا کر۔“

دشمن اس شدت سے حملہ پر حملہ کر رہے تھے کہ کسی مسلمان کا اپنی جگہ سے ہٹانا ممکن نہ تھا اور یہ محاصرہ، ۲۰ دن تک قائم رہا، لیکن اس مدت میں صرف ایک یا زیادہ سے زیادہ چار وقت کی نمازیں قضا ہوئیں۔ ایک دن عصر کے وقت دشمنوں نے اس زور کا حملہ کیا کہ ایک لمحہ کے لیے بھی مہلت نہ مل سکی، آخر عصر کا وقت ختم ہو گیا، آپ کوخت رنج ہوا حملہ رکنے پر سب سے پہلے باجماعت نماز ادا کی۔ ۲

غزوہ خیبر میں جب آپ ﷺ شہر کے قریب پہنچ پوزبان مبارک سے یہ الفاظ لٹکے: ((الله اکبر خربت خیبر)۔ اللہ اکبر! خیبر ویران ہو چکا۔ ۳ عمر بن نظر آئیں تو صحابہ ﷺ سے ارشاد کیا کہ شہر جاؤ پھر یہ دعا مانگی:

((اللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ خَيْرَ هَذِهِ الْفُرْعَىٰ وَخَيْرَ أَهْلِهَا وَخَيْرَ مَا فِيهَا وَنَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ أَهْلِهَا وَشَرِّ مَا فِيهَا)) ۴

”اے اللہ! ہم تجھ سے اس آبادی کی اس آبادی والوں کی اس آبادی کی چیزوں کی بھلائی چاہتے ہیں اور ان سب کی برائیوں سے تیری پناہ کے طلب گار ہیں۔“

جنین کے معزکر میں بارہ ہزار فوج آپ کے ساتھ تھی لیکن اول ہی حملہ میں اس کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اس فوج کا سالا راگرا نہیں آدمیوں کے بھروسہ پرمیدان جنگ میں اترتا تو شاید وہ سب سے پہلے بھاگ کر اپنی جان بچاتا، لیکن آپ ﷺ کو جس قوت پر اعتماد تھا آپ اس کو اس تھیائی میں بھی اسی طرح ناصودہ دگار سمجھتے تھے۔ جس طرح فوج دشکر کے ساتھ، عین اس وقت جب دس ہزار قدر انداز تیروں کا یمنہ بر ساتے ہوئے سیلاں کی طرح بڑھتے چلا آتے تھے اور آپ ﷺ کے پہلو میں چند جان شاروں کے سوا کوئی اور باتی نہیں رہا تھا آپ سواری سے اتر آئے اور فرمایا: ”میں خدا کا بندہ اور پیغمبر ہوں۔“ پھر بارگاہ الہی میں دست بدعا ہو کر نصرت موعودہ کی درخواست کی، دفعۃ ہوا کارخ پلت گیا اور نیک فتح علم اسلام کو ہرانے لگی۔ ۵ دس ہزار دشمن کے بے پناہ تیروں کو کیکہ و تھامنا جات وزاری کی سپر پروکٹ کی جرأت پیغمبروں کے سوا اور کس سے ظاہر ہو سکتی ہے۔ اس موقع کا سب سے مؤثر منظر غزوہ بنی مصطلن میں نظر آتا ہے سامنے ڈشن پراؤڈائل پرے ہیں

۱ بخاری، باب غزوہ خندق: ۴۱۰۰۔ ۲ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوہ الخندق: ۴۱۱۲۔

۳ بخاری: ۳۷۱، مسلم: ۴۶۵۔ ۴ ابن هشام، ج ۲، ص: ۲۲۳۔

۵ صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب من صف اصحابه عند: ۲۹۳۰ و مسلم، کتاب الجهاد، باب

غزوہ حنین: ۴۶۱۵۔

اور غفلت کے منظر ہیں کہ دفعۃ نماز کا وقت آ جاتا ہے اور آپ امام بن کر آگے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ صحابہ کی ایک جماعت مقتدی ہو کر نماز میں مصروف ہو جاتی ہے اور دوسری دشمنوں کا سامناروک لیتی ہے۔ صلح حدیبیہ کے زمانہ میں اس سے بھی زیادہ خطرناک موقع پیش آیا۔ آنحضرت ﷺ کے پاس غسفان میں خیمن زن تھے۔ قریش کے مشہور جزل خالد بن ولید آس پاس کی پہاڑیوں میں دشمنوں کی فوج کا ایک دستہ لیئے ہوئے موقع کی تاک میں تھے آ خرقیش کی یہ رائے قرار پائی کہ مسلمان جب نماز کے لیے کھڑے ہوں تو عین اس وقت ان پر بے جبری میں حملہ کیا جائے۔ خداوند کار ساز کی پارگاہ میں قصر صلوٰۃ کی ایک عدمہ تقریب پیدا ہو گئی چنانچہ قصر کی آئین نازل ہوئیں عصر کا وقت آیا تو آپ ﷺ نماز کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، دشمن اپنی فوج کا پرا لیے آپ کے سامنے تھے، صحابہ و دشمنوں میں م تقسم ہو گئے، ایک حصہ نے آپ کے پیچے آ کر نماز کی صفائی قائم کر لیں اور دوسری حصہ دشمنوں کے مقابل کھڑا ہو گیا۔ پہلی جماعت فارغ ہو کر بتدریج دشمنوں کے مقابل آگئی اور دوسری ترتیب کے ساتھ پیچھے ہٹ کر آپ کے ساتھ نماز میں جاتی۔ یہ تمام تبدیلیاں مقتدیوں کی صفوں میں ہو رہی ہیں لیکن خود پہ سالارخون آشام تکواروں کے سایہ میں تمام خطرات سے بے پروا عباداتِ الہی میں مصروف ہے اور اس کو ذرہ برابر جنت نہیں ہوتی۔ ﴿۲﴾

ان واقعات کو پڑھ کر اندازہ ہو گا کہ اس حکمِ الہی کی کہاں تک تعمیل ہوئی:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا أَقْيَمْتُمْ فِتَّةً فَأَنْبِتُوْا وَإِذْكُرُوا اللَّهَ كَيْفَ يَعْلَمُ الْعَالَمُونَ ﴾

(الانفال: ٤٥)

”مسلمانو جب کسی گروہ سے مذکور ہو جائے تو ثابت قدم رہو اور بار بار خدا کا نام لیتے جاؤ تم کامیاب ہو گے۔“

صحیح بخاری میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ جہاد میں جب کسی نیکرے پر چڑھتے تو تین بار اللہ اکبر کہتے۔ ﴿۳﴾

خشیتِ الہی

آپ ﷺ خاتم الانبیاء تھے افضل رسیل تھے، محبوب خاص تھے، تاہم خشیتِ الہی کا یہ اثر تھا کہ فرمایا کرتے کہ ”مجھ کو کچھ نہیں معلوم کہ میرے اوپر کیا گزرے گی؟“ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے جب وفات پائی تو آپ ﷺ تعریت کو گئے لاش دھری تھی ایک عورت نے لاش کی طرف مخاطب ہو کر کہا: ”خدا گواہ ہے کہ خدا نے مجھ کو نوازا۔“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”تم کو کیونکر معلوم ہوا۔“ بولیں: ”خدا نے ان کو نہیں نوازا تو اور کس کو نوازے گا،“ ارشاد ہوا کہ ”ہاں مجھ کو بھی ان کی نسبت بھلانی کی توقع ہے لیکن میں پیغمبر ہو کر بھی یہ نہیں۔

﴿ابو داود، کتاب صلاة السفر، باب من قال يقون صفت…… ۱۲۳۷﴾

﴿صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب التکبیر اذا علاشرفا: ۲۹۹۴﴾

جانتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا۔” \* جب کبھی زور سے ہوا چلتی آپ ﷺ ستم جاتے کسی ضروری کام میں ہوتے اس کو چھوڑ کر قبلہ رخ ہو جاتے اور فرماتے: ”خدایا تیری تھی ہوئی مصیبت سے پناہ مانگنا ہوں۔“ جب مطلع صاف ہو جاتا یا پرانی رس جاتا تو ضرور ہوتے اور خدا کا شکر ادا فرماتے۔ \* ایک دن اس قسم کا واقعہ پیش آیا تو حضرت عائشہؓ نے پوچھا ”یا رسول اللہ! آپ کیوں مضطرب ہو جاتے ہیں؟“ ارشاد ہوا: ”عائشہؓ! تھے کیا معلوم کر قوم ہو دکا واقعہ نہ پیش آئے جس نے بادل دیکھ کر کہا کہ یہ ہمارے کھیتوں کو سیراب کرنے والا ہے حالانکہ وہ مذاب الہی تھا۔“ \*

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! آپ ﷺ کے بال پکنے لگے، فرمایا: مجھے سورہ ہود و واقعہ والرسلات اور عمیم یتیماء لوون نے بوڑھا کر دیا۔“ \* (ان سورتوں میں قیامت وغیرہ کے واقعات مذکور ہیں) ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب دو شبانہ شب گزر چلتی بآواز یہ الفاظ ادا فرماتے: ”لوگو! خدا کو یاد کرو، زلزلہ آ رہا ہے اس کے پیچھے آنے والا آ رہا ہے۔ موت اپنے سامان کے ساتھ آ پیچنی، موت اپنے سامان کے ساتھ آ پیچنی۔“ \*

فرمایا کرتے تھے: ”لوگو! جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے ہو تو تم کو بھی کم اور روتازیادہ آتا۔“ \* ایک دفعہ آپ ﷺ نے نہایت موثر طرز سے خطبہ میں فرمایا: ”اے معاشر قریش! اپنی آپ خبر لو میں تم کو خدا سے نہیں بچا سکتا، اے بن عبد المناف! میں تم کو بھی خدا سے نہیں بچا سکتا، اے عباس بن عبد المطلب! میں تم کو بھی خدا سے نہیں بچا سکتا، اے صفیہ! رسول خدا کی پھوپھی! میں تم کو بھی خدا سے نہیں بچا سکتا، اے محمد کی بیٹی فاطمہ! میں تم کو بھی خدا سے نہیں بچا سکتا۔“ \*

ایک دفعہ عرب بادیہ کا مسجد نبوی میں اتنا جو ہوم ہوا کہ آپ ﷺ پسندیدنے کے قریب ہو گئے، مہاجرین نے انٹھ کر لوگوں کو ہٹلیا، آپ نکل کر حضرت عائشہؓ نے پھر جگہ مجرہ میں داخل ہو گئے اور تقاضائے بشری سے بد دعا زبان سے نکل گئی، فوراً قبلہ رخ ہو کر دونوں ہاتھ خدا کی بارگاہ میں اٹھائے اور دعا کی: ”خدایا! میں ایک انسان ہوں اگر تیر کے کسی بندہ کو مجھ سے تکلیف پہنچنے تو مجھے سزا نہ دینا۔“ \*

گریہ و بکا

**(خیثت الہی)** کی وجہ سے اکثر آپ ﷺ پر رفت طاری ہوتی اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے

\* صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب الدخول على المیت: ۱۲۴۳۔ ۲ سنن ابن ماجہ، کتاب الدعاء، باب ما یدعا به الرجل اذار ای السحاب والمطر: ۲۸۸۹۔ ۳ یواقع بخاری: ۲۸۲۹؛ مسلم: ۶۰۸۷-۶۰۸۸؛ ابو دیگر حدیث کی کتابوں میں بھی مذکور ہے، انہیں فقرہ قرآن کی آیت کا ترجیح ہے۔ ۴ شماہل ترمذی، باب ما جاء في شیءه ملائکہ: ۴۱۔

۵ ترمذی: ۲۴۵۷۔ ۶ بخاری، کتاب التفسیر: ۶۲۱؛ مسلم، کتاب الكسوف، باب صلوة الكسوف: ۲۰۸۹۔ ۷ صحیح بخاری، کتاب الوضایا، باب هل یدخل النساء والولد فی الاقارب: ۲۷۵۳؛ مسلم: ۵۰۱۔ ۸ مسند احمد، ج ۶، ص: ۱۰۷ و ۱۲۳؛ دو نوں صفحوں میں دروایتیں ہیں مگر غالباً ایک آنی واقعہ ہے۔

تھے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جب آپ ﷺ کے سامنے یہ آیت پڑھی: «فَلَيْفَ إِذَا  
جِئْتُمْ بِنَفْسٍ أَمْتُهُ شَهِيدًا وَجِئْتُمْ بِكَ عَلَى هُولًا عَشَهِيدًا» (۴/النساء: ۴۱) تو بے احتیاط ہم مبارک  
سے آنسو جاری ہو گئے۔ \* اکثر نماز میں رقت طاری ہوتی اور آنسو جاری ہو جاتے۔ ایک دفعہ جب سورج  
گر ہن پر اتو نماز کسوف میں آپ ﷺ سانسیں بھرتے اور فرماتے تھے: ”خدا یا تو نے وعدہ کیا ہے کہ تو  
لوگوں پر میرے ہوتے عذاب نہیں نازل کرے گا۔“ \*

عبد اللہ بن شجیر رضی اللہ عنہ ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ ایک بار خدمت نبوی میں حاضر ہوا دیکھا تو آپ  
نماز میں مشغول ہیں، آنکھوں سے آنسو جاری ہیں، روٹے روٹے اس قدر بچکیاں بندھ گئیں تھیں کہ معلوم ہوتا  
تھا کہ پچھلی چل رہی ہے یا یاہنڈی ابل رہی ہے۔ \*

ایک بار آپ ﷺ ایک جنازہ میں شریک تھے قبر کھودی جا رہی تھی آپ قبر کے کنارے بیٹھ گئے یہ منظر  
دیکھ کر آپ پر اس قدر رقت طاری ہوئی کہ آنسوؤں سے زمین نم ہو گئی پھر فرمایا: ”بھائیو! اس دن کے لیے  
سامان کر رکھو۔“ \*

ایک دفعہ کسی غزوہ سے واپس تشریف لارہے تھے راہ میں ایک پڑا اولاد، کچھ لوگ بیٹھے تھے، آپ ﷺ  
نے دریافت فرمایا: ”تم کون ہو؟“ بولے ہم مسلمان ہیں، ایک عورت بیٹھی چوڑھا سلاگا رہی تھی پاس ہی اس کا  
لڑکا تھا، آگ خوب روشن ہو گئی اور بھڑک گئی تو وہ بچہ کو لے کر آپ کی خدمت میں آئی اور بولی آپ رسول اللہ  
ہیں؟ ارشاد ہوا: ”ہاں بیٹک۔“ پھر اس نے پوچھا: کیا ایک ماں اپنے بچہ پر جس قدر مہربان ہے، خدا اپنے  
بندوں پر اس سے زیادہ مہربان نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”بیٹک۔“ اس نے کہا: تو ماں اپنے بچہ کو  
آگ میں نہیں ڈالتی، آپ ﷺ پر گریہ طاری ہو گیا پھر ساختا کر فرمایا: ”خدا اس بندہ کو عذاب دیگا جو سرکش  
اور متعدد ہے، خدا سے سرکشی کرتا ہے اور اس کو ایک نہیں کہتا۔“ \*

ایک دفعہ آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا:

﴿رَبِّ الْأَنْبَابِ أَضْلَلَنَ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ فَمَنْ تَعْزِيزُ فَإِنَّهُ مَرْءٌ﴾ (۱۴/ابراهیم: ۳۶)

”پروردگار، ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ان میں سے جس نے میری پیروی کی وہی  
میری جماعت میں ہے۔“

اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا پڑھی:

﴿إِنْ تُعَذِّبُهُمْ فَإِنَّهُمْ عَبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ (۵/المائدۃ: ۱۱۸)

\* صحیح بخاری، کتاب التفسیر، آیت مذکور: ۴۵۸۲۔ \* ابو داود، کتاب صلاة الاستسقاء، باب  
من قال يركع رکعنین: ۱۱۹۴۔ \* ابو داود، کتاب الصلوة، باب البکاء فی الصلوة: ۹۰۴؛ شمالی ترمذی:  
۲۲۱؛ مسند احمد، ج ۴، ص ۲۵۔ \* سنن ابن ماجہ، ابواب الزهد، باب الحزن والبكاء: ۴۱۹۵۔  
\* سنن ابن ماجہ، ابواب الزهد، باب ما يرجى من رحمة الله: ۴۲۹۷۔

”اگر تو ان کو عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر معاف کر دے تو تو غالباً دادا ہے۔“  
دونوں ہاتھ اٹھا کر ((اللَّهُمَّ أَمْتَنِي أَمْتَنِي)) فرماتے جاتے تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ ॥

### محبت الہی

دنیا میں وقت کے پیغمبر آئے ہیں ایک وہ جن کی آنکھوں کے سامنے صرف خدا کے جلال وَ كَبْرَيَّتی کا جلوہ تھا اور اس لیے وہ صرف خدا کے خوف و خشیت کی تعلیم دیتے تھے مثلاً: حضرت نوح و حضرت موسیٰ علیہما السلام دوسرے وہ جو محبت الہی میں سرشار تھے اور وہ لوگوں کو اسی خم خانہ عشق کی طرف بلاتے تھے مثلاً: حضرت مسیح علیہ السلام لیکن یہ دونوں افراط و تفریط کے راستے تھے۔ پہلی راہ اخلاص و محبت کی منزل تک پہنچاتی اور دوسری عبودیت اور آداب و احترام کی منزل سے دور پھینک دیتی ہے جیسا کہ عیسیٰ کی تعلیم اور موجودہ انجلی کی سیرت میں ہر شخص کو نظر آ سکتا ہے لیکن اسلام دونوں جلوؤں کو یکساں نہمایاں کرنا چاہتا ہے یہی سبب ہے کہ حال شریعت اسلامیہ کی ذات مبارک میں یہ دونوں پہلو بہ یک دفعہ نظر آتے ہیں قرآن مجید نے کمال ایمان کا وصف یہ بیان کیا ہے:

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُ حُجَّةً لِلَّهِ﴾ (۱۶۵/الفقرہ)

”جو ایمان لائے ہیں ان کو سب سے زیادہ خدا پیارا ہے۔“

صحیح رواۃتوں میں ہے کہ آپ ﷺ راتوں کو اتنی دریٹک نماز میں کھڑے رہتے تھے کہ پائے مبارک پرورم آ جاتا تھا یہ دیکھ کر بعض صحابہ ﷺ نے عرض کی ”یا رسول اللہ! آپ کی مغفرت تو خدا کر چکا ہے آپ یہ زحمت کیوں اٹھاتے ہیں؟“ ارشاد ہوا کہ ”کیا میں عبد شکور نہ بنوں؟“ ॥ ارباب باطن کہتے ہیں کہ لوگ سمجھتے تھے کہ آپ ﷺ کی یہ عبادت خشیت الہی سے ہے اور چونکہ آپ گناہوں سے پاک کر دیے گئے تھے اس لیے آپ کو ریاضات شاقہ کی ضرورت نہ تھی آپ نے اپنے جواب میں اسی شبکہ کو درفع فرمایا اور بتایا کہ ان کا مقصد محبت الہی ہے خشیت الہی نہیں، اسی لیے آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

((وَجَعَلْتُ لِي قُرْةً عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ)) ”میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔“ ॥

راتوں کے سائلے میں اٹھ کر آپ ﷺ کبھی دعا و ازاری میں مصروف ہوتے کبھی قبرستان کی طرف نکل جاتے اور فرمایا کرتے تھے: ”نصف شب کے سکوت میں خدا سائے دنیا پر زوال فرماتا ہے۔“ ॥ عبادت شبانہ کا خاتمه صحیح کی دو رکعتوں پر ہوتا تھا جن کی نسبت آپ ﷺ کا ارشاد تھا کہ ”ان کے معادضہ میں دنیا اور اپنیہا کی نعمتیں بھی میرے سامنے لیجیں ہیں۔“ ॥

❶ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب دعا النبی ﷺ لامہ: ۴۹۹۔ ❷ صحیح بخاری، کتاب التهجد، باب قیام النبی ﷺ اللیل: ۱۱۳۔

❸ مسند احمد بن حنبل، ج ۳، ص: ۱۲۸ - ۲۸۵۔

❹ بخاری، کتاب التهجد، باب الدعا والصلوة من آخر اللیل: ۱۱۴۵۔

❺ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب استحباب رکعتی سنۃ الفجر: ۱۶۸۸۔

ایک دفعہ ایک غزدہ میں کوئی عورت گرفتار ہو کر آئی اس کا بچہ گم ہو گیا تھا، محبت کا یہ جوش تھا کہ کوئی بچہ مل جاتا تو وہ سینہ سے لگائی اور اس کو دودھ پلانی آپ ﷺ نے دیکھا تو حاضرین سے خاطب ہو کر فرمایا کہ ”کیا یہ ہو سکتا ہے کہ یہ عورت خود اپنے بچہ کو آگ میں ڈال دے؟“ لوگوں نے عرض کی ”ہرگز نہیں“ فرمایا: ”تو خدا کو اپنے بندوں سے اس سے زیادہ محبت ہے حتیٰ اس کو اپنے بچہ سے ہے۔“ \*

اسی طرح ایک اور واقعہ اور گزر چکا ہے کہ آپ ﷺ ایک غزدہ سے واپس آ رہے تھے ایک عورت اپنے بچے کو گود میں لے کر خدمت القدس میں آئی اور عرض کی ”یا رسول اللہ! ایک ماں کو اپنے بچہ سے جس قدر محبت ہوتی ہے کیا خدا کو اپنے بندوں سے اس سے زیادہ نہیں ہے؟“ فرمایا: ”ہاں بیشک ہے۔“ اس نے کہا: کوئی ماں تو اپنے بچے کو آگ میں ڈالنا گوارا نہیں کرتی۔ یہ سن کر فرط اثر سے آپ ﷺ پر گریہ طاری ہو گیا، پھر سرراٹھا کر فرمایا: ”خدا صرف اس بندہ کو عذاب دے گا جو رُشتی سے ایک کو دو کہتا ہے۔“ \*

ایک دفعہ آپ ﷺ صحابہ ؑ کی مجلس میں تشریف فرماتے ایک صاحب ایک چادر میں ایک پرند کو من اس کے بچوں کے لپیٹھے ہوئے لائے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ! میں نے ایک جھاڑی سے ان بچوں کو اٹھا کر کپڑے میں پیش لیا اس کی ماں نے یہ دیکھا تو میرے سر پر منڈلانے لگی میں نے ذرا سا کپڑے کو کھول دیا تو وہ فوراً بچوں پر گر پڑی ارشاد ہوا: ”کیا اپنے بچوں کے ساتھ ماں کی اس محبت پر تم کو تعجب ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھ کو حق کے ساتھ مبوث کیا ہے جو محبت اس ماں کو اپنے بچوں کے ساتھ ہے خدا کو اپنے بندوں سے بدر جہاز یاد ہے۔“ \*

آپ ﷺ محبت الہی کے سامنے دنیا کی تمام محبوتوں کو یقین سمجھتے تھے وفات سے پانچ دن پہلے آپ نے صحابہ ؑ کے مجمع میں ایک خطبہ دیا اس میں فرمایا: ”میں خدا کے سامنے اس بات سے براءت کرتا ہوں کہ تم میں سے (یعنی انسانوں میں سے) کوئی میرا ”دوسٹ“ ہو کیونکہ خدا نے مجھے اپنا دوست بنالیا، جس طرح ابراہیم کو اس نے اپنا دوست بنالیا تھا، اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو دوست بناسکتا تو ابوکبر کو بناتا۔“ \*

وفات کے وقت زبان مبارک سے جو فقرہ بار بارادا ہو رہا تھا یہ تھا:

((اللَّهُمَّ الرَّفِيقُ الْأَعْلَى))      ”خدایا! صرف رفیقِ اعلیٰ مطلوب ہے۔“

یا الفاظ ان کر حضرت عائشہ ؑ نے کہا کہ ”اب آپ ﷺ ہم لوگوں کو چھوڑ دیں گے۔“ \*

اس ”رفاقت علوی“ کے راز سے جو کسی قدراً اشائیں وہ اس فقرہ کی یہ تشریح کرتے ہیں:

”انبیا ﷺ چون از مقام دعوت فارغ می گردند و متوجه عالم بقا می

۱) صحيح بخاری، کتاب الادب، باب رحمة الولد: ۵۹۹۹۔      ۲) سنن ابن ماجہ، ابواب الزهد، باب ما یرجی من رحمة الله: ۴۲۹۷۔      ۳) ابو داود، کتاب الجنائز، باب الامراض المکفرة للذنب: ۲۰۸۹۔

۴) صحيح مسلم، کتاب المساجد، باب النہی عن بناء المساجد على القبور: ۱۱۸۸۔

۵) صحيح بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبي ﷺ ووفاته: ۴۴۳۶، ۴۴۳۷۔

شوند و مصلحت رجوع (الی الخلق) تمام میں شو و بشوق تمام  
ندانے الرفیق الا علی برا اور ده بہ کلیت متوجہ حق جل شانہ  
میگرددند و در مراتب قرب سیر می نمایند۔ \* ۱

### توکل علی اللہ

توکل کے یہ معنی ہیں کہ انسان کوششوں کے نتائج اور واقعات عالم کے نفع کے خدا کے پرداز کر دے۔ اسباب و عمل کے پردازے اس کے سامنے سے اٹھ جائیں اور وہ براہ راست ہر چیز اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں نظر آئے، بظاہر اسباب و عمل گونا موافق ہوں مگر یہ غیر متزلزل یقین پیدا ہو کہ یہ ناموافق حالات ہمارے کام میں ذرہ بھر موڑنیں ہو سکتے بلکہ اصلی قوت و قدرت عالم اسباب سے ماوراءستی کے ہاتھ میں ہے، انسان کا استقلال، عزم، جرأت و پیਆ کی یہ تمام باتیں اسی ایک اصل کی پرتو ہیں اس کی بدولت مشکل سے مشکل اوقات میں بھی زمام صبر اس کے ہاتھ سے نہیں چھوٹی، پر خطر سے پر خطر راستوں میں بھی جبن اور ضعف ہمت اس کے قلب میں رانہ نہیں پاتا، شدید سے شدید حالات میں بھی اس کے دل پر مایوسی کا بادل نہیں چھاتا۔

آنحضرت ﷺ کے سوانح زندگی کا ایک ایک حرف پڑھ جاؤ تم کو صاف نظر آئے گا کہ اس آسمان کے نیچے شدائد اور مصیبتوں کی کوئی ایسی صنف نہ ہوگی جو آپ کی راہ میں حائل نہ ہوئی ہو، لیکن آپ ﷺ کا دل بھی اضطراب و انتشار، مایوسی و نامیدی اور خوف و نیم سے آشنا ہوا۔ نہ مکہ کی تھا بیوں میں، مصائب کے ہجوم میں دشمنوں کے زخم میں، خسین و احد کے خون ریز معاشروں میں ہر جگہ توکل و اعتماد علی اللہ کا ایک ہی جلوہ نظر آتا ہے۔ ابو طالب سمجھاتے ہیں کہ ”جان پدر! اس کام سے ہاتھ اٹھاؤ“، آپ ﷺ فرماتے ہیں: ”عم محترم! میری تھائی کا خیال نہ کیجئے حق زیادہ دیر تک تھا نہیں رہے گا، عجم و عرب ایک دن اس کے ساتھ ہو گا۔“ ایک دوسرے جواب میں آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ ”خدا مجھے تھا نہیں چھوڑے گا۔“ \* ۲ مکہ میں ایک مصیبہ زدہ مایوس صحابی سے ارشاد ہوتا ہے: ”خدا کی قسم! انقریب و وقت آتا ہے جب یہ دن مرتبہ کمال کو پہنچ جائے گا، اور خدا کے سوا کسی اور کاڑ رہنیں رہے گا۔“ \*

ایک دفعہ حرم میں پہنچ کر کفار نے باہم مشورہ کیا کہ محمد ﷺ اب جیسے ہی بہاں قدم رکھیں ان کی بوئی بوئی اڑا دی جائے، حضرت فاطمہؓ نے اس کی یہ تقریں رہی تھیں، وہ روئی ہوئی آپ ﷺ کے پاس آئیں اور واقعہ عرض کیا، آپ ﷺ نے ان کو تو سکیں دی اور وضو کے لیے پانی مانگا، وضو کر کے آپ ﷺ بے خطر حرم کی مست روانہ ہو گئے جب خاص صحن حرم میں پہنچ اور کفار کی نظر آپ پر پڑی، خود بخون دنگا ہیں جھک گئیں۔ \*

\* ۱ مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی ﷺ مکتوب ج ۱، ص: ۳۴۱ نول کشور پر ہیں۔

\* ۲ یہ دونوں واقع اben ہشام میں ہیں۔ \* ۳ صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوة۔۔۔

- ۳۶۸ - \* ۴ مستد احمد، ج ۱، ص: ۳۵۹

جلد اول میں پڑھ چکے ہو کہ شب بھرت میں قریش کے بہادر خون آشام ارادوں کے ساتھ کاشان القدس کا محاصرہ کیے ہوئے تھے لیکن آپ ﷺ نے نہایت سکون واطمینان کے ساتھ اپنے عزیز وقت بازو علی مرتضی شیعہ کو اپنی جگہ بستر پر لٹادیا، حالانکہ اچھی طرح معلوم تھا کہ قتل کا وہ ہے، بستر خواب نہیں لیکن اس کے ساتھ یہ بھی معلوم تھا کہ ایک اور قادر کل، ہستی ہے جو تخت مقتل کو فرش گل بنائی ہے، ان کو لٹاتے ہوئے نہایت بے پرواہی سے فرمایا: "تم کوکی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔" \*

گھر کے چاروں طرف دشمنان قریش محاصرہ کے ہوئے تھے اور خیال ہو سکتا تھا کہ صحیح امید کے انتظار میں مکد کے برنا و پیر عجب نہیں کوچوں اور گلیوں میں مشتاب خبر چل پھر رہے ہوں لیکن آپ ﷺ نے اذن الہی کے اعتقاد پر ان تمام نام موافق حالات کی موجودگی میں گھر سے باہر قدم نکالا۔ اس وقت سورہ طہیم کی ابتدائی آیتیں زبان مبارک پر تھیں جن میں نبوت کی اور اپنے راہ راست پر ہونے کی تقدیم ہے۔ آخری آیت یہ تھی:

﴿وَجَعَلْنَا مِنْ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبَصِّرُونَ﴾

(یعنی: ۹/۳۶)

"ہم نے ان کے آگے اور ان کے پیچھے دیواریں کھڑی کر دی ہیں، ہم نے ان کی آنکھوں پر پردہ دال دیا ہے کہ وہ نہیں دیکھتے ہیں۔"

کہ سے نکل کر آپ ﷺ نے مع حضرت ابو بکر شیعہ کے غار ثور میں پناہ لی۔ قریش میں خون آشامی کے ساتھ اب اپنی ناکامی کا غصہ بھی تھا، اور اس لیے اس وقت ان کے انتقام کے جذبات میں غیر معمولی تلاطم ہو گا وہ آپ ﷺ کے تعاقب میں نشان قدم کو دیکھتے ہوئے غمیک اسی غار کے پاس پہنچ گئے کون کہہ سکتا ہے کہ اس پر خطر حالت میں کسی کے حواس بر جارہ سکتے ہیں، چنانچہ حضرت ابو بکر شیعہ نے گھبرا کر عرض کی کہ "یا رسول اللہ! ادشن اس قدر قریب ہیں کہ اگر ذرا نیچے جھک کر اپنے پاؤں کی طرف دیکھیں گے تو ہم پر نظر پڑ جائے گی۔" لیکن آپ ﷺ نے روحا نیت کی پرسکون آواز میں فرمایا: "ان دو کو کیا غم ہے جن کے ساتھ تیر اخدا ہو۔" \*

پھر جیسا کہ قرآن مجید میں ہے، فرمایا:

﴿لَا تَخْرُنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَّا﴾ (۴۰/التوبۃ) "غم نہ کرو خدا ہمارے ساتھ ہے۔"

سینہ نبوت کے سوا اس روحانی سکون کا جلوہ اور کہاں نظر آ سکتا ہے۔

قریش کے اس اعلان کے بعد کہ جو محمد ﷺ کو زندہ یا ان کا سر کاٹ کر لائے گا، اس کو سوانح ملیں گے، سرافہ بن عشم نے آپ ﷺ کا تعاقب کیا، اور اس قدر قریب پہنچ گیا، کہ وہ آپ ﷺ کو پا سکتا تھا، حضرت ابو بکر شیعہ بار بار گھبرا کر ادھر دیکھ رہے تھے، لیکن آپ ﷺ نے ایک دفعہ بھی مذکور نہیں دیکھا کہ

\* ابن حشام، ج ۱، ص: ۲۸۹ و طبری ج ۳، ص: ۱۲۲۲، دلائل التبوة للبيهقی، ج ۲، ص: ۴۶۸۔

\*\* صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ: ۳۹۲۲، ۳۶۵۳؛ مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب فضائل ابی بکر: ۶۱۶۹۔

سراقہ کس ارادہ سے آ رہا ہے، یہاں دل پر وہی سکیت ربانی طاری تھی اور رب ہائے مبارک تلاوت قرآن میں مصروف تھے۔

عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ مدینہ آ کر آپ ﷺ کی زندگی ہر قسم کے خطروں سے محفوظ ہو گئی تھی، لیکن واقعی ہے کہ گواسلام کو یہاں اعوان و انصار کی ایک معتدہ تعداد میں تھی، لیکن اسی کے ساتھ ان شہنوں کا سامنا بھی تھا جو دشمنان مکہ سے زیادہ خطرناک تھے میں قریش گواپ ﷺ کے دشمن تھے، لیکن ان میں اور رسول اللہ ﷺ میں نسبی تعلقات تھے جو کبھی کبھی کسی کو غخواری اور مواسات پر بھی مائل کر دیتے تھے، لیکن مدینہ کے منافقین اور یہود کو مواسات و ہمدردی کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی تھی، علاوہ بریں یہود و منافقین مدینہ اور قریش مکہ میں باہم آنحضرت ﷺ کے قتل و جلاوطنی کی سازشیں شروع ہو گئی تھیں، اس بنا پر صحابہ ﷺ جان ثاری کی بنا پر آ کر راتوں کو پھرہ دیا کرتے تھے، اسی زمانہ میں ایک رات صحابہ آپ کے خیمه کا پھرہ دے رہے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی:

((وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۝)) (۵/المائدۃ: ۶۷) ”اور اللہ لوگوں سے تیری حفاظت کرے گا۔“

اور آپ نے اسی وقت خیمہ سے سر باہر نکال کر صحابہ ﷺ سے فرمایا:

((اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّصِرُوا فَقَدْ عَصَمْنِي اللَّهُ۝))

”لوگو! اداپس جاؤ میری حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لے لیا ہے۔“

غزوہ نجد سے واپسی میں آپ ﷺ نے ایک مقام پر پڑا دیکیا۔ یہاں بہت سے درختوں کے جنڈتھے، دوپھر کا وقت تھا، صحابہ درختوں کے سایہ میں ادھر ادھر سورہ ہے تھے، آپ بھی ایک درخت کے نیچے تھا استراحت فرماتھے۔ آپ کی تکوار ایک درخت سے لگی تھی کہ ناگاہ ایک بدوجو شاید اسی موقع کی تاک میں تھا پیکے سے آیا اور آپ کی تکوار اتار کر نیام سے باہر کی اور آپ کے سامنے آیا کہ دفعۃ آپ ہوشیار ہوئے دیکھا کہ ایک بدوقتی بکف کھڑا ہے بد نے پوچھا: ”اے محمد ﷺ! اب مجھ سے تم کو کون بچا سکتا ہے؟“ ایک پڑاطمینان صدا آئی کہ ”اللہ!“

ایک دفعہ ایک شخص گرفتار ہو کر پیش ہوا کہ یہ آپ ﷺ پر حملہ کی گھات میں تھا آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس کو چھوڑ دو کہ یہ مجھ کو قتل کرنا بھی چاہتا تو نہیں کر سکتا تھا۔“ یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ میری حفاظت کا ذمہ دار کوئی اور ہے۔ خیر میں جس یہودی نے آپ کو زہر دیا تھا اس سے دریافت کیا کہ ”تم نے یہ حرکت کیوں کی؟“ اس نے جواب دیا کہ ”آپ ﷺ کے قتل کرنے کے لیے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”خداتم

❷ بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب هجرة النبي ﷺ، سیرت جلد اول، سلسہ غزوات، ص: ۲۰۷ و ما بعد۔

❸ جامع ترمذی، ابواب التفسیر، باب ومن سورة المائدۃ: ۳۰۴۶۔

❹ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة ذات الرقاع: ۴۱۳۶۔

کو اس پر مسلط نہ کرتا۔”

احد اور حنین کے مکروہ میں جب میدان بچگ تھوڑی دری کے لیے جان ثاروں سے خالی ہو گیا تھا آپ ﷺ کا استقلال توکل علی اللہ و سکینت روحانی کی مجرمانہ مثال ہے۔ یہ توکل اور اعتدال علی اللہ کی یک رخی تصور ہے اس موقع کا دوسرا رخ بھی کچھ اس سے کم مؤثر نہیں ہے۔ آپ ﷺ پر فقر و غنا کے مختلف دور گزرے کوئی دن ایسا آتا کہ مسجد نبوی کامن زر و مال سے معور ہو جاتا اور پھر متصل کئی کئی دن ایسے آتے کہ فاقہ سے شکم مبارک پر دودو تین تین پتھر بندھے ہوتے حالانکہ بالکل ممکن تھا کہ آج کا سرمایہ کل کے مصارف کے لیے انہار کھا جائے لیکن تمام عمر آپ ﷺ کا طرز عمل اس کے خلاف رہا کبھی ایک دن کی آمدی دوسرے دن کے لیے اشکار کرنے کی ضروری اور بقدر کفالت اخراجات کے بعد جو کچھ بچ جاتا وہ شام تک اہل استحقاق پر صرف کرو دیا جاتا تھا، ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

ان رسول اللہ ﷺ کان لا يدخل خرulgد۔

”آنحضرت ﷺ کل کے لیے کوئی چیز انہا کرنیں رکھتے تھے۔“

اتفاق سے یا بھولے سے اگر کوئی چیز گھر میں رہ جاتی تو آپ ﷺ کو سخت تکلیف ہوتی تھی، بلکہ آپ ﷺ اس وقت تک گھر میں تشریف نہیں لے جاتے تھے جب تک یہ معلوم ہو جاتا کہ اب وہاں خدا کی برکت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اس قسم کے متعدد اوقات جو دوستگار کے عنوان میں مذکور ہیں۔

نزع کے وقت جب انسان ہر چیز کو فراموش کر دیتا ہے آپ ﷺ کو یاد آیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس کچھ اشرفیاں رکھوائی تھیں، وہ پڑی ہو گی، اس نازک موقع پر بھی یہ سہو آپ کو توکل علی اللہ کی شان کے خلاف نظر آیا، ارشاد ہوا کہ ”عائشہ! کیا محمد (ﷺ) خدا سے بدگمان ہو کر ملے گا، جاؤ پہلے ان کو خیرات کرو۔“

### صبر و شکر

رنج و غم کے متعاقب اور تو ام دور کس کی زندگی میں نہیں آتے لیکن انسان کے روحانی کمال کا جو ہر یہ ہے کہ ایک طرف حصول مقصد اور کامیابی کے نشی میں سرشار اور از خود رفتہ ہو تو دوسری طرف مصائب و آلام کی تلخی کو خندہ جیبنی اور کشادہ ولی کے ساتھ گوارا کر لے اور یہ یقین رکھے کہ انسان کا فرض صرف عمل ہے کامیابی و ناکامی دونوں کا سر رشتہ کی بالاتر ہستی کے ہاتھ میں ہے۔ قرآن مجید نے اس آیت میں اسی نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے:

❶ صحيح مسلم، كتاب السلام، باب السلم: ٥٧٠٥۔ ❷ ترمذی، أبواب الزهد، باب ماجاء في معيةة النبي ﷺ: ٢٢٦٢۔ ❸ صحيح بخاری، كتاب الاذان، باب من صلى بالناس فذكر حاجته فخطأهم: ٨١٥، ومسند احمد، ج ٦، ص: ٢٩٣۔ ❹ أبو داود، كتاب الخراج والamarah، باب قبول هدايا المشركين: ١٢٢١۔ ❺ مسند احمد، ج ٦، ص: ٤٩، وابن سعد جزء الوفاة، جز ثانی قسم ثانی، ص: ٣٣۔

﴿مَا أَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمُ الْأَلَا فِي كُلِّ ذَيْنِ أَنْ قَبْلَ أَنْ تَبَرَّأَ هَذَا إِنْ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ۝ لَّيْسَ لَكَ تَأْسِيْعًا عَلَىٰ مَا فَلَكُمْ وَلَا تَقْرُوْعًا يَا أَشْكُمْ ۝ وَاللَّهُ لَا يُجِيبُ كُلَّنْ مُخْتَالٍ قُفْوَيْرٌ﴾ (٥٧ / الحدید: ٢٢-٢٣)

”بُعْثَنی مصیبیں زمین پر اور خود تم پر نازل ہوتی تھیں وہ ان کے وجود سے پہلے دیوان قضائیں لکھ لی گئی ہیں، یہ بات خدا کے لیے آسان ہے، یہ اس لیے کیا گیا، تاکہ تم ناکامی پر غم اور حصول مقصد پر فخر نہ کرو، خدا مغفرہ اور فخار کو دوست نہیں رکھتا۔“

رسول اللہ ﷺ کو اپنی زندگی میں وہ بڑی سے بڑی کامیابیاں حاصل ہوئیں جو اس آسان کے نیچے نوع انسان کے کسی فرد کو حاصل ہو سکتی تھیں۔ تاہم آپ ﷺ کے آئینہ دل میں کبھی فخر و غرور نہ اپنا لکھ نہیں ڈالا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((انا سید ولد آدم ولا فخر)) ”میں آدم کے بیٹوں کا سردار ہوں، لیکن مجھے اس پر فخر نہیں۔“ عدی بن حاتم طائی نے جونہ بہا عیسائی تھا آپ ﷺ کے جو حالات سنے تھے ان کی بنا پر ان کو یہ شک تھا کہ آپ ﷺ با دشہ ہیں یا پیغمبر؟ جب وہ اپنے قبیلہ کا وفد لے کر حاضر خدمت ہوئے تو عین اسی وقت ایک مسکینی عورت اپنی کسی غرض کے لیے بارگاہ اقدس میں آئی اور مجھ سے ذرا ہٹ کر کچھ سن لینے کی درخواست کی، آپ ﷺ فوراً انہ کھڑے ہوئے اور اس وقت تک گلی میں کھڑے رہے جب تک وہ خود اپنی مرضی سے چلی نہیں گئی۔ عدی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی تواضع اور خاکساری کا یہ عالم دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ آپ پیغمبر ہیں، بادشاہ نہیں۔ \*

مفتوح شہروں میں داخل ہوتے ہوئے دنیا کے ہر فتح کا سرگرد و ناز سے بلند ہو جاتا ہے لیکن مکہ و خیر کا فتح اس وقت بھی اپنا سر نیاز بارگاہ ایزدی میں جھکا کر شہر میں داخل ہوا۔ ابن احراق نے روایت کی ہے کہ فتح مکہ میں جب آنحضرت ﷺ ذی طوی میں پہنچا اور دیکھا کہ خدا نے آپ ﷺ کو فتح کی عزت عطا کی ہے تو آپ ﷺ نے اپنی سواری پر توقف کیا۔

ان رسول اللہ ﷺ لما انتہی الی ذی طوی وقف علی راحلته لیضع رأسه تو اضعالله حين راي ما اكرمه الله به من الفتح حتى ان عثونه ليکاد يمس واسطة الرحل۔ \*

”جب آنحضرت ﷺ ذی طوی میں پہنچا اور دیکھا کہ خدا نے آپ ﷺ کو فتح کی عزت عطا کی ہے تو آپ نے اپنی سواری پر توقف کیا، تاکہ اپنا سر خدا کے سامنے جھکا لیں پھر یہاں تک آپ جھکے کہ آپ کی مددی قریب تھی کہ کجا وہ کی لکڑی سے لگ جائے۔“

آنحضرت ﷺ کثرت سے عبادت اور تسبیح و تبلیل کیا کرتے تھے، بعض صحابہؓ نے عرض کی:

\* سیرت ابن ہشام، ج ٢، ص: ٣٧٥۔ \* سیرت ابن ہشام ذکر فتح مکہ، ج ٢، ص: ٢٦٩۔

یار رسول اللہ اخذ تو آپ ﷺ کو بے گناہ اور معصوم بنانچا کا اب آپ کیوں یہ زحمت اٹھاتے ہیں ارشاد ہوا:  
 ((افلا اکون عبدالشکورا))۔ \* کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

یعنی اگر یہ تعبد و تسبیح و تحمد پہلے اس مرتبہ کے حصول کے لیے تھی تو اب اس مرتبہ کے حصول پر شکرگزاری اور احسان مندی کے اعتراف میں ہے۔

دنیا کے اعظم رجال جن کو رحمانیت کا کوئی حصہ نہیں دیا گیا اپنی ہر کام میا بی کو اپنی قوت بازو، اپنے حسن تدبیر اور اپنے ذاتی رعب و دا ب کی طرف منسوب کرتے ہیں لیکن مقریبین الہی کی اصطلاح میں یہ تخلی شرک و کفر کے ہم پایہ ہے ان کو ہر کام میا بی اور سرست کے واقعہ کے اندر خود قادروں کا دست غیر مرکی کام کرتا ہو انتظار آتا ہے حدیث میں ہے :

انه كان اذا جاءه امر سرور او يشير به خرساً جداً شاكراً الله تعالى -

”آنحضرت ﷺ کے پاس جب کوئی خوشی کی خبر آتی تھی تو خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے آپ ﷺ فوراً سجدہ میں گزیرتے تھے۔“

قبیلہ ہمدان کے اسلام لانے کی خبر جب آپ ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ نے سجدہ شکردا کیا۔ ۳ اسی طرح ایک دفعہ اور کسی بات کی آپ ﷺ کو خبر دی گئی تو آپ فوراً سجدہ الہی بجالائے۔ ۴ وہی کے ذریعہ سے جب آپ ﷺ کو یہ معلوم ہوا کہ جو مجھ پر درود بھیجے گا اس پر خدا درود بھیجے گا، تو اس رفتہ منزلت پر آیے ﷺ نے سجدہ شکردا کیا۔ ۵

حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ آنحضرت ﷺ کے ساتھ مکہ سے مدینہ طیبہ روانہ ہوئے اور جب مقام عز و را کے قریب پہنچنے تو سواری سے اتر گئے اور ہاتھ اٹھا کر دیریک بارگاوا الہی میں دعا کی پھر سجدہ میں گئے اور دیریک اسی حالت میں پڑے رہے۔ پھر سراٹھا کر بدستور دعا کے لئے ہاتھ پھیلائے اور پھر دیریک سجدہ میں رہے پھر اٹھ کر تضرع کے ساتھ دعا شروع کی اور اس کے بعد جی بن نیاز خاک پر رکھی، اس دعا و تجوید سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا: ”میں نے اپنی امت کی مغفرت کے لیے خدا سے دعماً گئی تھی جس کا ایک حصہ مقبول ہوا، میں شکر کے لیے سجدہ میں گرا پھر مزید درخواست کی اس نے وہ بھی قبول کی، میں سجدہ شکر بجا لایا اور پھر دعا وزاری کی۔ اس نے اس کو بھی درجہ استجابت بخشنا اور پھر میں سجدہ میں گریا۔“ ⑥

سورہ واصحی میں اللہ تعالیٰ نے آیہ ﴿كَمَا شِئْتُمْ﴾ کے اسی وصف کو نمایاں فرمایا ہے:

﴿وَالظُّلْمُ لِلَّهِ إِذَا سَبَّىٰٗ مَا وَدَعَكَ رِبُّكَ وَمَا فَلَىٰٗ ۖ وَلَلآخرةٌ خَيْرٌ لَكَ مِنَ الْأُولَىٗ﴾

<sup>٤١</sup> صحيح بخاري ، كتاب التهجد ، باب قيام النبي ﷺ الليل : ١٣٠ - <sup>٤٢</sup> أبو داود ، كتاب الجهاد ، باب في

<sup>٣</sup> زاد المعاد بحواله بيهقى بسند على شرط البخارى، ج ١، ص: ٩٧.

<sup>4</sup> زاد المعاد مذکور بحواله ابن ماجه۔ <sup>5</sup> مستند احمد عن عبدالرحمن بن عوف، ح 1، ص: 191۔

<sup>6</sup> أبو داود، كتاب الجهاد، باب في السجدة الشك: ٢٧٧٥.

وَلَسْوَقَ يُعْطِيْكَ رَبِّكَ فَتَرْضَى ۝ اَلَّمْ يَجِدْكَ يَتَمَّا فَأَوَى ۝ وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَى ۝  
وَوَجَدَكَ عَالِئًا فَأَغْلَى ۝ فَأَمَا الْيَتَمَّمَ فَلَا تَقْهَرُ ۝ وَأَمَا السَّائِلَ فَلَا شَهَرٌ ۝ وَأَمَا يَنْعِمُ بِرَبِّكَ  
فَلَذِّثُ ۝ (۱۱) (الضحى: ۹۳)

”(اے پیغمبر)! دن کے پہلے پھر کی قسم، اور رات کی قسم جب وہ پرده ڈال دے کہ تیرے پروردگار نے نہ تو تجوہ کو چھوڑا اور نہ تجوہ سے ناراض ہوا یقیناً تیری بچپنی زندگی بھی سے بہتر ہے، وہ تجوہ کو وہ کچھ دے گا جس سے تو خوش ہو جائے گا، کیا اس نے تجوہ کو یتیم نہیں پایا تو اپنی پناہ میں لے لیا، اور تجوہ کو راہ حق کا جو یاں پایا تو اس نے سیدھی راہ دکھادی اور تجوہ کو مفلس پایا تو غنی کر دیا تو (ان نعمتوں کے شکریہ میں) یتیم پر ظلم نہ کرنا اور سائل کو نہ جھٹکنا اور اپنے پروردگار کے احسان کو یاد کرتے رہنا۔“

آپ ﷺ کی سوانح زندگی کا حرف حرف شاہد ہے کہ آپ ﷺ عمر بھر کیوں کراں ارشاد ربانی کی تعییں کرتے رہے۔

صبر کا مفہوم بالکل شکر کے مخالف ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کی ذات پاک میں یہ دونوں متصاد اوصاف ایک ساتھ جمع ہو گئے تھے اور آپ کو عملاً دونوں کے اظہار کا موقع ملا۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک صحابی نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ ”یا رسول اللہ! اسب سے زیادہ مصیبت کس پر آتی ہے؟“ ارشاد ہوا کہ ”پیغمبروں پر، پھر اسی طرح درجہ درجہ لوگوں پر“ واقعات بھی اس روایت کی تصدیق کرتے ہیں آپ سرور انیما تھے اس بنا پر دنیا کے شدائد اور مصائب کا باراں مقدس گروہ میں سب سے زیادہ آپ کے دوش مبارک پر تھا اسی لیے قرآن مجید میں بار بار آپ کو صبر کی تلقین کی گئی ہے۔ سورہ احتقاف میں ہے:

﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾ (۴۶) /الاحتقاف: ۳۵

”(اے پیغمبر)! جس طرح اولو العزم پیغمبروں نے صبر کیا تم بھی صبر کرو۔“

آپ ﷺ ابھی پیدا نہ ہوئے تھے کہ والد نے انتقال کیا۔ عہد طفولیت میں تھے کہ سر سے ماں کا سایہ اٹھ گیا، اس کے دو برس کے بعد دادا نے جن کی نگاہ لطف زخم تیزی کا مرہم تھی، وفات پائی، نبوت کے بعد ابوطالب نے جو قریش کے ظلم و ستم کی پر تھے، مفارقت کی، محروم اسرارام المؤمنین خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا جو اس بھومِ مصائب میں آپ کی تہبا منس و غم خوار تھیں، موت نے ان کو بھی اسی زمانہ میں آپ ﷺ سے علیحدہ کر دیا، والدین اور بیوی کے بعد انسان کو سب سے زیادہ اولاد سے محبت ہوتی ہے جس کی مفارقت کا زخم تمام عمر مندل نہیں ہوتا آپ ﷺ کی اولاد ذکور حسب اختلاف روایت کم سے کم دو اور زیادہ سے زیادہ آٹھ تھی، لڑکیوں کی تعداد چار تھی لیکن ایک (حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا) کے سواب نے کم سنی یا جوانی میں آپ ﷺ کی

\* سنن ابن ماجہ، ابواب الفتن، باب الصحر على البلاء۔ ۴۰۲۳۔

نگاہوں کے سامنے جان دی۔ ان واقعات پر اگرچہ کبھی کبھی آپ ﷺ کی آنکھیں اشک آ لود ہو گئیں لیکن زبان و دل پر ہمیشہ صبر و سکینت کی مہرگلی رہی اور کبھی کوئی کلمہ زبان مبارک سے ایسا نہیں نکلا جس سے کارکنان تقاضا کی شکایت کا پہلو نکلتا ہو۔

آپ ﷺ کی سب سے بڑی صاحبزادی حضرت نسب شیخنا نے ۸۱ھ میں وفات پائی تو تجھیز و تکفین کے متعلق آپ ﷺ نے خود نہ نفس نفس ہدایات دیں۔ جنازہ قبر کے سامنے رکھا گیا تو آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، لیکن زبان مبارک سے ایک لفظ بھی نہ نکلا۔ حضرت زید ؓ (پروردہ خاص) اور حضرت جعفر ؓ (ابن عم) دونوں آپ ﷺ کو بہت محبوب تھے۔ غزوہ موتہ میں ان کی شہادت کی خبر آئی تو چشم مبارک اشک آ لود ہو گئی، لیکن اسی اثناء میں حضرت جعفر ؓ کے گھر سے نوح کی آواز آئی تو آپ ﷺ نے منع کر بھیجا، آپ کا ایک نواسہ جس سے آپ ﷺ کو محبت تھی، بتلائے نزع ہوا تو صاحبزادی نے بلا بھیجا لیکن آپ ﷺ نے اس کے جواب میں سلام کے بعد یہ پیغام بھیجا:

(اَنَّ اللّٰهَ مَا اخْذَ وَلِهِ مَا اعْطَى وَ كُلُّ عَنْدِهِ بِالْجَلِ مُسْمَى فَلَا تَصِيرْ وَ لَا تَحْسِبْ) ﴿١﴾

”اللہ نے جو لے لیا وہ اسی کا تھا اور جو دیا وہ بھی اسی کا ہے، اس کا ہر کام وقت مقررہ پر ہوتا ہے، صبر کرو اور اس سے خیر طلب کرو۔“

صاحبزادی نے دوبارہ بے اصرار بیایا۔ آپ ﷺ چند صحابہؓ کے ساتھ وہاں تشریف لے گئے پچھے آپ ﷺ کی گود میں رکھ دیا گیا وہ دم توڑ رہا تھا، آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، ایک صحابیؓ نے کہا: ”یا رسول اللہ ﷺ ایکیا ہے؟“ فرمایا: ”یہ جذبہ محبت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دل میں رکھا ہے، خدا اپنے بندوں میں سے رحم و لوس ہی پر رحم کرتا ہے۔“ ﴿٢﴾

ایک بار آپ ﷺ کی عبادہؓ کی عیادت کو تشریف لائے اور ان کی حالت دیکھ کر فرمایا: ”انتقال کر گئے؟“ صحابہؓ نے کہا: ”نبی یا رسول اللہ“ آپ ﷺ روپ پرے تو آپ کو روتے دیکھ کر صحابہؓ بھی روپ پرے آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ آنکھوں کے آنسو اور دل کے غم کو منع نہیں کرتا لیکن (زبان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ) اس سے عذاب ہوتا ہے۔“ ﴿٣﴾ حضرت ابراہیم ؓ کی وفات کے وقت جب آپ ﷺ کی آنکھوں سے اشک محبت جاری ہوئے تو عبد الرحمن بن عوف ؓ نے کہا: ”یا رسول اللہ ﷺ ایکیا بات ہے؟“ فرمایا: ”یہ رحمت و شفقت ہے۔“ حضرت عبد الرحمن ؓ نے دوبارہ گزارش کی، ارشاد ہوا: ﴿٤﴾

﴿١﴾ صحیح بخاری، کتاب الجنائز: ۱۲۹۹، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶ دیکھو۔ ﴿٢﴾ بخاری، کتاب الجنائز، باب قول النبی ﷺ یعدب المیت ..... الخ: ۱۲۸۴۔ ﴿٣﴾ ایضًا ﴿٤﴾ بخاری، کتاب الجنائز، باب البکاء عند المریض: ۱۳۰۴۔ ﴿۵﴾ ان تمام واقعات کے لیے صحیح بخاری، کتاب الجنائز دیکھو۔

((ان العین تدمع والقلب يحزن ولا نقول الا ما يرضي ربنا وانا بفرائنك يا

ابراهيم لمحزونون)) ﴿١﴾

”آنکھ اشک ریز ہے، دل غمگین ہے، لیکن ہم وہی کہیں گے جو ہمارے رب کی مرضی ہو۔ اے ابراہیم! ہم تمہارے فراق میں بہت غمگین ہیں۔“

بہر حال یہ واقعات آئی ہیں یعنی ان کا اثر ایک خاص وقت تک انسان پر رہتا ہے پھر مت جاتا ہے لیکن مسلسل اور غیر مقطع مصائب و حادث کو اس طرح برداشت کرنا کہ کبھی پیارہ صبر بریز نہ ہونے پائے۔ سخت مشکل ہے جہرت سے پہلے ۱۳ سال تک طائف اور مکار کے اشقیا، نے دعوت حق کا جس تحقیر و استہزاء، سب و شتم، تعذیب و ایذ ارسانی کے ساتھ جواب دیا، اس کے دھرانے کی حاجت نہیں۔ مدینہ منورہ میں آنھ تو برس تک جن خونی معرکوں کا ہمیشہ سامنا ہا اور دشمنوں نے آپ کی جلاوطنی و قتل و شکست کے جو جو منصوبے باندھے ان کے اعادہ کی بھی ضرورت نہیں لیکن ان تمام تیروں کی بوچھاڑ صبر کے سوا آپ ﷺ نے کس پر پرود کی؟

اس سے بھی زیادہ مشکل ان واقعات پر صبر ہے جو خود اختیاری ہوں، فتوحات کی کثرت گوہر دفعہ بیت المال کو معمور کر دیتی تھی لیکن دست کرم کو اسی وقت آرام ملنا جب سارا خزانہ ارباب حاجت اور فقر میں لٹ چکا ہوتا، چنانچہ اسی بنا پر خود آپ ﷺ اور تمام اہل بیت کی زندگی اکثر فقر و فاقہ میں گزرتی تھی۔ جسم مبارک کے لیے ایک کے سوا کپڑے کا کوئی دوسرا جوڑا نہیں ہوتا تھا تاہم یہ تمام شدائد اس لیے گوارا تھے کہ صبر کی لذت الہانی نعمت کی خوغلوواری اور لباس ہائے فاخرہ کی سرست سے کہیں زیادہ تھی۔ لیکن سب سے زیادہ حوصلہ لشکن اور صبر آزماس تیر کا نشانہ ہے جو دشمنوں کے نہیں بلکہ دوستوں کے ہاتھ سے لگایا جائے، دو دفعہ ایسا ہوا کہ بعض جلد باز نوجوانوں نے آپ ﷺ کے کسی فعل پر جو کسی مصلحت پر بنی تھا اعتراض کیا اس موقع پر بھی صبر کا رشتہ آپ کے ہاتھ سے نہ چھوٹا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ غنائم حنین کے متعلق ایک دو انصاریوں نے اعتراض کیا کہ آنحضرت ﷺ نے یہ دوسروں کو کیوں دے دیا، حق تو ہمارا تھا، آپ ﷺ کو اس کی خبر پہنچی۔ فرمایا:

((درحمة الله على موسى! قد اوذى اكثرا من ذالك فصبر)) ﴿٢﴾

”موسى! پر خدا کی رحمت ہو وہ اس سے بھی زیادہ (اپنے دوستوں کی طرف سے) ستائے گئے ہیں لیکن انہوں نے صبر کیا۔“

﴿١﴾ بخاری، کتاب الجنائز، باب انبالک لمحزونون: ۱۳۰۳۔

﴿٢﴾ بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة حنين: ۴۳۳۵۔

## اخلاقِ نبوی ﷺ

﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ (٦٨ / القلم: ٤)

حضرت رسالت پناہ ﷺ کی حیات اقدس کا یہ وہ حصہ ہے جہاں آکر آپ کی زندگی تمام انبیاء کرام اور مصلحین عالم سے علاویہ ممتاز نظر آتی ہے، تاریخی ترقی کا ثبوت ایک طرف، اگر یہ سوال کیا جائے کہ ان اخلاقی واعظوں کا خود عملی نمونہ کیا تھا، تو دنیا اس کے جواب سے عاجز رہ جائے گی، دنیا کے تمام مصلحین اخلاق میں گوتم بدھ اور مسیح ﷺ کا درجہ سب سے بڑا ہے، لیکن کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ ہندوستان کا یہ ریح عظم (بودھ) عملہ خود کیا تھا؟ کوہ زیتون کے رہنماء اخلاق کا واعظ (مسیح ﷺ) دنیا کو اخلاق کا بہترین درس دیتا تھا، لیکن اس کی زندگی کا ایک واقعہ بھی اس کے زریں مقولوں کی تائید میں تم کو معلوم ہے؟ لیکن مکمل اسی پکار کر کہتا:

﴿لَمْ يَكُنْ لَّهُ مَا لَا يَعْلَمُ﴾ (٦١ / الصاف: ٢)

”بُونیں کرتے، وہ کہتے کیوں ہو۔“

وہ خود اپنی تعلیم کا آپ نمونہ تھا، انسانوں کے مجمع عام میں وہ جو سچھ کہتا تھا، گھر کے غلوت کدھ میں وہ اسی طرح نظر آتا تھا، اخلاق عمل کا جو نکتہ وہ دوسروں کو سکھاتا تھا، وہ خود اس کا عملی پیکر بن جاتا تھا، یہوی سے بڑھ کر انسان کے اخلاق کا اور کون راز داں ہو سکتا ہے، چند صاحبوں نے آکر حضرت عائشہؓ سے درخواست کی کہ حضرت ﷺ کے اخلاق میان کی صحیحی، انہوں نے پوچھا: کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ ان خلق رسول اللہ ﷺ کان القرآن۔ ”آپ ﷺ کا اخلاق ہم ترن قرآن تھا۔“

موجودہ صحائف آسمانی اپنے داعیوں کے بہترین اقوال کا مجموعہ ہیں لیکن کیا ان کا ایک حرف بھی اپنے مبلغین کے عمل کا مدعا ہے، قرآن مجید لاکھوں مخالفین اور اہل عنا دکی بھیز میں اپنے داعی حق کی نسبت گویا تھا:

﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ (٦٨ / القلم: ٤)

”امحمد اتم اخلاق کے بڑے درجہ پر ہو۔“

بے در نکتہ چیزوں آج تیرہ سو برس کے بعد آپ ﷺ کو سنگ دل کہتے ہیں، لیکن اس وقت جب یہ سب سچھ ہو رہا تھا، قرآن خود دشمنوں کے مجمع میں آپ کی نسبت کیا شہادت دے رہا تھا:

﴿فَيَسَأَرْحَمَهُ مِنَ اللَّهِ لِنَتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَطَّا غَلِيلَ الْقَلْبِ لَأَنْفَضْتُمُوهُنَّ حَوْلَكُمْ﴾

(آل عمران: ١٥٩)

”خدا کی عنایت سے تم ان سے بزرگی پیش آتے ہو، اگر تم کہیں کچھ خلق اور سخت دل ہوتے تو

۱ اس عبارت میں الٰہ کتاب اور دیگر اقوام و مذاہب کے میغوفوں میں انبیا اور بزرگوں کے جاحوال مذکور ہیں ان کی طرف اشارہ ہے۔ اس کی تفسیر کے لیے سیرۃ انبیٰ ﷺ جلد اعنوان ”تغیربروں پر آنحضرت کی فضیلت حاشیہ“ ۲، ۳، ۴ میکھنا چاہیے۔ ”ض“ [ط] بندہ انجام: ۲۲، ۲۳ ابو داود، کتاب التطوع، باب فی صلاة اللیل: ۱۳۴۲۔

یہ لوگ تمہارے آس پاس سے ہٹ جاتے۔“

دوسری جگہ کہتا ہے:

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عِنْتُمْ حَرِيصٌ عَلَيْهِمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ (۹/۱۲۸) (التوبۃ)

”تمہارے پاس تم میں سے خود ایک پیغمبر آیا، اس پر تمہاری تکلیف بہت شاق گزرتی ہے، تمہاری بھائی کا وہ بھوکا ہے، اہل ایمان پر نہایت نرم اور مہربان ہے۔“

مسئلہ اخلاق کی نسبت ایک بڑی غلطی یہ کی گئی ہے کہ صرف رحم و رافت اور تواضع و خاکساری کو پیغمبرانہ اخلاق کا مظہر قرار دے دیا گیا، حالانکہ اخلاق وہ چیز ہے جو زندگی کی ہر ہر تھیں میں اور واقعات کے ہر پہلو میں نمایاں ہوتی ہے، دوست و دشمن، عزیز و بیگانہ، صغیر و کبیر، مفلس و توکر، صلح و جنگ، خلوت و جلوت غرض ہر جگہ اور ہر ایک تک دائرہ اخلاق کی وسعت ہے۔ آنحضرت ﷺ کے عنوان اخلاق پر اسی حیثیت سے نظر ڈالنی چاہیے۔

اخلاق نبوی ﷺ کا جامع بیان

اس سے پہلے کہ حضور انور ﷺ کے اخلاق مبارکہ کے جزوی اور تفصیلی واقعات لکھے جائیں، ان صاحبوں کے بیانات زیر تحریر آتے ہیں، جنہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں سالہا سال اور مدت ہائے دراز بسر کی ہیں اور جو آپ ﷺ کے اخلاق و عادات کے دفتر کے ایک ایک حرف سے واقف تھے، انسان کے حالات کا واقف کار بیوی سے بڑھ کر دنیا میں کون ہو سکتا ہے، حضرت خدیجہؓ الکبریؓ گنجائی جو نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد ۲۵ برس تک آپ کی خدمت زوجیت میں رہی تھیں، زمانہ آغاز وی میں آپ ﷺ کو ان الفاظ میں تسلی دیتی تھیں ”ہر گز نہیں، خدا کی فضیل! خدا آپ کو کبھی غلکیں نہ کرے گا، آپ صلہ رحم کرتے ہیں، مقرضوں کا باراٹھاتے ہیں، غریبوں کی اعانت کرتے ہیں، مہماںوں کی ضیافت کرتے ہیں، حق کی حمایت کرتے ہیں، مصیبتوں میں لوگوں کے کام آتے ہیں۔“

امہات المؤمنین میں حضرت عائشہؓ سعیدہؓ سے بڑھ کر کسی نے آپ ﷺ کے اوصاف تفصیل سے نہیں بیان کئے ہیں۔ فرماتی ہیں: آنحضرت ﷺ کی عادت کسی کو را بھلا کہنے کی نہ تھی، برائی کے بدله میں برائی نہیں کرتے تھے، بلکہ درگز رکرتے تھے اور معاف فرمادیتے تھے۔ آپ ﷺ کو جب دو باتوں میں اختیار دیا جاتا، تو ان میں جو آسان ہوتی اس کو اختیار فرماتے، بشرطکہ وہ گناہ نہ ہو، ورنہ آپ ﷺ اس سے بہت دور ہوتے، آپ ﷺ نے کبھی کسی سے اپنے ذاتی معاملہ میں انتقام نہیں لیا، لیکن جواہکام الہی کی خلاف ورزی کرتا خدا اس سے انتقام لیتا تھا، (یعنی خدا کی طرف سے بمحض حکم رب ای اس پر حد جاری

۱ صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی: ۳۔

۲ جامع ترمذی، ابواب البر والصلة، باب ما جاء في خلق النبي ﷺ: ۲۰۱۶ وشماہل ترمذی: ۳۴۶۔

۳ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب قول النبي ﷺ بسرروا ولا تعرروا: ۶۱۲۶ ومسلم، کتاب الفضائل، باب مباعدته للآثام: ۶۰ وابوداؤد کتاب الادب، باب التجاوز في الامر: ۴۷۸۵۔

فرماتے تھے) آپ نے نام لے کر کبھی کسی مسلمان پر لعنت نہیں کی، آپ نے کبھی کسی غلام کو، لوڈنگی کو، کسی عورت کو، خادم کو، جانور کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا، \* آپ ﷺ نے کبھی کسی کی کوئی درخواست رفہیں فرمائی لیکن یہ کہ وہ ناجائز ہو، \* آپ جب گھر کے اندر تشریف لاتے تو نہایت خندان، ہستے اور مسکراتے ہوئے، دوستوں میں پاؤں پھیلائ کرنیں بیٹھتے تھے، \* با تین ٹھہر ٹھہر کر اس طرح فرماتے تھے کہ کوئی یاد رکھنا چاہے تو رکھ لے۔ \*

حضرت علیؑ جو آنحضرت ﷺ کے تربیت یافتہ تھے اور آغاز نبوت سے آخوندگی کم از کم ۲۳ سال کی خدمتِ اقدس میں رہے تھے۔ ایک دفعہ حضرت امام حسینؑ نے ان سے آپؑ ﷺ کے اخلاق و عادات کی نسبت سوال کیا، فرمایا: آپ خندہ نہیں، نرم خود، مہربان طبع تھے، سخت مزاج اور شگد دل نہ تھے، بات بات پر شور نہیں کرتے تھے، کوئی بر اکلمہ منہ سے کبھی نہیں نکالتے تھے، عیب جو اور شگد گیر نہ تھے، کوئی ایسی بات ہوتی جو آپ کے ناپسند ہوتی تو اس سے اغماض فرماتے تھے، کوئی آپ سے اس کی امید رکھتا تو نہ اس کو مایوس بناتے تھے اور نہ منظوري ظاہر فرماتے تھے، (یعنی صراحتاً انکار و تردید نہیں کرتے تھے، بلکہ خاموش رہتے تھے اور مزاج شناس آپ کے تیور سے آپ کا مقصد بھج جاتے تھے) اپنے نفس سے تین چیزیں آپ نے بالکل دور کر دی تھیں، بحث و مباحثہ، ضرورت سے زیادہ بات کرنا اور جو بات مطلب کی نہ ہو اس میں پڑنا، دوسروں کے متعلق بھی تین باتوں سے پرہیز کرتے تھے، کسی کو بر انہیں کہتے تھے، کسی کی عیب گیری نہیں کرتے تھے، کسی کے اندر وہی حالات کی ٹوٹے میں نہیں رہتے تھے، وہی باتیں کرتے تھے جن سے کوئی مفید نتیجہ نکل سکتا تھا، جب آپ کلام کرتے تھے صحابہؓ اس طرح خاموش ہو کر اور سر جھکا کر سنتے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں، جب آپ چپ ہو جاتے تو پھر وہ آپ میں بات چیت کرتے، کوئی دوسرا بات کرتا تو جب تک وہ بات ختم نہ کر لیتا، چپ سنا کرتے، لوگ جن باتوں پر ہستے آپ بھی مسکرا دیتے، جن پر لوگ تجب کرتے، آپ بھی کرتے، کوئی باہر کا آدمی اگر بے باکی سے گھنگو کرتا تو آپ تھمل فرماتے، دوسروں کے منہ سے اپنی تعریف سننا پسند نہیں کرتے تھے لیکن اگر کوئی آپ کے احسان و انعام کا شکر یہ ادا کرتا تو قبول فرماتے، جب تک بولنے والا خود چپ نہ ہو جاتا آپ اس کی بات درمیان سے نہیں کاشتے تھے۔ \* نہایت فیاض، نہایت راست گو، نہایت نرم طبع اور نہایت خوش صحبت تھے، اگر کوئی دفعہ آپ کو دیکھتا تو مرعوب ہو جاتا لیکن جیسے جیسے آشنا ہوتا

\* تفصیل مسلم اور ابو داود وغیرہ احادیث کی مختلف روایات میں حضرت عائشہؓؑ سے روی ہے۔ مسلم: ۶۰۵؛ ابن ماجہ:

۱۹۸۴؛ شمسائل ترمذی: ۳۴۷۔ \* مستدرک حاکم بہ سند متصل، کتاب التاریخ ذکر خلق رسول اللہ ﷺ، ج ۲، ص ۶۱۴، ۶۱۳ اس کے بعض بکلورے صحیح مسلم: ۶۰۲۸ میں بھی ہیں۔ \* ابن سعد جزء اول، قسم ثانی، ص:

۹۹، ۹۱۔ \* صحیح بخاری: ۳۵۶۸؛ صحیح مسلم: ۶۳۹۹؛ ابو داود: ۳۶۵۵۔

\* یہ پوری تفصیل شاہی ترمذی یا ان اخلاق: ۳۵۰ میں ہے۔

جاتا، آپ سے محبت کرنے لگتا۔

ہند بن ابی ہالہ جو گویا آنحضرت ﷺ کے آغوش پرورہ تھے وہ بیان کرتے ہیں ॥ کہ آپ ﷺ نے زم خوتھے، بخت مراجع نہ تھے، کسی کی تو ہیں رو انہیں رکھتے تھے، جھوٹی جھوٹی باتوں پر اظہار شکر فرماتے تھے کسی چیز کو بر انہیں کہتے تھے کہا نا جس قسم کا سامنے آتا تناول فرماتے اور اس کو بر اہلانہ کہتے، کوئی اگر کسی امر حت کی مخالفت کرتا تو آپ ﷺ کو غصہ آ جاتا اور اس کی پوری حمایت کرتے لیکن خود اپنے ذاتی معاملہ پر کہی آپ کو غصہ نہیں آیا اور نہ کسی سے انتقام لیا۔

### مداویت عمل

اخلاق کا سب سے مقدم اور ضروری پہلو یہ ہے کہ انسان جس کام کو اختیار کرے اس پر اس قدر استقلال کے ساتھ قائم رہے کہ گویا وہ اس کی فطرت نامیہ بن جائے، انسان کے سواتما دنیا کی مخلوقات صرف ایک ہی قسم کا کام کر سکتی ہے اور وہ فطرۃ اسی پر مجبور ہے، آفتاب صرف روشنی بخشتا ہے، اس سے تاریکی کا صدور نہیں ہو سکتا، رات تاریکی ہی پھیلاتی ہے، وہ روشنی کی علت نہیں، درخت اپنے موسم ہی میں پھلتے ہیں اور پھول ایام بہار ہی میں پھولتے ہیں، حیوانات کا ایک ایک فرد اپنے نوعی افعال و اخلاق سے ایک سرموتجاذب نہیں کر سکتا، لیکن انسان خدا کی طرف سے مختار پیدا ہوا ہے، وہ آفتاب بھی ہے اور رات کی تاریکی بھی، اس کے جو ہر کا درخت ہر موسم میں پھلتا ہے اور اس کے اخلاق کے پھول ایام بہار کے پابند نہیں، وہ حیوانات کی طرح کسی ایک ہی خاص قسم کے اعمال و اخلاق پر مجبور نہیں اس کو اختیار دیا گیا ہے اور یہی اختیار اس کے مکلف اور ذمہ دار ہونے کا راز ہے۔ لیکن اخلاق کا ایک دلیل نکلتے یہ ہے کہ انسان اپنے لیے اخلاق حسن کا جو پہلو پسند کرے، اس کی اس شدت سے پابندی کرے اور اس طرح دلگی اور غیر متبدل طریقے سے اس پر عمل کرے کہ گویا وہ اپنے اختیار کے باوجود اس کام کے کرنے پر مجبور ہے اور لوگ دیکھتے دیکھتے یہ یقین کر لیں کہ اس شخص سے اس کے علاوہ اور کوئی بات سرزد ہوئی نہیں سکتی گویا اس سے یہ افعال اس طرح صادر ہوتے ہیں جیسے آفتاب سے روشنی، درخت سے پھل، پھول سے خوبی، کہ یہ خصوصیات ان سے کسی حالت میں الگ نہیں ہو سکتیں، اس کا نام استقامت حال اور مداؤت عمل ہے۔ آنحضرت ﷺ اپنے تمام کاموں میں اسی اصول کی پابندی فرماتے تھے، جس کام کو جس طریقے سے جس وقت آپ ﷺ نے شروع فرمایا، اس پر بر ابر شدت کے ساتھ قائم رہتے تھے، سنت کا لفظ ہماری شریعت میں اسی اصول سے پیدا ہوا ہے، سنت و فعل ہے جس سے آنحضرت ﷺ نے ہمیشہ مداؤت فرمائی ہے اور بغیر کسی قوی مانع کے بھی اس کو ترک نہیں فرمایا، اس بنا پر جس قدر سنن ہیں وہ درحقیقت آپ ﷺ کی استقامت حال اور مداؤت عمل کی ناقابل انکار مثالیں ہیں،

۱۔ یکراشمائل ترمذی بیان حلیہ مبارک: ۷، ج: ۳۵ میں ہے۔

۲۔ شماںل ترمذی: ۶ تا ۲۴۶ میں اسی مضمون کی روایات ہیں۔

آپ ﷺ کے معمولات کا ذکر اس سے پہلے ہو چکا ہے، جس سے یہ معلوم ہوا ہوا کہ آپ ﷺ کے تمام اخلاق و اعمال کس قدر پختہ اور مستحکم تھے کہ کبھی تمام عمر ان میں ایک ذرہ فرق نہیں پیدا ہوا، ایک دفعہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ کے عبادات و اعمال کے متعلق حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ کیا آپ ﷺ کسی خاص دن یہ کرتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا لامان عملہ دیمۃ۔ آپ ﷺ کامل جھڑی ہوتا تھا یعنی جس طرح بادل کی جھڑی جب برنسے پر آتی ہے تو نہیں رکتی، اس طرح آپ ﷺ کا حال تھا کہ جوبات ایک دفعہ آپ ﷺ نے اختیار کر لی، ہمیشہ اس کی پابندی کی، پھر فرمایا: وایکم یستطیع مساکن النبی ﷺ یستطیع۔ ”آنحضرت ﷺ جو کر سکتے تھے و تم میں سے کون کر سکتا ہے؟“ ① دوسری روایت میں ہے:

وكان اذا عمل عملاً اثبتته۔ ②

”جب آنحضرت ﷺ کوئی کام کرتے تھے تو اس پر مداومت فرماتے تھے۔“

اس لیے آنحضرت ﷺ کا خود ارشاد ہے:

ان احبت العمل الى الله ادومه۔ ③

”خدا کے نزدیک سب سے محبوب وہ کام ہے جس پر سب سے زیادہ انسان مداومت کرے۔“

آپ ﷺ راتوں کو اٹھ کر عبادات کیا کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ سے تعلق ہوا کہتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی رات کی یہ عبادت ترک نہیں کی، اگر کبھی مزاج اقدس ناسازی یا سست ہوا تو پیٹھ کردا کرتے تھے۔ جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں، جن کو دیکھ کر آپ ﷺ مجت سے مسکرا دیا کرتے تھے، ان کا بیان ہے کہ کبھی ایسا نہ ہوا کہ میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا ہوں اور آپ ﷺ نے مسکرانہ دیا ہو۔ ④

جس کام کے کرنے کا جو وقت آپ ﷺ نے مقرر کر لیا تھا اس میں کبھی تخلف نہ ہوا، نماز اور تسبیح و تہلیل کے اوقات، بوفل کی تعداد، خواب اور بیداری کے مقررہ ساعات، ہر شخص سے ملنے جلنے کے طرز و انداز میں کبھی فرق نہیں آیا اور اب وہی مسلمانوں کی زندگی کا دستور اعمل ہے۔

### حسن خلق

حضرت علی، حضرت عائشہ، حضرت انس، حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ وغیرہ جو مذکور آپ ﷺ کی خدمت میں رہے تھے، ان سب کا محققہ بیان ہے کہ آپ ﷺ نہیں نہایت نرم مزاج، خوش اخلاق اور نیک سیرت

.....

① صحيح بخاری، کتاب الرفاق، باب القصد والمداومة على العمل: ٦٤٦٦۔ ② ابو داود، کتاب التطوع، باب ما يؤمر به من القصد في الصلة: ١٣٦٨۔ ③ بخاری: ٤٣؛ مسلم: ١٨٣٤ تا ١٨٢٧؛ ابو داود: ١٣٦٨۔

④ صحيح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل جریر بن عبد الله: ٦٣٦٣۔

تھے، آپ ﷺ کاچھرہ ہستا تھا، وقار و ممتازت سے گفتگو فرماتے تھے، کسی کی خاطر شکنی نہیں کرتے تھے۔ معمول یہ تھا کہ کسی سے ملنے کے وقت یہیشہ پہلے خود سلام اور مصافحہ فرماتے۔ کوئی شخص جھک کر آپ ﷺ کے کان میں کچھ بات کہتا تو اس وقت تک اس کی طرف سے رخ نہ پھیرتے جب تک وہ خود منہ نہ ہٹائے، مصافحہ میں بھی یہی معمول تھا، یعنی کسی سے ہاتھ ملاتے تو جب تک وہ خود نہ چھوڑ دے، اس کا ہاتھ نہ چھوڑتے، مجلس میں بیٹھتے تو آپ ﷺ کے زانوں کی ہم نشیوں سے آگے نکلے ہوئے نہ ہوتے۔

اکثر نوکر چاکر، لوڈی غلام خدمت القدس میں پانی لے کر آتے کہ آپ اس میں باہر ہڈاں دیں، تاکہ متبرک ہو جائے، جاڑوں کے دن اور صبح کا وقت ہوتا تاہم آپ ﷺ کبھی انکار نہ فرماتے۔

ایک دفعہ آپ ﷺ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے ملنے گئے، واپس آنے لگے تو انہوں نے اپنے صاحبزادہ قیس رضی اللہ عنہ کو ساتھ کر دیا، کہ آنحضرت ﷺ کے ہمراپ جائیں، آنحضرت ﷺ نے قیس سے کہا: ”تم بھی میرے اونٹ پر سوار ہو لو۔“ انہوں نے بے ادبی کے لحاظ سے تامل کیا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”یا سوار ہولو، یا لھرو اپس جاؤ،“ وہ واپس چلے آئے۔

ایک دفعہ نجاشی کے ہاں سے ایک سفارت آئی، آپ ﷺ نے اس کو اپنے ہاں مہمان رکھا اور خود نفس نفس مہمانداری کے تمام کام انجام دیئے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ ہم یہ خدمت انجام دیں گے، ارشاد ہوا: ”ان لوگوں نے میرے دوستوں کی خدمت گزاری کی ہے اس لیے میں خداون کی خدمت گزاری کرنی چاہتا ہوں۔“<sup>۱</sup>

غلبان بن مالک رضی اللہ عنہ جو اصحاب بدر میں تھے، ان کی بینائی میں فرق آگیا تھا، آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آ کر درخواست کی کہ میں اپنے محلہ کی مسجد میں نماز پڑھاتا ہوں، لیکن جب بارش ہو جاتی ہے تو مسجد تک جانا مشکل ہو جاتا ہے اس لیے اگر آپ ﷺ میرے گھر میں تشریف لا کر نماز پڑھ لیتے تو میں اس گھر کو سجدہ گاہ بنالیتا۔ دوسرے دن صبح کے وقت آپ ﷺ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر ان کے گھر گئے اور دروازہ پر چھپر کرا ذن ماگا۔ اندر سے جواب آیا تو گھر میں تشریف لے گئے اور دریافت فرمایا: ”کہاں نماز پڑھوں؟“ انہوں نے جگہ بتا دی آپ ﷺ نے سمجھ کرہ کہ درورکعت نماز ادا کی، نماز کے بعد لوگوں نے کھانے کے لئے اصرار کیا، خزیرہ ایک کھانا ہوتا ہے، قیمہ پر آٹا چھڑک کر تیار کرتے ہیں، وہ سامنے آیا، محلہ کے تمام لوگ کھانے میں شریک ہوئے، حاضرین میں سے کسی نے کہا: ماں لک بن دُخشن نظر نہیں آتے، ایک نے کہا وہ منافق ہے، ارشاد فرمایا: ”یہ نہ کہو وہ لا الہ الا اللہ کہتے ہیں۔“ لوگوں نے کہا: ہاں ان کا میلان منافقین کی طرف ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص خدا کی مرضی کے لیے لا الہ الا اللہ کہتا ہے، خدا اس پر

<sup>۱</sup> ترمذی، ابواب صفة القيامة، باب تواضعه مع جليسه: ۲۴۹۰؛ ابو داود: ۴۷۹۴؛ ابن ماجہ: ۳۷۱۶۔

<sup>۲</sup> صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب فى قرب النبي ﷺ من الناس: ۶۰۴۲۔

<sup>۳</sup> ابو داود، كتاب الادب، باب کم مرد سلم الرجل: ۵۱۸۵۔

<sup>۴</sup> شرح شفاء قاضی عیاض، ج ۲، ص: ۱۰۰ مطبعہ عثمانیہ: ۱۳۱۲ھ بحوالہ دلائل بیہقی جلد اخلاق۔

آگ کو رام کر دیتا ہے۔\*

(ابتدائے ہجرت میں خود آنحضرت ﷺ اور تمام مہاجرین انصار کے گھر مہمان رہے تھے، دس دس آدمیوں کی ایک ایک جماعت ایک گھر میں مہمان اتنا ری گئی تھی، مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اس جماعت میں تھا جس میں خود آنحضرت ﷺ شامل تھا، گھر میں چند بکریاں تھیں جن کے دودھ پر گزارا تھا، دودھ دوہ چکلتا تو سب لوگ اپنے اپنے حصہ کا پی لیتے اور آپ کے لئے پیالہ میں چھوڑ دیتے، ایک شب کا واقعہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری میں تاخیر ہوئی، لوگ دودھ پی کر سور ہے۔ آپ نے آ کر دیکھا تو پیالہ خالی پایا، خاموش ہو رہے ہیں، پھر فرمایا: ”خدایا، جو آج کھلا دے اس کو تو بھی کھلا دینا۔“ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ چھری لے کر کھڑے ہوئے کہ بکری کو ذبح کر کے گوشت پکائیں، آپ نے روکا اور بکری کو دوبارہ دوہ کر جو کچھ لکھا اسی کو پی کر سور ہے۔\* اور کسی کو اس فعل پر ملامت نہ کی۔ ابو شعیب رضی اللہ عنہ ایک انصاری تھے، ان کا غلام بازار میں گوشت کی دوکان رکھتا تھا، ایک دن وہ خدمت القدس میں آئے، آپ صحابہ رضی اللہ عنہ کے حلقوں میں تشریف فرماتھے اور چہرہ سے بھوک کا اثر پیدا تھا، ابو شعیب رضی اللہ عنہ نے جا کر غلام سے کہا کہ پانچ آدمیوں کا کھانا تیار کرو، کھانا تیار ہو چکا تو آ کر آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ صحابہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ قدم رنجھ فرمائیں، کل پانچ آدمی تھے، راہ میں ایک اور شخص ساتھ ہو لیا، آنحضرت ﷺ نے ابو شعیب رضی اللہ عنہ سے کہا: ”یہ شخص بے کہے ساتھ ہو لیا ہے، تم اجازت دو تو یہ بھی ساتھ آئے، ورنہ رخصت کر دیا جائے۔“ انہوں نے کہا: آپ ان کو بھی ساتھ لالائیں۔\*

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے، ایک دفعہ آنحضرت ﷺ پہاڑ کے درہ میں اونٹ پر سوار جا رہے تھے، یہ بھی ساتھ تھے، آنحضرت ﷺ نے ان سے کہا: ”آؤ سوار ہو لو۔“ انہوں نے اس کو گستاخی سمجھا کہ رسول اللہ کو پیدا ہبنا کر خود سوار ہوں، آنحضرت ﷺ نے دوبارہ کہا، اب انکار کرنا اتنا لال امر کے خلاف تھا، آنحضرت ﷺ اتر پڑے اور یہ سوار ہوئے۔\* مجالس صحبت میں لوگوں کی ناگوار باتوں کو بروادشت فرماتے، اور اس کا اظہار نہ کرتے، حضرت زینب بنت علیہ السلام سے جب نکاح ہوا، اور دعوت ویسکی تو کچھ لوگ کھانا کھا کر وہیں بیٹھے رہے، اس وقت پرده کا حکم نازل نہیں ہوا تھا، اور حضرت زینب بنت علیہ السلام بھی مجلس میں شریک تھیں، آپ ﷺ چاہتے تھے کہ لوگ اٹھ جائیں لیکن زبان سے کچھ نہیں فرماتے تھے، لوگوں نے کچھ خیال نہ کیا، آپ ﷺ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مجرہ تک گئے واپس آئے تو اسی طرح جمیع موجود تھا، پھر واپس چلے گئے اور دوبارہ تشریف لائے۔ پرده کی آیت اسی موقع پر اتری۔\*

\* بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب المساجد فی الیوٰت: ۴۲۵۔ \* مسند احمد، ج ۶، ص: ۴۔

\* بخاری، کتاب الاطعمة، باب الرجل يدعى الى الطعام: ۵۴۶۱۔ \* نسائی، کتاب الاستعاۃ: ۵۴۳۹۔

\* بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله: لَا تدخلوا بيوت النبی: ۴۷۹۲، ۴۷۹۱۔

غزوہ حنین سے واپس آ رہے تھے کہ راہ میں نماز کا وقت آ گیا، حسب دستور پھر گئے، موزن نے اذان کر دی، ابو محمد وہ جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے، چند دوستوں کے ساتھ گشت لگا رہے تھے، اذان سن کر سب نے چلا چلا کر استہزا کے طور پر اذان کی نقل اتارنی شروع کی، آنحضرت ﷺ نے سب کو بلوا کر ایک ایک سے اذان کھلوائی، ابو محمد وہ خوش ہجت تھے، ان کی آواز پسند آئی، سامنے بخا کر سر پر ہاتھ پھیرا اور برکت کے لیے دعا کی، پھر ان کو اذان سکھلا کر ارشاد فرمایا: ”جاوہ اس طرح حرم میں اذان دیا کرنا۔“ \*

ایک صحابی ؓ کا بیان ہے کہ بچپن میں میں انصار کے نگران میں چلا جاتا اور ڈھیلوں سے مار کر کھجور میں گراتا، لوگ مجھ کو خدمت اندس میں لے گئے، آپ ﷺ نے پوچھا: ”ڈھیلے کیوں چلاتے ہو؟“ میں نے کہا: کھجوروں کے لیے، ارشاد فرمایا: ”زمیں پر پنکی ہوئی کھجور میں کھالیا کرو، ڈھیلے نہ مارو۔“ یہ کہہ کر میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی۔ \*

عباد بن شرحبیل مدینہ میں ایک صاحب تھے، ایک دفعہ قحط پڑا اور بھوک کی حالت میں ایک باغ میں گھس گئے اور خون شے توڑ کر کچھ کھائے، کچھ دامن میں رکھ لیے، باغ کے مالک کو معلوم ہوا تو اس نے ان کو مارا اور کپڑے اتر والیے، یہ آنحضرت ﷺ کے پاس شکایت لے کر آئے، مدعا علیہ بھی ساتھ تھا، آپ نے اس کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: ”یہ جاہل تھا اس کو تعلیم دینا تھا، یہ بھوک تھا، اس کو کھانا کھلانا تھا۔“ یہ کہہ کر کپڑے واپس دلوائے اور ساٹھ صارع غلام اپنے پاس سے عنایت فرمایا۔ \*

یہود کا دستور تھا کہ عورتوں کو جب ایام آتے تو ان کو گھروں سے نکال دیتے اور ان کے ساتھ کھانا پینا چھوڑ دیتے، آنحضرت ﷺ جب مدینہ میں تشریف لائے، تو انصار نے آپ سے اس کے متعلق سوال کیا، اس پر آیت اتری کہ اس حالت میں مقاہب ناجائز ہے، اس بنا پر آپ نے حکم دیا کہ مقاہب کے سوا کوئی چیز منع نہیں، یہودیوں نے آپ کا حکم سناتے ہوئے کہ یہ شخص بات بات میں ہماری مخالفت کرتا ہے، صحابہ ؓ کیا کہ آپ کی خدمت میں آئے کہ یہود جب یہ کہتے ہیں تو ہم مقاہب بھی کیوں نہ کریں، رخسارہ مبارک غصہ سے سرخ ہو گیا، دونوں صاحب چلے گئے، آپ نے ان کے پاس کچھ کھانے کی چیزیں بھیجیں اس وقت ان کو تسلیم ہوئی کہ آپ ناراض نہ تھے۔ \*

کسی شخص کی کوئی بات ناپسند آتی تو اکثر اس کے سامنے اس کا تذکرہ نہ فرماتے ایک دفعہ ایک صاحب عرب کے دستور کے مطابق زعفران لگا کر خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے کچھ نہ فرمایا، جب وہ اٹھ کر چلے گئے تو لوگوں سے کہا: ”ان سے کہہ دینا کہ یہ رنگ دھوڑا میں۔“ \*

\* دارقطنی، ۱/۲۲۲: ۸۹۰۔ \* ابو داود، کتاب الجہاد، باب من قال انه يأكل مما سقط: ۲۶۲۲۔

\* ایضاً: ۲۶۲۰۔ \* ابو داود، کتاب الطهارة، باب مواكلة الحائض: ۲۵۸۔

\* ابو داود، کتاب الادب، باب فی حسن العشرة: ۴۷۸۹۔

ایک دفعہ ایک شخص نے باریابی کی اجازت چاہی، آپ ﷺ نے فرمایا: ”اچھا آنے دو، وہ اپنے قبلہ کا اچھا آدمی نہیں ہے۔“ لیکن جب وہ خدمت مبارک میں حاضر ہوا تو نہایت رُزی کے ساتھ اس سے گفتگو فرمائی، حضرت عائشہؓ کو اس پر توجہ ہوا اور آپ سے دریافت فرمایا کہ آپ تو اس کو اچھا نہیں سمجھتے تھے، پھر اس رفت و ملاحظت کے ساتھ کلام کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ”خدا کے نزد یہ کس سے براوہ شخص ہے، جس کی بذریٰ بانی کی وجہ سے لوگ اس سے ملنا جانا چھوڑ دیں۔“ ❷ یہودی جس درجہ ثقیٰ اور دشمنِ اسلام تھے، اس کا اندازہ گزشتہ واقعات سے ہو چکا ہوگا، بالیں ہم آنحضرت ﷺ ان سنگ دلوں کے ساتھ بیسہر رُزی اور لطف کا برداشت کرتے اور ان سے داد و ستد رکھتے، سخت سے سخت غصہ کی حالت میں صرف اس قدر فرماتے: ”اس کی پیشانی خاک آ لو دھو۔“ ❸

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مدینہ میں ایک یہودی رہتا تھا جس سے میں قرض لیا کرتا تھا، ایک سال اتفاق سے سمجھوئیں نہیں چھلیں اور قرضہ ادا نہ ہوا کہا اس پر پورا سال گزر گیا، بہار آئی تو یہودی نے تقاضا شروع کیا، اب کی بار بھی چھل کم آئے، میں نے آئندہ فصل کی مہلت مانگی، اس نے انکار کیا، میں نے آنحضرت سے آ کر تمام واقعات بیان کیے، آپ ﷺ چند صحابہؓ کے ساتھ خود یہودی کے گھر تشریف لے گئے اور سمجھایا کہ مہلت دے دو، اس نے کہا: ابوالقاسم! میں کبھی مہلت نہ دوں گا۔ آپ ﷺ نخلستان میں تشریف لے گئے اور ایک چکر لگا کر پھر یہودی کے پاس آئے اور اس سے گفتگو کی لیکن وہ کسی طرح راضی نہ ہوا، بالآخر آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ”چبوترہ پر (جو مسقف تھا) فرش بچھا دو۔“ اس پر آرام فرمایا اور سو گئے، سوکر اٹھے تو پھر یہودی سے خواہش کی کہ مہلت دے دو، اس شقی نے اب بھی نہ مانا، آپ درختوں کے جھنڈ میں جا کر کھڑے ہو گئے اور جابر سے کہا: ”سمجھوئیں تو ہنی شروع کر۔“ آنحضرت ﷺ کی برکت سے اتنی سمجھوئیں نہیں کہ یہودی کا قرضہ ادا کر کے بچ رہیں۔ ❹

مجلسِ نبوی میں جگہ بہت کم ہوتی تھی، جو لوگ پہلے سے آ کر بیٹھ جاتے تھے ان کے بعد جگہ باقی نہیں رہتی تھی ایسے موقع پر اگر کوئی آ جاتا تو اس کے لیے آپ خود اپنی ردائے مبارک بچھادیتے تھے، ایک دفعہ مقام بحرانہ میں آنحضرت ﷺ تشریف فرماتے، اور اپنے ہاتھ سے لوگوں کو گوشہ تقسیم فرماتے تھے کہ اتنے میں ایک عورت آئی اور آپ کے پاس چلی گئی، آنحضرت ﷺ نے دیکھا تو اس کی نہایت تعظیم کی، اپنی چادر مبارک اس کے لیے بچھادی، راوی کہتا ہے کہ میں نے دریافت کیا کہ یہ کون عورت تھی؟ تو لوگوں نے کہا: یہ حضور ﷺ کی رضائی مان تھیں۔ ❺

❶ صحیح بخاری، کتاب الادب: ۶۰۲ و بوداود، کتاب الادب، باب حسن العشرة: ۴۷۹۱۔

❷ الادب المفرد امام بخاری، باب سباب المسلم فسوق: ۴۳۵۔ ❸ بخاری، کتاب الاطعمة، باب الرطب والتمر: ۵۴۴۳۔ ❹ ابو داود، کتاب الادب، باب فی بر الوالدین: ۱۴۴۔

اس طرح ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آنحضرت ﷺ تشریف فرماتھے کہ آپ کے رضائی والد آئے، آپ نے ان کے لیے چادر کا ایک گوشہ بچھایا، پھر رضائی ماں آئیں، آپ نے دوسرا گوشہ بچھایا، آخر میں رضائی بھائی آئے، تو آپ انھوں نے سامنے بھالیا۔ ❶

حضرت ابوذر ؓ مشہور صحابی ہیں، ایک دفعہ ان کو بلا بھیجا تو وہ گھر میں نہیں ملے، تھوڑی دری کے بعد حاضر خدمت ہوئے تو آپ لیٹھے ہوئے تھے، ان کو دیکھ کر انھوں نے اور اپنے سینے سے لگالیا۔ ❷ حضرت جعفر ؑ بھی جب جب جسھ سے واپس آئے تھے تو آپ نے ان کو گلے لگالیا اور ان کی پیشانی کو بوس دیا۔ ❸ سلام میں پیش دستی فرماتے، راستے میں جب چلتے تو مرد، عورتیں بچے جو سامنے آتے ان کو سلام کرتے ❹ ایک دفعہ آپ ﷺ راستے سے گزر رہے تھے ایک مقام پر مسلمان اور منافق کافر بیکھایتھے ملے، آپ نے سب کو سلام کیا۔ ❺ کسی کی کوئی بات بری معلوم ہوتی تو مجلس میں نام لے کر اس کا ذکر نہیں کرتے تھے، بلکہ صیغہ تعمیم کے ساتھ فرماتے تھے کہ لوگ ایسا کرتے ہیں، لوگ ایسا کہتے ہیں، بعض لوگوں کی یہ عادت ہے یہ طریقہ ابہام اس لئے اختیار فرماتے تھے کہ شخص مخصوص کی ذلت نہ ہو اور اس کے احساس غیرت میں کمی نہ آجائے۔

### حسن معاملہ

اگرچہ غایت فیاضی کی وجہ سے اکثر مقر و پر رہتے تھے یہاں تک کہ وفات کے وقت بھی آپ ﷺ کی زردہ من ہر غلہ پر ایک یہودی کی ہاں گروئی تھی، لیکن ہر حال میں حسن معاملہ کا سخت اہتمام تھا، مدینہ میں دولت مند عموما یہودی تھے اور اکثر انہی سے آپ قرض لیا کرتے، یہودی عوما دنی الطیع اور سخت گیر ہوتے تھے، آپ ان کی ہر قسم کی بد مزاجیاں برداشت فرماتے تھے۔

نبوت سے پہلے جن لوگوں سے آپ ﷺ کے تاجرانہ تعلقات تھے، انہوں نے ہمیشہ آپ کی دیانت اور حسن معاملہ کا اعتراف کیا ہے، اسی لیے قریش نے متفقًا آپ کو امین کا خطاب دیا تھا، نبوت کے بعد بھی گو تریش بغرض وکینے کے جوش سے لمبڑی تھے، تاہم ان کی دولت کے لیے امامون مقام آپ ہی کا کاشانہ تھا، عرب میں سائب ؑ نام کے ایک تاجر تھے، وہ مسلمان ہو کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے، لوگوں نے مدحیہ الفاظ میں آپ سے ان کا تعارف کرایا، آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں ان کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔“ سائب ؑ نے کہا: میرے نام بآپ فدا، آپ میرے سا جھی تھے، لیکن ہمیشہ معاملہ صاف رکھا۔ ❻

❶ ابو داود، کتاب الادب، باب فی بر الوالدین: ۵۱۴۵۔ ❷ ابو داود، کتاب الادب، باب فی المعاقة: ۵۲۱۴۔ ❸ ابو داود، باب فی قبلة ما بين العينين: ۵۲۲۰۔ ❹ بخاری، کتاب الاستذان، باب التسلیم

علی الصیبان: ۶۲۴۷ و ابو داود، کتاب الادب، باب فی السلام علی الصیبان: ۵۲۰۳، ۵۲۰۲، ۶۲۴۸۔ ❺ بخاری، کتاب الاستذان، باب التسلیم فی مجلس فیه: ۶۲۵۴۔

❻ ابو داود، کتاب الادب، باب فی کراہیۃ المراء: ۴۸۳۶۔ ❼ ابو داود، کتاب الادب، باب فی کراہیۃ المراء: ۴۸۳۶۔

ایک دفعہ ایک شخص سے کچھ بھجوئیں قرض کے طور پر لیں۔ چند روز کے بعد وہ تقاضا کو آیا آپ نے ایک انصاری کو حکم دیا کہ اس کا قرض ادا کر دیں، انصاری نے بھجوئیں دیں لیکن ویسی عمدہ نہ تھیں جیسیں اس نے دی تھیں، اس شخص نے لینے سے انکار کیا، انصاری نے کہا تم رسول اللہ ﷺ کی عطا کردہ بھجوئے کے لینے سے انکار کرتے ہو، بولا ہاں رسول اللہ ﷺ عدل نہ کریں گے تو اور کس سے موقع رکھی جائے، آنحضرت ﷺ نے یہ جملے سے تو آپ کی آنکھوں میں آنسو بھرائے، اور فرمایا: ”یہ بالکل حق ہے۔“ \*

ایک دن ایک بدوا آیا جس کا کچھ قرض آنحضرت ﷺ پر تھا، بدوم واحشی مزان ہوتے ہیں، اس نے نہایت سخت سے گفتگو شروع کی، صحابہؓ نے اس گستاخی پر اس کوڈا شنا اور کہا کہ تجھ کو خبر ہے تو کس سے ہم کلام ہے؟ بولا کر میں تو اپا حق مانگ رہا ہوں، آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ سے ارشاد فرمایا: ”تم لوگوں کو اسی کا ساتھ دینا چاہیے، کیونکہ اس کا حق ہے۔“ (قرض خواہ کو بولنے کا حق ہے) اس کے بعد صحابہؓ کو اس کا قرض ادا کر دینے کا حکم صادر فرمایا اور زیادہ دلوایا۔ \*

ایک غزوہ میں حضرت جابر بن عبد اللہ انصاریؓ نے بھر کا ب تھے، ان کی سواری میں جوانش تھا سرت روٹ اور تھک جانے کی وجہ سے اور بھی ست ہو گیا تھا، آپ نے اونٹ ان سے خرید لیا اور دام کے ساتھ اونٹ بھی ان کو دے دیا کہ دونوں تمہارے ہیں۔ \*

یہی واقعہ ایک روایت میں اس طرح پر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا: ”تمہارے پاس کوئی لکڑی ہو تو دو۔“ انہوں نے دی، آپ نے اس سے اونٹ کو مارا تو وہ اس قدرتیز دوڑنے لگا کہ سب سے آگے نکل گیا پھر آنحضرت ﷺ نے ان سے چار دینا پر اونٹ اس شرط پر خرید لیا کہ مدینہ تک ان کا سواری کا حق ہے، مدینہ پہنچ کر جابر بن عبد اللہؓ نے قیمت طلب کی، آپ نے بلالؓ سے فرمایا: ”ان کو قیمت چار دینا اور اس سے کچھ اور زیادہ بھی دو۔“ چنانچہ حضرت بلالؓ نے چار دینا پر ایک قیراط سونا اور زیادہ دیا۔ \*

محمول تھا کہ کوئی جنازہ لایا جاتا تو پہلے فرماتے کہ میت پر کچھ قرضہ تو نہیں ہے، اگر معلوم ہوتا کہ مقتوف تھا تو صحابہؓ سے فرماتے: ”جنازہ کی نماز پڑھا دو، خود شریک نہ ہوتے۔“ \*

ایک دفعہ کسی سے اونٹ قرض لیا، جب واپس کیا تو اس سے بہتر اونٹ واپس کیا اور فرمایا: ”سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو قرض کو خوش معااملگی سے ادا کرتے ہیں۔“ \*

۱ طبرانی الاوسط: ۵۰۲۹۔ \* ابن ماجہ، ابواب الصدقات، باب لصاحب الحق سلطان: ۲۴۲۶، ۲۴۲۵۔

۲ صحيح بخاری، کتاب البيوع، باب شراء الدواب: ۲۰۹۷۔ \* صحيح بخاری، کتاب الوکالة، باب اذا وکل رجل رجلاً ان يعطي شيئاً: ۲۳۰۹، روایت میں یوں ہے کہ حضرت جابرؓ نے قیمتاً نہیں بلکہ بدیا تیار اونٹ حضور ﷺ نے از خود حضرت بلالؓ سے قیمت کو میٹ کر حضور ﷺ نے از خود حضرت بلالؓ سے قیمت ادا کرنے کا حکم دیا۔ ”غ“ \* صحيح بخاری، کتاب الكفالة، باب الدین: ۲۲۹۸۔

۳ ترمذی، ابواب البيوع، باب استقرارض البعير: ۱۳۱۸۔

ایک دفعہ کسی شخص سے ایک پیالہ مستعار لیا، سوئے اتفاق سے وہ گم گیا تو اس کا تاو انداز فرمایا۔ \* عموماً فرمایا کرتے تھے: ”میں تین دن نے زیادہ اپنے پاس ایک دینار بھی رکھنا پسند نہیں کرتا، بجز اس دینار کے جن کو قرض ادا کرنے کے انتظار میں اپنے پاس رکھ چھوڑتا ہوں۔“ \*\*

ایک دفعہ ایک بداؤٹ کا گوشت بیج رہا تھا، آنحضرت ﷺ کو یہ خیال تھا کہ گھر میں چھوہارے موجود ہیں، آپ نے ایک وقت چھوہاروں پر گوشت چکالیا، گھر میں آ کر دیکھا تو چھوہارے نہ تھے، باہر تشریف لا کر قصاب سے فرمایا کہ میں نے چھوہاروں پر گوشت چکایا تھا لیکن چھوہارے پاس نہیں ہیں، اس نے واویلا چایا کہ ہائے بد دیانتی! لوگوں نے سمجھایا کہ رسول اللہ ﷺ بد دیانتی کریں گے؟ آپ نے فرمایا نہیں چھوڑ دو، اس کو کہنے کا حق ہے، پھر قصاب کی طرف خطاب کر کے وہی فقرہ ادا کیا، اس نے پھر وہی لفظ کہے، لوگوں نے پھر روکا، آپ نے فرمایا اس کو کہنے والا کو کہنے کا حق ہے اور اس جملہ کو کئی بار دہراتے رہے، اس کے بعد آپ نے ایک انصاری کے ہاں اس کو بھجو دیا کہ اپنے دام کے چھوہارے وہاں سے لے لے، جب وہ چھوہارے لے کر پلٹا تو آپ صحابہؓ کے ساتھ تشریف فرماتھے، اس کا دل آپ کے حلم و عنوف اور حسن معاملت سے متاثر تھا، دیکھنے کے ساتھ بولا: محمد! تم کو خدا جزا خیر دے تم نے قیمت پوری پوری دی اور اچھی دی۔ \*

ایک دفعہ مدینہ منورہ کے باہر ایک مختصر ساقافلہ آ کرفروکش تھا، ایک سرخ رنگ کا اونٹ اس کے ساتھ تھا، اتفاقاً ادھر سے آپ کا گزر ہوا، آپ نے اونٹ کی قیمت پوچھی، لوگوں نے قیمت بتائی بے مول توں کے آنحضرت ﷺ نے وہی قیمت منظور کر لی اور اونٹ کی مہار پکڑ کر شہر کی طرف روانہ ہو گئے، بعد کو لوگوں کو خیال آیا کہ بے جان بیچان، ہم نے جانور کیوں حوالہ کر دیا اور اس حماقت پر اب پورے قافلہ کو نداشت تھی، قافلہ کے ساتھ ایک خاتون بھی تھی، اس نے کہا: ”مطعن رہو، ہم نے کسی شخص کا چہرہ ایسا رؤشن نہیں دیکھا، یعنی ایسا شخص دعائے کرے گا، رات ہوئی تو آپ نے ان کے لیے کھانا اور قیمت بھر کھجوریں بھجوادیں۔“ \*

غزوہ حنین میں آپ کو کچھ اسلحہ کی ضرورت تھی۔ صفوان اس وقت تک کافر تھے، ان کے پاس بہت سی زر ہیں تھیں، آپ نے ان سے کچھ زر ہیں طلب کیں انہوں نے کہا: ”محمد! کیا کچھ غصب کا ارادہ ہے؟ فرمایا: ”نہیں میں عاریتہ مالگتا ہوں اگر ان میں سے کوئی تلف ہوئی تو میں تاو ان دونوں گا۔“ چنانچہ انہوں نے تیسیں چالیس زر ہیں مسلمانوں کو عاریتہ دیں، حنین سے واپسی کے بعد جب اسلحہ و دیگر سامانوں کا جائزہ لیا گیا تو کچھ زر ہیں کم نہیں، آپ ﷺ نے صفوان سے کہا: ”تمہاری چند زر ہیں کم ہیں ان کا معاوضہ لے لو۔“

\* ترمذی، ابواب الاحکام، باب ماجاء فی من يكسر له الشيء؛ ۱۳۶۰۔

\* بخاری، کتاب الاستقراض، بباب اداء الديون: ۲۳۸۹، ۲۳۸۸۔ \* مسند احمد، ج ۶، ص: ۲۶۸۔

\* دارقطنی، کتاب البيوع: ۴۳/۳، رقم: ۲۹۵۷۔

صفوان نے عرض کی: ”یا رسول اللہ ﷺ! امیرے دل کی حالت اب پہلے جیسی نہیں۔“ \* یعنی مسلمان ہو گیا، اب معاوضہ کی حاجت نہیں۔

### عدل و انصاف

کوئی شخص گوشہ نہیں ہو کر بیٹھ جائے تو اس کے لیے عدل و انصاف سے کام لینا نہایت آسان ہے۔ آنحضرت ﷺ کو عرب کے سینکڑوں قبائل سے کام پڑتا تھا یہ آپس میں ایک ایک کے دشمن تھے ایک کے موافق فیصلہ کیا جاتا تو دوسرا دشمن بن جاتا۔ اسلام کی اشاعت کی غرض سے بیش آنحضرت ﷺ کو تایف قلوب سے کام لینا پڑتا۔ ان سب مشکلات اور پیچیدگیوں پر بھی عدل و انصاف کا پلہ کبھی کسی طرف بھکنے نہ پایا۔ فتح مکہ کے بعد تمام عرب میں صرف طائف رہ گیا تھا جس نے گردن تسلیم خرم نہیں کی۔ آنحضرت ﷺ نے اس کا محاصرہ کیا لیکن پندرہ میں روز کے بعد محاصرہ اٹھایا تھا پڑا۔ صحر ایک ریس تھے ان کو یہ حال معلوم ہوا تو خود جا کر طائف کی حصار بندی کی اور اہل شہر کو اس قدر دبایا کہ بالآخر خروج مصالحت پر راضی ہو گئے۔ صحر نے بارگاہ نبوت میں اطلاع کی، مغیرہ بن شبے ثقفی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے کہ صحر نے میری پھوپھی کو قبضہ میں کر رکھا ہے، آپ نے صحر کو بلا بھیجا اور حکم دیا کہ مغیرہ کی پھوپھی کو ان کے گھر پہنچا دو۔ اس کے بعد بولیم آئے کہ جس زمانہ میں ہم کافر تھے۔ صحر نے ہمارے چشمہ پر قبضہ کر لیا تھا، اب ہم اسلام لائے ہما رچشمہ ہم کو واپس دلایا جائے، آپ نے صحر کو بلا بھیجا اور فرمایا: ”جب کوئی قوم اسلام قبول کرتی ہے تو اپنے جان و مال کی مالک ہو جاتی ہے اس لیے ان کو چشمہ دے دو۔“ صحر کو منتظر کرنا پڑا۔ راوی کا بیان ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کے حکم سے صحر نے دونوں حکم منظور کئے تو میں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کے چہرہ پر شرم سے سرخی آگئی \* کہ صحر کو دونوں معاملوں میں شکست ہوئی اور فتح طائف کا ان کو کوئی صد忍 ملا۔

ایک دفعہ ایک عورت نے جو خاندان مخدوم سے تھی، چوری کی، قریش کی عزت کے لحاظ سے لوگ چاہتے تھے کہ سزا سے نجات جائے اور معاملہ دب جائے، حضرت امامہ بن زید رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے محبوب خاص تھے، لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ سفارش کیجئے، انہوں نے آنحضرت ﷺ سے معافی کی درخواست کی، آپ ﷺ نے غصب آلوں ہو کر فرمایا: ”بینی اسرائیل اسی کی بدولت تباہ ہوئے کہ وہ غربا پر حد جاری کرتے اور امراء سے درگزر کرتے تھے۔“ \*

خبریں کے یہودیوں سے جب صلح ہو کروہاں کی زمین مجاہدین میں تقسیم کر دی گئی تو عبد اللہ بن سہل رضی اللہ عنہ ایک دفعہ بھجو روں کی بٹائی کے لیے گئے۔ محیصہ ان کے پچیرے بھائی بھی ساتھ تھے عبد اللہؑ میں جا رہے تھے

\* ابو داود، کتاب البيوع، باب تضمین العارية: ۳۵۶۳۔

\*\* ابو داود، کتاب الخراج والاماارة، باب فی اقطاع الارضین: ۳۰۶۷۔

\*\*\* صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء: ۳۴۷۵۔

کہ کسی نے ان کو قتل کر کے لاش ایک گز ہے میں ذال دی، محیصہ نے رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر استغاثہ کیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”تم قسم کھا سکتے ہو کہ یہودیوں نے ان کو قتل کیا“ بولے: میں نے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا آپ نے فرمایا: ”تو یہود سے حلف لیا جائے؟“ بولے: ”حضرت! یہودیوں کی قسم کا اعتبار کیا، یہ سودا غد جھوٹی قسم کھالیں گے۔“ خبر میں یہود کے سوا اور کوئی قوم آباد نہ تھی یہ یقین تھا کہ یہودیوں نے ہی عبد اللہ بن سہل کو قتل کیا ہے، تاہم چونکہ یعنی شہادت موجود نہ تھی، آنحضرت ﷺ نے یہود سے تعریض نہیں فرمایا اور خون بہا کے سوا وہ بیت المال سے دلوائے۔

طارق بخاری کا بیان ہے کہ جب اسلام عرب میں پھیلنا شروع ہوا، تو ہم چند آدمی رہنے سے نکلے اور مدینہ کو روانہ ہوئے۔ شہر کے قریب پہنچ کر مقام کیا، زنانی سواری بھی ساتھ تھی، ہم سب بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک صاحب سفید کپڑے پہنچنے ہوئے آئے اور اسلام علیک کی، ہم نے سلام کا جواب دیا ہمارے ساتھ سرخ رنگ کا اونٹ تھا اس کی قیمت پوچھی، ہم نے جواب دیا اتنی کھجوریں، انہوں نے پچھے مول قول نہیں کیا، اور وہی قیمت منظور کر لی، پھر اونٹ کی مہار پکڑ کر شہر کی طرف بڑھنے نظر وہیں سے اوچھل ہو گئے تو سب کو خیال آیا کہ دام رہ گئے اور ہم لوگ ان کو پہچانتے نہیں۔ لوگوں نے ایک دوسرے کو لازم ٹھہرانا شروع کیا جملہ شہزادوں نے کہا: مطمئن رہو، ہم نے کسی شخص کا چہرہ اس قدر چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن نہیں دیکھا (یعنی ایسا شخص دغا نہ کرے گا) رات ہوئی تو ایک شخص آیا کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہارے لیے کھانا اور کھجوریں پہنچی ہیں دوسرے دن صبح کو ہم لوگ مدینہ میں آئے، آنحضرت ﷺ مسجد میں خطبہ دے رہے تھے، ہم لوگوں کو دیکھ کر ایک انصاری نے انھوں کو کہا: یا رسول اللہ! یہ لوگ بتوعلبہ کے قبیلہ کے ہیں اور ان کے مورث نے ہمارے خاندان کے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا اس کے بدله میں ان کا ایک آدمی قتل کرا دیجئے آپ ﷺ نے فرمایا: ”باب کا بدله بیٹھے سے نہیں لایا جا سکتا۔“<sup>❶</sup>

سرق ٹھیٹھ ایک صحابی تھے، انہوں نے ایک بدلوی سے ایک اونٹ مول لیا، لیکن قیمت نہ ادا ہو سکی، بدلو ان کو پکڑ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لے گیا اور واقعہ بیان کیا۔ آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ قیمت ادا کرو، انہوں نے نادری کا عذر کیا، آپ ﷺ نے بدلو سے کہا: ”بازار میں لے جا کر ان کو فروخت کرو۔“ بدلو ان کو بازار میں لے گیا، ایک صاحب نے دام دے کر بدلو سے خریدا اور آزاد کر دیا۔<sup>❷</sup>

ابو حدرہ اسلامی ٹھٹھ ایک صحابی تھے، جن پر ایک یہودی کا قرض آتا تھا اور ان کے پاس بدن پر جو کپڑے تھے ان کے سوا کچھ نہ تھا۔ یہ وزماں تھا جب آنحضرت ﷺ خیر کی مہم کا ارادہ کر رہے تھے۔ ابو حدرہ نے یہودی سے کچھ مہلت طلب کی لیکن وہ نہ مانا اور ان کو پکڑ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لایا، آپ ﷺ نے فرمایا: ”ان کا قرض ادا کرو۔“ انہوں نے عذر کیا، آپ نے پھر فرمایا، انہوں نے پھر ہی

❶ یہ اقصیٰ بخاری، کتاب الدیات، باب الفسامة، باب تبدیلۃ اهل الدم فی الفسامة: ۴۷۱۴ وغیرہ میں باختلاف روایات مذکور ہے۔ ❷ دارقطنی، کتاب البيوع: ۴۳/۳، رقم: ۲۹۵۷۔

❸ دارقطنی، کتاب البيوع: ۶۱/۳، رقم: ۳۰۰۷۔

جواب دیا اور عرض کی کہ یا رسول اللہ! غزوہ نبیر قریب ہے، شاید وہاں سے واپسی پر کچھ ہاتھ آئے تو میں اس کو ادا کروں، آپ نے پھر یہی حکم دیا کہ فوراً ادا کرو، آخراً پنا تہبند اس یہودی کو قرض میں نذر کیا اور سر سے جو عمامہ بندھا تھا، اس کو کھول کر کمر سے لپیٹ لیا۔ ❷

اس عدل و انصاف کا یہ اثر تھا کہ مسلمان ایک طرف یہودی گی جو آپ ﷺ کے شدید ترین دشمن تھے اپنے مقدمات آپ ﷺ کی بارگاہ عدالت میں لاتے تھے ❸ اور ان کی شریعت کے مطابق اس کا فیصلہ ہوتا تھا چنانچہ قرآن مجید میں اس واقعہ کا مصرح ذکر ہے اسلام سے پہلے یہودیان بخضیر و قریظہ میں عزت و شرافت کی عجیب و غریب حد قائم تھی کوئی قریظی اگر کسی نصیری کو قتل کرتا تو قصاص میں وہ مارا جاتا تھا لیکن اگر کوئی قریظی کسی نصیری کے ہاتھ سے مارا جاتا تو اس کے خون کی قیمت سو بار شتر چوہار تھی۔ اسلام میں جب یہ واقعہ پیش آیا تو قریظہ نے آنحضرت ﷺ کے سامنے مقدمہ پیش کیا، آپ نے فوراً تورات کے آئین کے مطابق انسن بالنفس کے حکم سے دونوں قبیلوں میں برادر کا قصاص جاری کر دیا۔ ❹

عدل و انصاف کا سب سے نازک پہلو یہ ہے کہ خود اپنے مقابلہ میں بھی حق کا رشتہ چھوٹنے نہ پائے ایک بار آپ مال غیمت تقسیم فرمادی ہے تھے لوگوں کا گرد و پیش بھوم تھا، ایک شخص آ کر منہ کے بل آپ ﷺ پر لد گیا، دست مبارک میں پتی لکڑی تھی آپ نے اس سے اس کوٹھوکا دیا، اتفاق سے لکڑی کا سر اس کے منہ میں لگ گیا اور خراش آگئی فرمایا: ”مجھ سے انتقام لے لو“، اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے معاف کر دیا۔ ❺ مرض الموت میں آپ نے عامِ مجمع میں اعلان کیا کہ اگر میرے ذمہ کسی کا قرض آتا ہو، اگر میں نے کسی کی جان و مال یا آبرو کو صدمہ پہنچایا ہو تو میری جان و مال و آبرو حاضر ہے اسی دنیا میں وہ انتقام لے لے جمع میں سنانا تھا، صرف ایک شخص نے چند درہم کا دعویٰ کیا جو دل اوادیے گئے۔ ❻

### جود و سخا

جود و سخا آپ ﷺ کی فطرت تھی (ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ آپ تمام لوگوں سے زیادہ سخا تھے اور خصوصاً رمضان کے مہینہ میں آپ اور زیادہ سخاوت فرماتے تھے ❾ تمام عمر کسی کے سوال پر ”مہیں“ کا لفظ نہیں فرمایا۔ ❿

((انما انما قاسم و خازن والله يعطي)) ❻

❶ مسند احمد، ج ۳، ص ۴۲۳۔ ❷ ابو داود، کتاب الحدود، باب فی رجم اليهودین: ۴۴۴۶، ۴۴۴۹۔ ❸ ابو داود، کتاب الديات، باب النفس بالنفس: ۴۴۹۴۔

❹ ابو داود، کتاب الديات، باب القود من الضربة: ۴۵۳۶۔ ❺ ابن اسحاق برواية ابن هشام، طبقات ابن سعد جزء ثانی، قسم ثانی، ص ۴۵۔ ❻ صحيح بخاری، كتاب بدء الوحى: ۶۔

❼ صحيح بخاری، كتاب الادب، باب حسن الخلق: ۶۰۲۴۔

❽ صحيح بخاری، كتاب فرض الخمس، باب قوله تعالى: فَإِنَّ اللَّهَ خَمْسَهُ: ۳۱۱۷۔ ۳۱۱۶۔

”میں تو صرف دینے بانٹنے والا اور خازن ہوں اور دینا اللہ ہے۔“

ایک دفعہ ایک شخص خدمتِ اللہ میں آیا اور کہا کہ دور تک آپ ﷺ کی بکریوں کا ریوڑ پھیلا ہوا ہے اس نے آپ سے درخواست کی اور آپ نے سب کی سب دے دیں، اس نے اپنے قبیلہ میں جا کر کہا کہ اسلام قبول کر لومح ﷺ ایسے فیاض ہیں کہ مغلیں ہو جانے کی پروانیں کرتے۔ \*

ایک دفعہ ایک شخص نے کچھ مانگا آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے تم میرے ساتھ آؤ۔“ حضرت عمر بن الخطابؓ بھی ساتھ تھے عرض کی کہ آپ کے پاس کچھ موجود نہیں تو آپ ﷺ پر کیا ذمہ داری ہے ایک اور صاحب حاضر تھے، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ دینے جائیے اور عرش والے خدا سے نذریئے وہ آپ کی حاجت نہ کرے گا آپ فرط بناشت مے مکرا دیے۔ \*

عام فیاضی کا یہ حال تھا کہ جو شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا اگر آپ کے پاس کچھ سرمایہ موجود ہوتا تو اس کو کچھ نہ کچھ ضرور عطا فرماتے ورنہ وعدہ فرماتے۔ اس معمول کی بنا پر لوگ اس قدر دلیر ہو گئے تھے کہ ایک مرتبہ عین اقامت نماز کے وقت ایک بد و آیا اور آپ کا دامن پکڑ کر کہا کہ میری ایک معمولی سی حاجت باقی رہ گئی ہے خوف ہے کہ میں اس کو بھول نہ جاؤں اس کو پورا کر دیجئے، چنانچہ آپ اس کے ساتھ تشریف لے گئے اور اس کی حاجت برآری کر کے آئے تو نماز پڑھی۔ \*

بعض اوقات ایسا ہوتا کہ ایک شخص سے ایک چیز خریدتے، قیمت چکار دینے کے بعد پھر وہ چیز اس کو بطور عطیہ کے عنایت فرماتے، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمر بن الخطابؓ سے ایک اونٹ خریدا اور پھر اسی وقت اس کو عبد اللہ بن عمر بن الخطابؓ کو دے دیا۔ \* حضرت جابر بن عبد اللہؓ کے ساتھ بھی اسی قسم کا اعتمذ کور ہے۔ \*

کھانے پینے کی چیزوں میں معمولی سے معمولی چیز بھی تہائے کھاتے بلکہ تمام صحابہ ﷺ کو شریک فرمائیتے۔ کسی غزوہ میں ۱۳۰ صحابہ ﷺ برہا تھے آپ نے ایک بکری خرید کر زع کروائی اور بھی کے بھونتے کا حکم دیا، وہ تیار ہوئی تو تمام صحابہ ﷺ کو تقسیم فرمایا، جو لوگ موجود نہ تھے ان کا حصہ الگ محفوظ رکھا۔ \* جو چیز آنحضرت ﷺ کے پاس آتی جب تک صرف نہ ہو جاتی آپ کو چین نہ آتا۔ بے قراری ہی رہتی، ام المؤمنین ام سلمہ بن عثمان کریم کرتی ہیں کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ گھر میں تشریف لائے تو تجوہ متغیر تھا، ام سلمہ بن عثمان نے عرض کیا یا رسول اللہ! خیر ہے؟ فرمایا: ”کل جو سات دینا آئے تھے شام ہو گئی اور وہ بستر پر پڑے رہ گئے۔“ \*

\* صحيح مسلم، کتاب الفضائل، باب فی سخانه: ۶۰۲۰۔ ② شمائل ترمذی، باب ما جاء فی خلق رسول اللہ ﷺ: ۳۵۴۔ ③ ادب المفرد، باب سخاوة النفس: ۲۷۸۔

\* صحيح بخاری، کتاب البویع، باب اذا اشترى شيئاً فوهب من ساعته: ۲۱۱۵۔

④ بخاری، باب شراء الدواب: ۲۰۹۷۔ ⑤ صحيح مسلم، کتاب الاشربة، باب اکرام الصيف: ۵۳۶۴۔

⑥ مسند احمد، ج ۶، ص: ۲۹۳۔

حضرت ابوذر ؓ سے مردی ہے کہ ایک شب کو وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ ایک راستے سے گزر رہے تھے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”ابوذر! اگر احد کا پہاڑ میرے لیے سونا ہو جائے تو میں کبھی یہ پسند نہ کروں گا کہ تین راتیں گزر جائیں اور میرے پاس ایک دینار بھی رہ جائے، لیکن ہاں وہ دینار جس کو میں اداۓ قرض کے لیے چھوڑ دوں۔“ ❶

اکثر یہاں تک معمول تھا کہ گھر میں نقد کی قسم سے کوئی چیز موجود ہوتی توجہ تک کل خیرات نہ کر دی جاتی گھر میں آرام نہ فرماتے۔ رئیس فدر کے ایک دفعہ چار اونٹ پر غلمان بار کر کے خدمت بیوی میں بھیجا۔ حضرت بلاں ﷺ نے بازار میں غلمان فرخخت کر کے ایک یہودی کا قرض تھا وہ ادا کیا، پھر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آ کر اطلاع کی، آپ ﷺ نے پوچھا: ”کچھ تجھ تو نہیں رہا۔“ بولے: ہاں کچھ بھی رہا، فرمایا: ”جب تک کچھ باقی رہے گا میں گھر میں نہیں جا سکتا۔“ حضرت بلاں ﷺ نے کہا: میں کیا کروں کوئی سائل نہیں، آنحضرت ﷺ نے مسجد میں رات سرکی۔ دوسرے دن حضرت بلاں ﷺ نے آ کر کہا: یا رسول اللہ! خدا نے آپ کو سکدوں شکر دیا، یعنی جو کچھ تھا وہ بھی تقسیم کر دیا گیا آپ نے خدا کا شکر ادا کیا اور اسکے لئے گھر تشریف لے گئے۔ ❷

اسی طرح ایک بار عصر کی نماز پڑھ کر خلاف معمول فوراً گھر کے اندر تشریف لے گئے اور پھر فوراً نکل آئے لوگوں کو تجہب ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا: ”مجھ کو نماز میں خیال آیا کہ کچھ سونا گھر میں پڑا رہ گیا ہے گمان ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ رات ہو جائے اور وہ گھر میں پڑا رہ جائے اس لیے جا کر اس کو خیرات کر دینے کو کہہ آیا۔“ ❸ غزوہ حنین میں جو کچھ ملا آنحضرت ﷺ اس کو خیرات فرم کر واپس آ رہے تھے، راہ میں بد و کل کو خیر گلی کے ادھر سے آنحضرت ﷺ کا گزر ہونے والا ہے، آس پاس سے دوڑ دوڑ کر آئے اور لپٹ گئے کہ ہمیں بھی کچھ عنایت ہو، آپ اٹھا مام سے گھبرا کر ایک درخت کی آڑ میں کھڑے ہو گئے، انہوں نے ردائے مبارک تھام لی، بالا خراس کشاکش میں جسم اطمہر سے چادر اتر کر ان کے ہاتھ میں رہ گئی۔ فیاض عالم نے کہا: ”میری چادر دے دو، خدا کی قسم اگر ان جنگلی درختوں کے برابر بھی اونٹ میرے پاس ہوتے تو میں سب تم کو دے دیتا اور پھر مجھ کو بخیل نہ پاتے، نہ دروغ گو، نہ نامرد۔“ ❹

لوگوں کو حکم عام تھا کہ جو مسلمان مر جائے اور اپنے ذمہ قرض چھوڑ جائے تو مجھے اطلاع دو، میں اس کو ادا کر دوں گا اور جو تر کہ چھوڑ جائے وہ وارثوں کا حق ہے، ❺ مجھے اس سے کوئی مطلب نہیں۔ ایک دفعہ آپ صحابہ ﷺ کے مجمع میں تشریف فرماتھے، ایک بداؤ یا اور آپ کی چادر کا گوشہ زور سے کھینچ کر بولا: ”محمد ای ماں

❶ صحیح بخاری، کتاب الاستقراض، باب اداء الديون: ۲۳۸۹، ۲۳۸۸۔ ❷ ابو داود، کتاب الخراج، باب فی الامام بقبل هدایا المشرکین: ۵۰۰۵۔ ❸ صحیح بخاری، کتاب العمل فی الصلاة، تفکر الرجل الشیء فی الصلوة: ۱۲۲۱۔ ❹ صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب الشجاعة فی الحرب: ۲۸۲۱۔

❺ صحیح بخاری، کتاب الاستقراض، باب الصلوة علی من ترك دینا: ۲۳۹۹، ۲۳۹۸۔

نہ تیرا بے، نہ تیرے باپ کا بے، ایک بار شتر دے۔ آپ ﷺ نے اس کے اونٹ کو جواہر بھجوروں سے لدوا دیا۔

ایک دفعہ بھرین سے خراج آیا اور اس قدر کثیر رقم تھی کہ اس سے پہلے کبھی دارالاسلام میں نہیں آئی تھی۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کو حن مسجد میں ڈالوادو۔ اس کے بعد جب آپ سمسجد میں تشریف لائے تو اس پر مرکر بھی نظر نہ ڈالی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ نے اس کی تقسیم شروع کی، جو سامنے آتا اس کو دیتے چلے جاتے۔ حضرت عباس ؓ کو جوغز وہ بدر کے بعد دولت مند نہیں رہے تھے اتنا دیا کہ اٹھ کر چل نہیں سکتے تھے اسی طرح اور لوگوں کو بھی عنایت فرماتے جاتے تھے جب کچھ نہ رہا تو کپڑے جھاڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

اسلام میں قاعدہ یہ ہے کہ اگر کوئی آزاد شدہ غلام مر جائے تو اس کا ترکہ اس کے آقا کو ملتا ہے، ایک دفعہ آپ کا اسی قسم کا ایک غلام مر گیا، لوگ اس کا متروکہ سامان اٹھا کر آپ کے پاس لائے، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ”کوئی اس کا یہاں ہم وطن ہے؟“ لوگوں نے کہا: ہاں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ تمام چیزیں اسی کے حوالہ کر دو۔“

ایک دفعہ چند انصار نے آپ ﷺ سے کچھ مانگا، آپ نے دے دیا، پھر مانگا، پھر دیا، پھر جب تک رہا آپ دیتے رہے، یہاں تک کہ آپ کے پاس کچھ نہیں رہا، لیکن وہ باوجود اس کے حاضر ہونے اور درخواست کی، فرمایا: ”میرے پاس جو کچھ ہو، میں اس کو تم سے پچا کرنیں رکھوں گا۔“

### ایثار

آپ ﷺ کے اخلاق و عادات میں جو صفت سب سے زیادہ نمایاں اور جس کا اثر ہر موقع پر نظر آتا تھا، وہ ایثار تھا۔ اولاد سے آپ کو بے انجما محبت تھی، اور ان میں حضرت فاطمہؓ ہر اثنیٰ تھیں اس قدر عزیز تھیں کہ جب آتم فرط محبت سے کھڑے ہو جاتے، پیشانی کو بوس دیتے، اور اپنی جگہ بٹھاتے، تاہم حضرت فاطمہؓ ہر اثنیٰ کی عسرت اور تنگ دستی کا یہ حال تھا کہ گھر میں کوئی خادم نہ تھی، خود چکل پیشیں اور خود ہی پانی کی مشکل بھر لاتیں۔ پچھلی پیتے پیتے ہتھیلیاں گھس گئیں تھیں اور مشکل کے اثر سے سینہ پر نیل پڑ گئے تھے ایک دن خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں خود تو پاسِ حیا سے عرض حال نہ کر سکیں، جناب امیرؓ ہر اثنیٰ نے ان کی طرف سے یہ حال عرض کیا اور درخواست کی کہ فلاں غزوہ میں جو کنیزیں آئی ہیں ان میں سے ایک کنیzel جائے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”ابھی اصحاب صفات انتظام نہیں ہو اور جب تک ان کا بندوبست نہ ہو لے میں اور طرف توجہ

ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی الحلم و اخلاق النبي ﷺ: ۴۷۷۵۔ روایت میں ہے کہ بدھ کے ساتھ دو اونٹ تھے اور آپ نے ایک اونٹ پر جواہر دوسرے پر بھجوڑیں لے دوادیں۔ ”ض“ صحيح بخاری، کتاب الجزية، باب ما اقطع النبي ﷺ من البحرين: ۳۱۶۵۔ مسند احمد، ج ۶، ص: ۱۷۵۔

صحيح بخاري، کتاب الزكاة، باب الاستعفاف عن المثلة: ۱۴۶۹۔

نہیں کر سکتا۔<sup>۱</sup> ایک روایت میں ہے کہ حضرت زیر اللہ عزیز کی صاحبزادیاں اور حضرت فاطمہ زہراؓ نے خدمت اقدس میں گئیں اور اپنے افلاں و تنگی کی شکایت کر کے عرض کی کہاب کے غزوہ میں جو کینیں آئیں، ان میں سے ایک دو ہم کوں جائیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ”بدر کے تیم تم سے پہلے درخواست کر چکے۔“<sup>۲</sup> ایک دفعہ حضرت علیؓ نے کسی امر کی درخواست کی، فرمایا: ”یہ نہیں ہو سکتا کہ میں تم کو دوں اور اہل صحفہ کو اس حال میں چھپوڑوں کوہ بھوک سے اپنے پیٹ لپیٹتے پھریں۔“<sup>۳</sup>

ایک دفعہ ایک عورت نے ایک چادر لے کر پیش کی۔ آپ ﷺ کو ضرورت تھی، آپ نے لے لی، ایک صاحب حاضر خدمت تھے، انہوں نے کہا: کیا ابھی چادر ہے۔ آپ نے اتار کر ان کو دے دی، جب انھوں کو چلے گئے تو لوگوں نے ان کو ملامت کی کہ تم جانتے ہو کہ آنحضرت ﷺ کو چادر کی ضرورت تھی، یہ بھی جانتے ہو کہ آنحضرت ﷺ کسی کا سوال رہنیں کرتے، انہوں نے کہا: ہاں لیکن میں نے تو برکت کے لیے لی ہے کہ مجھ کو اسی چادر کا کفن دیا جائے۔<sup>۴</sup>

زہد و قاعات کے عنوان سے جو واقعات لکھے گئے ہیں، ان سے ظاہر ہو گا کہ آنحضرت ﷺ کس عترت اور تنگ دستی میں بسر فرماتے تھے۔<sup>۵</sup> کہ بہت بعد فتوحات کو وسعت حاصل ہوئی ہے عرب میں باغات سب سے بہتر جائیداد تھی۔<sup>۶</sup> میں یہودیان بونفسیر میں سے تھیر یق نامی ایک شخص نے اپنے سات باغ مشیب، صافقه، دلال، حسینی، برقة، اعواف، هشرہہ ام ابراہیم مرتبے وقت آنحضرت ﷺ کو وصیت کر دیئے۔ آپ نے سب کو خیرات کر دیا یعنی وہ خدا کی راہ میں وقف تھے، جو کچھ پیدا ہوتا تھا وہ غربا اور مساکین کو دے دیا جاتا تھا۔<sup>۷</sup>

ایک صحابیؓ نے شادی کی، سامان و لیہ کے لیے گھر میں کچھ نہ تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ عائشہؓ کے پاس جاؤ اور آئیں کی نوکری مانگ لاؤ، وہ گئے اور جا کر لے آئے، حالانکہ کاشانہ نہبت میں اس ذخیرہ کے سوا شام کے کھانے کو کچھ نہ تھا۔<sup>۸</sup> ایک دفعہ ایک غفاری آکر مہمان ہوا۔ رات کو کھانے کے لیے صرف بکری کا دودھ تھا۔ وہ آپ ﷺ نے اس کی نذر کر دیا۔ یہ تمام رات خانہ نبوی میں فاقہ سے گزری حالانکہ اس سے پہلی شب میں بھی یہاں فاقہ ہی تھا۔<sup>۹</sup>

<sup>۱</sup> یہ روایت کتب احادیث (سنن ابو داود، کتاب الخراج والاماۃ، باب بیان مواضع قسم الخمس: ۲۹۸۸) وغیرہ میں مختلف طریقوں سے مردی ہے، ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کو ایک دعا بادی کہ یہ یونہی سے ہو کر بے: (۵۰۱۲، ۵۰۲۲)۔ <sup>۲</sup> ایضاً: ۲۹۸۷۔ <sup>۳</sup> مسند احمد، ج: ۱، ص: ۷۹۔

<sup>۴</sup> صحیح بخاری، کتاب الادب، باب حسن الخلائق والسماخاء: ۶۰۳۶ و باب من استعد الكفن: ۱۲۷۷۔

<sup>۵</sup> فتح الباری شرح کتاب الفرانض۔ <sup>۶</sup> اصحابہ تذکرہ مخبریق، ج: ۳، ص: ۳۹۳ مطبعة السعادة مصر۔

<sup>۷</sup> مسند احمد، ج: ۴، ص: ۵۸۔ <sup>۸</sup> مسند احمد، ج: ۶، ص: ۳۹۷۔

## مہمان نوازی

عرب کے مختلف اطراف اور صوبوں سے جوچ در جوچ لوگ بارگاہ نبوی میں آتے تھے۔ رملہ ﷺ ایک صحابی تھیں، ان کا گھر دار الضیوف تھا۔ ❶ یہیں لوگ مہمان اترتے تھے، ام شریک ﷺ جو ایک دولت مند اور فیاض انصاری تھیں، ان کا گھر بھی گوایا ایک مہمان خانہ تھا۔ ❷ مخصوص لوگ مسجد نبوی میں اتارے جاتے تھے چنانچہ وفد ثقیف یہیں اترا تھا۔ آنحضرت ﷺ خود نفس نفس نہیں ان مہمانوں کی خاطرداری اور تواضع فرماتے تھے۔ یوں بھی جو لوگ حاضر ہوتے تھے بغیر کچھ کھائے پئے اپس نہ آتے تھے۔ ❸

فیاضی میں کافروں مسلمان کا امیاز نہ تھا۔ مشرک و کافر سب آپ ﷺ کے مہمان ہوتے اور آپ کی سامان کی مہمان نوازی کرتے۔ جب اہل جشت کا وفد آیا تو آپ نے خود اپنے ہاں ان کو مہمان اتارا، اور خود نفس نفس ان کی خدمت کی۔ ❹ ایک دفعہ ایک کافر مہمان ہوا۔ آپ ﷺ نے ایک بکری کا دودھ اسے پلایا وہ سارے کاسار اپی لگیا، آپ نے دوسرا بکری منگوائی، وہ بھی کافی نہ ہوئی غرض سات بکریوں تک نوبت آئی جب تک وہ سیر نہ ہوا آپ پلاتے گئے۔ ❺ کبھی ایسا ہوتا کہ مہمان آجاتے اور گھر میں جو کچھ موجود ہوتا وہ ان کی نذر ہو جاتا اور تمام اہل دعیال فاقہ کرتے۔ ❻ آپ راتوں کو انھوں نے کھاناوں کی خبر گیری کرتے تھے۔ ❾

صحابہؓ میں سب سے مفلس اور نادار گروہ اصحاب صفت کا تھا، وہ مسلمانوں کے مہمان عام تھے لیکن ان کو زیادہ تر خود آنحضرت ﷺ کے مہمان ہونے کا شرف حاصل ہوتا ایک بار آپ ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص کے پاس دو آدمی کا کھانا ہو وہ ان میں سے تین آدمی کو اور جن کے پاس چار آدمی کا کھانا ہو وہ ان میں سے پانچ آدمی کو ساتھ لے جائے۔“ ❻ چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تین آدمیوں کو ساتھ لائے، لیکن آنحضرت ﷺ دس آدمیوں کو ساتھ لے گئے۔

اصحاب صفت میں حضرت ابو ہریرہؓ اپنے فقر و فاقہ کی داستان نہایت در دلگیز طریقہ سے بیان کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک روز شدت گرگئی کی حالت میں گزر گاہ عام پر بیٹھ گیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ راستے سے گزرے تو میں نے بطور حسن طلب کے ان سے قرآن مجید کی ایک آیت پوچھی لیکن وہ گزر گئے اور میری حالت کی طرف توجہ نہ کی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا اور وہی نتیجہ ہوا، اس کے بعد آنحضرت ﷺ کا گزر ہوا تو آپ مجھ کو دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا: ”میرے ساتھ آؤ۔“

❶ زرقانی ذکر و فد بنی حبیبة، ج ۴، ص ۲۲۔ ❷ مسلم، کتاب الطلاق، باب المطلقة البائی: ۳۶۹۷۔

❸ شمسائل ترمذی: ۳۹۷۔ ❹ شرح شفاء قاضی عیاض بسند متصل، ج ۲، ص ۱۰۰۔

❺ صحیح مسلم، کتاب الاشربة، باب المؤمن باکل فی معنی: ۵۳۷۹۔ ❻ مسند احمد، ج ۶، ص: ۳۹۷۔

❼ ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی الرجل ینبطح علی بطبته: ۵۰۴۰۔

❽ صحیح مسلم، کتاب الاشربة، باب اکرام الضیوف: ۵۳۷۱ تا ۵۳۷۲۔

آپ ﷺ کھر میں پہنچنے تو دودھ کا ایک پیالہ نظر آیا، آپ نے دریافت فرمایا، تو معلوم ہوا کہ کسی نے ہدیہ نہیں جاہے، آپ ﷺ نے مجھ سے کہا: ”اصحاب صفة کو بلا لاؤ۔“ میں ان کو بلا لایا۔ تو آپ نے مجھ کو دودھ کا دہ پیالہ دیا کہ سب کو تقسیم کرو۔

آنحضرت ﷺ کے گھر میں ایک پیالہ اس قدر بھاری تھا کہ اس کو چار آدمی اٹھا سکتے تھے جب دو پھر ہوتی تو وہ پیالہ آتا اور اصحاب صفة اس کے گرد بیٹھ جاتے یہاں تک کہ جب زیادہ جمیع ہو جاتا تو آنحضرت ﷺ کو اوکڑوں بیٹھنا پڑتا کہ لوگوں کے لیے جگہ نہیں آئے۔

مقدار دو لیٹر کا میان ہے کہ میں اور میرے دور فیض اس قدر تنگ دست تھے کہ بھوک سے بینائی جاتی رہی ہم لوگوں نے اپنے تکلف کی درخواست کی لیکن کسی نے منظور نہیں کیا آخر ہم لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ دولت خانہ میں لے گئے اور تمیں بکریوں کو دکھا کر فرمایا: ”ان کا دودھ پیا کرو۔“ چنانچہ ہم میں ہر شخص دودھ دو دہ کر اپنا اپنا حصہ پی لیا کرتا تھا۔

ایک دن اصحاب صفت کو لے کر حضرت عائشہؓ کے گھر پہنچنے اور فرمایا کہانے کو جو کچھ ہولا وہ، چونی کا پکا ہوا کھانا سامنے لا کر رکھا گیا آپ نے کھانے کی کوئی اور چیز طلب کی تو چھوہارے کا حریرہ پیش ہوا، اس کے بعد بڑے پیالہ میں دودھ حاضر کیا گیا اور سہی سامان مہمانی کی آخری قطع تھی۔

### گداگری اور سوال سے نفرت

باوجود اس کے کہ آپ ﷺ کا امیر کرم ہر وقت برستار ہتا تھا تا ہم کسی کا بے ضرورت شدید سوال کرنا آپ پر سخت گراں ہوتا تھا، ارشاد فرماتے: ”اگر کوئی شخص لکڑی کا گلہ پیٹھ پر لاد لائے اور پیچ کر اپنی آبرو بچائے تو اس سے بہتر ہے کہ لوگوں سے سوال کرے۔“

ایک دفعہ ایک انصاری آئے اور کچھ سوال کیا آپ ﷺ نے فرمایا: ”تمہارے پاس کچھ نہیں ہے؟“ بولے کہ میں ایک پھوتا ہے، جس کا کچھ حصہ اوڑھ لیتا ہوں کچھ بچھ لیتا ہوں اور ایک پانی پینے کا پیالہ ہے، آپ نے دونوں چیزوں میں پھر فرمایا: ”یہ چیزوں کون خریدتا ہے؟“ ایک شخص نے دو درہم لگائے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس سے بڑھ کر بھی کوئی دام لگاتا ہے؟“ ایک صاحب نے ایک کے دو کر دیے۔ آپ نے دونوں چیزوں دے دیں اور درہم انصاری کو دیے کہ ایک درہم کا کھانا خرید کر گھر میں دے آؤ اور دوسرے سے رسی خرید اور جنگل سے لکڑیاں لا کر شہر میں پہنچو۔ پندرہ دن کے بعد وہ خدمت اقدس میں آئے تو دس درہم ان کے

۱. تمذی، ابواب صفة القيامة، باب قصة اصحاب الصفة: ۲۴۷۷۔

۲. ابوداود، کتاب الاطعمة، باب ماجاء في الأكل من أعلى الصحفة: ۳۷۷۳۔

۳. صحيح مسلم، کتاب الاشربة، باب اكرام الضيف: ۳۵۶۳۔

۴. ابوداود، کتاب الادب، باب فی الرجل يبتاع على بطنه: ۵۰۴۰۔

۵. صحيح بخاری، کتاب الصدقات، باب الاستفاف عن المسنة: ۱۴۷۱۔

پاس جمع ہو گئے تھے اس سے کچھ کپڑا خریدا کچھ کاغذ مول لیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”یا چھاہے یا یہ کی قیامت میں چہرہ پر گدائی کا داع لگا کر جاتے۔“ \*

ایک دفعہ چند انصاری آئے اور سوال کیا، آپ نے عنایت فرمایا پھر جب تک کچھ رہا آپ نے ان کی درخواست رنجیں فرمائی جب کچھ نہیں رہا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”میرے پاس جب تک رہے گا تم سے بچا کر اس کو نہیں رکوں گا لیکن جو شخص اللہ سے دعائیں گے کہ وہ اس کو سوال و گدأُگری کی ذلت سے بچائے تو وہ اس کو بچا دیتا ہے اور جو خدا سے غنی کا طالب ہوتا ہے وہ اس کو غنی مرحمت فرماتا ہے اور جو صبر کرتا ہے اللہ اس کو حساب برنا دیتا ہے اور صبر سے کوئی بہتر اور سچی تر دوست کسی کو نہیں دی گئی ہے۔“ \*

حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ فتح کم میں اسلام لائے تھے، ایک دفعہ انہوں نے آپ ﷺ سے کچھ طلب کیا آپ نے عنایت فرمایا، کچھ دن کے بعد پھر مانگا، آپ نے پھر ان کو دیا، تیسری دفعہ پھر سوال کیا پھر کچھ مرحمت کیا، اس کے بعد فرمایا: ”اے حکیم! یہ دوست بزر و شیریں ہے جو استغنا کے ساتھ اس کو قبول کرتا ہے اس کو برکت ملتی ہے اور جو حرص و طمع کے ساتھ اس کو حاصل کرتا ہے وہ اس سے محروم رہتا ہے اور اس کی مثال اس شخص کی ہے جو کھاتا چلا جاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا دوست بالادست زیریں سے بہتر ہے۔“ حکیم رضی اللہ عنہ پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”کی نصیحت کا یہ اثر ہوا کہ جب تک زندہ رہے، کسی کسی سے کوئی معنوی چیز بھی نہیں مانگی۔“ \*

جیتے الوداع میں آنحضرت ﷺ صدقات کا مال تقسیم فرمائے تھے کہ دو صاحب آ کرشامل ہو گئے آپ نے ان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو وہ تونمند اور باتھ پاؤں کے درست معلوم ہوئے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر تم چاہو تو میں اس میں سے دے سکتا ہوں لیکن غنی اور تدرست کام کرنے کے لائق لوگوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے۔“ \* تبیصہ نام ایک صاحب تھے وہ مقرض ہو گئے تھے، آپ کے پاس آئے تو اپنی حاجت عرض کی، آپ ﷺ نے وعدہ کیا، اس کے بعد ارشاد فرمایا: ”اے تبیصہ! سوال کرنا اور لوگوں کے سامنے باتھ پھیلا ناصرف تین شخصوں کو روا ہے، ایک اس شخص کو جو قرض سے زیر بار ہو، وہ مانگ سکتا ہے، لیکن جب اس کی ضرورت پوری ہو جائے تو اس کو رک جانا چاہیے، دوسرے اس شخص کو جس پر کوئی ایسی ناگہانی مصیبت آگئی، جس نے اس کے تمام مالی سرمایہ کو بر باد کیا، اس کو اس وقت تک مانگنا جائز ہے جب تک اس کی حالت کسی قدر درست نہ ہو جائے، تیسرا وہ شخص جو بتلائے فاقہ ہوا و محلہ کے تین معتبر آدمی گواہی دیں کہ ہاں اس کو فاقہ ہے، اس کے علاوہ جو کوئی کچھ مانگ کر حاصل کرتا ہے وہ حرام کھاتا ہے۔“ \*

\* ابو داود، کتاب الزکوة، باب ما تجوز فيه المسالة: ۱۶۴۱ و ترمذی: ۱۲۱۸، ابن ماجہ: ۲۱۹۸۔

\*\* صحيح بخاری، کتاب الصدقات، باب الاستعفاف عن المسئلة: ۱۴۶۹۔

\*\*\* ایضاً: ۱۴۷۲۔ \* ابو داود، کتاب الزکوة، باب من يعطي من الصدقة: ۱۶۳۳۔

\*\*\*\* ایضاً: باب ما تجوز فيه المسالة: ۱۶۴۰۔

## صدقة سے پرہیز

آنحضرت ﷺ اپنے اور اپنے خاندان کے لیے صدقة و زکوٰۃ لینے کو ختم موجب غل و عار بھتھتے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ ”میں لگر میں آتا ہوں تو کبھی کبھی اپنے بستر پر کھجور پاتا ہوں جی میں آتا ہے کہ اخخار کرنہ میں ذال لول، پھر خیال ہوتا ہے کہ کہیں صدقہ کی کھجور نہ ہو، اس لیے ذال دیتا ہوں۔“ \* ایک دفعہ راست میں ایک کھجور ہاتھ آگئی، فرمایا: ”اگر صدقة کا شہر نہ ہوتا تو میں اس کو کھا جاتا۔“ \* ایک بار امام حسن ؓ نے صدقہ کی کھجوروں میں سے منہ میں ایک کھجور ذال لی، آپ ﷺ نے ذالت کر کہا: ”کیا تمہیں یہ خیر نہیں کہ ہمارا خاندان صدقہ نہیں کھاتا۔“ \* پھر منہ سے الگوادیا۔ آپ کے سامنے جب کوئی شخص کوئی چیز لے کر آتا تو دریافت فرماتے: ”ہدیہ ہے یا صدقة؟“ اگر ہدیہ ہے کہتا تو فرماتے اور اگر یہ کہتا کہ صدقہ تو آپ ہاتھ روک لیتے اور دوسرے صاحبوں کو عنایت فرمادیتے۔

ہدایا اور تھنے قول کرنا

دوست و احباب کے ہدایا اور تھنے آپ ﷺ قول فرماتے تھے بلکہ آپ نے اس کو زیادہ محبت کا

بہترین ذریعہ فرمایا ہے:

((تھادوا تحابوا)) \* ”بِاَهْمٍ اِيْكَ دُوْرَے كُوْهْدِيْرِ بِهِجُوْلَةِ بِاهْمٍ مُجْبَتِهِوْگِيْ۔“

اسی لیے صحابہ ؓ عموماً کچھ نہ پکھ روز آپ ﷺ کے گرد بھیجا کرتے تھے اور خصوصیت کے ساتھ اس دن بھیجتے تھے جس دن آپ حجرہ عائشہ ؓ میں قیام فرماتے تھے۔ \* اوپر گزر چکا ہے کہ کوئی چیز آپ کے سامنے پیش کی جاتی تو آپ دریافت فرماتے تھے کہ یہ صدقہ ہے یا ہدیہ؟ اگر ہدیہ ہوتا تو قول فرماتے ورنہ احتراز کرتے۔ ایک دفعہ ایک عورت نے ایک چادر خدمت اقدس میں پیش کی آپ نے آپ نے لے لی، اسی وقت ایک صاحب نے مانگ لی، آپ نے ان کو عنایت فرمادی۔ \*

آس پاس کے ملوک و سلاطین بھی آپ کو تھنے بھیجا کرتے تھے۔ حدود شام کے ایک ریس نے ایک سفید پھر تھنہ دیا تھا \* عزیز مصر نے بھی ایک پھر مصر سے بھیجا تھا ایک امیر نے آپ کو موزے بھیجے تھے۔ \* ایک دفعہ قصر روم نے آپ کی خدمت میں ایک پوتین بھیجی جس میں دیبا کی سنجاف لگی ہوئی تھی آپ نے ذرا دری کے لیے پہن لی، پھر اتار کر حضرت عجفر ؓ (حضرت علی ؓ کے بھائی) کے پاس بھیج دی۔ وہ پہن کر خدمت اقدس میں آئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”میں نے اس لیے نہیں بھیجی کہ تم خود پہنو۔“ عرض کی

\* بخاری، کتاب فی النقطة، اذا وجد تمرة فی الطريق: ۲۴۳۲۔ \* ایضاً: ۲۴۳۱۔

\* بخاری، کتاب الزکوة، باب اخذ صدقة التمر: ۱۴۹۱، ۱۴۸۵۔ \* مؤطا امام مالک، کتاب حسن الخلق، باب ما جاء في المهاجرة: ۱۶۸۵۔ \* بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبي ﷺ، باب فضل عائشة: ۳۷۷۵۔ \* صحيح بخاری، کتاب الجنائز، باب من استعد الكفن: ۱۲۷۷۔

\* زاد المعاد ابن قیم، ج ۱، ص: ۳۴۔ \* شمائل ترمذی: ۷۲، ۷۳۔

پھر کیا کروں، ارشاد فرمایا: ”اپنے بھائی نجاشی کو سمجھ دو۔“ ❷ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ ایک مدت یعنی فتح خیریتک جمل میں رہے تھے اور نجاشی نے انہی سے اسلام کی تعلیم پائی تھی۔

ہدایا اور تخفیہ دینا

جن لوگوں کے ہدایا اور تخفیہ قبول فرماتے تھے، ان کو ان کا صلد بھی ضرور عطا فرماتے تھے۔ حضرت

عاشر شعبہ نیشن سے روایت ہے:

کان يقبل الهدية ويشبب عليها۔ ❸ ”آنحضرت ﷺ ہدیہ قبول فرماتے تھے اور اس کا معاوضہ بتے تھے۔“ یکن کا مشہور بادشاہ ذی یزن جس نے جبشی حکومت مٹا کر ایران کے زیر اثر عربی حکومت قائم کی تھی اس نے آنحضرت ﷺ کو ایک قیمتی حلقہ بھیجا جس کو اس نے ۳۳ اونٹوں کے بدلوں میں خریدا تھا، آپ ﷺ نے قبول فرمایا اور پھر اس کو ایک حلقہ ہدیۃ بھیجا جو ۲۰ سے کچھ زیادہ اونٹ دیکھ رہا گیا تھا۔ ❹

ایک دفعہ قبیلہ بنی فزارہ کے ایک شخص نے آپ ﷺ کی خدمت میں ہدیۃ ایک اونٹ پیش کی آپ نے اس کا صلد دیا تو وہ سخت ناراض ہوا۔ آپ نے منبر پر کھڑے ہو کر خطاب عام کیا اور فرمایا: ”تم لوگ مجھے ہدیۃ دیتے ہو اور میں بقدر استطاعت اس کا صلد دیتا ہوں تو ناراض ہوتے ہو، آئندہ قریش، انصار، ثقیف اور دوس کے سوا کسی قبیلہ کا ہدیہ قبول نہ کروں گا۔“ ❻

حضرت ابوالیوب الانصاری رضی اللہ عنہ جن کے مکان میں آپ چھ مہینے تک فردوش رہے تھے، آپ اکثر ان کو بچا ہوا کھانا بھیجا کرتے ❽ ہمسایوں اور پڑویسوں کے گھروں میں بھی تخفیہ سمجھتے تھے۔ اصحاب صفا اکثر آپ کے تھنوں سے شرف ہوا کرتے تھے۔

### عدم قبول احسان

کبھی کسی کا احسان گوارا نہ فرماتے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر جان شاکون ہو سکتا تھا، تاہم بھارت کے وقت جب انہوں نے سواری کے لیے ناق پیش کیا تو آپ نے قیمت ادا کی۔ ❾ مدینہ میں مسجد کے لیے جو زمین در کار تھی ماکان زمین نے مفت نذر کرنی چاہی تھی لیکن آپ نے قیمت دے کر لی۔ ❿ ایک دفعہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ دنوں ہمسفر تھے، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی سواری کا اونٹ سرکش تھا اور آنحضرت ﷺ کے ناقہ سے آگے نکل نکل جاتا تھا، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روتے تھے لیکن وہ قابو نہ آتا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بار بار عبد اللہ کو ڈانتتے تھے، آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: ”یہ اونٹ میرے

❶ ابو داود، کتاب اللباس، باب من کرہ: ۴۰۴۷۔ ❷ بخاری، کتاب الہبة، باب المكافأة فی الہبة:

❸ ابو داود، کتاب اللباس، باب لبس المرتفع: ۴۰۳۴، ۴۱۳۴۔ ❹ الادب المفرد امام بخاری: ۲۵۸۵

۵۹۶: ترمذی: ۳۹۴۵۔ ❺ مسلم، کتاب الاشربة، باب اباحة اكل الثوم: ۵۳۵۸۔

❻ بخاری، باب هجرة النبي ﷺ: ۳۹۰۵۔ ❼ طبقات ابن سعد، ج ۱، ق ۲، ص ۲۔

ہاتھ بیج ڈالو۔“ انہوں نے کہا کہ نذر ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”نبی دام لو۔“ انہوں نے دوبارہ عرض کی کہ یوں ہی حاضر ہے، آپ نے اٹکار کیا، بالآخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دام لینے منتظر کئے۔ آپ نے خرید کر عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو دے دیا کہ اب یہاڑا ہے۔ \*

## عدم تمثہلہ

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ (جو اکابر صحابہؓ میں سے تھے) ایک محلہ میں امامت کرتے اور نماز فجر میں بڑی بڑی سورتیں پڑھتے تھے ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے شکایت کی کہ وہ اس قدر لمبی نماز پڑھتے ہیں کہ میں ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے قاصر رہتا ہوں، ابو مسعود الانصاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو کہی اس قدر غصب ناک نہیں دیکھا، جس قدر اس موقع پر دیکھا۔ آپ ﷺ نے لوگوں سے خطاب کر کے فرمایا: ”بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو لوگوں کو متغیر کر دیتے ہیں، جو شخص تم میں سے نماز پڑھائے، مختصر پڑھائے کیونکہ نماز میں بوزھے، کمزور، کام والے ایسی طرح کے آدمی ہوتے ہیں۔“ \*

حد و قصاص میں نہایت احتیاط فرماتے اور جہاں تک ممکن ہوتا، درگز رکنا چاہتے۔ ماعز اسلامی ایک صاحب تھے جو زنا میں بٹلا ہو گئے تھے لیکن فوراً مسجد میں آئے اور کہا: یا رسول اللہ امیں نے بدکاری کی، آپ نے منہ پھیر لیا وہ دوسری سمت آئے، آپ نے اور طرف منہ پھیر لیا آپ بار بار منہ پھیر لیتے اور وہ بار بار سامنے آ کر زنا کا اقرار کرتے، بالآخر آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم کو جنون تو نہیں ہے؟“ بولے: نہیں پھر پوچھا: ”تمہاری شادی ہو چکی ہے؟“ بولے: ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم نے صرف ہاتھ لگایا ہو گا؟“ بولے: نہیں بلکہ مجامعت کی، آخربجور ہو کر آپ نے حکم دیا کہ سکنار کے جائیں۔ \*

ایک دفعہ ایک شخص نے آکر عرض کی کہ مجھ سے گناہ سرزد ہوا، آپ حد (سزا) کا حکم دیں، آپ چپ رہے اور نماز کا وقت آگیا، نماز کے بعد انہوں نے پھر آ کرو ہی درخواست کی آپ ﷺ نے فرمایا: ”کیا تم نے نماز نہیں پڑھی؟“ بولے: ہاں پڑھ لی، ارشاد فرمایا: ”تو خدا نے تمہارا گناہ معاف کر دیا۔“ \*

ایک دفعہ قبلہ غامد کی ایک عورت آئی اور اظہار کیا کہ میں نے بدکاری کی، آپ ﷺ نے فرمایا: ”وابس جاؤ۔“ دوسرے دن پھر آئی اور بولی کہ کیا آپ مجھ کو ماعز کی طرح چھوڑ دینا چاہتے ہیں، خدا کی قسم! مجھ کو حمل رہ گیا ہے، پھر فرمایا: ”وابس جاؤ۔“ وہ چل گئی تیسرا دن پھر واپس آئی، آپ نے ارشاد فرمایا: ”بچہ کے پیدا ہونے تک انتظار کرو۔“ بچہ جب پیدا ہوا تو بچہ کو گود میں لیے ہوئے آئی، (یعنی اب زنا کی سزادی نے میں کوئی تامل ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا: ”دودھ پینے کی مدت تک انتظار کرو، جب دودھ چھوٹ جائے

\* بخاری، کتاب البيوع، باب اذا اشتري شيئاً فوهب من ساعته: ۲۱۱۵۔

\* بخاری، کتاب الاذان، باب من شکا امامه: ۷۰۴ و کتاب الاحکام، باب هل یقضی القاضی: ۷۱۰۹۔

\* یہ حدیث بخاری کے مختلف ابواب میں ہے موقع کے لیے کتاب المحاربين، باب سوال الامام المفتر: ۶۸۲۵، ۶۸۲۴۔ دیکھا جائیے۔ \* بخاری، کتاب الحدود، اذا اقرب بالحد: ۶۸۲۳۔

تب آتا۔“جب رضاعت کا زمانہ گزر گیا تو پھر حاضر ہوئی، اب آپ ﷺ نے مجبور ہو کر سکسار کرنے کا حکم دیا۔ لوگوں نے اس پر پتھر بر سانے شروع کئے، ایک صاحب کا پتھر اس کے پتھر کا گا اور خون کی پھٹکیں اڑ کر ان کے چہرہ پر آئیں انہیں نے اس کو گالی دی، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”زبان روکو، خدا کی تسمیٰ اُس نے ایسی توبہ کی ہے کہ جبراً مخصوصاً لینے والا بھی اگر یہ توبہ کرتا تو بخش دیا جاتا۔“ \* ایک دن ایک صاحب نے عرض کی کہ ہم لوگ یہودیوں اور عیسائیوں کے ملک میں رہتے ہیں کیا ان کے برتوں میں کھانا کھالیا کریں؟ فرمایا: ”اور برتن ہاتھ آئیں تو ان کے برتوں میں نہ کھاؤ ورنہ ان کو ہو کر کھائیے ہو۔“ \*

ایک بار ایک صحابی نے ماہ رمضان تک کے لیے اپنی بیوی سے ظہار کر لیا لیکن انہی یہ مدت گزرنے نہ پائی تھی کہ اس سے مقابلہ کر لی، پھر لوگوں کو اس واقعہ کی خبر کی اور کہا: مجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے چلو، سب نے انکار کر دیا، انہوں نے خود آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ بیان کیا، آپ نے پہلے تو تجھب نظاہر کیا پھر ایک غلام کے آزاد کرنے کا حکم دیا، انہوں نے ناداری کا اغذر کیا، تو آپ نے متصل دو ماہ تک روزہ رکھنے کی بدایت فرمائی، انہوں نے کہا یہ سب تو رمضان ہی کی وجہ سے ہوا ہے۔ اب آپ نے سائٹھ مسکینوں پر صدقہ کرنے کو فرمایا، انہوں نے کہا: ہم تو خوفناقہ کر رہے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: ”صدقہ کے عامل کے پاس جاؤ وہ تمہیں ایک ونچ بھجو دے گا اس میں سے سائٹھ مسکینوں کو دے دینا اور جو بچے وہ اپنے اہل و عیال پر صرف کرنا۔“ وہ پہلے تو لوگوں سے کہا کہ تم لوگ متشدد اور بد تدبیر تھے لیکن مجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حسن رائے اور آسانی نظر آئی۔ \*

ایک بار ایک اور صحابی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! میں بر باد ہو گیا روزہ میں اپنی بیوی سے ہم بستر ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا: ”ایک غلام آزاد کر سکتے ہو؟“ کہا: نہیں، فرمایا: ”دو مہینے تک متصل روزہ رکھ سکتے ہو؟“ کہا: نہیں، فرمایا: ”سائٹھ محتاجوں کو کھانا کھلا سکتے ہو؟“ کہا: اس کی بھی قدرت نہیں، آنحضرت ﷺ نے تامل فرمایا، کچھ درینہ گزری تھی کہ ایک شخص نے بھجو دوں کی ایک ٹوکری ہدیۃ پیش کی، آپ ﷺ نے فرمایا: ”سائل کہاں گیا؟“ سائل نے کہا: یا رسول اللہ! میں یہ ہوں، فرمایا: ”ان بھجو دوں کو لے جاؤ اور کسی غریب کو خیرات دے دو،“ سائل نے کہا: یا رسول اللہ! امید نہیں میں مجھ سے زیادہ غریب کون ہو گا، آنحضرت ﷺ نہ پڑے اور فرمایا: ”جاوَّهْرَهِيَ والَّوْنَ كُوكَلَادَوَ.“ \*

### تحقیق ناپسند تھا

رہبانیت اور تحقیق کو ناپسند فرماتے تھے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے بعض بزرگ میلان طبعی یا عیسائی را ہیوں

\* ابو داود، کتاب الحدود، باب المرأة التي أمر النبي ﷺ ببرجمها: ۴۴۴۲۔

\* بخاری، کتاب الذبائح، باب صيد القوس: ۵۴۷۸۔ \* ابو داود، کتاب الطلاق، باب الظهار: ۲۲۱۳۔

\* بخاری، کتاب الصوم، باب اذا جامع في رمضان: ۱۹۳۶۔

کے اثر سے رہانیت پر آمادہ تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو باز رکھا۔ بعض صحابہؓ ناداری کی وجہ سے شادی نہیں کر سکتے تھے اور ضبط نفس پر بھی قادر نہ تھے، انہوں نے قطع اعضا کرنا چاہا، آپ نے سخت ناراضی ظاہر کی۔ قدامہ بن مظعون اور ایک اور صحابی آئے کہ ہم میں سے ایک نے ترک حیوانات اور دوسرے نے ترک نکاح کا عزم کر لیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”میں تو دونوں سے ممتنع ہوتا ہوں۔“ آپ ﷺ کی مرضی نہ پا کر دونوں صاحب اپنے ارادہ سے باز رہے۔ عرب میں صوم وصال کا طریقہ مدت سے جاری تھا یعنی کئی دن متصل روزے رکھتے تھے۔ صحابہؓ نے بھی اس کا ارادہ کیا لیکن آپ نے سختی سے روکا۔ حضرت عبداللہ بن عمر و ڈی ۷۰ نہایت مرتاب زاہد تھے، انہوں نے عهد کر لیا تھا کہ ہمیشہ دن کو روزے رکھیں گے اور رات بھر عبادت کریں گے، آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو بلا بھیجا اور پوچھا: ”کیا یہ تحریک صحیح ہے؟“ عرض کی ہاں، فرمایا کہ ”تم پر تمہارے جسم کا حق ہے، آنکھ کا حق ہے، یہوی کا حق ہے، مہینہ میں تین دن کے روزے کافی ہیں۔“ عبداللہ بن عمر و ڈی ۷۰ نے کہا: مجھ کو اس سے زیادہ کی طاقت ہے فرمایا: ”اچھا تیرے دن“ بولے میں اس سے بھی زیادہ طاقت رکھتا ہوں ارشاد فرمایا: ”ایک دن پیچ دے کر کہ میں داؤ و غلیظاً کا روزہ تھا اور یہی افضل الصیام ہے“ انہوں نے عرض کی کہ مجھ کو اس سے بھی زیادہ قدرت ہے، ارشاد ہوا: ”بس اس سے زیادہ بہتر نہیں۔“

ایک روایت میں ہے کہ عبداللہ بن عمر و ڈی ۷۰ کی روزہ داری کا چرچا ہوا تو آنحضرت ﷺ خود ان کے پاس تشریف لے گئے انہوں نے استقبال کیا اور چیزے کا گدا بچھا دیا، آپ زمین پر بیٹھ گئے اور ان سے کہا: ”کیا تم کو مہینہ میں تین روزے بس نہیں کرتے۔“ عرض کی نہیں، فرمایا: ”پاچ۔“ بولے، نہیں غرض آپ بار بار تعداد بڑھاتے جاتے اور وہ اس پر راضی نہ ہوتے، بالآخر آپ ﷺ نے فرمایا: ”اخیر حدیہ ہے کہ ایک دن افطار کرو ایک دن روزہ رکھو۔“

ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہؐ میں جوان آدمی ہوں اور اتنا مقدمہ نہیں کہ نکاح کروں، نہ اپنے نفس پر اطمینان ہے۔ آنحضرت ﷺ چپ رہے، حضرت ابو ہریرہؓ نے پھر انی گا اعادہ کیا، آپ چپ رہے، سہ بارہ کہا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”خدا کا حکم مثل نہیں سکتا۔“

قبیلہ بله کے ایک صاحب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر واپس گئے پھر سال بھر کے بعد آنے کا اتفاق ہوا، لیکن اتنے ہی زمانہ میں ان کی شکل و صورت اس قدر بدلتی کہ آنحضرت ﷺ ان کو نہ پہچان سکے، انہوں نے اپنا نام بتایا تو آنحضرت ﷺ نے تعجب سے پوچھا: ”تم تو نہایت خوش جمال تھے

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب صوم الدهر: ۱۹۷۶۔

۲۔ بخاری، کتاب الصوم، باب صوم داود: ۱۱۹۸۰۔ کتاب النکاح، باب لزوجلک علیک حق: ۵۱۹۹۔

۳۔ بخاری، کتاب النکاح، باب ما یکره من الشبل والخصاء: ۵۰۷۶۔

تمہاری صورت کیوں بگزٹی؟“ انہوں نے کہا: جب سے آپ ﷺ سے رخصت ہوا متصل روزے رکھتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: ”اپنی جان کو کیوں عذاب میں ڈالا، رمضان کے علاوہ ہر مہینہ میں ایک دن کا روزہ کافی ہے۔“ انہوں نے کہا: اس سے زیادہ کی قوت رکھتا ہوں۔ آپ نے ایک دن کا اور اضافہ کر دیا، انہوں نے اور اضافہ کی درخواست کی، آپ نے تین دن کر دیے۔ ان کو اس سے بھی تسلیم نہ ہوئی تو آپ نے اشہر حرام کے روزوں کا حکم دیا۔ ❶ ایک دن چند صحابہ ﷺ خاص اس غرض سے ازواج مطہرات ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ آنحضرت ﷺ کی عبادت کے حالات دریافت کریں۔ وہ سمجھتے تھے کہ آنحضرت ﷺ رات دن عبادت کے سوا کچھ نہ کرتے ہوں گے، حالات نے تو ان کے معیار کے موافق نہ تھے، بولے: بھلًا ہم کو آنحضرت ﷺ سے کیا نسبت؟ ان کے پہلے پہلے گناہ سب خدا نے معاف کر دیے ہیں، پھر ایک صاحب نے کہا کہ میں رات بھرنماز پڑھا کروں گا۔ دوسرا صاحب بولے میں عمر بھر روزہ رکھوں گا ایک اور صاحب نے کہا: میں کبھی شادی نہیں کروں گا۔ آنحضرت ﷺ سن رہے تھے فرمایا کہ ”خدا کی قسم! میں تم سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں تاہم روزہ بھی رکھتا ہوں اور افظار بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، جو شخص میرے طریقہ پر نہیں چلتا وہ میرے گروہ سے خارج ہے۔“ ❷

کسی غزوہ میں ایک صحابی کا ایک غار پر گزر ہوا جس میں پانی تھا اور آس پاس کچھ بوٹیاں تھیں خدمتِ قدس میں حاضر ہوئے تو عرض کی: یا رسول اللہ! مجھ کو ایک غار مل گیا ہے، جس میں ضرورت کی سب چیزیں ہیں، میرا دل چاہتا ہے کہ وہاں گوش نہیں ہو کر ترک دنیا کروں، آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں یہودیت یا نصرانیت لے کر دنیا میں نہیں آیا، میں آسان اور سہل ابرا یہی مذہب لے کر آیا ہوں۔“ ❸

### عیب جوئی اور مذاہی کی ناپسندیدگی

مذاہی اور تعریف کو بھی (گودل سے ہو) ناپسند فرماتے تھے۔ ایک دفعہ مجلسِ قدس میں ایک شخص کا مذکور کلا، حاضرین میں سے ایک شخص نے ان کی بہت تعریف کی، آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم نے اپنے دوست کی گردن کاٹی۔“ یہ الفاظ چند بار فرمائے پھر ارشاد کیا کہ ”تم کو اگر کسی کی خواہی خواہی مدح کرنی ہو تو یہ کہو کہ میرا ایسا خیال ہے۔“ ❹ ایک دفعہ ایک شخص کسی حاکم کی مدح کر رہا تھا، حضرت مقدم ادیٰ ﷺ بھی موجود تھے انہوں نے زمین سے خاک اٹھا کر اس کے منہ میں جھونک دی اور کہا کہ ہم کو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ مداحوں کے منہ میں خاک بھر دیں۔ ❺ ایک دفعہ آپ مسجد میں تشریف لائے، ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا۔ بجن

❶ ابو داود، کتاب الصیام، باب صوم الشہر الحرم: ۲۴۲۸۔ ❷ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح: ۵۰۶۳۔ ❸ مسند احمد، ج ۵، ص: ۲۶۶۔ ❹ بخاری، ادب المفرد، باب ماجاء فی التمادح: ۲۲۲۔ ❺ ایضاً، باب بخشی فی وجوه المداھین: ۳۲۹۔

شقی علی الشعوٰ سے پوچھا: ”یہ کون ہے؟“ مجس نے ان کا نام بتایا اور بہت تعریف کی، ارشاد فرمایا: ”دیکھو یہ سن نہ پائے ورنہ تباہ ہو جائے گا۔“ یعنی دل میں غرور پیدا ہو گا، جو موجب ہلاکت ہو گا۔ \*

ایک دفعہ اسود بن سرعی جو شاعر تھے، خدمت عالیٰ میں آئے اور عرض کی کہ میں نے خدا کی حمد اور حضور کی مدح میں کچھ اشعار کہے ہیں۔ فرمایا: ”ہاں اللہ کو حمد پسند ہے۔“ اسود نے اشعار پڑھنے شروع کیے اسی اثناء میں کوئی صاحب باہر سے آ گئے، آپ نے اسود کو روک دیا، وہ کچھ دیر باتیں کر کے چلے گئے پھر اسود نے پڑھنے شروع کئے وہ صاحب پھر آ گئے آپ نے اسود کو پھر روک دیا، دو تین دفعہ یہی اتفاق ہوا، اسود نے عرض کی کہ یہ کون صاحب ہیں جن کے لیے آپ ﷺ مجھ کو بار بار روک دیتے ہیں، فرمایا: ”یہ شخص ہے جو فضول باتیں پسند نہیں کرتا۔“ \*

اس موقع پر یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو منبر پر بٹھا کر ان کے اشعار سنتے تھے اور فرماتے تھے: ((اللَّهُمَّ ايْدِه بِرُوحَ الْقَدْسِ)) حالانکہ یہ اشعار آنحضرت ﷺ کی مدح میں ہوتے تھے لیکن واقع یہ ہے کہ حسان کے اشعار کفار کے مطاعن کا جواب تھے، عرب میں شعرا کو یہ رتبہ حاصل تھا کہ زور کلام سے جس شخص کو چاہتے ذمیل اور جس کو چاہتے معزز کر دیتے۔ ابن الزبیری اور کعب بن اشرف وغیرہ نے اس طریقہ سے آنحضرت ﷺ کو ضرر پہنچانا چاہا تھا، حسان علیہ السلام کی مدد اسی کی مدد ای جی ان کا رد عمل تھا۔  
سادگی اور بے تکلفی

معمول تھا کہ مجلس سے اٹھ کر گھر میں تشریف لے جاتے تو کبھی کبھی ننگے پاؤں چلے جاتے اور جو تی دہیں چھوڑ جاتے۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ پھر واپس تشریف لا میں گے۔ \* روز روز کٹکھا کرنا پسند فرماتے۔ ارشاد تھا: ”ایک دن بیچ دے کر کٹکھا کرنا چاہیے۔“ کھانے پینے، اوڑھنے، اٹھنے بیٹھنے، کسی چیز میں تکلف نہ تھا۔ کھانے میں جو سامنے آتا تناول فرماتے، پسندنے کو موٹا جھوٹا جوں جاتا پہن لیتے، زمین پر، چٹانی پر، فرش پر جہاں جگہ ملتی بیٹھ جاتے۔ \* آپ کے لیے آئے کی بھوی کبھی صاف نہیں کی جاتی تھی، \* کرتہ کا تمہرہ اکثر کھلار کھتے تھے، لباس میں نہائش کو ناپسند فرماتے تھے، سامان آرائش سے آپ طبعاً نفور تھے، غرض ہر چیز میں سادگی اور بے تکلفی پسند خاطر تھی۔ \*

### امارت پسندی سے اجتناب

اسلام رہبانیت اور جوگی پر کا سخت مخالف ہے۔ ((لا رہبانیة فی الاسلام)) اسی بنا پر آپ ہر قسم کے جائز حظوظ دنیوی سے تمتع ہونا جائز رکھتے تھے اور خوبی کبھی کبھی ان چیزوں سے تمتع اٹھاتے تھے، تاہم

\* ایضاً: ۳۴۱۔ \* ادب المفرد، باب من مدح في الشعر: ۳۴۲۔ \* ابو داود، کتاب الادب، باب اذا قام من مجلسه ثم رجع: ۴۸۵۴۔ \* دیکھو شاہ، ص: ۲۳۔ \* صحیح بخاری، کتاب الاطعمة، باب النفح فی الشعیر: ۵۴۱۳، ۵۴۱۰۔ \* صحاح کی کتاب اللباس میں متعدد اقتات ہیں۔

ناز و نعمت تکلف و عیش پرستی کو ناپسند فرماتے تھے اور اوروں کو بھی اس سے روکتے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت علیؓ کی دعوت کی اور کھانا پکوا کر گھر بیچج دیا۔ حضرت قاطرہ زہراؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ بھی تشریف لاتے اور ہمارے ساتھ کھاتے تو خوب ہوتا، حضرت علیؓ گئے اور آپ سے جا کر عرض کی آپ تشریف لائے، لیکن دروازہ پر پہنچنے تو یہ دیکھ کر کہ گھر میں دیواروں پر پردے لٹکے ہوئے ہیں واپس چلے گئے، حضرت علیؓ نے واپسی کی وجہ دریافت کی تو فرمایا: ”پیغمبر کی شان کے خلاف ہے کہ وہ کسی زیب و زیست کے مکان میں داخل ہو۔“ \* فرمایا کرتے: ”گھر میں ایک بستراپے لیے ایک بیوی کے لیے اور ایک مہمان کے لیے کافی ہے، چوتھا شیطان کا حصہ ہے۔“ \*

ایک دفعہ کسی غزوہ میں تشریف لے گئے حضرت عائشہؓ کی تھارہ گنیں، رائی سے واپس تشریف لائے اور حضرت عائشہؓ کے پاس آئے تو دیکھا کہ گھر میں چھت گیر لگی ہوئی ہے اسی وقت پھاڑ ڈالی اور فرمایا: ”خدا نے ہم کو دولت اس لیے نہیں دی ہے کہ اینہت پھر کو کہنے پہنائے جائیں۔“ \* ایک انصاری نے ایک مکان بنوایا جس کا گنبد بہت بلند تھا، آپ ﷺ نے دیکھا تو پوچھا: ”کس نے بنایا ہے؟“ لوگوں نے بتایا، آپ چپ ہو رہے جب وہ حسب معمول خدمت اقدس میں آئے اور سلام کیا تو آپ نے منہ پھیر لیا، انہوں نے پھر سلام کیا، آپ نے پھر منہ پھیر لیا، وہ سمجھ گئے کہ ناراضی کی کیا وجہ ہے، جا کر گنبد کو زین کے برادر کر دیا۔ ایک دن آپ بازار میں نکلے تو گنبد نظر نہ آیا، معلوم ہوا کہ انصاری نے اس کو ڈھادیا۔ ارشاد فرمایا کہ ”ضروری عمارت کے سوا ہر عمارت انسان کے لئے وبا ہے۔“ \*

ایک دفعہ کسی نے خواب کی قیا بھیجی آپ نے پہن لی، پھر خیال آیا اور اس تارک حضرت عمرؓ کے پاس بیچج دی، حضرت عمرؓ روتے ہوئے آئے اور عرض کی کہ آپ نے جو چیز ناپسند کی وہ مجھ کو عنایت ہوتی ہے، ارشاد ہوا کہ میں نے استعمال کے لئے نہیں بلکہ فروخت کرنے کیلئے بھیجی، چنانچہ حضرت عمرؓ نے فروخت کیا تو دو ہزار دراہم پر اٹھی۔ \*

ایک دفعہ کسی نے ایک مخلط جوڑا بھیجا، آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو عنایت فرمایا وہ پہن کر خدمت اقدس میں آئے، آپ ﷺ کے چہرہ پر غضب کے آثار پیدا ہوئے اور فرمایا: ”میں نے اس لئے بھیجا تھا کہ پھاڑ کر زنانی چادریں بنائیں جائیں۔“ \*

\* بخاری، کتاب الہبة، باب مهذیہ ما یکره بسها: ۱۲۶۱ ابو داود: ۴۱۹۔ \* ابو داود، کتاب اللباس، باب فی الفرش: ۴۱۱۲۔ \* ایضاً، باب فی الصور: ۴۱۵۳۔ \* ابو داود، کتاب الادب، باب ماجاه فی البناء: ۵۲۳۷۔ \* ابو داود، کتاب اللباس، باب فی لبس العریر: حضرت عمر کا یہ واقعہ ایک ہی باب کی دروازہ میں ہے کہ حضرت عمرؓ اس تاریخ پر ایک شرک بھائی کو دے جو کہ میں رہتا تھا (دیکھیں حدیث نمبر: ۲۰۵۰) اور درسری روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے ان سے کہا کہ اس کو فروخت کر کے اپنی ضرورت پوری کرو۔ ”زمین“ (دیکھیں حدیث نمبر: ۳۰۷۱)۔

\* ابو داود، کتاب اللباس، باب فی لبس العریر: ۱۲۶۳؛ ۴۱۳۔

مہر کرنے کی غرض سے جب آپ ﷺ نے انگوٹھی بنائی تو پہلے سونے کی بنائی آپ کی تقلید میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی زریں انگوٹھیاں بنوائیں، آپ ﷺ نے منبر پر چڑھے اور انگوٹھی اتار کر پھینک دی اور فرمایا کہ ”اب نہ پہنوں گا۔“ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی اسی وقت اتار کر پھینک دیں۔ ۱

جس طرح آپ ﷺ خود سادگی پسند فرماتے تھے اسی طرح آپ یہ بھی چاہتے تھے کہ آپ کے اہل و عیال بھی سادہ زندگی بسر کریں اور تکلف و تنعم سے پاک رہیں۔ عورتوں کو شریعت میں سونے کے زیور کا استعمال مباح ہے مگر آنحضرت ﷺ اہل بیت کرام کے لیے اس بات کو بھی خلاف اولیٰ تصور فرماتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت فاطمہؓ کے گلے میں سونے کا ہار دیکھا تو فرمایا: ”تم کو یہ ناگوار نہ ہو گا جب لوگ کہیں گے کہ پیغمبر کی لڑکی کے گلے میں آگ کا ہار ہے۔“ ۲

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ کے ہاتھوں میں سونے کے لگن (مسکات) دیکھے، فرمایا: ”اگر اس کو اتار کروں کے لگن کو زعفران سے رنگ کر پہن لیتیں تو بہتر ہوتا۔“ ۳

ایک دفعہ نجاشی نے کچھ زیورات آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ہدیۃ بھیجے، ان میں ایک انگوٹھی بھی تھی جس میں جبشی پتھر کا ایک گینڈ جراحتا ہوا، آپ کے چہرہ پر کراہت کے آثار ظاہر ہوتے تھے اور لکڑی سے اس کو چھوٹے تھے ہاتھ نہیں لگاتے تھے۔ ۴

ایک دفعہ کسی نے ریشم کا شلوکہ ہدیۃ بھیجا، آپ ﷺ نے پہن لیا اور اس کو پہن کر نماز ادا فرمائی نماز سے فارغ ہو کر نہایت کراہت اور نفرت کے ساتھ نوج کر اتار ڈالا، پھر فرمایا: ”پرہیز گاروں کے لیے یہ کپڑے مناسب نہیں۔“ ۵

تواضع اور خاکساری کی راہ سے اکثر معمولی کپڑے استعمال فرماتے تھے۔ حضرت عمر بن الخطابؓ کو خیال تھا کہ جحد و عیدین میں یا سفراء کے ورود کے موقع پر آپ شان و تجلی کے کپڑے زیب تن فرمائیں۔ اتفاق سے ایک بار راستہ میں ایک ریشمی کپڑا (حلہ سیرا) بک رہا تھا، حضرت عمر بن الخطابؓ نے موقع پا کر عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! یہ کپڑا احضور خرید لیں اور جحمد میں اور سفراء کی آمد کے موقع پر ملبوس فرمائیں، ارشاد فرمایا کہ ”یہ وہ پہننے جس کا آخوت میں کوئی حصہ نہیں۔“ (بخاری، کتاب الملباس، باب الحریل للنساء: ۵۸۲۱) اکثر موٹے جھونٹے اور بھیڑ کے بال کے بنے ہوئے کپڑے پہننے تھے اور انہی کپڑوں میں وفات پائی۔ ۶ بستر مکبل کا تھا، کبھی چڑھے کا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوتی تھی کبھی معمولی کپڑے کا جو دو تہہ کر دیا جاتا تھا۔ حضرت حفصہؓ کرتی ہیں کہ ایک شب کو میں نے بستر مبارک چارتہ کر کے بچھایا کہ ذرا نرم ہو جائے، صبح انہوں کر آنحضرت ﷺ نے ناگواری ظاہر فرمایا۔ ۷

۱ ابو داود، کتاب الخاتم، ماجد فی اتخاذ اذال الحاتم: ۴۲۱۸۔ ۲ نسائی، کتاب الزينة، باب الکراہیة للنساء فی اظهار الحلی والذهب: ۵۱۴۳۔ ۳ ایضاً: ۵۱۴۶۔ ۴ مسند احمد، ج ۶، ص ۱۱۹۔ ۵ صحیح مسلم، کتاب اللباس والزينة: ۵۴۲۷۔ ۶ اوپر کی تمام روایتیں صحیح بخاری، کتاب الملباس سے مأخوذهیں۔ ۷ شمائل ترمذی: ۳۲۸۔

۹۷ میں جب کہ یمن سے شام تک صرف اسلام کی حکومت تھی، فرمادیے اسلام کے گھر میں صرف ایک کھڑی چارپائی اور چڑیے کا سوکھا ہوا منتظر تھا۔ ﴿حضرت عائشہؓ نے بیان کرتی ہیں کہ جب آپ نے وفات پائی تو تھوڑے سے جو کے سوا گھر میں کھانے کو کچھ نہ تھا، ﴿صحابہؓ نے فرمایا کرتے تھے کہ ”دنیا میں انسان کے لیے اتنا کافی ہے جتنا ایک مسافر کو زادراہ کے لئے۔” ﴿ایک دفعہ ایک بوریے پر آرام فرمائے تھے اُنھے تو لوگوں نے دیکھا کہ پہلوئے مبارک پر نشان پڑ گئے ہیں، عرض کی: یا رسول اللہ! کیا ہم لوگ کوئی گدا بنا کر حاضر کریں، ارشاد ہوا کہ مجھ کو دنیا سے کیا غرض؟ مجھ کو دنیا سے اس قدر تعلق ہے جس قدر اس سوار کو جو تھوڑی دیر کے لیے راہ میں کسی درخت کے سایہ میں بیٹھ جاتا ہے پھر اس کو چھوڑ کر آگے بڑھ جاتا ہے۔﴾

ایلاء کے زمانہ میں حضرت عمرؓ جب مشربہ میں جو اسباب کی کوٹھری تھی حاضر ہوئے تو ان کو نظر آیا کہ سرور عالم ﷺ کے بیٹے قدس میں دنیاوی ساز و سامان کی کیا کیفیت ہے؟ جسم مبارک پر صرف ایک تہبند ہے ایک کھڑی چارپائی پچھلی ہے، سر ہانے ایک تکیہ پڑا ہے جس میں خرمے کی چھال بھری ہے، ایک طرف منہج بھر جو رکھے ہیں، ایک کونے میں پائے مبارک کے پاس کسی جانور کی کھال پڑی ہے، پچھلے مشکیزہ کی کھالیں سر کے پاس کھوئی پرانک رہی ہیں، یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، آنحضرت ﷺ نے رونے کا سبب دریافت فرمایا، عرض کی: یا رسول اللہ! میں کیوں شروع، چارپائی کے باع سے جسم قدس میں بدھیاں پڑ گئی ہیں، یہ آپ کے اسباب کی کوٹھری ہے، اس میں جو سامان ہے وہ نظر آ رہا ہے، قیصر و کسری تو باغ و بہار کے مزے لوئیں اور آپ خدا کے تینگبر اور برگزیدہ ہو کر آپ کے سامان خانہ کی یہ کیفیت ہو، ارشاد ہوا کہ ”اے ابن خطاب! تم کو یہ پسند نہیں کہ وہ دنیا لیں اور ہم آخوند۔”

### مساوات

آپ ﷺ کی نظر میں امیر و غریب، صغیر و کیر، آقا و غلام سب برابر تھے۔ سلمان و صحیب و بلاں ﷺ کے سب کے سب غلام رہ چکے تھے، آپ کی بارگاہ میں رو سائے قریش سے کم رتبہ نہ تھا ایک دفعہ حضرت سلمان و بلاں ﷺ ایک موقع پر جمع تھے اتفاق سے ابوسفیان نکلے، ان لوگوں نے کہا بھی تلوار نے اس دشمن خدا کی گردان پر پورا قبضہ نہیں پایا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے ان لوگوں سے کہا سودارانِ قریش کی شان میں یہ الفاظ! پھر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور واقعہ بیان کیا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”کہیں تم نے ان لوگوں کو ناراض توبہ نہیں کیا، ان لوگوں کو ناراض کیا تو خدا کو ناراض کیا۔“ حضرت ابو بکرؓ نے فوراً جا کر ان بزرگوں سے کہا:

۱۔ صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب ما کان النبی ﷺ یتجوز من اللباس والبسط: ۵۸۴۸۔ روایت میں حصر (چنانی) کا لفظ ہے۔ ۲۔ مسنند احمد، ج ۶، ص: ۱۰۸۔ ۳۔ ابن ماجہ، کتاب الزهد، باب الزهد فی الدنیا: ۴۱۰۴۔ ۴۔ جامع ترمذی کتاب الزهد: ۲۳۷۷۔ ۵۔ صحیح سلم کتاب الطلاق باب فی الایلاء: ۳۶۹۲۔

بھائیو آپ لوگ مجھ سے ناراض تونیں ہوئے ان لوگوں نے کہا: نہیں خدا تم کو معاف کرے۔ \* قبیلہ مخزوم کی ایک عورت چوری کے جرم میں گرفتار ہوئی۔ اسمادہ بن زید بن عینا جن سے آنحضرت ﷺ نہایت محبت رکھتے تھے، لوگوں نے ان کو شفیع بن اکرم خدمت نبوی ﷺ میں بھیجا، آپ ﷺ نے فرمایا: "اسمادہ کیا تم حدود خداوندی میں سفارش کرتے ہو؟" پھر آپ ﷺ نے لوگوں کو جمع کر کے خطاب فرمایا: "تم سے پہلی کی اسیں اسی لئے برآ ہو گئیں کہ جب معزز آدمی کوئی جرم کرتا تو تسامح کرتے اور معمولی آدمی جرم ہوتے تو سزا پاتے، خدا کی قسم! اگر محمد (ﷺ) کی بیٹی فاطمہ (رضی اللہ عنہا) سرقہ کرتی تو اس کے سمجھی ہاتھ کاٹے جاتے۔" \*

غزوہ بدربیں وسرے قیدیوں کے ساتھ آپ ﷺ کے پچھا حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) بھی گرفتار ہو کر آئے تھے، قیدیوں کو زردیہ لے کر رہا کیا جاتا تھا بعض نیک دل انصار نے اس بنا پر کہ وہ آپ سے قرابت فریبہ رکھتے تھے، عرض کی کہ یار رسول اللہ! اجازت دیجئے کہ ہم اپنے بھائی (عباس (رضی اللہ عنہ)) کا زردیہ معاف کر دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "نہیں ایک درہم بھی معاف نہ کرو۔" \* مجلس میں جو چیزیں آئیں ہمیشہ وہی طرف سے اس کی تقسیم شروع فرماتے اور ہمیشہ اس میں امیر و غریب، صیغہ و کبیر سب کی مساوات کا لحاظ ہوتا۔

ایک دفعہ خدمت اقدس میں صحابہ ﷺ کا مجمع تھا اتفاق سے واہنی طرف حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہ) بیٹھے ہوئے تھے جو بہت کمس تھے، باہمیں جانب بڑے بڑے عمر صحابہ ﷺ تھے۔ کہیں سے دودھ آیا، آپ نے نوش فرمای کر عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہ) سے کہا: "تم اجازت دو تو میں ان لوگوں کو دوں۔" انہوں نے عرض کی: اس عظیم میں میں ایشارہ نہیں کر سکتا۔ چونکہ واہنی جانب تھے اور ترتیب مجلس کی رو سے انہی کا حق تھا، آپ نے انہی کو ترجیح دی۔ \* حضرت انس (رضی اللہ عنہ) کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میرے مکان پر تشریف لائے اور پہنچنے کو پانی مانگا میں نے بکری کا دودھ پیش کیا، مجلس کی ترتیب یہ تھی کہ حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) باہمیں جانب، حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) سامنے اور ایک بدو واہنی طرف تھا، آپ نے پی لیا تو حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کی طرف اشارہ کیا یعنی بقیہ ان کو عنایت ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "پہلے واہنی طرف والے کا حق ہے۔" یہ کہہ کر بچا ہوا دودھ بد کو عنایت فرمایا۔ \*

قریش اپنے فخر و امتیاز کے لئے مزدلفہ میں قیام کرتے تھے لیکن آنحضرت ﷺ نے اس تفریق کو کبھی پسند نہ فرمایا، بعثت سے پہلے \* اور بعثت کے بعد بھی ہمیشہ عام لوگوں کے ساتھ مقام کرتے تھے، علاوہ بریں یہ بھی

\* صحيح مسلم، باب فضائل من سلمان: ٦٤١٢۔ \* بخاری، کتاب الحدود، باب کراہی الشفاعة فی الحد: ٦٧٨٨؛ مسلم، کتاب الحدود، باب قطع اليد السارق: ٤٤١٠؛ ابو داود، کتاب الحدود، باب فی الحد يشفع فیه: ٤٣٧٤۔ \* صحيح بخاری، کتاب الجهاد، باب فداء المشركين: ٤٣٠۔

\* صحيح بخاری، کتاب الاشربة، باب هل يستاذن الرجل من عن يمينه في الشرب: ٥٦٢٠۔ \* بخاری، کتاب الہبة، باب من استنقى: ٥٦١٩۔ \* ابو داود، کتاب المناستک ابو داود میں اس مضمون کی کوئی روایت نہیں ملی بلکہ یہ صراحت موجود ہے کہ قریش کے ظن و گمان کے رخلاف آپ نے مزدلفہ پار کر کے وادی نمرہ میں قیام فرمایا "ض"۔

گوارانہ تھا کہ وہیں خاص طور سے کوئی عمدہ جگہ دیکھ کر آپ ﷺ کیلئے مخصوص کر دی جائے اور وہاں سایہ کیلئے کوئی چھپر ڈال دیا جائے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے تجویز پیش کی تو فرمایا: "جو پہلے پہنچ جائے اسی کا مقام ہے۔"

صحابہ رضی اللہ عنہم جب سب مل کر کوئی کام کرتے تو ہمیشہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ شریک ہو جاتے اور معمولی مزدور کی طرح کام انجام دیتے۔ مدینہ میں آ کرسپ سے پہلا کام مسجد نبوی کی تعمیر تھی اس مسجد اقدس کی تعمیر میں دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح خود آنحضرت ﷺ بھی نفس نفیس شریک تھے۔ خود اپنے دست مبارک سے ایسٹ اخا اخا کر لاتے تھے، صحابہ رضی اللہ عنہم عرض کرتے تھے کہ ہماری جانیں قربان، آپ کیوں زحمت فرماتے ہیں لیکن آپ اپنے فرض سے باز نہ آتے۔

غزوہ احزاب کے موقع پر بھی جب تمام صحابہ رضی اللہ عنہم مدینہ کے چاروں طرف خندق کھود رہے تھے آپ بھی ایک ادنیٰ مزدور کی طرح کام کر رہے تھے یہاں تک کہ شکم مبارک پر مٹی اور خاک کی تدھم گئی تھی۔

ایک سفر میں کھانا تیار رکھا، تمام صحابے نے مل کر پکانے کا سامان کیا، لوگوں نے ایک ایک کام بانٹ لیا جنگل سے لکڑی لانے کا کام آنحضرت ﷺ نے اپنے ذمہ لیا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: یا رسول اللہ! یہ کام ہم خدام کر لیں گے فرمایا: "ہاں بچ ہے لیکن مجھے یہ پسند نہیں کہ میں تم سے اپنے کو ممتاز کروں خدا اس بندہ کو پسند نہیں کرتا جو اپنے ہمراہ یوں میں متاز بنتا ہے۔"

غزوہ بدر میں سوار یوں کا سامان بہت کم تھا تین تین آدمیوں کے بیچ میں ایک ایک اونٹ تھا۔ لوگ باری باری سے چڑھتے اترتے تھے۔ آنحضرت ﷺ بھی عام آدمیوں کی طرح ایک اونٹ میں دو اور آدمیوں کے ساتھ شریک تھے ہمراہ جان شاران اپنی باری پیش کرتے اور عرض کرتے کہ یا رسول اللہ ﷺ!

آپ سوار ہیں حضور کے بدلت ہم پیادہ چلیں گے، ارشاد ہوتا: "نہ تم مجھ سے زیادہ پیادہ پا چل سکتے ہو، اور نہ میں تم سے کم ثواب کا لحاظ ہوں۔"

تواضع

گھر کا کام کا ج خود کرتے، کپڑوں میں پیوند لگاتے، گھر میں خود جھاڑو دیتے، دودھ دوہ لیتے، بازار سے سودا لاتے، جوئی پھٹ جاتی تو خود گاٹھ لیتے، (گدھے کی سواری سے آپ کو عارنہ تھا، غلاموں اور مسکینوں کے ساتھ بیٹھنے اور ان کے ساتھ کھانا کھانے سے پر بیز نہ تھا)۔

ایک دفعہ گھر سے باہر تشریف

❶ مسند احمد، ج ۶، ص: ۱۸۷۔ ❷ صحيح بخاری، باب هجرة النبي ﷺ: ۳۹۰۶، ۳۹۲۲۔

❸ صحيح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوہ احزاب: ۴۱۰۱، ۴۱۰۰۔

❹ زرقانی، ج ۴، ص: ۳۰۴؛ بحوالہ سیرت محب طبری۔ یہ روایت کسی اور کتاب میں نہیں ہے۔

❺ مسند احمد بن حنبل، ج ۱، ص: ۴۲۲؛ و مسند ابو داود طیالسی، جز ۲، ص: ۴۷۔

❻ شماں ترمذی، باب ماجاء فی تواضع رسول اللہ ﷺ: ۳۳۱۔

لائے لوگ تعظیم کو اٹھ کھڑے ہوئے فرمایا کہ ”اہل عجم کی طرح تعظیم کے لیے نہ اھو“۔ \* غریب سے غریب بیمار ہوتا تو عیادت کو تشریف لے جاتے۔ \* مغلوسوں اور فقیروں کے ہاں جا کر ان کے ساتھ بیٹھتے، صحابہؓؑ کے ساتھ بیٹھتے تو اس طرح بیٹھتے کہ امتیازی حیثیت کی بنا پر کوئی آپ کو پہچان نہ سکتا۔ کسی مجمع میں جاتے تو جہاں جگہ جاتی بیٹھ جاتے۔

ایک دفعہ ایک شخص ملنے آیا لیکن نبوت کا اس قد رعب طاری ہوا کہ کاپنے لگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”گھبراو نہیں میں فرشتہ نہیں ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں جو سو کھا گوشت پا کر کھایا کرتی تھی۔“ \* تو واضح اور خاکساری کی رہا سے آپ ﷺ اکڑوں بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے تھے اور فرمایا کرتے تھے: ”میں بندہ اور بندوں کی طرح کھاتا اور بندوں ہی کی طرح بیٹھتا ہوں۔“ ایک دفعہ کھانے کے موقع پر جگہ تنگ تھی اور لوگ زیادہ آگئے آپ اکڑوں بیٹھ گئے کہ جگہ نکل آئے ایک بد بھی مجلس میں شریک تھا، اس نے کہا محمد ایک کیا طرز نشست ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”خدانے مجھے خاکسار بندہ بنایا ہے، جبار اور سرکش نہیں بنایا ہے۔“ \*

تو واضح کی انتہا یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے متعلق جائز تعظیمی الفاظ بھی نہیں پسند فرماتے تھے ایک بار ایک شخص نے ان الفاظ سے آپ ﷺ کو خطاب کیا: ”اے ہمارے آقا اور ہمارے آقا کے فرزند! اور اے ہم میں سب سے بہتر اور ہم میں سب سے بہتر کے فرزند! آپ ﷺ نے فرمایا: ”لوگو، پرہیز گاری اختیار کرو، شیطان تمہیں گراندے میں عبداللہ کا بیٹا محمد ہوں خدا کا بندہ اور اس کا رسول۔ مجھ کو خدا نے جو مرتبہ بخشنا میں پسند نہیں کرتا کہ تم مجھے اس سے زیادہ بڑھاؤ۔“ \* ایک دفعہ ایک شخص نے آپ کو یہا خیر البریہ (یعنی اے بہترین خلق) کہہ کر مخاطب کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ”وہ ابراہیم علیہ السلام تھے۔“ \*

عبداللہ بن خیرؓ کا بیان ہے کہ بنی عامر کی سفارت کے ساتھ جب ہم لوگ خدمت اقدس میں آئے تو عرض کی، حضور ہمارے آقا (سید) ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ ”آقا خدا ہے۔“ پھر ہم لوگوں نے عرض کی آپ ہم میں سب سے افضل اور سب سے برتر ہیں ارشاد ہوا کہ ”بات کہو تو دیکھو کہ شیطان تو تم کو نہیں چلا رہا ہے۔“ \*

تمدینہ منورہ میں ایک عورت تھی جس کے دماغ میں کچھ فتو رہا آپ کی خدمت میں آئی اور کہا کہ محمد! محمد کو تم سے کچھ کام ہے، فرمایا: ”جہاں کہو چل سکتا ہوں۔“ وہ آپ کو ایک کوچہ میں لے گئی اور وہیں بیٹھ گئی

۱ ابو داود، کتاب الادب، باب الرجل یقوم للرجل: ۵۲۳۰۔ ۲ شماائل ترمذی: ۳۳۱۔

۳ مستدرک، ج ۳، ص: ۴۸، علی شرط الشیخین۔ ۴ ابو داود، کتاب الاطعمة، باب فی الاکل من اعلی الصحفة: ۳۷۷۳۔ ۵ مسند احمد، ج ۳، ص: ۱۵۳۔

۶ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فضائل ابراهیم: ۶۱۳۸۔

۷ ابو داود کتاب الادب، باب فی کراہیۃ التمادح: ۴۸۰۶۔

آپ ﷺ بھی اس کے ساتھ بیٹھ گئے اور جو کام تھا انجام دے دیا۔ ﴿ مَخْرُمٌ مَّذْلُومٌ أَيْكَ صَاحِبِيْ تَحْتَ أَيْكَ دَفْعَهٖ  
انہوں نے اپنے بیٹھے مسور ﷺ سے کہا کہ آنحضرت ﷺ کے پاس کہیں سے چادریں آئی ہیں اور وہ تقسیم فرمائے  
رہے ہیں آؤ ہم بھی چلیں، آئے تو آپ زنانہ میں تشریف لے جا چکے تھے کہا: آواز دو، انہوں نے کہا: میرا یہ  
رتبہ ہے کہ میں آنحضرت ﷺ کو آواز دو، مخرب نے کہا: بیٹے! محمد جبار نہیں ہیں۔ ان کی جرأت دلانے  
سے مسور ﷺ نے آواز دی، آنحضرت ﷺ فوراً نکل آئے اور ان کو دیبا کی قباعنا بیت کی جس کی گھنڈیاں  
زریں تھیں۔ ﴿

ایک دفعہ ایک انصاری نے ایک بیوہ دی کو یہ کہتے تھا کہ اس خدا کی قسم! جس نے موی کو تمام انسانوں پر  
فضیلت دی، یہ سمجھئے کہ آنحضرت ﷺ پر تعریض ہے، غصہ میں آ کر اس کے منہ پر تھپر کھینچ مارا، وہ  
آنحضرت ﷺ کے پاس فریادی آیا، آپ نے انصاری کو بلا بھیجا اور واقعہ کی تحقیق کے بعد فرمایا کہ ”مجھ کو انہیا  
پر فضیلت نہ دو۔“ ﴿

(انسان کے غرور و ترفع کا اصلی موقع وہ ہوتا ہے جب وہ اپنے چپ دراست جلو میں ہزاروں آدمیوں  
کو چلتے ہوئے دیکھتا ہے جو اس کے ایک اشارہ پر اپنی جان تک قربان کر دینے کو تیار ہو جاتے ہیں، خصوصاً  
جب وہ فاتحانہ ایک جرار و پر جوش لشکر کے ساتھ شہر میں داخل ہوتا ہے لیکن آنحضرت ﷺ کے تواضع و  
خاکساری کا منظر اس وقت اور نمایاں ہو جاتا ہے۔ فتح کم کے موقع پر جب آپ شہر میں داخل ہوئے تو  
تو افعاً سر مبارک کو اس تدریج کا دیا کہ کجا وہ سے آ کریں گے۔ ﴿ غزوہ خبر میں جب آپ کا داخلہ ہوا تو آپ  
ایک گدھے پر سوار تھے جس میں لگام کی جگہ بھجور کی چھال بندھی تھی۔ ﴿ جستہ الوداع میں جس کجا وہ پر آپ  
سوار تھے سن چکے ہو کہ اس کی قیمت کیا تھی)۔

### تعظیم اور مدح مفترط سے روکتے تھے

اس نکتہ کا بڑا الحافظ فرماتے تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال پیش نظر تھی۔ فرمایا کرتے تھے: ”میری اس  
قدر مبالغہ آمیز مدح نہ کیا کرو جس قدر انصاری ابن میریم کی کرتے ہیں۔ میں تو خدا کا بندہ اور اس کا فرستادہ  
ہوں۔“ بخاری: ۲۸۳۰ قیس بن سعد ﷺ کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ حیرہ گیا وہاں لوگوں کو دیکھا کہ رئیس شہر  
کے دربار میں جاتے ہیں تو اس کے سامنے سجدہ کرتے ہیں، آنحضرت ﷺ کی خدمت میں یہ واقعہ بیان کیا  
اور عرض کی کہ آپ کو سجدہ کیا جائے کہ آپ اس کے زیادہ سخت ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ”میری قبر پر گزرو  
.....

ابوداؤد، کتاب الادب فی الجلوس بالطرقات: ۴۸۱۹، ۴۸۱۸۔ ﴿ بخاری، کتاب اللباس، باب المزد بالذهب: ۵۸۶۲۔ ﴿ بخاری، کتاب احادیث الانباء، باب: ۳۴۰۸۔

شرح شفاء، قاضی عیاض، ج ۲، ص: ۱۱۲۔ وسیرت ابن ہشام: مستدرک حاکم، ج ۴، ص: ۳۱۷۔  
ابن ماجہ، کتاب الزهد، باب البراء من الكبر: ۴۱۷۸؛ بیہقی: ۸۱۹۰۔

گے تو سجدہ کرو گے؟“ کہا: نہیں، فرمایا: ”تو جیتے جی بھی سجدہ نہیں کرنا چاہیے۔“ \* موعذ بن عفراء کی صاحبزادی (ریچ) کی جب شادی ہوئی تو آپ ﷺ ان کے گھر تشریف لے گئے اور دہن کے لیے جو فرش بچھایا گیا تھا، اس پر بیٹھ گئے۔ گھر کی لڑکیاں آس پاس جمع ہو گئیں اور دف بجا بجا کر شہداۓ پدر کا مرثیہ گانے لگیں، گاتے گاتے ایک نے یہ مصعر کایا:

فینا نبی یعلم ما فی غد۔ ”ہم میں ایک غیرمیربے جو حکل کی باتیں جانتا ہے۔“

فرمایا: ”یہ چھوڑ داورو وہی کہو جو پہلے کہہ رہی تھیں۔“ \*

آنحضرت ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم نے حضرت ابراہیم سے اس روز سورج گر ہن لگا لوگوں کے خیال میں ایک پیغمبر کی ظاہر عظمت کا فرضی تخلیق یہ تھا کہ اس کے درود صدمہ سے کم از کم اجرام سماوی میں انقلاب پیدا ہو جائے۔ لوگوں نے اس اتفاقی واقعہ کو اسی قسم کے واقعہ پر محول کیا ایک جاہ پسند انسان کے لیے اس قسم کا اتفاق بہترین موقع ہو سکتا تھا لیکن نبوت کی شان اس سے پردہ جہا ارفع والی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اسی وقت لوگوں کو مسجد میں جمع کیا اور خطبہ دیا کہ چاند اور سورج میں گہن لگنا خدا کی آیات قدرت میں ہے کسی کی زندگی اور نبوت سے ان میں گہن نہیں لگتا۔ \*

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ وضو کر رہے تھے، وضو کا پانی جو دست مبارک سے گرتا فدائی برکت کے خیال سے اس کو چلو میں لے کر بدن میں مل لیتے، آپ ﷺ نے پوچھا: ”تم یہ کیوں کر رہے ہو؟“ انہوں نے عرض کیا کہ خدا اور خدا کے رسول کی محبت میں، فرمایا: ”اگر کوئی اس بات کی خوشی حاصل کرنا چاہے کہ وہ خدا اور خدا کے رسول سے محبت رکھتا ہے، تو اس کو چاہیے کہ جب باتیں کرے سچ یوں، جب امین بنایا جائے ادائے امانت کرے اور کسی کا پراؤسی ہے تو ہمسایگی کو اچھی طرح نباہے۔“ \*

ایک صاحب بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اثنائے لفگو میں انہوں نے کہا: جو خدا چاہے اور جو آپ ﷺ چاہیں۔ ارشاد ہوا: ”تم نے خدا کا اثریک اور ہمسر تھہرا یا کہو کہ جو خدا تھا چاہے۔“ ⑤

### شرم و حیا

صحاح میں ہے کہ آپ ﷺ دو شیرہ لڑکیوں سے بھی زیادہ شر میلے تھے اور شرم و حیا کا اثر آپ ﷺ کی ایک ایک ادائے ظاہر ہوتا تھا، بھی کسی کے ساتھ بدزبانی نہیں کی، بازاروں میں جاتے تو چپ چاپ گزر جاتے، قبسم کے سوا، بھی لب مبارک خندہ و قہقہے سے آشانیں ہوئے۔ بھری محفل میں کوئی بات ناگوار ہوتی تو لحاظ کی وجہ سے زبان سے کچھ نہ فرماتے چہرہ کے اثر سے ظاہر ہوتا اور صحابہؓ متبہ ہو جاتے۔

۱ ابو داود، کتاب النکاح، باب حق الزوج علی المرأة: ۲۱۴۰۔

۲ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب ضرب الدف فی النکاح والوليمة: ۵۱۴۷۔

۳ صحیح بخاری، ابواب الکسوف: ۱۰۴۳، ۱۰۶۰ و مسلم، کتاب الکسوف: ۲۱۲۲۔

۴ شعب الایمان بیهقی: ۱۵۳۳، مشکوہ، کتاب الاداب، باب الشفقة والرحمۃ علی الخلائق۔

۵ ادب المفرد امام بخاری: ۷۸۳۔

عرب میں اور مالک کی طرح شرم و حیا کا بہت کم لحاظ تھا، نگے نہان اعام بات تھی، حرم لعوبہ کا طواف نگے ہو کر کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کو بالطعن یہ بتیں سخت ناپسند تھیں، ایک دفعہ فرمایا: "حمام سے پرہیز کرو۔" لوگوں نے عرض کی کہ حمام میں نہانے سے میل چھوٹا ہے اور بیماری میں فائدہ ہوتا ہے، ارشاد فرمایا: "نہا و تو پردہ کر لیا کرو۔" عرب میں حمام نہ تھے لیکن شام و عراق کے جو شہر عرب کی سرحد سے ملے ہوئے تھے وہاں کثرت سے حمام تھے، اس بناء پر آپ ﷺ نے فرمایا: "تم جب عجم فتح کرو گے تو وہاں حمام میں گے ان میں جانا تو چادر کے ساتھ جانا۔"

ایک دفعہ کچھ عورتیں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں، انہوں نے وطن پوچھا، بولیں حرص (شام کا ایک شہر ہے) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: تمہیں وہ عورتیں ہو جو حمام میں نہاتی ہیں؟ بولیں: کیا حمام کوئی بڑی چیز ہے؟ فرمایا کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ "جو عورت اپنے گھر کے سوا کسی گھر میں کپڑے اتنا راتی ہے، خدا اس کی پردہ دری کرتا ہے۔" \* ابو داؤد میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حمام میں نہانے کو مطلقاً منع کر دیا تھا، پھر مردوں کو پردہ کی قید کے ساتھ اجازت دی \* لیکن عورتوں کے لیے وہی حکم قائم رہا۔ عرب میں جائے ضرورت ہے۔ \* لوگ میدانوں میں رفع حاجت کے لیے جایا کرتے تھے لیکن پردہ نہیں کرتے تھے بلکہ آئے سامنے بیٹھ جایا کرتے اور ہر قسم کی بات چیت کرتے۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی سخت ممانعت کی اور فرمایا: "خدا اس سے ناراض ہوتا ہے۔" \* معمول تھا کہ رفع حاجت کے لیے اس قدر دور نکل جاتے کہ آنکھوں سے اوچھل ہو جاتے۔ مکہ معظمہ میں جب تک قیام تھا حدود حرم سے باہر چلے جاتے جس کا فاصلہ مکہ معظمہ سے کم از کم تین میل تھا۔

### اپنے ہاتھ سے کام کرنا

اگرچہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کے جان شار خادموں میں داخل تھے با ایں ہم آپ خود اپنے ہاتھ سے کام کرنے کو پسند کرتے تھے۔ حضرت عائشہ، ابو سعید خدری اور امام حسن رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ کان بخدم نفس۔ یعنی آپ اپنے کام خود اپنے دست مبارک سے انجام دیا کرتے تھے \* ایک شخص نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ آپ گھر میں کیا کیا کرتے تھے۔ جواب دیا کہ "گھر کے کام کا ج میں صرف رہتے تھے، کپڑوں میں اپنے ہاتھ سے خود پومند لگا لیتے تھے، گھر میں خود جماڑو دے لیتے تھے، دودھ دو دھ لیتے تھے، بازار سے سو دا خریدلاتے تھے، جوئی پیٹ جاتی تو خود گائٹھ لیتے تھے، ڈول میں ناٹکے لگا دیتے تھے، اونٹ کو

\* یقان روایتیں الترغیب والترہیب منذری، کتاب الطهارة، باب الترہیب من دخول الرجال الحمام میں کتب حدیث کے عوالہ میں منتقل ہیں، طبرانی: ۲۴، ۶۴۵؛ مسند احمد: ۳۰۱/۶۔ \* ابو داؤد، کتاب الحمام، باب الدخول فی الحمام: ۹۰۴۔

\* صحیح بخاری، کتاب المغازی، حدیث افک: ۱۴۱۔

\* ابو داؤد، کتاب الطهارة، باب کراہیة الكلام عند الخلاء: ۱۵ و ابن ماجہ، ابواب الطهارة، باب النهى عن الاجتماع على الخلاء: ۲۴۲۔ \* شرح شفاء قاضی عیاض، ج ۱، ص: ۱۱۰۔

اپنے ہاتھ سے باندھ دیتے تھے اس کو چارہ دیتے، نلام کے ساتھ مکمل کر آتا گوند ہتھ۔ \* ایک دفعہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ خدمت مبارک میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے ہاتھ سے ایک اوٹ کے بدن پر تیل مل رہے تھے۔ ان سے دوسری روایت ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ آپ صدقہ کے اونٹوں کو داغ رہے ہیں، تیسری روایت میں وہ کہتے ہیں کہ آپ بکریوں کو داغ نگا رہے تھے۔ \*

ایک دفعہ مسجد نبوی میں تشریف لے گئے دیکھا تو کسی نے مسجد میں ناک صاف کی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دست مبارک سے ایک کنکرے کراس کو ہر جذبہ اور آینہ لوگوں کو اس فعل سے منع فرمایا۔ \*

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب بچے تھے اور خانہ کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی تو اس وقت بھی پھر اہلا اہلا کر معماروں کے پاس لاتے تھے۔ \* مسجد قبا اور مسجد نبوی کی تعمیر اور خندق کے کھونے میں جس طرح زمین کھودی اس کی تفصیل جلد اول کے واقعہ میں گزر چکی ہے۔ ایک سفر میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے بکری ذبح کی اور اس کے پکانے کے لیے آپس میں کام بانٹ لیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جنگل سے لکڑی میں لاوں گا۔“ صحابہ رضی اللہ عنہم نے تالی کیا تو فرمایا: ”میں اقیاز پسند نہیں کرتا۔“ \* ایک اور سفر میں آپ کی جوتی کا تمہرہ نوٹ گیا، آپ نے خود اس کو درست کرنا چاہا، ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! لائیے میں ناک دوں، فرمایا: ”یہ شخص پسندی ہے جو مجھے محبوب نہیں ہے۔“ \* دو صحابی رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم لوگ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ خود اپنے دست مبارک سے مکان کی مرمت کر رہے ہیں، ہم لوگ بھی اس کام میں شریک ہو گئے، جب کام ختم ہو گیا تو آپ نے ہمارے لیے دعائے خیر فرمائی۔ \*

### دوسروں کے کام کرو یا

خباب بن ارت ایک صحابی تھے ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کسی غزوہ پر بھیجا، خباب رضی اللہ عنہ میں کوئی مرد نہ تھا اور عورتوں کو دودھ دوہنا نہیں آتا تھا اس بنا پر آپ ہر روز ان کے گھر جاتے اور دودھ دو جو

\* صحیح بخاری، کتاب الادب، باب کیف یکون الرجل فی اهله: ۶۰۳۹ میں مجمل ہے: قاضی عیاض نے شفاعة نجاح میں متعدد حدیثوں سے لے کر اور گھومنے میں جمع کر دیئے ہیں، زرقانی نے ج ۴، ص: ۳۰۴ میں مسند احمد و ابن حماد سے یہ روایت لقش کی ہے اور دیکھا ہے کہ ابن حبان نے اس کو صحیح کہا ہے۔ \* یہ تینوں روایتیں صحیح مسلم میں ہیں، یہی روایت کتاب الادب، باب استحباب تحذیک المولود: ۵۶۱۲ میں اور دوسری اور تیسری کتاب اللباس والزينة، باب جواز و سسم الحیوان: ۵۵۵۵ میں ہے۔ \* سنن نسائی، کتاب المساجد، باب النہی عن ان پتختنم الرجل فی: ۷۲۵ میں ہے۔

\* صحیح بخاری، باب بیان الکعبۃ: ۳۸۲۹ \* زرقانی، ج ۴، ص: ۳۰۶ بحوالہ سیرت محب طبری۔

\* زرقانی، بحوالہ کتاب تمثال النعل الشریف لا بی الیمن ابن عساکر۔

\* مسند احمد، ج ۲، ص: ۴۶۹ میں ہے۔

دیا کرتے۔ \* جب شہ سے جو مہمان آئے تھے صحابہؓ نے چاہا کہ وہ ان کی خدمت گزاری کریں لیکن آپ ﷺ نے ان کو روک دیا اور فرمایا کہ ”انہوں نے میرے دستوں کی خدمت کی ہے اس لیے میں خود ان کی خدمت گزاری کا فرض انعام دوں گا۔“ \* کفار ثقیف جنہوں نے طائف میں آپ ﷺ کے پائے مبارک کو زخمی کر دیا تھا، میں وفد لے کر آئے تو آپ ﷺ نے ان کو مسجد بنوی میں اتارا اور بہ نفس نہیں ان کی مہمانی کے فرائض ادا کئے۔

مدینہ کی لوڈیاں آپ ﷺ کی خدمت میں آتیں اور کہتیں : یا رسول اللہ! میرا یہ کام ہے۔ آپ ﷺ فوراً اللہ کھڑے ہوتے اور ان کا کام کر دیتے۔ مدینہ میں ایک پاگل لوڈی تھی وہ ایک دن حاضر ہوئی اور آپ ﷺ کا دست مبارک پکڑ لیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے عورت! مدینہ کی جس گلی میں تو چاہے میں تیرا کام کروں گا۔“ چنانچہ آپ ﷺ اس کے ساتھ مدینہ کی ایک گلی میں جا کر بیٹھے اور اس کی ضرورت پوری کی۔ \* عبد اللہ بن ابی اوفرؑ ایک صحابی تھے وہ فرماتے ہیں:

وَلَا يَأْنِفَ إِن يَمْشِي مَعَ الْأَرْمَلَةِ وَالْمُسْكِينَ فِي قِصْبَى لِهِ الْحَاجَةُ۔ ٤

”بیوہ اور مسکین کے ساتھ چل کر ان کا کام کر دینے میں آپ ﷺ کو عارضہ تھا۔“

ایک دفعہ آپ ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہو چکے تھے کہ ایک بدوآیا اور آپ ﷺ کا دامن پکڑ کر بولا میرا ذرا سا کام رہ گیا ہے ایمانہ ہو کہ میں بھول جاؤں، پہلے اس کو کر دو۔ آپ ﷺ اس کے ساتھ فوراً مسجد سے باہر نکل آئے اور اس کا کام انعام دے کر نماز ادا کی۔ \*

### عزم واستقلال

خدانے قرآن مجید میں «اول العزم من الرسل» کہہ کر انبیا کی کنی بارمدح فرمائی ہے۔ آنحضرت ﷺ چونکہ خاتم الرسل ہیں اس لیے خصوصیت کے ساتھ خدا نے یہ وصف آپ ﷺ کی ذات میں ودیعت کیا تھا۔ ابتداء سے انہا تک اسلام کا ایک ایک کارنا مہ آنحضرت ﷺ کے عزم واستقلال کا مظہر اتم ہے۔ عرب کے کفرستان میں ایک شخص تنہا کھڑا ہوتا ہے، بے یار و مدد گار دعوت حق کی صدائیں بلند کرتا ہے، ریگستان عرب کا ذرہ ذرہ اس کی مخالفت میں پھاڑ بن کر سامنے آتا ہے لیکن وقار نبوت اور عزم ربانی سے ٹھوکر کھا کر پیچھے ہٹ جاتا ہے اور مخالفتوں کی تمام قوت اس کے سامنے چور چور ہو جاتی ہے۔

تیرہ برس کی متواتر ناکامیوں کے بعد بھی ذات اقدس جنن و یاس سے آشانہیں ہوتی اور بالآخر وہ دن

\* ابن سعد، حصہ ششم، ص: ۲۱۳۔ ترجمہ بنت خباب۔

\* الشفاء قاضی عیاض، بسند متصل، ج ۲، ص: ۱۰۰، بحوالہ بیهقی۔ \* مسلم: ۶۰۴۴ اور ابو داود،

كتاب الادب، باب في الجلوس؛ طرقات: ۴۸۱۸، ۴۸۱۹۔ \* سنن النسائي، كتاب الجمعة، باب ما

يسحب من تقصير الخطبة: ۱۴۱۵؛ سنن دارمي، باب تواضع رسول الله ﷺ: ۷۴۔

\* بخاري، كتاب الأذان، باب الكلام اذا اقيمت الصلاة: ۶۴۳ میں فحص اذکر ہے الادب المفرد: ۲۷۸۔

آتا ہے جب ایک تھا انسان ایک لاکھ جان شاروں کو چھوڑ کر دنیاۓ فانی کو الوداع کہتا ہے۔ بھرت سے قبل ایک دفعہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کفار کی ایذا رسائیوں سے نگ آ کر خدمت مبارک میں عرض کی کہ آپ ﷺ ہمارے لیے کیوں دعائیں فرماتے، آپ کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا اور فرمایا کہ ”تم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں ان کو اوارے سے چیر کر دیکھ لے کر دیا جاتا تھا، ان کے بدن پر لو ہے کی کشکشیاں چالی جاتی تھیں جس سے گوشہ پوست سب علیحدہ ہو جاتا تھا لیکن یہ آزمائش بھی ان کو نہ ہب سے بر گشتنیں کر سکتی تھیں، خدا کی قسم! دین اسلام اپنے مرتبہ کمال کو پہنچ کر رہے گا یا ملک کو صنعت سے حضرموت تک ایک سوار اس طرح بے خطر چلا آئے گا کہ اس کو خدا کے سوا کسی کا ذرہ نہ ہو گا۔“ \* ۱

لکھ میں رو سائے قریش جب ہر قسم کی تدبیروں سے تحک گئے تو انہوں نے آپ ﷺ کے سامنے حکومت کا تخت، زر و جواہر کا خزانہ اور حسن کی دولت پیش کی، ان میں سے ہر چیز بہادر سے بہادر انسان کے قدم کو ڈگ کا دینے کے لیے کافی تھی لیکن آپ نے ذلت کے ساتھ ان کی درخواست کو تکھرا دیا اور بالآخر وہ وقت آیا، جب آخری ہدم و دمساز یعنی ابوطالب نے بھی ساتھ چھوڑنا چاہا تو یہ غور و فکر کا آخری لمحہ اور عزم واستقلال کا آخری المحن تھا، اس وقت آپ نے جواب میں جو نظرے فرمائے، عالم کائنات میں ثبات و پامردی کے اظہار کا سب سے آخری طریقہ تعبیر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”چجا جان! اگر قریش میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں میں چاند رکھ دیں تب بھی اپنے اعلان حق سے باز نہ آؤں گا۔“ \*

غزوہ بدر میں جب تمیں سو بے سرو سماں مسلم ایک ہزار بسازاں و سامان فوج سے معزک آ راء تھے، کفار قریش اپنے زور و کثرت سے پھرتے آتے تھے، اس وقت مسلمان سمٹ کر آنحضرت ﷺ کے پہلو میں آ جاتے تھے اور با ایس ہمسنوبت کا کوہ وقار اپنی جگہ پر قائم تھا۔ \*

غزوہ، احمد میں آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا تو سب نے حملہ کی رائے دی لیکن جب آپ زرہ پہن کر تیار ہو گئے تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے رک جانے کا مشورہ دیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ”پیغمبر زرہ پہن کر اتارنیں سکتا۔“ \* ۲ غزوہ حین میں جب قبیلہ ہوازن کے قدر اندازوں نے متصل تیروں کی بوچھاڑ کی، تو اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کے قدم اکھر گئے لیکن آپ نہایت سکون و اطمینان سے چند جان شاروں کے ساتھ میدان میں جمر ہے۔ اس وقت زبان مبارک پر یہ رجز جاری تھا:

(الآنَ النَّبِيُّ لَا كَذَبَ إِنَّا بِنَ عبدَ الْمُطَلَّبِ) \* ۳ ”میں پیغمبر صادق ہوں، میں فرزند عبدالمطلب ہوں۔“ ایک بار آپ کسی غزوہ میں درخت کے نیچے آرام فرمائے تھے، ایک کافر آیا اور اسی حالت خواب میں

\* ۱ صحیح بخاری، باب علامات النبوة فی الاسلام: ۳۶۱۲۔ ۲ ابن هشام، ج ۱، ص: ۱۶۴۔

\* ۳ مسند احمد، ج ۱، ص: ۱۲۶۔ ۴ بخاری، کتاب الاعتراض، باب قول الله ﷺ (وَأَمْرُهُمْ شُورٰى بَيْتِهِمْ) رقم الباب: ۲۸۔ ۵ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب قول الله تعالى: وَيَوْمَ حُنَيْنٍ ..... ۴۳۱۷ تا ۴۳۱۵۔

تموار سخنچ کر بولا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اب تم کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خدا۔" اس عزم و استقلال اور جرأۃ صادقة نے اس کو اس قدر مروع کر دیا کہ فوراً اس نے تموار میان میں کرنی اور پاس بیٹھ گیا۔ ﴿

### شجاعت

یہ صفت انسانیت کا اعلیٰ جوہ اور اخلاق کا سنگ بنیاد ہے۔ عزم استقلال، حق گوئی، راست گفتاری، پرولی، یہ تمام باتیں شجاعت ہی سے پیدا ہوتی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سیکھروں مصائب و خطرات اور میسیوں معرکے اور غزوہات پیش آئے لیکن کبھی پامردی اور ثبات کے قدم نے لغزش نہیں کھائی۔ غزوہ بدر میں گھسان کی لڑائی میں ۳۰۰ نہتے مسلمانوں کے قدم جب ایک ہزار مسلح فوج کے حملوں سے ذمگا جاتے تھے تو دوڑ کر مرکز بتوت ہی کے دامن میں آ کر پناہ لیتے تھے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن کے دست و بازو نے بڑے بڑے معرکے سے کہتے ہیں کہ بدر میں جب زور کارن پڑا تو ہم لوگوں نے آپ ہی کی آڑ میں آ کر پناہ لی۔ آپ سب سے زیادہ شجاع تھے۔ مشرکین کی صفت سے اس دن آپ سے زیادہ کوئی قریب نہ تھا۔ ﴿

غزوہ حنین میں ہوازن کے بے پناہ تیروں کی بارش ہوئی تو مسلمانوں کی کثیر التعداد فوج و فتحہ میدان سے ہٹ گئی لیکن آپ مع چند جان شاروں کے بدستور میدان میں کھڑے رہے۔ اس وقت بار بار آپ اپنے خپر کو ایڑلگا کر آگے بڑھانے کا قصد فرمائے تھے لیکن جان شار مانع آتے تھے، اب دشمنوں کی تمام فوج کا نشانہ نہ صرف آپ کی ذات تھی، بلیں ہمہ پائے اقدس میں لغزش نہیں ہوئی۔ حضرت براء بن عقبہ جو اس معرکہ میں شریک تھے۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ کیا حنین میں تم بھاگ کھڑے ہوئے تھے؟ جواب دیا، ہاں! یہ حق ہے لیکن میں گواہی دیتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ سے نہیں ہٹے تھے، خدا کی قسم! جب لڑائی پورے زور پر ہوتی تھی تو ہم لوگ آپ ہی کے پہلو میں آ کر پناہ لیتے تھے، ہم میں سب سے بڑا بہادر وہ شمار ہوتا تھا جو آپ کے ساتھ کھڑا ہوتا تھا۔ ﴿

حضرت انس بن مالک طبلیؑ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ شجاع تھے۔ ایک دفعہ مدینہ میں شور ہوا کہ دشمن آگئے۔ لوگ مقابلہ کے لیے تیار ہو گئے لیکن سب سے پہلے جو آگے بڑھ کر نکلا وہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ جلدی میں آپ نے اس کا بھی انتظار نہیں کیا کہ گھوڑے پر زین کسی جائے، گھوڑے کی برہنہ پشت پر سوار ہو کر آپ تمام خطروں کے مقامات میں گشت لگا آئے اور واپس آ کر لوگوں کو تسلیکیں دی کہ کوئی خطرہ کی بات نہیں۔ ﴿

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کو اپنے دست خاص سے قتل نہیں کیا۔ ابی بن خلف آپ کا سخت دشمن تھا،

۱۔ بخاری، کتاب المغازی، غزوہ ذات الرقاب: ۴۱۵۔ ۲۔ مسند احمد، ج ۱، ص ۱۴۶۔

۳۔ صحیح مسلم، کتاب الجهاد، باب غزوہ حنین: ۴۶۱۔ ۴۔ صحیح بخاری، (کتاب الجہاد) کے تفرقی ابواب میں یہ حدیث ہے: ۱۔ باب الشجاعة فی الحرب، ۲۸۲۰ و باب اذا فزعوا بالليل، ۳۰۴۰۔

بدر میں فدیہ دے کر رہا ہوا تو ساتھ ساتھ یہ کہتا گیا: میرے پاس ایک گھوڑا ہے جس کو میں ہر روز جوار کھلاتا ہوں، اسی پر چڑھ کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کروں گا۔ احمد میں اسی گھوڑے کو اڑاتا اور صفوں کو چیڑتا ہوا آپ کے پاس پہنچ گیا۔ مسلمانوں نے چاہا کہ اس کو بیچ میں روک لیں، آپ نے منع فرمایا اور ایک مسلمان کے ہاتھ سے نیزہ لے کر آپ اس کی طرف بڑھے اور آہستہ سے اس کی گردن میں اپنی چھوڈی، وہ چنگھاڑا مار کر بھاگا، لوگوں نے کہا: یہ تو کوئی برا ذمہ نہیں، تم اس قدر رخوف زدہ کیوں ہو؟ اس نے کہا: حق ہے لیکن یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھ کا ذمہ ہے۔

### راست گفتاری

راست گفتاری پیغمبر کی ایک ضروری صفت ہے اور اس کا وجود ان کی ذات سے کبھی منکر نہیں ہو سکتا اس بنا پر آنحضرت ﷺ کے اخلاق کے عنوان میں اس کے جزئیات کی تفصیل کی ضرورت نہ تھی لیکن اس موقع پر ہم صرف ان شہادتوں کو علم بند کرنا چاہتے ہیں جو وہ شنوں کے اعتراف سے ہاتھ آسکی ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے جب بوت کا دعویٰ کیا تو کفار میں جلوگ آپ سے واقف تھے انہوں نے آپ کو کاذب اور دروغ گو یقین نہیں کیا بلکہ یہ سمجھا کہ نعوذ باللہ آپ کے حواس درست نہیں ہیں یا اب عقل بجانبیں رہی ہے یا یہ کہ ان میں اب شاعرانہ تخلیل پرستی آگئی ہے، اس بنا پر انہوں نے آپ کو محبوں کہا، محور کہا، شاعر کہا لیکن کاذب نہیں کہا۔

ایک روز قریش کے بڑے بڑے رو ساجدہ جمائے بیٹھے تھے اور آپ ﷺ کا ذکر ہو رہا تھا۔ نظر بن حارث نے جو قریش میں سب سے زیادہ جہاندیدہ تھا، کہا: اے قریش! تم پر جو مصیبت آئی ہے اب تک تم اس کی کوئی تدبیر نہ کال سکے، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے سامنے بچپن سے جوان ہوا، وہ تم میں سب سے زیادہ پسندیدہ، صادق القول اور ایمن تھا، اب جب اس کے بالوں میں پسپیدی آچلی اور تمہارے سامنے یہ باتیں پیش کیں تو کہتے ہو کہ وہ ساحر ہے، کاہن ہے، شاعر ہے، مجنوں ہے، خدا کی قسم! میں نے ان کی باتیں سنی ہیں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں یہ کوئی بات نہیں، تم پر یہ کوئی مصیبت ہی نہیں آئی ہے۔ ابو جہل کہا کرتا تھا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تم کو جھوننا نہیں کہتا، البتہ جو کچھ کہتے ہو ان کو صحیح نہیں سمجھتا۔ قرآن مجید کی یہ آیت اسی موقع پر نازل ہوئی ہے:

﴿قَدْ نَعْلَمُ إِذَا لَيَحْرُنُكُ الَّذِي يَكْوُنُونَ فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَكِنَ الظَّالِمُونَ إِلَيْتُ اللَّهَ بِيَجْهَدُونَ﴾ (٦ / الانعام: ٣٣)

”هم جانتے ہیں کہ اے پیغمبر! ان کافروں کی باتیں تم کو غلکین کرتی ہیں کیونکہ وہ تجوہ کو جھلاتے نہیں البتہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکا کرتے ہیں۔“

● شرح شفاء قاضی عیاض، ج ۲، ص: ۶۴ بحوالہ یہ فہی بسنده صحیح و مصنف عبدالرازق و ابن سعد و ابن انسی۔

● ابن هشام، ج ۱، ص: ۱۸۳۔ ● جامع ترمذی، ابواب التفسیر، ومن سورة الانعام: ۳۰۶۴

جب آنحضرت ﷺ کو پیش گاؤں الہی سے حکم ہوا کہ اپنے اہل خاندان کو اسلام کی دعوت دو تو آپ ﷺ نے ایک پہاڑ پر چڑھ کر پکارا: "یا معاشر قریش! جب سب لوگ جمع ہو گئے تو فرمایا: "اگر میں تم سے یہ کہوں کہ پہاڑ کے عقب سے ایک لشکر آ رہا ہے تو تم کو یقین آئے گا؟" سب نے کہا: ہاں! کیونکہ ہم نے تم کو کچھی جھوٹ بولتے نہیں دیکھا۔

قیصر روم نے دربار میں ابوسفیان سے پوچھا کہ تمہارے ہاں جو مدحی پیدا ہوا ہے اس دعویٰ سے پہلے سمجھی تم نے اس کو دروغ گو بھی پایا، ابوسفیان نے کہا: نہیں۔ آخر میں قیصر نے جو تقریر کی اس میں کہا: میں نے تم سے پوچھا کہ تمہارے زدیک وہ کبھی کذب کا بھی مرتبہ ہوا تو تم نے جواب دیا کہ نہیں، مجھے یقین ہے کہ اگر وہ خدا پر افتخار ابا ندھتا تو وہ آدمیوں پر افترا باندھنے سے کب باز رہتا۔

### ایفاۓ عہد

ایفاۓ عہد آپ ﷺ کی ایک ایسی عام خصوصیت تھی کہ دشمن بھی اس کا اعتراف کرتے تھے، چنانچہ قیصر نے اپنے دربار میں آپ کے متعلق ابوسفیان سے جو سوالات کئے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ کیا کبھی محمد ﷺ نے بد عہدی بھی کی ہے؟ ابوسفیان کو مجبوراً یہ جواب دینا پڑا کہ نہیں۔ وحشی جنہوں نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا، اسلام کے ذر سے شہر بہ شہر پھرا کرتے تھے۔ اہل طائف نے مدینہ بھینے کے لیے جو وفد مرتب کیا اس میں ان کا نام بھی تھا لیکن ان کو ڈر رہا کہ کہیں مجھ سے انتقام نہ لیا جائے لیکن خود شہنشوں نے ان کو یقین دیا کہ تم بے خوف و خطر جاؤ، محمد ﷺ سفراء کو قتل نہیں کرتے، چنانچہ وہ اس اعتماد پر دربار نبوت میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے۔ صفوان بن امیہ (قبل اسلام) شدید ترین دشمنوں میں تھے، جب مکہ فتح ہوا تو وہ بھاگ کر بیکن کے ارادہ سے جدہ چلے گئے۔ عیمر بن وہب رضی اللہ عنہ نے حاضر خدمت ہو کر واقعہ عرض کیا، آنحضرت ﷺ نے عمامہ مبارک عنایت کیا اور فرمایا: "یہ صفوان کی امانت کی نشانی ہے۔" عیمر رضی اللہ عنہ عمامہ مبارک لے کر صفوان کے پاس پہنچا اور کہا کہ تم کو بھاگنے کی ضرورت نہیں، تم کو امان ہے، جب خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو عرض کی کیا آپ ﷺ نے مجھے امان دی ہے؟ ارشاد ہوا کہ "ہاں یہ سچ ہے۔"

ابورافع ایک غلام تھے۔ حالت کفر میں قریش کی طرف سے سفیر بن کرد میں منورہ آئے۔ روئے اقدس پر نظر پڑی تو بے اختیار اسلام کی صداقت ان کے دل میں جاگریں ہو گئی۔ عرض کی: یا رسول اللہ! اب میں کبھی کافروں کے پاس لوٹ کر نہ جاؤں گا، ارشاد ہوا: "نہ میں عہد شکنی کر سکتا ہوں اور نہ قاصدوں کو اپنے پاس روک سکتا ہوں، تم اس وقت واپس جاؤ اگر وہاں پہنچ کر بھی تمہارے دل کی یہی کیفیت باقی رہے تو آ جانا۔" چنانچہ وہ

❶ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورہ بت: ۴۹۷۲، ۴۹۷۱۔ ❷ صحیح بخاری، کتاب بدء الرحلی: ۷۔ ❸ صحیح بخاری، کتاب بدء الرحلی: ۷۔ ❹ صحیح بخاری، کتاب المعازی، باب قتل حمزة بن عبدالمطلب: ۴۰۷۲۔ ❺ ابن هشام، ج ۲، ص: ۲۷۶، ۲۷۷۔

اس وقت واپس گئے اور پھر اسلام لائے۔

صلح حدیبیہ میں ایک شرط تھی کہ مکہ سے جو مسلمان ہو کر مدینہ جائے گا وہ اہل مکہ کے مطالبہ پر واپس کر دیا جائے گا۔ عین اس وقت جب معاهدہ کی یہ شرطیں نزیر تھیں، ابو جندل پابن زنجیر اہل مکہ کی قید سے بھاگ کر آئے، اور رسول اللہ ﷺ سے فریادی ہوئے، تمام مسلمان اس درد انگیز منظر کو دیکھ کر تڑپ اٹھے لیکن آنحضرت ﷺ نے باطنیناں تمام ان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: ”اے ابو جندل! اصر کرو، ہم بد عہدی نہیں کر سکتے، اللہ تعالیٰ عنقریب تمہارے لیے کوئی راستہ نکالے گا۔“

نبوت سے پہلے کا واقعہ ہے کہ عبداللہ بن ابی الحسناء نے آنحضرت ﷺ سے کچھ معاملہ کیا اور آپ کو بٹھا کر چلے گئے کہ آ کر حساب کر دیتا ہوں، اتفاق سے ان کو خیال نہ رہا، تین دن کے بعد آئے تو آنحضرت ﷺ اسی جگہ تشریف رکھتے تھے، ان کو دیکھ کر فرمایا: ”میں تین دن سے یہاں تمہارے انتظار میں بیٹھا ہوں۔“

غزوہ بدر میں کافروں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد ایک لکھ سے بھی کم تھی، ایسے موقع پر آنحضرت ﷺ کی قدرتی خواہش یہ ہوئی چاہیے تھی کہ جس قدر آدمی بڑھ سکیں بہتر ہے لیکن آپ اس وقت بھی ہمہ تن وفا تھے۔ حذیفہ بن الیمان اور ابو حسیل بن شعبان دو صحابی کہہ سے آ رہے تھے، راہ میں کفار نے ان کو روکا کہ محمد ﷺ کے پاس جا رہے ہو، انہوں نے انکار کیا، آخر اس شرط پر ان کو رہائی ملی کہ وہ جنگ میں آپ کا ساتھ نہ دیں گے۔ یہ دونوں صاحب آنحضرت ﷺ کے پاس آئے، تو صورت حال عرض کی، فرمایا: ”تم دونوں واپس جاؤ، ہم ہر حال میں وعدہ وفا کریں گے، ہم کو صرف خدا کی مردود کار ہے۔“

### زہد و قناعت

مصنفوں یورپ کا عام خیال ہے کہ آنحضرت ﷺ جب تک کہہ میں تھے بغیر تھے، مدینہ پہنچ کر پہنچ بر سے بادشاہ بن گئے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ آپ تمام عرب کے زیر لگنیں ہو جانے پر بھی فاقہ کش رہے۔ صحیح بخاری باب الجہاد میں روایت ہے کہ وفات کے وقت آپ کی زرہ ایک بیوی کے یہاں تین صاع بخوبی پر گردی تھی۔ جن کپڑوں میں آپ نے وفات پائی ان میں اوپر تلے پیوند لگے ہوئے تھے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب تمام عرب حدود شام سے لے کر عدن تک فتح ہو چکا ہے اور مدینہ کی سر زمین میں زر دیم کا سیلا ب آچکا ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ آپ ﷺ کی مہماں فرانس میں رہبانت کا قلع قمع کرنا بھی تھا جس کی نسبت خدا نے نصاریٰ کو ملامت کی تھی کہ (لَرَهْبَانِيَّةُ إِبْدَأَ عُوهَا) اس بنا پر آپ نے بھی کھجھ کھانے اور اچھے کپڑے

\* ابو داود، کتاب الجهاد، باب فی الامام يستجن به فی العهد: ۲۷۵۸۔ \* صحیح بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجهاد آخر نظرے ابن حشام ج ۲، ص ۳۱۰ میں ہیں۔ \* ابو داود، کتاب الادب، باب فی العہد: ۴۹۹۶۔ \* صحیح مسلم، کتاب الجهاد، باب الوفاء بالعہد: ۴۶۳۹۔

بھی استعمال کے ہیں لیکن اصلی میلان طبع زخارف دنیوی سے اچناب تھا۔ فرمایا کرتے: ”فرزید آدم کو ان چند چیزوں کے سوا اور کسی چیز کا حق نہیں، رہنے کے لیے گھر، ستر پوشی کے لیے ایک کپڑا اور شکم سیری کے لیے روکھی سو کھی روئی اور پانی۔“ \* حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ولا یطموی لہ ثوب۔ کبھی آپ کا کوئی کپڑا اتنا کہ نہیں رکھا گیا یعنی صرف ایک جوڑا کپڑا ہوتا تھا، دوسرا نہیں ہوتا تھا جو نہ کر کھا سکتا۔ \*

ایک دفعہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ گھر کی دیوار کی مرمت کر رہے تھے، اتفاقاً آپؐ کی طرف سے آگئے، پوچھا: ”کیا شغل ہے؟“ عبد اللہ بن عمرؓ نے عرض کی دیوار کی مرمت کر رہا ہوں ارشاد ہوا: ”اتنی مہلت کہاں؟“ \*

گھر میں اکثر فاقہ رہتا تھا اور رات کو تو اکثر آپؐ میلہ ہوتا تھا اور سارا گھر بھوکا سو رہتا تھا:

کان رسول اللہ یبیت اللیالی المتابعة طاویا واهله لا یجدون عشاء۔ \*

”آپؐ میلہ ہوتا تھا اور آپؐ کے اہل و عیال متصل کئی کئی رات بھوکے رہ جاتے تھے کیونکہ رات کا کھانا میسر نہیں ہوتا تھا۔“

پہیم دودھ میں تک گھر میں آگ نہیں جلتی تھی۔ حضرت عائشہؓ نے ایک موقع پر جب یہ واقعہ بیان کیا تو عروہ بن الزیرؓ نے پوچھا کہ آخوند اس کس چیز پر تھا؟ بولیں کہ پانی اور بھوک، البتہ ہمارے کبھی کبھی بکری کا دودھ بھیج دیتے تھے توپی لیتے تھے۔ \* آپؐ نے تمام عمر کبھی چپاتی کی صورت نہیں دیکھی۔ \* میدہ جس کو عرب میں حواری اور نقی کہتے ہیں، کبھی نظر سے نہیں گزرا۔ سہل بن سعدؓ جو اس واقعہ کے راوی ہیں ان سے لوگوں نے پوچھا کہ کیا آنحضرتؐ کے زمانہ میں چھلنیاں نہ تھیں، بولے: نہیں، لوگوں نے کہا: پھر آخوند اس کس چیز سے آٹا چھاتے تھے، بولے: من سے پھونک کر بھوک اڑا دیتے تھے جو رہ جاتا اسی کو گوندھ کر پکا لیتے۔ \* حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ تمام عمر یعنی مدینہ کے قیام سے وفات تک آپؐ نے کبھی دو وقت سیر ہو کر روئی نہیں کھائی۔ \*

福德 اور نیسر وغیرہ کے ذکر میں محمد شین اور ارباب سیر لکھتے ہیں کہ آپؐ میلہ ان کی آمدی سے سال بھر کا خرچ لے لیا کرتے تھے۔ یہ واقعہ ظاہر روایات مذکورہ بالا کے خلاف معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت دونوں صحیح ہیں، بے شک آپؐ بقدر نفقة آمدی میں سے لیتے تھے باقی وہ بھی اہل حاجت کے نذر ہو جاتا تھا۔ احادیث میں آپؐ کی فاقہ کشی اور تنگدستی کے واقعات نہایت کثرت سے منقول ہیں۔ چند روایتیں اس موقع پر ہم درج کرتے ہیں۔

- ❶ جامع ترمذی، ابواب الزهد، باب منه الخصال التي ليس لابن آدم..... ۲۳۴۱۔ ❷ این ماجہ، کتاب اللباس، باب لباس رسول اللہ ﷺ: ۳۵۰۴۔ ❸ جامع ترمذی، ابواب الزهد، باب ما جاء في قصر الامل: ۲۳۲۵۔ لیکن یہاں عبد اللہ بن عمر وکاذب کرے۔ ❹ جامع ترمذی، ابواب الزهد، باب ما جاء في معیشة النبي ﷺ: ۲۳۶۰۔ ❺ صحیح بخاری، کتاب الرفاقت، باب کیف کان عیش النبی ﷺ: ۶۴۰۹۔ ❻ ایضاً: ۶۴۵۷۔ ❾ شماں ترمذی، باب ما جاء في صفة خبز رسول اللہ ﷺ: ۱۴۰۔ ❿ ایضاً: ۱۴۷۔

ایک دفعہ ایک شخص خدمت اقدس میں حاضر ہوا کہ سخت بھوکا ہوں، آپ ﷺ نے ازواج مطہرات میں سے کسی کے ہاں کہلا بھیجا کہ کچھ کھانے کو سمجھ دو، جواب آیا کہ گھر میں پانی کے سوا کچھ نہیں، آپ نے دوسرے گھر کہلا بھیجا، وہاں سے بھی یہی جواب آیا، مختصر ایسا کہ آٹھ نو گھروں میں سے کہیں پانی کے سوا کھانے کی کوئی چیز نہ تھی۔ \*

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دن خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ نے شکم کو کپڑے سے کر باندھا ہے۔ سبب پوچھا تو حاضرین میں سے ایک صاحب نے کہا کہ بھوک کی وجہ سے۔ \*  
حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ مسجد میں زمین پر لیٹھے ہوئے اور بھوک کی وجہ سے بار بار کروٹیں بدلتے ہیں۔ \*

ایک دفعہ صاحبہ بنی اُنفال نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں فاقہ کشی کی شکایت کی اور پیش کھول کر دکھایا کہ پتھر بند ہے تھے، آپ ﷺ نے شکم کو کھولا تو ایک کے بجائے دودو پتھر تھے۔ \*  
اکثر بھوک کی وجہ سے آواز اس قدر کمزور ہو جاتی تھی کہ صاحبہ بنی اُنفال ﷺ کی حالت سمجھ جاتے، ایک دن ابو طلحہ بنی اُنفال گھر میں آئے اور یہوی سے کہا کہ کچھ کھانے کو ہے؟ میں نے ابھی رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ان کی آواز کمزور ہو گئی ہے۔ \*

ایک دن بھوک میں ٹھیک دوپہر کے وقت گھر سے لٹکے، راہ میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہا ملے، یہ دونوں صاحب بھی بھوک سے بیتاب تھے، آپ سب کو لے کر حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر آئے۔ ان کا معمول تھا کہ آنحضرت ﷺ کے لیے دودھ مہیار کھتے تھے، آج آپ کے آنے میں دیر ہوئی تو انہوں نے بچوں کو پلا دیا۔ آنحضرت ﷺ ان کے گھر پہنچنے تو وہ نگرانی میں چلے گئے تھے، ان کی یہوی کو خبر ہوئی تو وہ باہر نکل آئیں اور عرض کی حضور ﷺ کا آنا مبارک۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ”ابو ایوب کہاں ہیں؟“، نگرانی پاس ہی تھا، وہ آوازن کر دوڑے آئے اور مرحبا کہہ کر عرض کی، یہ حضور ﷺ کے آنے کا وقت نہیں، آپ نے حالت بیان کی، وہ نگرانی میں جا کر بھوروں کا ایک خوش تواریخ اور کہا: میں گوشت تیار کرتا ہوں، ایک بکری ذبح کی، آدھے کا سالن، آدھے کے کباب تیار کرائے، کھانا سامنے لا کر رکھا تو آنحضرت ﷺ نے ایک روٹی پر تھوڑا سا گوشت رکھ کر فرمایا کہ ”فاطر (بنی اُنفال) کو بھجوادو، کئی دن سے اس کو کھانا نصیب نہیں ہوا ہے۔“ پھر خود صاحبہ بنی اُنفال کے ساتھ مل کر کھانا نوش فرمایا۔ متعدد قسم کے کھانے دیکھ کر

\* صحیح مسلم، کتاب الاشربة، باب اکرام الصیف: ۵۳۵۹ و صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب ویؤثرون علی الفسهم.....الخ: ۳۷۹۸۔ \*\* صحیح مسلم، باب جواز استیاغه غیرہ الی دار من بنق: ۵۲۲۲۔ \*\*\* ایضاً: ۵۲۲۲۔ \*\*\*\* شمائیل ترمذی، باب ماجاء فی عیش النبی ﷺ: ۳۷۲۔  
\*\*\*\* صحیح مسلم، کتاب الاشربة: ۵۳۱۶۔

آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا کہ ”خدا نے جو کہا ہے کہ قیامت میں نعیم سے سوال ہو گا وہ یہی چیزیں ہیں۔“ \*

اکثر ایسا ہوتا کہ آنحضرت ﷺ کو اذواجِ مطہرات کے پاس تشریف لاتے اور پوچھتے: ”آن کچھ کہانے کو ہے؟“ عرض کر میں نہیں، آپ ﷺ فرماتے: ”اچھا میں نے روزہ رکھ لیا۔“ \*

### عفو و حلم

ارباب سیر نے تصریح کی ہے اور تمام واقعات شاہد ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا، صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے مردی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی کسی سے اپنے ذاتی معاملہ میں انتقام نہیں لیا، بجز اس صورت کے کہ اس نے احکام الہی کی تفہیم کی ہو۔ \*

جنگِ أحد کی شکست سے زیادہ رو سائے طائف کے تحقیر آمیز برتاو کی یاد خاطر اقدس پر گراں تھی، \* تاہم دس برس کے بعد غزوہ طائف میں جب وہ ایک طرف مجتہد سے مسلمانوں پر پھر بر ساتے تھے، تو دوسرا طرف ایک سرپاۓ حلم و عفوانان (خود آنحضرت ﷺ) یہ دعامانگ رہا تھا کہ ”خدایا! انہیں سمجھ عطا کرو اور ان کو آستانہ اسلام پر جھکا۔“ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ۹ میں جب ان کے وفد نے مدینہ کا رخ کیا تو آپ نے مسجد میں ان کو مہمان اتنا اور عزت و حرمت کے ساتھ ان سے پیش آئے۔ \*

قریش نے آپ ﷺ کو گالیاں دیں، مارنے کی دھمکی دی، راستوں میں کاشتے، بچھائے، جنم اٹھپر رنجاتیں ڈالیں، گلے میں پھنداؤں کر کھینچا، آپ کی شان میں گستاخیاں کیں، نعوذ باللہ کبھی جادوگر، کبھی پاگل، کبھی شاعر کہا لیکن آپ نے کبھی ان کی باتوں پر بہمی ظاہر نہیں فرمائی، غریب سے غریب آدمی کبھی جب کسی مجمع میں جھٹلایا جاتا ہے تو وہ غصہ سے کانپ اٹھتا ہے، ایک صاحب جنہوں نے آنحضرت ﷺ کو ذی المجاز کے بازار میں اسلام کی دعوت دیتے ہوئے دیکھا تھا، بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ فرماتے ہے تھے کہ ”لوگو! لا الہ الا اللہ کہو تو نجات پاؤ گے۔“ یچھے یچھے ابو جہل تھا، وہ آپ پر خاک اڑا اڑا کر کہہ رہا تھا، لوگو! اس شخص کی باتیں تم کو اپنے مذہب سے برگشتہ نہ کر دیں، یہ یہ چاہتا ہے کہ تم اپنے دیوتاؤں لات و عزی کو چھوڑ دو۔ راوی کہتا ہے کہ آپ اس حالت میں اس کی طرف مُرکز رکھتے بھی نہ تھے۔ \*

**سب سے بڑھ کر طیش اور غضب کا موقع افک کا واقعہ تھا، جب کہ منافقین نے حضرت عائشہ**

۱۔ الشرغیب والترہیب، کتاب الطعام، باب الترغیب فی حمد الله تعالیٰ بعد الاکل: ۳۱۹۶، ابن حبان، کتاب الاطعمة: ۵۱۹۳ (یا واقعہ صحيح مسلم: ۵۲۱۲ میں بھی جزوی اختلافات کے ساتھ موجود ہے)۔

۲۔ مسلم، کتاب الصیام، باب جواز صوم النافلة: ۲۷۱۴، ۲۷۱۵۔ \* صحیح بخاری، کتاب الادب، باب قول النبي ﷺ یسر و اولاً تمسرا و اولاً تمسرا: ۶۱۲۶۔ \* صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائكة: ۳۲۳۱، مسلم: ۴۶۰۳۔ ۵۔ ابو داود، کتاب الخراج والاماارة، باب ماجاء فی خبر الطائف: ۳۰۲۶، ۳۰۲۵ و مسند احمد، ج ۴، ص: ۲۱۸۔ ۶۔ مسند احمد، ج ۴، ص: ۶۳۔

صدیقہؓ کو نعموز باللہ تھمت لگائی تھی، حضرت عائشہؓ آپؐ کی محبوب ترین ازواج اور حضرت ابو بکرؓ جیسے یا پر غار اور افضل الصحابہؓ کی صاحبزادی تھیں، شہرمناقوں سے بھرا پڑا تھا، جنہوں نے دم بھر میں اس خبر کو اس طرح پھیلا دیا کہ سارا مدینہ گونج اٹھا، دشمنوں کی شہادت، ناموس کی بدناہی، محبوب کی تفعیل یہ باشیں انسانی صبر و تحمل کے پیمانہ میں نہیں سامنے کیتیں، تاہم رحمت عالم نے ان سب باتوں کے ساتھ کیا کیا؟ تھمت کا تمام تربانی، رئیس السنافین عبد اللہ بن ابی تھما، اور آپؐ کو اس کا بخوبی علم تھا، با ایں یہاں آپؐ نے صرف اس قدر کیا کہ جمیع عام میں منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا: ”مسلمانو! جو شخص میرے ناموس کے متعلق مجھ کو ستاتا ہے اس سے میری دادکوں لے سکتا ہے۔“ حضرت سعد بن معاذؓ غصہ سے بیتاب ہو گئے اور انہوں کر کہا میں اس خدمت کے لیے حاضر ہوں، آپؐ نام بتائیں تو اس کا سراڑا دوں، سعد بن عبادہؓ نے جو عبد اللہ بن ابی کے حلیف تھے، مخالفت کی اور اس پر دونوں طرف سے حمایتی کھڑے ہو گئے، قریب تھا کہ تلواریں کھنچ جائیں، آپؐ نے دونوں کو ختم دیا کیا، واقعہ کی تکذیب خود خدا نے کر دی اور تھمت لگانے والوں کو شرعی سزا دی گئی، تاہم عبد اللہ بن ابی اس بنا پر چھوڑ دیا گیا کہ اس کو تھمت لگانے کا اقرار نہ تھا، اور شبوت کے لیے شرعی شہادت موجود نہ تھی، تھمت لگانے والوں میں جن کو سزا دی گئی، ایک صاحب مسطح بن انشاش تھے، ان کی معاش کے کفیل حضرت ابو بکرؓ تھے، تھمت کے جرم میں حضرت ابو بکرؓ نے ان کا روزینہ بند کر دیا، اس پر یہ آیت اتری:

﴿وَلَا يَأْتُكُمْ أُولُو الْفَضْلِ مُنْكَرٌ وَالسَّعَةُ أَنْ يُؤْتُوا أُولَى الْقُرْبَى وَالْمَسْكِينُونَ وَالْمُهَاجِرُونَ فِي سَيِّلِ اللَّهِ وَلَيَعْقُو وَلَيَصْقُو وَلَيَسْقُطُ الْأَجْيَهُونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾

(۲۴/ النور: ۲۲)

”تم میں سے جو لوگ صاحبِ فضیلت اور ذی مقدور ہیں ان کو یہ تم نہیں کھانا چاہیے کہ قرابت داروں، مسکینوں اور مجاہدوں سے سلوک نہ کریں گے، تم کو غنو اور درگزر سے کام لینا چاہیے، کیا تم نہیں چاہتے کہ خدام کو بخش دے، خدا غفور رحیم ہے؟“

حضرت ابو بکرؓ نے ان کا روزینہ بدستور جاری کر دیا۔ (بخاری، کتاب المغازی، باب حدیث الاکف: ۳۱۳۱) تھمت لگانے والوں میں (جبیا کہ ترمذی کتاب الفیہ سورہ نور: ۳۱۸۰ میں تصریح ہے) حضرت حسانؓ بھی تھے، حضرت عائشہؓ کو ان سے جو رنج تھا وہ عنو کی حد سے متجاوز تھا، لیکن یہ آنحضرتؓ کے فیض محبت کا اثر تھا کہ جب عروہ بن زیرؓ نے حضرت عائشہؓ کے سامنے حضرت حسانؓ کو برا کہنا شروع کیا تو حضرت عائشہؓ نے روک دیا، کہ یہ (حسانؓ) آنحضرتؓ کی طرف سے کفار کو جواب دیتے تھے۔

صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب حدیث الاکف: ۴۱۴۶۔

مدینہ کے مناقش یہودیوں میں سے لبید بن عاصم نے آپ ﷺ پر سحر کیا، تاہم آپ نے کچھ تعریض نہ فرمایا، حضرت عائشہؓ نے مزید تحقیق کی تحریک کی تو فرمایا: ”میں لوگوں میں شورش نہیں پیدا کرنا چاہتا۔“ \*

زبید بن سعیدؓ جس زمانہ میں یہودی تھے، لیں دین کا کاروبار کرتے تھے، آنحضرت ﷺ نے ان سے کچھ قرض لیا، میعاد ادا میں ابھی کچھ دن باقی تھے، تقاضے کو آئے، آنحضرت ﷺ کی چادر پکڑ کر کھنچی اور سخت سست کہہ کر کہا: عبدالمطلب کے خاندان والوں تم ہمیشہ یوں ہی جیلے ہوائے کیا کرتے ہو۔ حضرت عمرؓ غصہ سے بیتاب ہو گئے، اس کی طرف مخاطب ہو کر کہا: ”اوْثَمْ خَدَا تُرْسُلَ اللَّهِ كَيْ شَاءَ مِنْ مَنْ يَشَاءُ“ آنحضرت ﷺ نے مسکرا کر فرمایا: ”عمر! مجھ کو تم سے اور کچھ امید تھی، اس کو سمجھانا چاہیے تھا کہ نبی سے تقاضا کرے اور مجھ سے کہنا چاہیے تھا کہ میں اس کا قرض ادا کر دوں۔“ یہ فرمایا کہ حضرت عمرؓ کو ارشاد فرمایا: ”قرضہ ادا کر کے بیس صاع بھجور کے اور زیادہ دے دو۔“ \*

ایک دفعہ آپ ﷺ کے پاس صرف ایک جوڑا پکڑا رہ گیا تھا اور وہ بھی موٹا اور گندہ تھا، پسینہ آتا تو اور بھی بو جھل ہو جاتا، اتفاق سے ایک یہودی کے یہاں شام سے کپڑے آئے، حضرت عائشہؓ نے عرض کی کہ ایک جوڑا اس سے قرض منگوا لیجئے، آنحضرت ﷺ نے یہودی کے پاس آ دی بھیجا، اس گستاخ نے کہا میں تمہا مطلب یہ ہے کہ میرا مال یوں ہی اڑا لیں اور دام نہ دیں۔ آنحضرت ﷺ نے یہاں گوار جملے سن کر صرف اس قدر فرمایا کہ ”وہ خوب جانتا ہے کہ میں سب سے زیادہ محتاط اور سب سے زیادہ امانت کا ادا کرنے والا ہوں۔“ \*

ایک دفعہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے، ایک عورت قبر کے پاس بیٹھی رورہی تھی، آپ رک گئے، اور اس سے مخاطب ہو کر فرمایا: ”صبر کرو۔“ وہ آپ کو بیچاتی نہ تھی (گستاخی کے ساتھ) بولی، ہٹوٹم کیا جان سکتے ہو کہ مجھ پر کیا کیفیت ہے، آپ چلے آئے، لوگوں نے عورت سے کہا: تو نے نہیں پیچانا، وہ رسول اللہ ﷺ نے تھے، دوڑی ہوئی آئی اور کہا: میں حضور کو بیچاتی نہ تھی، ارشاد فرمایا: ”صبر وہی معتبر ہے جو عین مصیبت کے وقت کیا جائے۔“ \*

ایک دفعہ حضرت سعد بن عبادہؓ نے بیمار ہوئے، آپ عیادت کو سواری پر تشریف لے گئے، راہ میں ایک جلسہ تھا، آپ ٹھہر گئے، عبداللہ بن ابی جو رئیس المناقین تھا، وہ بھی جلسے میں موجود تھا، آپ ﷺ کی

\* صحیح مسلم، کتاب السلام، باب السحر: ۵۷۰۳۔ \*\* یہ روایت بیہقی، ابن حبان (کتاب البر والاحسان: ۲۸۸) طبرانی اور ابو نعیم نے روایت کی ہے اور سیوطی نے کہا کہ اس کی سند صحیح ہے۔ (شرح شفاء از شهاب خفاجی، ج ۲، ص: ۳۱، ۳۲) \*\*\* جامع ترمذی، کتاب البویع، باب ماجاء فی الرخصة فی الشراء الی اجل: ۱۲۱۳۔

\*\*\*\* بخاری، کتاب الجنائز، باب زيارة القبور: ۱۲۸۳۔

سواری کی گردائی تو اس نے چادر ناک پر رکھ لی اور آنحضرت ﷺ سے کہا: دیکھو گردنا اڑاؤ، جب آنحضرت ﷺ قریب پہنچے تو اس نے کہا محمد (ﷺ) اپنا گدھا ہٹاو، تمہارے گدھے کی بدبو نے میرا دماغ پر پیشان کر دیا۔ آنحضرت ﷺ نے سلام کیا، پھر سواری سے اترے اور اسلام کی دعوت دی، عبداللہ بن ابی نے کہا: ہمارے گھر آ کر ہم کو نہ سناؤ، جو شخص خود تمہارے پاس جائے اس کو تعلیم دو۔ عبداللہ بن رواحہ ؓ جو مشہور شاعر تھے، انہوں نے کہا: آپ ضرور تشریف لا سیں، بات بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچی کہ قریب تھا کہ تکواریں نکل آئیں، آنحضرت ﷺ نے دونوں فریق کو سمجھا جما کر ٹھنڈا کیا، جلسے سے اٹھ کر آپ سعد بن عبادہ ؓ کے پاس آئے اور ان سے کہا: تم نے عبداللہ کی باتیں سین، سعد بن عبادہ نے عرض کی، کہ آپ کچھ خیال نہ فرمائیں، یہ وہ شخص ہے کہ آپ کی تشریف آوری سے پہلے اہل مدینہ نے اس کے لیے ریاست کا تاج تیار کر لیا تھا۔

غزوہ حنین میں آپ ﷺ نے مال غیمت تقسم فرمایا تو ایک انصاری نے کہا، یہ تقسم خدا کی رضا مندی کے لئے نہیں ہے۔ آپ نے سنات تو فرمایا: ”خدا موی پر حرم کرے، ان کو لوگوں نے اس سے بھی زیادہ ستایا تھا۔“ \*  
 ایک دفعہ ایک بدو خدمت القدس میں آیا، آپ مسجد میں تشریف رکھتے تھے، اس کو پیشتاب کی حاجت معلوم ہوئی، آواب مسجد سے واقف رہتا، وہیں کھڑے ہو کر پیشتاب کرنے لگا، لوگ ہر طرف سے دوڑ پڑے کہ اس کو سزا دیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ”جانے دو اور پانی کا ایک ڈول لا کر بہادرو، خدا نے تم لوگوں کو دشواری کے لئے نہیں، بلکہ آسانی کے لیے بھیجا ہے۔“ \*

حضرت انس ؓ جو خادمِ خاص تھے، ان کا بیان ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے مجھ کو کام کے لئے بھیجا چاہا، میں نے کہا: نہ جاؤں گا، آپ چپ رہ گئے، میں یہ کہہ کر باہر چلا گیا، دفعہ آنحضرت ﷺ نے پیچھے سے آ کر میری گردن پکڑ لی، میں نے مزکر دیکھا تو آپ ہس رہے ہیں، پھر پیار سے فرمایا: ”اُس! جس کام کے لئے کہا تھا ب تو جاؤ۔“ میں نے عرض کی: اچھا جاتا ہوں، حضرت انس ؓ نے اسی واقعہ کے ساتھ بیان کیا کہ میں نے سات برس آپ کی ملازمت کی، بھی یہ نہ فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا، یا یہ کیوں نہیں کیا۔ \*

حضرت ابو ہریرہ ؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی عادت تھی کہ ہم لوگوں کے ساتھ مسجد میں بیٹھ جاتے، اور باتیں کرتے، جب اٹھ کر گھر میں جاتے تو ہم لوگ بھی چلے جاتے، ایک دن حسب معمول مسجد

1 صاحیح بخاری، کتاب المرضی، باب عبادۃ المريض: ۵۶۶۳، ۴۵۶۶۔ 2 صاحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الطائف: ۴۲۳۶، ۴۳۳۵۔ 3 صاحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب صب الماء علی اليون: ۲۲۰۔

4 صاحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب حسن خلقه ﷺ: ۶۰۱۶، ۶۰۱۵ وابوداود، کتاب الادب، باب فی الحلم و اخلاق النبی ﷺ: ۴۷۷۳۔

سے نکلے، ایک بدو آیا اور اس نے آپ ﷺ کی چادر اس زور سے پکڑ کر کھینچی کہ آپ کی گردان سرخ ہو گئی، آپ نے مذکور اس کی طرف دیکھا، بولا کہ میرے اونٹوں کو غلد سے لاد دے، تیرے پاس جو مال ہے، وہ نہ تیرا ہے نہ تیرے باپ کا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”پہلے میری گردان کا بدلہ دو۔“ تب غلد دیا جائے گا، وہ بار بار کہتا تھا: خدا کی قسم! میں ہرگز بدلہ نہ دوں گا، آپ نے اس کے اونٹوں پر ہوا اور کھجور میں لد دادیں اور کچھ تعریض نہ فرمایا۔

قریش (نحوہ بالله) آنحضرت ﷺ کو گالیاں دیتے تھے، بر بھلا کہتے تھے، ضد سے آپ کو محمد (ﷺ) (تعریف کیا گیا) نہیں کہتے تھے، بلکہ مدم (ذمۃ کیا گیا) کہتے تھے، لیکن آپ اس کے جواب میں اپنے دوستوں کو خطاب کر کے صرف اسی قدر فرمایا کرتے: ”تمہیں تجوہ نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ قریش کی گالیوں کو محمد سے کیونکر پھیرتا ہے، وہ مدم کو گالیاں دیتے اور مدم پر لعنت بھیجتے ہیں اور میں محمد ہوں (ﷺ)۔“

جس زمانہ میں آپ ﷺ فتح کمک کے لیے تیاریاں کر رہے تھے، اس بات کی خاص احتیاط فرمارہے تھے، کہ قریش کو ہمارے ارادوں کی خبر نہ ہو، حاطب بن ابی بقیر ایک صحابی تھے، انہوں نے چاہا کہ قریش کو اس کی اطلاع کر دیں، چنانچہ ایک خط لکھ کر انہوں نے چنکے سے ایک عورت کی معرفت مکر روانہ کیا، آپ کو اس کی خبر ہو گئی، حضرت علی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما اسی وقت بھیج گئے، جو قاصد کوئی خط کے گرفتار کر لائے، حاطب کو بلا کر دریافت کیا تو انہوں نے صاف صاف اپنے قصور کا اعتراف کیا اور مغفرت چاہی، یہ موقع تھا کہ ہر سیاست دان، مجرم کی سزا کا فتوی دینا، لیکن آنحضرت ﷺ نے اس لیے ان کو معاف فرمایا، کہ وہ شرکاء بدر میں تھے، عورت جو اس جرم میں شریک تھی اس سے بھی کسی قسم کا تعریض نہیں فرمایا۔ حلال نکہ یہ خط اگر دشمنوں تک پہنچ جاتا تو مسلمانوں کو خفت خطرات کا سامنا ہو جاتا۔

فرات بن حیان ایک شخص تھا، ابو سفیان کی طرف سے مسلمانوں کی جاسوسی پر مامور تھا اور آنحضرت ﷺ کی بھویں اشعار کہتا تھا، ایک دفعہ وہ پکڑا گیا تو آنحضرت ﷺ نے اس کے قتل کا حکم دیا، لوگ اس کو پکڑ کر لے چلے، جب انصار کے ایک محل میں پہنچا، تو بولا کہ میں مسلمان ہوں، ایک انصاری نے آ کر اطلاع دی، کہ وہ کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں کچھ لوگ ایسے ہیں جن کے ایمان کا حال ہم انہیں پر چھوڑتے ہیں، ان میں سے ایک فرات بن حیان ہے۔“ مورخین نے لکھا

ابوداؤد کتاب الادب، باب فی الحلم والأخلاق النبوی ﷺ: ۴۷۷۵ یہی واقعہ حضرت انس بن مالک سے بخاری، کتاب الادب، باب التبسم والصلح: ۶۰۸۸ اور مسلم، کتاب الزکرة، باب اعطاء المؤلفة ومن يخالف... میں ۲۴۲۹ میں مردی ہے بغیر سیر۔

صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب ما جاء في أسماء رسول الله ﷺ: ۳۵۳۳۔

صحیح بخاری، کتاب المغازی باب غزوۃ الفتح: ۴۲۷۴۔

ابو داؤد، کتاب الجهاد، باب فی الجاسوس الذمی: ۲۶۵۲۔ یہ حدیث عین ثوری کے واسطے دو طریقوں سے مردی ہے۔ ایک میں ابو ہمام الدلال ہے اور دیکی ابو داؤد کا طریق ہے۔ یہ طریق ضعیف ہے دوسری طریق بن سری المصری کے ذریعہ سے ہے، جو صحیح ہے امام احمد رضی اللہ عنہ نے بھی مند جن ۲ جس میں یہ روایت نقش کی ہے۔

ہے کہ وہ بعد کو صدق دل سے مسلمان ہو گئے اور آنحضرت ﷺ نے ان کو یہاں میں ایک زمین عنایت فرمائی، جس کی آمد نی ۲۰۰ تھی۔ \*

دشمنوں سے عفو و درگز را اور حسن سلوک

انسان کے ذخیرہ اخلاق میں سب سے زیادہ کتاب، نادرالوجود چیز دشمنوں پر رحم اور ان سے غفو و درگزر ہے، لیکن حامل و حی و نبوت کی ذات القدس میں یہ جنس فراواں تھی، دشمن سے انتقام لینا انسان کا قانونی فرض ہے لیکن اخلاق کے دائرہ شریعت میں آ کر یہ فرضیت مکروہ تحریکی بن جاتی ہے، تمام روایتیں اس بات پر متفق ہیں کہ آپ ﷺ نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔

دشمنوں سے انتقام کا سب سے بڑا موقع فتح حرم کا دن تھا جبکہ وہ کینہ خواہ سامنے آئے، بو آنحضرت ﷺ کے خون کے پیاس سے تھے اور جن کے دست ستم سے آپ ﷺ نے طرح طرح کی اذیتیں اٹھائی تھیں، لیکن ان سب کو یہ کہہ کر چھوڑ دیا:

((لا تشرب عليكم اليوم، اذهبو فانتم الطلقاء)) (سنن الکبریٰ بیہقیٰ ، ۹/۱۱۸)

”تم پر کوئی ملامت نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو۔“

وہی جو اسلام کے قوت بازا و آنحضرت ﷺ کے عزیز ترین بچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قاتل تھا، مکہ میں رہتا تھا، جب مکہ میں اسلام کی قوت نے ظہور کیا، وہ بھاگ کر طائف آیا، طائف نے بھی آخر سراط اطاعت ختم کیا، وہی کے لیے یہ بھی ماں نہ رہا، لیکن اس نے سن کہ آنحضرت ﷺ سفراء سے کبھی بخوبی کے ساتھ پیش نہیں آتے، ناچار خود رحمت عالم کے دامن میں پناہ لی اور اسلام قبول کیا، آنحضرت ﷺ نے صرف اس قدر فرمایا کہ ”میرے سامنے نہ آیا کرنا کہ تم کو دیکھ کر مجھے بچا کی بیاد آتی ہے۔“ \*

ہند ابوسفیان کی بیوی جس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا سینہ چاک کیا اور دل و جگر کے ٹکڑے کے، فتح مکہ کے دن نقاب پوش آئی کہ آنحضرت ﷺ کی پیشگوئی پہچان نہ سکیں اور بے خبری میں بیعت اسلام کر کے سید امام حاصل کر لے، پھر اس موقع پر بھی گستاخی سے باز نہ آئی، آنحضرت ﷺ نے ہند کو پہچان لیا، لیکن اس واقعہ کا ذکر تک نہ فرمایا، ہند اس کرشمہ ابیاز سے متاثر ہو کر بے اختیار بول انھی ”یا رسول اللہ! آپ کے خیمہ سے مبغوض تر خیمہ کوئی میری نگاہ میں نہ تھا، لیکن آج آپ کے خیمہ سے کوئی زیادہ محبوب خیمہ میری نگاہ میں دوسرا نہیں۔“ \*

عکر مدد دشمن اسلام ابو جہل کے فرزند تھے اور اسلام سے پہلے باپ کی طرح آنحضرت ﷺ کے سخت ترین دشمن تھے، فتح مکہ کے وقت مکہ سے بھاگ کر یمن چلے گئے، ان کی بیوی مسلمان ہو چکی تھی، وہ یمن گئیں

۱ اصحاب ترجیفات مذکور حج ۳، ج ۲۰۱۔ ۲ صحیح بخاری، کتاب المغازی، قتل حمزة: ۴۰۷۲۔

۳ صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، ذکر هند: ۲۸۲۵، ۲۸۲۶۔

اور عکر مہ کو تکمین دی اور ان کو مسلمان کیا اور خدمتِ القدس میں لے کر حاضر ہوئیں، آنحضرت ﷺ نے جب ان کو دیکھا تو فرط سرست سے فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور اس تیزی سے ان کی طرف بڑھے کہ جنم مبارک پر چادر تک نہ تھی، اور زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے:

((مرحاباً لِرَأْكَ الْمُهَاجِر)) \* "اے بھرت کرنے والے سوار تھارا آنامبارک ہو۔"

صفوان بن امیر، قریش کے رؤسائے کفر میں سے اور اسلام کے شدید ترین دشمن تھے، ان ہی نے عمر بن وہب کو انعام کے وعدہ پر آنحضرت ﷺ کے قتل پر مامور کیا تھا، جب مکہ فتح ہوا تو اسلام کے ڈر سے جدہ بھاگ گئے اور قصد کیا کہ سمندر کے راستے سے یمن چلے جائیں، عمر بن وہب نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی، کہ یا رسول اللہ! صفوان بن امیر اپنے قبیلہ کے ریس ہیں، وہ ڈر سے بھاگ گئے ہیں کہ اپنے کو سمندر میں ڈال دیں، ارشاد ہوا کہ اس کو امان ہے، مکر عرض کی یا رسول اللہ! امان کی کوئی نفعی مرحوم فرمائیے جس کو دیکھ کر ان کو میرا اعتبار آئے، آپ ﷺ نے عمامہ مبارک ان کو عنایت فرمایا، جس کو لے کر وہ صفوان کے پاس پہنچ، صفوان نے کہا: مجھے وہاں جانے میں اپنی جان کا ڈر ہے۔ عمر نے جواب دیا صفوان! ابھی تمہیں محمد ﷺ کے حلم و غنوکا حال معلوم نہیں۔ یہ سن کر وہ عمر کے ساتھ دربار نبوی میں حاضر ہوئے اور سب سے پہلا سوال یہ کیا کہ عمر کہتے ہیں کہ تم نے مجھے امان دیا ہے، فرمایا: "جس ہے۔" صفوان نے کہا: تو مجھے دو مینے کی مہلت دو۔ ارشاد ہوا کہ "دونہیں تم کو چار مینے کی مہلت دی جاتی ہے۔" اس کے بعد وہ اپنی خوشی سے مسلمان ہو گئے، یہ واقعہ تفصیل ابن ہشام میں مذکور ہے۔ \*

ہمار بن الاسود وہ شخص تھا جس کے ہاتھ سے آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی نبیت ﷺ کو خخت تکلیف پہنچی تھی، حضرت نبیت ﷺ حامل تھیں اور مکہ سے مدینہ بھرت کر رہی تھیں، کفار نے مراجمت کی، ہمار بن الاسود نے جان بوجھ کر ان کو اونٹ سے گردایا، جس سے ان کو خخت چوٹ آئی اور جمل ساقط ہو گیا، اس کے علاوہ اور کبھی بعض جرام کا وہ مرتكب ہوا تھا اور اسی بتا پر فتح مکہ کے وقت ہمارا شتریان قتل میں داخل تھا چاہا کہ بھاگ کر ایران چلا جائے، کہ دائی ہدایت نے خود آستانہ نبوت کی طرف جھکا دیا، آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: یا رسول اللہ! میں بھاگ کر ایران میں چلا جانا چاہتا تھا، لیکن پھر مجھے حضور کے احسانات اور حلم و غنویاد آئے، میری نسبت آپ ﷺ کو جو خبریں پہنچی تھیں، وہ صحیح تھیں، مجھے اپنی جہالت اور قصور کا اعتراف ہے، اب اسلام سے مشرف ہونے آیا ہوں، دفعتہ باب رحمت و اتحا اور دوست و دشمن کی تیز سکسر مفقود تھی۔ \*

\* مؤطا امام مالک، کتاب النکاح، باب نکاح المشرک اذا اسلمت زوجته قبله: ۱۱۵۶۔

\* ترمذی، ابواب الاستئذان، ما جاء فی مرحبا: ۲۷۳۵۔ \* ابن ہشام، ج ۲، ص: ۲۷۶، ۲۷۷۔

\* اصحاب، ج ۶، ص: ۲۸۰، ۲۷۹ ذکر ہمار برداشت ابن اسحاق وغیرہ۔

ابوسفیان اسلام سے پہلے جیسے کچھ تھے، غزوہت نبوی کا ایک ایک حرف اس کا شاہد ہے، بدر سے لے کر قعہ مکہ تک جتنی لڑائیاں اسلام کو لوثی پڑیں ان میں سے اکثر میں ان کا ہاتھ تھا، لیکن فتح مکہ کے موقع پر جب وہ گرفتار کر کے لائے گئے، اور حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) ان کو لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، تو آپ ﷺ ان کے ساتھ محبت سے پیش آئے، حضرت عمر ﷺ نے گزشتہ جرم کی پاداش میں ان کے قتل کا ارادہ کیا لیکن آپ نے منع فرمایا، اور نہ صرف یہ بلکہ ان کے گھر کو امن و امان کا حرم بنادیا، فرمایا کہ ”جو ابوبسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا اس کا قصور معاف ہو گا۔“ <sup>۱</sup> کیا دنیا کے کسی فاتح نے اپنے دشمن کے ساتھ یہ بتاؤ کیا ہے؟

عرب کا ایک ایک قبیلہ اطاعت کیشانہ اسلام کے پرچم کے نیچے جمع ہو رہا تھا، اگر کسی قبیلے نے آخر تک سرتاپی کی تو وہ بونظیفہ کا قبیلہ تھا، جس میں مسلمہ نے ادعائے نبوت کیا تھا، شامہ بن اثال اس قبیلے کے رؤسا میں تھا، اتفاق سے وہ مسلمانوں کے ہاتھ لگ گیا، گرفتار کر کے مدینہ لے آئے، آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ اس کو مسجد کے ستون میں باندھ دیا جائے، اس کے بعد آپ مسجد میں تشریف لائے اور اس سے دریافت کیا کیا کہتے ہو، اس نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر تم مجھے قتل کرو گے تو ایک خونی کو کرو گے اور اگر احسان کرو گے تو ایک شکر گزار پر احسان ہو گا اور اگر زردی چاہتے ہو، تو تم مانگو، میں دوں گا۔ یہ سن کر آپ خاموش رہے، دوسرے دن بھی یہی تقریر ہوئی، تیرے روڑ بھی جب اس نے یہی جواب دیا تو آپ نے حکم دیا کہ شامہ کی رسی کھول دو اور آزاد کر دو، شامہ پر اس خلاف توقع لطف و عنایت کا یہ اثر ہوا کہ قریب ایک درخت کی آڑ میں جا کر غسل کیا اور مسجد میں واپس آ کر کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا اور عرض کی: یا رسول اللہ دنیا میں کوئی شخص میری نظر میں آپ سے زیادہ مہفوض نہ تھا اور اب آپ سے زیادہ دنیا میں مجھے کوئی محبوب نہیں، کوئی مذہب آپ کے مذہب سے زیادہ میری آنکھوں میں برانہ تھا اور اب وہی سب سے زیادہ پیارا ہے، کوئی شہر آپ کے شہر سے زیادہ ناپسند نہ تھا اور اب وہی پسندیدہ ہے۔“

قریش کی قسم گری و جفا کا ری کی داستان دہرانے کی ضرورت نہیں، یاد ہو گا کہ شعب ابی طالب میں تین برس تک ان ظالموں نے آپ ﷺ کو اور آپ کے خاندان کو اس طرح محصور کر رکھا تھا کہ غلہ کا ایک دانہ اندر پہنچنے نہیں سکتا تھا، بچے بھوک سے روتے اور ترپتے تھے اور یہ بے در دان کی آوازیں سن کر ہستے اور خوش ہوتے تھے، لیکن معلوم ہے کہ رحمت عالم نے اس کے معاوضہ میں قریش کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ مکہ میں غله بیامہ سے آتا تھا، بیامہ کے رئیس یہی شامہ بن اثال تھے، مسلمان ہو کر جب یہ مکہ گئے تو قریش نے تبدیل مذہب پر ان کو طعنہ دیا، انہوں نے غصہ سے کہا کہ خدا کی قسم اب رسول اللہ ﷺ کی اجازت کے بغیر گیہوں کا ایک دانہ نہیں ملے گا۔ اس بندش سے مکہ میں اناج کا کال پڑ گیا، آخ گھبرا کر قریش نے اس آستانہ کی طرف

<sup>۱</sup> صحیح مسلم، فتح مکہ: ۴۶۲۲، ۴۶۲۴ تا ۴۶۲۵؛ صحیح بخاری: ۴۲۸۰ و مع فتح الباری، ج ۸، ص ۱۱۔

رجوع کیا جس سے کوئی سائل کبھی محروم نہیں گیا، حضور کو رحم آیا اور کہلا بھیجا کہ بندش انھالو، چنانچہ پھر حسب و مسیر غلہ جانے لگا۔ ﴿

### کفار اور مشرکین کے ساتھ بر تاؤ

کفار کے ساتھ آپ ﷺ کے حسن خلق کے بہت سے واقعات مذکور ہیں، مؤمنین یورپ مدی ہیں کہ یہ اس وقت تک کے واقعات ہیں جب تک اسلام ضعیف تھا اور جمالت اور لطف و آشتی کے سوا چارہ نہ تھا اس لئے ہم اس عنوان کے نیچے صرف وہ واقعات نقل کریں گے جو اس زمانہ کے ہیں جبکہ مخالفین کی قوتیں پامال ہو چکی تھیں اور آنحضرت ﷺ کو پورا اقتدار حاصل ہو چکا تھا۔ ابو یصرہ عفاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب وہ کافر تھے، مدینہ میں آنحضرت ﷺ کے پاس آ کر مہمان رہے، راست کو گھر کی تمام بکریوں کا دودھ پی گئے، لیکن آپ نے کچھ نہ فرمایا، رات بھر تمام اہل بیت نبوی ﷺ بھوکا رہا۔ ﴿ اسی طرح ایک اور واقعہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، شب کو ایک کافر آنحضرت ﷺ کا مہمان ہوا، آپ نے ایک بکری کا دودھ اس کے سامنے پیش کیا، وہ پی گیا، پھر دوسرا بکری دو ہی گئی، وہ دودھ بھی بے تامل پی گیا، پھر تیسرا، پھر چوتھی، یہاں تک کہ سات بکریاں دو ہی گئیں اور وہ سب دودھ پیتا گیا، آنحضرت ﷺ نے کوئی تنفس ظاہر نہ فرمایا، شاید اسی حسن اخلاق کا اثر تھا کہ وہ صبح کو مسلمان تھا اور صرف ایک بکری کے دودھ پر قانع ہو گیا۔ ﴿

حضرت اسماء رضی اللہ عنہ بیان کرتی ہیں کہ صلح حدیبیہ کے زمانہ میں ان کی ماں جو مشرکہ تھیں، اعانت خواہ، مدینہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں، ان کو خیال ہوا کہ اہل شرک کے ساتھ کیا بر تاؤ کیا جائے، آنحضرت ﷺ کے پاس آ کر دریافت کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ”ان کے ساتھ نیکی کرو۔“ ﴿ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ماں کافرہ تھیں اور بیٹے کے ساتھ مدینہ میں رہتی تھیں، جہالت سے آنحضرت ﷺ کو گالیاں دیتی تھیں، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے خدمت اقدس میں عرض کی، آپ نے بجائے غیظ و غضب کے، دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ ﴿

آنحضرت ﷺ کے گھر کا تمام کار و بار حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے سپرد تھا، روپیہ پیسہ جو کچھ آتا تھا ان کے پاس رہتا، ناداری کی حالت میں وہ بازار سے سودا سلف قرض لاتے اور جب کہیں سے کوئی رقم آ جاتی تو اس سے ادا کر دیا کرتے، ایک دفعہ بازار جا رہے تھے، ایک مشرک نے دیکھا، ان سے کہا: تم قرض لیتے ہو تو مجھ سے لیا کرو، انہوں نے قبول کیا، ایک دن اذان دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو وہ مشرک چند سو اگرلوں کے

ثماں کا پرواقعہ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب وفڈ بنی حنیفة: ۴۳۷۲ میں ہے، آخری مکارا ابن ہشام رج ۲، ج ۲، میں مذکور ہے۔ ﴿ مسند احمد، ج ۶، ص ۳۹۷۔ ﴿ جامع ترمذی، ابواب الاطعمة، باب ماجاء ان المؤمن يأكل في معى واحدة: ۱۸۱۹۔ ﴿ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب صلة الوالد المشرک: ۵۹۷۸۔ ﴿ اصحابۃ، ج ۴، ص ۲۰۶، ذکر ابو ہریرہ۔

ساتھ آیا اور ان سے کہا: ”اوچشی! انہوں نے اس بد تہذیبی کے جواب میں ”لبیک“ کہا: بولا: کچھ خبر ہے؟ وعدہ کے صرف چار دن رہ گئے ہیں، تم نے اس مدت میں قرضہ ادا نہ کیا تو تم سے بکریاں چروں کے چھوڑوں گا۔ یہ عشاء پڑھ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور سارا حال بیان کر کے کہا کہ خزانہ میں کچھ نہیں ہے، بلکہ وہ مشرک آ کر مجھ کو فضیحت کرے گا، اس لئے مجھ کو جاہز ہو کر میں کہیں نکل جاؤں، پھر جب قرضہ ادا کرنے کا سامان ہو جائے گا، تو واپس آ جاؤں گا، غرض رات کو جا کر سورہ اور سامان سفر یعنی تحیلا، جوتی، ڈھال سر کے نیچے رکھ لی، صحیح اٹھ کر سفر کا سامان کر رہے تھے کہ ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور کہا آنحضرت ﷺ نے یاد فرمایا ہے، یہ گئے تو دیکھا کہ چار اوٹ غلہ سے لدے ہوئے دروازہ پر کھڑے ہیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”مبارک ہو، یہ اوٹ رئیں فذک نے بھیجے ہیں۔“ انہوں نے بازار میں جا کر سب چیزیں فروخت کیں اور مشرک کا قرضہ ادا کر کے مسجد بنوی میں آئے اور آنحضرت ﷺ سے عرض کی کہ سارا قرضہ ادا ہو گیا۔

یہ اقہم فذک کی فتح کے بعد کا ہے، جو حضرت کا ساتواں سال ہے، حضرت بالا ﷺ آنحضرت ﷺ سے مقترب خاص اور گھر کے منتظم تھے، ایک مشرک ان کو جبشی کہہ کر پکارتا ہے اور کہتا ہے کہ جھسے بکریاں چروں کے چھوڑوں گا۔ حضرت بالا ﷺ اس کی نگری کے ذریعے بھاگ جانے کا ارادہ کرتے ہیں، آنحضرت ﷺ نے یہ باتیں سنتے ہیں لیکن مشرک کی نسبت ایک لفظ نہیں فرماتے، نہ بالا ﷺ کی حمایت اور دلدہ ہی کی تدبیر کرتے۔ ہیں اتفاق سے غلام آ جاتا ہے اور مشرک کا قرضہ ادا کیا جاتا ہے اور اس کی بذبانبی اور سخت گیری سے درگزر کیا جاتا ہے، یہ حلم، یہ غفو، یہ خل رحمت عالم کے سوا اور کس سے ہو سکتا ہے؟ سب سے مشکل معاملہ منافقین کا تھا، یہ کفار کا ایک گروہ تھا، جس کا رئیس عبد اللہ بن ابی تھا آنحضرت ﷺ جس زمانہ میں مدینہ میں تشریف لائے، اس سے کچھ پہلے تمام شہر نے اس پر اتفاق کر لیا تھا کہ وہ مدینہ کا فرمادنا بنا دیا جائے، جنگ بدر کے بعد اس نے اسلام کا اعلان کیا لیکن دل سے کافر تھا، اس کے پیرو بھی اسی قسم کا منافقانہ اسلام لائے اور منافقین کی ایک مستقل جماعت قائم ہو گئی، یہ لوگ در پردہ اسلام کے خلاف ہر قسم کی تدبیریں کرتے تھے، قریش اور دیگر مخالف قبائل سے سازش رکھتے، ان کو مسلمانوں کے مخفی رازوں کی خبر دیتے رہتے، با اس ہمہ ظاہر اسلام کے مراسم ادا کرتے، جمود جماعت میں شریک ہوتے اور لا ایسوں میں ساتھ جاتے تھے، آنحضرت ﷺ ان کے حالات اور ایک ایک کے نام و نشان سے واقف تھے، لیکن چونکہ شریعت اور قانون کے احکام، دلوں کے اسرار سے نہیں بلکہ ظاہری اعمال سے متعلق ہیں اس لیے آپ ان پر کفر کے احکام جاری نہیں فرماتے تھے، یہاں تک تو شریعت اور قانون کا معاملہ تھا، لیکن فیاض دلی اور غفو و حلم کے انتہاء سے آپ ان سے ہمیشہ حسن اخلاق کا بھی برستاؤ کرتے تھے۔

**ایک دفعہ ایک غزوہ میں ایک مہاجر نے ایک انصاری کو ہٹپڑا رہا، انصاری نے کہا ”بالانصار“ یعنی**

ابوداؤد، کتاب الخراج والاماارة، باب فی الامام یقبل هدایا المشرکین: ۳۰۵۵۔

انصار کی دہائی۔ مہاجر نے بھی مہاجر کی دہائی دی، قریب تھا کہ دونوں میں تکوار جل جائے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”یہ کیا جاہلیت کی باتیں ہیں۔“ دونوں رک گئے، عبد اللہ بن ابی نے ساتو کہا: مدد یہ جل کر ذمہ مل مسلمانوں کو نکال دوں گا، ساتھیوں نے کہا: آسان بات یہ ہے کہ تم لوگ مہاجرین کی خبر گیری سے ہاتھ اٹھاؤ، یہ خود بتاہ ہو جائیں گے، چنانچہ قرآن مجید میں یہ واقعہ ذکور ہے:

﴿هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنْقِضُوا عَلَى مَنْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ حَتَّى يَنْفَضُوا﴾

(٦٣) / المناقبون:

”یہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ پیغمبر کے ساتھیوں پر خرچ نہ کرو، تاکہ وہ منتشر ہو جائیں۔“

﴿يَقُولُونَ لَكُنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِيْنَةِ لِغُرْجَنَ الْأَعْزَمِهَا الْأَذَلَطَ﴾ (٦٣) / المناقبون:

”کہتے ہیں کہ جب مدینہ کو واپس چلیں گے تو معزز لوگ کمینوں کو مدینہ سے نکال دیں گے۔“

آنحضرت ﷺ نے عبد اللہ بن ابی کو بلا بھیجا کہ تم نے یہ الفاظ کہے تھے، اس نے صاف انکار کیا، حضرت عمر بن الخطاب موجود تھے بولے: یا رسول اللہ! اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں، آپ ﷺ نے فرمایا: ”لوگ چرچا کریں گے کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔“ \*

جنگ احمد میں عبد اللہ بن ابی عین اڑائی کے پیش آنے کے وقت تین سو آدمیوں کے ساتھ واپس چلا آیا، جس سے مسلمانوں کی قوت کوخت صدمہ پہنچا، تاہم آنحضرت ﷺ نے درگز فرمایا (اور وہ جب مر اتواس احسان کے معاوضہ میں کہ حضرت عباس بن عبد اللہ کو اس نے اپنا کرتہ دیا تھا، مسلمانوں کی ناراضی کے باوجود آپ ﷺ نے اپنا قیص مبارک اس کو پہننا کر دفن کیا)۔

یہود و نصاریٰ کے ساتھ بر تاؤ

خلق عیم میں کافر و مسلم، دوست و دشمن، عزیز و بیگانہ کی تیز رہ تھی، ابر رحمت دشت و چین پر یکساں برستا تھا (یہود کو آنحضرت ﷺ سے جس شدت کی عداوت تھی اس کی شہادت غزوہ خیبر تک کے ایک ایک واقعہ سے ملتی ہے، لیکن آپ ﷺ کا طرز عمل مدت تک یہ رہا کہ جن امور کی نسبت مستغل حکم نازل نہ ہوتا آپ ان میں انہیں کی تقلید فرماتے)۔

ایک دفعہ ایک یہودی نے برس بازار کہا: قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰ علیہ السلام کو تمام انہیا پر فضیلت دی۔ ایک صحابیؓ یہ کھڑے سن رہے تھے، ان سے رہانہ گیا، انہوں نے پوچھا کہ کیا محمد ﷺ کے ایک ایک واقعہ پر بھی؟ اس نے کہا: نہ۔ انہوں نے غصہ میں ایک تھپڑا س کے مار دیا، آنحضرت ﷺ کے عدل اور اخلاق پر

\* صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورہ المناقبون: ٤٩٠٥، ٤٩٠٧۔

\* بخاری میں یہ واقعہ متعدد روایتوں اور متعدد طریقوں سے مقول ہے ۳۶۲۱۲۹۔

\* صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب ایمان اللہ دا

دشمنوں کو بھی اس درجہ اعتبار تھا کہ وہ یہودی سیدھا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور واقعہ عرض کیا، آپ نے ان صحابیؓ پر برہی ظاہر فرمائی۔

ایک یہودی کا لڑکا بیمار ہوا تو آپ ﷺ اس کی عیادت کو تشریف لے گئے اور اس کو اسلام کی دعوت دی، اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا، گویا باپ کی رضا مندی دریافت کی، اس نے کہا: آپ ﷺ جو فرماتے ہیں اس کو بجا لاؤ۔ چنانچہ اس نے کلمہ پڑھا۔ \* ایک دفعہ سر راہ ایک یہودی کا جنازہ گزرتا تو آپ کھڑے ہو گئے۔ \*

ایک دفعہ چند یہودی آپ ﷺ کی خدمت میں آئے، اور شرارت سے سلام علیکم کے بجائے، السام علیکم (تم پر موت)، حضرت عائشہؓ نے غصہ میں آ کر ان کو بھی خست جواب دیا، لیکن آپ ﷺ نے روکا اور فرمایا: ”عائشہ بذریٰ بان نہ بونی، نرمی کرو، اللہ تعالیٰ ہر بات میں زری پسند کرتا ہے۔“ \*

یہودیوں کے ساتھ دادوستد کرتے تھے، ان کے خست و ناجائز تقاضوں اور درشت کلمات کو برداشت کرتے تھے، یہودیوں اور مسلمانوں میں اگر معاملات میں اختلاف پیش آتا تو مسلمانوں کی بلاوجہ جنبہ داری نہ فرماتے، چنانچہ اس قسم کی متعدد مثالیں دوسرے عنوانات میں مذکور ہیں، ایک دفعہ ایک یہودی نے آ کر شکایت کی، محمد ﷺ! دیکھو ایک مسلمان نے مجھ کو ٹھپٹھپٹ مارا ہے۔ آپ نے اس مسلمان کو اسی وقت بلوا کر زجر فرمایا۔ نصاریٰ کا وفد جب بحران سے مدینہ حاضر ہوا تو آپ نے اس کی مہمانداری کی، مسجد بنوی میں ان کو جگہ دی، بلکہ ان کو اپنے طریق پر مسجد میں نماز پڑھنے کی بھی اجازت دے دی اور جب عام مسلمانوں نے ان کو اس کام سے روکنا چاہا تو آپ ﷺ نے منع فرمایا۔ \*

یہود و نصاریٰ کے ساتھ کھانے پینے، نکاح و معاشرت کی اجازت تھی اور ان کے لئے مخصوص امتیازی احکام شریعت اسلامیہ میں جاری فرمائے۔

### غیریوں کے ساتھ محبت و شفقت

مسلمانوں میں امیر بھی تھے اور غریب بھی، دولتمند بھی اور فاقہ کش بھی، لیکن آنحضرت ﷺ کا برداشت سب کے ساتھ یکساں تھا، بلکہ غیریوں کے ساتھ آپ اس طرح پیش آتے تھے کہ دنیاوی دولت کی محرومی ان کے دلوں کو صدمہ نہیں پہنچاتی تھی، ایک دفعہ تقاضائے بشریت سے آپ کا ایک فعل اس کے خلاف ہوا تو بارگاہ احادیث سے اس پر باز پرس ہوئی مکہ کا واقعہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس چند اکابر قریش پیش ہے تھے اور آپ ان کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے، کہ اتفاق سے عبد اللہ بن ام مکوم رضی اللہ عنہ جو آنکھوں سے معدور اور غریب

\* بخاری، کتاب الخصومات: ۲۴۱، ۶۵۷۔ \* صحيح بخاری، کتاب الجنائز، باب اذا اسلم الصبي: ۱۳۵۶۔ \* ایضاً، باب من قام لجنازة یہودی: ۱۳۱۱، ۱۳۱۲۔

\* صحيح مسلم، کتاب السلام باب النهى عن ابتداء اهل الكتاب: ۵۶۵۸۔ \* زاد المعاد، ج ۲، ص: ۳۵۔

تھے، اور آنکھ اور وہ بھی ان لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر آپ ﷺ سے باتیں کرنے لگے، روساے قریش چونکہ سخت مٹکبر اور فحیر تھے، ان کو یہ برا بری ناگوار گز ری، آپ نے ابن ام کوتوم رضی اللہ عنہ کی طرف توجہ نہیں فرمائی اور اس امید پر انہیں سے باتیں کرتے رہے، کہ شاید یا اشقیا اسلام کی سعادت کو قبول کر لیں اور ان کے دل حق کی لذت سے آشنا ہوں لیکن خدا کو یہ امتیاز پسند نہ آیا اور یہ آیات اتریں:

﴿عَبَسَ وَيُوْمَٰٓ أَنْ جَاءَهُ الْأَغْنَىٰ ۖ وَمَا يُدْرِكُ لَعْلَهُ يَرَىٰ ۚ أُوْيَدَ كَرْفَتَفَعَةُ الدِّيْكُلَىٰ ۖ

أَمَامَنْ اسْتَغْنَىٰ ۖ فَأَنْتَ لَهُ تَصْدِىٰ ۖ وَمَا عَلَيْكَ الْأَيْمَىٰ ۖ وَآمَامَنْ جَاءَكَ يَسْعَىٰ ۖ وَهُوَ

يَخْشَىٰ ۖ فَأَنْتَ عَنْهُ تَكْفَىٰ ۖ كَلَّا إِنَّهَا تَذَكَّرَةٌ ۖ قَمَنْ شَاءَ ذَكْرَهُ ۖ﴾ (عبس: ۸۰/ ۱۲۰)

”پیغمبر نے ترش روئی کی اور منہ پھیر لیا کہ اس کے پاس اندھا آیا۔ (اے پیغمبر! تجھے کیا خبر کہ تیری زبان سے وہ پاک ہو جاتا، یا صیحت حاصل کرتا تو نصیحت اس کو نفع پہنچاتی لیکن جو بے پرواںی برستا ہے، اس کی طرف تو متوجہ ہوتا ہے اور تیرا کیا نقصان ہے اگر وہ پاک و صاف نہ بنے، اور تیرے پاس دوڑا آتا ہے اور وہ خدا سے ڈرتا بھی ہے، تو تو اس سے بے اعتمانی کرتا ہے، نہیں ہرگز نہیں یہ نصیحت عام ہے جو چاہے اس کو قبول کرے۔“

یہی غرباً اور مفلس اسلام کے سب سے پہلے جان ثار بنے تھے، آنحضرت ﷺ ان کو لے کر حرم میں نماز پڑھنے جاتے تھے تو روساے قریش ان کی ظاہری بدحیثی کو دیکھ کر استہزا کرتے تھے:

﴿أَهُلَّاَءٌ مِّنَ اللَّهِ عَلَيْهِمْ مِّنْ يَنْتَأَطُونَ﴾ (الانعام: ۵۳/ ۶)

”یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے ہم لوگوں کو چھوڑ کر احسان کیا ہے۔“

لیکن آپ ﷺ ان کے اس استہزا کو خوشی سے برداشت کرتے تھے۔ حضرت سعد بن ابی و قاص رضی اللہ عنہ کے مزاج میں کسی قدر تعلقی تھی اور وہ اپنے آپ کو غریبوں سے بالاتر سمجھتے تھے، آپ نے ان کی طرف خطاب کر کے فرمایا: ”تم کو جو نصرت اور روزی میسر آتی ہے، وہ انہیں غریبوں کی بدولت آتی ہے۔“ \* اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”میں نے در جنت پر کھڑے ہو کر دیکھا کہ زیادہ تر غریب و مفلس لوگ ہی اس میں داخل ہیں۔“ \*

عبداللہ بن عمر و بن العاص رضی اللہ عنہم روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ مسجد نبوی ﷺ میں بیٹھا تھا اور غریب مهاجر لوگ حلقة باندھے ایک طرف بیٹھے تھے، اسی اشنا میں آپ تشریف لے آئے اور انہی کے ساتھ مل کر بیٹھ گئے، یہ دیکھ کر میں بھی اپنی جگہ سے اٹھا اور ان کے پاس جا کر بیٹھ گیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ”فقراء مهاجرین کو بشارت ہو کہ وہ دولت مندوں سے چالیس برس پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔“ عبداللہ بن

\* ترمذی، ابواب التفسیر، باب ومن سورة عبس: ۲۲۳۱۔ \*\* صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب من استعنان بالضعفاء...: ۲۸۹۶۔ \*\*\* بخاری، کتاب الرفاقت: ۶۵۴۷ و مسلم: ۶۹۳۷۔

عمر و شیخی کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ یہ سن کر ان کے چہرے خوشی سے چمک اٹھے اور مجھے حضرت ہوئی کہ کاش میں بھی انہیں میں ہوتا۔ \*

ایک دفعہ آپ ﷺ ایک مجلس میں تشریف فرماتے، اس اشامیں ایک شخص سامنے سے گزرا، آپ نے اپنے پہلو کے ایک آدمی سے دریافت فرمایا کہ ”اس کی نسبت تمہاری کیا رائے ہے؟“ اس نے جواب دیا کہ یہ امراء کے طبقہ میں سے ایک صاحب ہیں، خدا کی قسم! یہ اس لائق ہے کہ اگر رشتہ چاہے تو کیا جائے اور اگر کسی کی سفارش کرے تو قبول کی جائے۔ کچھ دیر کے بعد ایک اور صاحب اسی راہ سے گزرے، آپ نے پھر اس سے استفسار فرمایا: ”اس کی نسبت کیا کہتے ہو؟“ عرض کی یا رسول اللہ! فقرائے مهاجرین میں سے ہے، اور اس لائق ہے کہ اگر رشتہ چاہے تو وہ اپس کر دیا جائے اور سفارش کرے تو رد کردی جائے اگر کچھ کہنا چاہے تو نہ سنا جائے۔ ارشاد ہوا: ”تمام روئے زمین میں اگر اس امیر جیسے آدمی ہوں تو اس سے ایک غریب بہتر ہے۔“ \*  
 آنحضرت ﷺ اکثر دعا میں فرمایا کرتے تھے: ”خداوند! مجھے مسکین زندہ رکھ، مسکین اٹھا، اور مسکینوں ہی کے ساتھ میرا حشر کر۔“ حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا، یا رسول اللہ ﷺ ایسے کیوں؟ فرمایا: ”اس لئے کہ یہ دولت مندوں سے پہلے جنت میں جائیں گے۔“ پھر فرمایا: ”اے عائشہ! کسی مسکین کو اپنے دروازہ سے نامراد نپھیرد گوچھو بارے کا ایک لکڑا اسی کیوں نہ ہو، اے عائشہ! غریبوں سے محبت رکھو، اور ان کو اپنے سے نزدیک کرو تو خدا بھی تم کو اپنے سے نزدیک کرے گا۔“ \*

ایک دفعہ پندر غریب مسلمانوں نے آکر خدمت القدس میں عرض کی کہ یا رسول اللہ! امراء سے درجہ اخروی میں بھی بڑھتے جاتے ہیں، نماز روزہ جس طرح ہم کرتے ہیں وہ بھی کرتے ہیں لیکن صدقات و خیرات سے جو نیکیاں ان کو ملتی ہیں ان سے ہم محروم ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ”کیا میں تم کوہ بات نہ بتاؤں جس سے تم الگوں کے برابر ہو جاؤ، اور پیچھلوں سے بڑھ جاؤ، اور پھر کوئی تمہاری برابری نہ کر سکے۔“ عرض کی بہاں یا رسول اللہ! بتائیے ارشاد ہوا: ”ہر نماز کے بعد ۳۲۳۲ دفعہ بجان اللہ اور الحمد للہ۔ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔“ کچھ دن کے بعد یہ وفد پھر حاضر خدمت ہوا، اور عرض کی یا رسول اللہ! ہمارے دولت مند بھائیوں نے بھی یہ وظیفہ سن لیا اور پڑھنا شروع کر دیا، فرمایا: ((ذلِکَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتُهُ مَنْ يَشَاءُ)) یعنی ”یہ خدا کی دین ہے جس کو چاہے دے۔“ \* مسلمانوں سے جو زکوٰۃ و صول ہوتی تھی اس کی نسبت عام حکم تھا۔

\* دارمی، کتاب الرفاق: ۲۸۴۴۔

\*\* صحیح بخاری: ۶۴۴۷؛ ابن ماجہ: ۴۱۲۰۔

\*\*\* ترمذی، ابواب الزهد: ۲۳۵۲؛ بیهقی، کتاب الصدقات: ۱۲/۷۔

\*\*\*\* صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب الذکر بعد الصلوة: ۶۳۲۹، ۸۴۳ و مسلم، کتاب المساجد، باب استحباب الذکر بعد الصلوة: ۱۳۴۷۔

((تُؤْخَذُ مِنْ أَمْرَائِهِمْ وَتُرَدُّ فِي فَقَرَائِهِمْ))

”ہر قبیلہ کے باہر شہر کے امراء سے لے کر وہیں کے غربا میں تقسیم کر دی جائے۔“

صحابہ رضی اللہ عنہم اس کی شدت سے پابندی کرتے تھے اور ایک جگہ کی زکوٰۃ دوسرا جگہ نہیں صحیح تھے۔ \*  
مساوات کے بیان میں یہ واقعہ بے تفصیل مذکور ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کسی بات پر  
حضرت سلمان و بلاں رضی اللہ عنہما کو جن کا شمار فقرائے مہاجرین میں ہے ڈالنا، آپ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے  
فرمایا کہ ”تم نے ان لوگوں کو آزاد رہ تو نہیں کیا۔“ یہ سن کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ان لوگوں کے پاس آئے اور معافی  
ماگلی اور ان لوگوں نے معاف کیا۔

عوامی میں ایک عورت رہتی تھی، وہ بیمار پڑی، اس کے بچے کی کوئی امید نہ تھی، خیال تھا کہ وہ آج کسی  
وقت مر جائے گی، آپ نے لوگوں سے کہا کہ وہ مر جائے تو میں جنازہ کی نماز خود پڑھاؤں گا تو اس کے بعد دفن  
کی جائے، اتفاق سے اس نے کچھ رات گئے انتقال کیا، اس کا جنازہ جب تیار ہو کر لا یا کیا تو آپ آرام فرمایا  
رہے تھے، صاحبہ رضی اللہ عنہم نے اس وقت آپ کو تکلیف دینی مناسب نہ سمجھی، اور رات ہی کو دفن کر دیا، صبح کو آپ  
نے دریافت فرمایا تو لوگوں نے واقعہ عرض کیا، آپ یہ سن کر کھڑے ہو گئے اور صاحبہ رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر دو  
بارہ اس کی قبر پر جا کر نماز جنازہ ادا کی۔ \*

حضرت جریر رضی اللہ عنہ میان کرتے ہیں کہ ایک دن پہلے پھر ہم لوگ آنحضرت علیہ السلام کے پاس بیٹھے  
ہوئے تھے، کہ ایک پورا قبیلہ مسافروں اور حاضر خدمت ہوان کی ظاہری حالت اس درجہ خراب تھی کہ کسی کے بدن  
پر کوئی کپڑا ثابت نہ تھا، برہمن، برہمن، پا، کھال میں بدن سے بندھی ہوئی، تواریں گلوں میں پڑی ہوئیں، ان کی  
یہ حالت دیکھ کر آپ بے حد متأثر ہوئے، چجزہ مبارک کارنگ بدلت گیا، اضطراب میں آپ اندر گئے باہر آئے،  
پھر حضرت بلاں رضی اللہ عنہ کو اذان دینے کا حکم دیا، نماز کے بعد آپ نے خطبہ دیا اور تمام مسلمانوں کو ان کی امداد و  
اعانت کے لئے آمادہ کیا۔ \*

### دشمنان جان سے عفو و درگزرن

جانی دشمنوں اور قاتلانہ حملہ آوروں سے عفو و درگزرن کا واقعہ تین بیرونیں کے صحیح اخلاق کے سوا اور کہاں مل  
سکتا ہے، جس شب کو آپ نے بھرت فرمائی ہے، کفار قریش کے زدیک یہ طے شدہ تھا کہ صلح کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سرقلم  
کر دیا جائے، اس لیے دشمنوں کا ایک دستہ رات بھر خاتہ نبوی کا محاصرہ کئے کھڑا رہا اگرچہ اس وقت ان دشمنوں  
سے انقام لینے کی آپ میں ظاہری قوت نہ تھی، لیکن ایک وقت آیا جب ان میں سے ایک ایک شخص کی گروں

\* ابو داود، کتاب زکوٰۃ: ۱۵۸۴؛ بخاری، کتاب الزکوٰۃ: ۱۳۹۵؛ مسلم: ۱۲۱۔ لیکن یہاں اغیانہ ہم کے الفاظ  
ہیں۔

\*\* یا واقعی صحیح بخاری وغیرہ میں بھی ہے لیکن یہاں سنن نسائی، کتاب الجنائز، باب الصلوٰۃ علی الجنائز، باللیل:  
۱۹۷۱ سے لیا گیا ہے۔ \*\*\* صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب الحث علی الصدقۃ: ۲۳۵۱، ۲۳۵۲۔

سلام کی توارکے نیچے تھی اور اس کی جان صرف آنحضرت ﷺ کے رحم و کرم پر موقوف تھی، لیکن ہر شخص کو معلوم ہے کہ ان میں سے کوئی شخص اس جرم میں کبھی مقتول نہیں ہوا۔

بھرت کے دن قریش نے آنحضرت ﷺ کے سرکی قیمت مقرر کی تھی، اور اعلان کیا تھا کہ جو محمد (ﷺ) کا سر لائے گایا زندہ گرفتار کرے گا اس کو سوانح العام میں دیے جائیں گے، سراحت بن جعفر پبلے شخص تھے جو اس نیت سے اپنے صبار فار گھوڑے پر سوار، ہاتھ میں نیزہ لئے ہوئے آپ ﷺ کے قریب پہنچے، آخر دو تین دفعہ کر شہد اعجاز دیکھ کر اپنی نیت بدستے تو بہ کی اور خواہش کی کہ مجھ کو سندامان لکھ دیجیے، چنانچہ سندامان لکھ کر ان کو دی گئی۔ اس کے آٹھ برس کے بعد فتح مد کے موقع پر وہ حلقہ اسلام میں داخل ہوئے اور اس جرم کے متعلق ایک حرف سوال بھی درمیان میں نہیں آیا۔ \*

عمیر بن وہب آنحضرت ﷺ کا ساخت دشمن تھا، مقتولین بدر کے انتقام کے لئے جب سارا قریش بیتاب تھا، تو صفوان بن امیہ نے اس کو بیش قرار انعام کے وعدہ پر مدینہ بھیجا تھا کہ چکے سے جا کر نعوذ بالله آنحضرت ﷺ کا کام تمام کر دے، عمیر اپنی توارز ہر میں بھا کر مدینہ آیا، لیکن وہاں پہنچنے کے ساتھ اس کے تیور دیکھ کر لوگوں نے پہچان لیا، حضرت عمر بن الخطاب نے اس کے ساتھ تھی کرنی چاہی، لیکن آپ نے منع فرمایا اور اپنے قریب بھا کر اس سے باقی کیں اور اصلی راز ظاہر کر دیا، یہ کون کروہ سنائے میں آ گیا، لیکن آپ نے اس سے کوئی تعزیز نہیں فرمایا۔ یہ دیکھ کر وہ اسلام لایا اور مکہ میں جا کر دعوت اسلام پھیلائی یہ واقعہ ۳ ہے کہ۔ \*

ایک دفعہ آپ ایک غزوہ سے واپس آ رہے تھے، راہ میں ایک میدان آیا، دھوپ تیز تھی، لوگوں نے درختوں کے نیچے بستر لگادیے، آنحضرت ﷺ نے بھی ایک درخت کے نیچے آ رام فرمایا اور توار درخت کی شاخ سے لٹکا دی کفار موقع کے منتظر ہتے تھے۔ لوگوں کو غافل دیکھ کر ناگاہ ایک طرف سے ایک بد نے آ کر بے خبری میں تکوار اتاری، دفعہ آپ بیدار ہوئے، تو دیکھا ایک شخص سرہانے کھڑا ہے، اور نگنی توار اس کے ہاتھ میں ہے، آپ کو بیدار دیکھ کر بولا: کیوں محمد (ﷺ)! اب بتاؤ تم کو اس وقت مجھ سے کون بچا سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ“ یہ پرا شر آوازن کر اس نے تکوار نیام میں کر لی، اتنے میں صحابہ رضی اللہ عنہیں آ گئے، آپ نے ان سے واقعہ دہرایا، اور بدو سے کسی قسم کا تعریض نہیں فرمایا۔ \*

ایک دفعہ ایک اور شخص نے آپ کے قتل کا ارادہ کیا، صحابہ رضی اللہ عنہیں اس کو گرفتار کر کے آنحضرت ﷺ کے سامنے لائے، وہ آپ کو دیکھ کر ڈر گیا، آپ نے اس کو مناطب کر کے فرمایا: ”ذر وہیں، اگر تم مجھ کو قتل کرنا

۱ صاحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب هجرة النبي ﷺ: ۳۹۰۶۔

۲ سراحت بن مالک بن جعفر مدلجمی کا حال استیباب، ج ۲، ص: ۵۹۷، ج ۲، ص: ۱۹؛ وغیرہ میں دیکھو۔

۳ تاریخ طبری، ج ۲، ص: ۱۳۵۴ تا ۱۳۵۲ بروایت عروہ بن زیبر۔

۴ صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب تفرق الناس عن الامام عند القائلة: ۴۱۳۵، ۲۹۱۳۔

چاہتے تھے تو نہیں کر سکتے تھے۔<sup>❶</sup>

صلح حدیبیہ کے زمانہ میں ایک دفعہ اس آدمیوں کا ایک دستہ منداہ ہیرے جمل تعمیم سے اتر کر آیا، اور چپ کر آنحضرت ﷺ کو قتل کرنا چاہا، اتفاق سے وہ لوگ گرفتار ہو گئے، لیکن آنحضرت ﷺ نے ان کو چھوڑ دیا اور کچھ تعریض نہیں کیا، قرآن مجید کی یہ آیت اسی واقعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيهِمْ عَنْهُمْ وَأَيْدِيْكُمْ عَنْهُمْ﴾ (٤٨ / الفتح: ٢٤)

”اسی خدائے ان کے ہاتھ میں سے اور تمہارے ہاتھوں سے روک لے۔“

نیبیر میں ایک یہودیہ نے آنحضرت ﷺ کو لکھانے میں زبردیا، آپ نے کھانا کھایا تو زہر کا اثر محسوس کیا، آپ نے یہودیوں کو بلا کر دریافت کیا تو انہوں نے اقرار کیا، لیکن آپ نے کسی سے کچھ تعریض نہیں فرمایا، لیکن اسی زہر کے اثر سے جب ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے انتقال کیا تو آپ نے صرف اس یہودیہ کو قصاص کی سزا دی (حالانکہ خدا آنحضرت ﷺ کو زہر کا اثر مرتبہ دمتک محسوس ہوتا رہتا تھا)۔<sup>❷</sup>

### دشمنوں کے حق میں دعائے خیر

دشمنوں کے حق میں بد دعا کرنا انسان کی فطری عادت ہے لیکن پیغمبروں کا مرتبہ عام انسانی سُجّع سے بد رجہ بالند ہوتا ہے، جو لوگ ان کو گالیاں دیتے ہیں، وہ ان کے حق میں دعائے خیر کرتے ہیں، اور جو ان کے قذف خون ہوتے ہیں، وہ ان کو پیار کرتے ہیں، بھرت سے قبل مکہ میں مسلمانوں پر اور خدا آنحضرت ﷺ پر جو قبیم مظالم ہورہے تھے، اس داستان کے دھرانے کے لئے بھی عسگری درکار ہے، اسی زمانہ میں خباب بن ارشت رضی اللہ عنہ ایک صحابی نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ادشمنوں کے حق میں بد دعا فرمائیے۔ یہ سن کر چہرہ مبارک سرخ ہو گیا۔<sup>❸</sup> ایک دفعہ چند صاحبوں نے مل کر اسی قسم کی بات کہی تو فرمایا: ”میں دنیا کے لئے لعنت نہیں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔“<sup>❹</sup>

وہ قریش جنہوں نے تین سو تک آپ ﷺ کو محصور کھا اور جو آپ کے پاس غلہ کے ایک دانہ کے پیچنے کے روادار نہ تھے، ان کی شرارتوں کی پاداش میں دعائے نبوی کی استجابت نے ابر رحمت کا سامیاں کے سر سے اٹھا لیا اور مکہ میں اس قدر رخت قحط پر اک لوگ ہڈی اور مدار کھانے لگے، ابوسفیان نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ محمد (ﷺ) تمہاری قوم ہلاک ہو رہی ہے، خدا سے دعا کرو کہ یہ مصیبت دور ہو آپ نے بلا عذر فوراً دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور خدائے اس مصیبت سے ان کو نجات دی۔<sup>❺</sup>

جنگ احمد میں دشمنوں نے آپ پر پتھر پھینکئے، تیر بر سائے تواریں چلا کیں، دندان مبارک کو شہید کیا،

<sup>❶</sup> مسند احمد، ج ۳، ص: ۴۷۱۔ <sup>❷</sup> جامع ترمذی، ابواب التفسیر، باب ومن سورة الفتح: ۳۲۶۴۔

<sup>❸</sup> صحيح بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ ووفاته، ۴۴۲۳۔ ۵۷۷۷۔

<sup>❹</sup> صحيح بخاری، کتاب مذاقب الانصار، باب مالقی النبی ﷺ: ۳۸۵۲۔ <sup>❺</sup> صحيح مسلم، کتاب البر والصلة، باب النهي عن لعن الدواب۔ الخ: ۶۶۱۳۔ <sup>❻</sup> صحيح بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورہ دخان: ۴۸۲۴۔

جیں اقدس کو خون آلوہ کیا، لیکن ان حملوں کا وار آپ ﷺ نے جس پر پروکا، وہ صرف یہ دعا تھی:  
 ((اللَّهُمَّ اهْدِ قَوْمًا فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ)) \*  
 ”خدا یا! ان کو معاف کرنا کہ یہ نادان ہیں۔“

وہ طائف جس نے دعوت اسلام کا جواب استہزا اور تمثیر سے دیا تھا، وہ طائف جس نے داعی اسلام کو اپنی پناہ میں لینے سے انکار کر دیا تھا، وہ طائف جس نے پائے مبارک کو بولہاں کیا تھا، ان کی نسبت فرقہ غیب پوچھتا ہے کہ حکم ہوتواں پر پیار اٹ دیا جائے، جواب ملتا ہے کہ ”شاید ان کی نسل سے کوئی خدا کا پرستار پیدا ہو۔“ \* وہ بارہ برس کے بعد یہی طائف اسلام کی دعوت کا جواب تیر و ٹفتگ (منجیق) سے دیتا ہے، جان شاروں کی لاشون پر لاشیں گر رہی ہیں، صحابہ رضی اللہ عنہم عرض کرتے ہیں: کہ یا رسول اللہ ﷺ! ان کے حق میں بد دعا کیجئے۔ آپ ﷺ دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں، لوگ سمجھتے ہیں کہ حضور ان کے حق میں بد دعا فرمائیں گے لیکن زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلتے ہیں: ”خداوند! اثقین (اہل طائف) کو اسلام نصیب کر اور دوستانہ ان کو مدینہ لاء۔“ \* وہ تیر جو میدان جنگ میں نشانہ پر نہیں لگے تھے، وہ مدینہ کے گھن مسجد میں، زبان مبارک سے نکل کر ٹھیک اپنے ہدف پر پہنچے، یعنی وہ مدینہ آ کر خاص مسجد نبوی میں بیٹھ کر، جہاں وہ مہماں ٹھہرائے گئے، تھے مسلمان ہوئے۔ \*

دوں کا قبیلہ بیکن میں رہتا تھا، طفیل بن عمرو دو سوی خلیفہ اس قبیلہ کے نیس تھے۔ وہ قدیم اسلام تھے مدت تک وہ اپنے قبیلہ کو اسلام کی دعوت دیتے رہے، لیکن وہ اپنے کفر پر اڑا رہا، ناچار وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اپنے قبیلہ کی حالت عرض کر کے گزارش کی کہ ان کے حق میں بد دعا فرمائیے، لوگوں نے یہ سناتے کہا کہ اب دوں کی بر بادی میں کوئی شک نہیں رہا، لیکن رحمت عالم ﷺ نے جن الفاظ میں یہ دعا فرمائی وہ یہ تھے:  
 ((اللَّهُمَّ اهْدِ دُوْسًا وَأَنْتَ بِهِمْ))      ”خداوند! دوں کو ہدایت کر، اور ان کو لا۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ماں مشرک تھیں، اپنی ماں کو وہ جس قدر اسلام کی تبلیغ کرتے تھے، وہ ابا کرتی تھیں، اور ایک دن انہوں نے اسلام کی دعوت دی، تو ان کی ماں نے آنحضرت ﷺ کی شان میں گستاخی کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اس قدر صدمہ ہوا کہ وہ رونے لگے، اور اسی حالت میں آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور واقع عرض کیا آپ ﷺ نے دعا کی: ”اہل ابو ہریرہ کی ماں کو ہدایت نصیب کر۔“ وہ خوش خوش گھر واپس آئے تو دیکھا کو اڑ بند ہیں اور ماں نہارہی ہیں، نسل سے فارغ ہو کر کو اڑ کھولے اور کلمہ پڑھا۔ \*

- \* صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة احمد: ۳۲۲۱، مع فتح الباری، ج ۷، ص: ۲۸۶، شعب الایمان بیہقی، ۴۸۴ / ۳۔ \* زرقانی، ج ۱، ص: ۳۴۶ بروایت بخاری و مسلم۔
- \* ابن سعد غزوة طائف، جزء ثانی، قسم اول، ص: ۱۱۵۔ \* زاد المعاد، ج ۲، ص: ۲۵۔
- \* صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، من فضائل غفار و اسلم: ۶۴۵۰۔
- \* صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل ابی هریرة: ۶۳۹۶۔

عبداللہ بن ابی بن سلوک وہ شخص تھا جو عمر بھر منافق رہا اور کوئی موقع اس نے آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف خفیہ ساز شوں اور اعلانیے استھناف و اہانت کا تھا سے جانے نہ دیا، کفار قریش کے ساتھ اس کی خفیہ خط و کتابت تھی، غزوہ احمد میں عین موقع پر اپنے ہمراہ یوں کے ساتھ مسلمانوں کی فوج سے الگ ہو گیا، واقعہ اُنک میں حضرت عائشہؓ نے پہنچا پر الزام لگانے والوں میں وہ سب سے آگئے تھا، لیکن باسیں ہمہ اس کی فرد جرم کو رحمت عالم کا حلم عن توہینہ دھوتا رہا، وہ مر اتو آپ ﷺ نے اس کی مغفرت کی نماز پڑھی، اس پر حضرت عمرؓ نے کہا: "یار رسول اللہ! آپ اس کے جنازہ کی نماز پڑھتے ہیں، حالانکہ اس نے یہ کہا اور یہ کہا اور یہ کہا، آپ ﷺ یہ سن کر متباہم ہوئے اور فرمایا: "ہٹوائے عمر۔" جب زیادہ اصرار کیا تو فرمایا: "اگر مجھے اختیار دیا جاتا تو معلوم ہوتا کہ اگر ستر دفعہ میں نماز پڑھوں تو اس کی بخشش ہو سکتی ہے، تو میں اس سے بھی زیادہ پڑھتا۔" \*

### بچوں پر شفقت

بچوں پر نہایت شفقت فرماتے تھے، معمول تھا کہ سفر سے تشریف لاتے تو راہ میں جو بچے ملتے ان میں سے کسی کسی کو اپنے ساتھ سواری پر آگے پیچھے بھاتے \* (راتے میں بچل جاتے تو ان کو خود سلام کرتے)۔ \*

ایک دن خالد بن سعیدؓ خدمتِ اقدس میں آئے ان کی چھوٹی لڑکی بھی ساتھ تھی، اور سرخ رنگ کا کرہ بدن پر تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: (سنہ سنہ) جبشی زبان میں حسنہ کرنے کہتے ہیں، چونکہ ان کی پیدائش جبش میں ہوئی تھی، اس لئے آپ ﷺ نے اس مناسبت سے جبشی تلفظ میں حسنہ کے بجائے سنہ کہا، آنحضرت ﷺ کی پشت پر جو هر بنت تھی، ابھری ہوئی تھی، بچوں کی عادت ہوتی ہے، غیر معمولی چیز نظر آئے تو اس سے کھلنے لگتے ہیں، وہ بھی مہربنوت سے کھلنے لگیں، خالد نے ڈانیا، آنحضرت ﷺ نے روکا کہ کھلنے دو۔ \*

ایک دفعہ آپ ﷺ کے پاس کہیں سے کپڑے آئے جن میں ایک سیاہ چادر بھی تھی، جن میں دونوں طرف آنچل تھے، آپ ﷺ نے حاضرین سے کہا: "یہ چادر کس کو دوں۔" لوگ چپ رہے، آپ ﷺ نے فرمایا: "ام خالد کو لاو۔" \* وہ آئیں تو آپ ﷺ نے ان کو پہنایا اور دو دفعہ فرمایا: "پہننا اور پرانی کرنا۔" چادر میں جبوٹے تھے آپ ان کو دکھا کھا کے فرماتے تھے: "ام خالد دیکھنا یہ سنہ ہے یہ سنہ ہے۔" \* اور پر گزر چکا ہے کہ امام خالد جبش میں پیدا ہوئی تھیں، اور کئی سال تک وہیں رہی تھیں اس لیے ان سے جبشی زبان میں خطاب کیا۔

\* صحيح بخاری، کتاب الجنائز، باب ما یکره من الصلوة على المنافقين: ۱۳۶۶۔

2 مسلم، کتاب فضائل الصحابة: ۶۲۶۸۔ 2 ابو داود، کتاب الادب، باب فی السلام علی الصبيان:

۵۲۰۳۔ 3 بخاری، کتاب الادب، باب من ترك صبية غيره: ۵۹۹۳۔

4 بخاری میں ہے کہ وہ اس قدر چھوٹی تھیں کہ لوگ ان کو گوہیں اٹھا کر لائے۔

5 صحيح بخاری، کتاب اللباس، باب الخميصة التسوداء: ۵۸۴۵، ۵۸۲۳۔ 6 جبشی میں حسن کہتے ہیں۔ (ایک روایت میں سنہ: ۵۸۲۳۔ ایک روایت میں تلفظ سنہ: ۵۸۴۵۔ اور ایک روایت میں تلفظ سنہ: ۵۹۱۳ ہے۔)

ایک صحابیؓ کا بیان ہے کہ بچپن میں انصار کے نگرانی میں چلا جاتا اور ڈھیلوں سے مار کر بھجو ریں گرتا، لوگ مجھ کو خدمتِ اقدس میں لے گئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ”ڈھیلے کیوں مارتے ہو؟“ میں نے کہا: بھجو ریں کھانے کے لئے ارشاد فرمایا: ”بھجو ریں جوز میں پٹکتی ہیں ان کو اٹھا کر کھالیا کرو، ڈھیلے نہ مارو۔“ کہہ کر میرے سر پر باخھ پھیر اور دعا دی۔ \*

ماں بچے کی محبت کے واقعات سے آپ ﷺ پر سخت اثر ہوتا تھا، ایک دفعہ ایک نہایت غریب عورت حضرت عائشہؓ کے پاس آئی، وہ چھوٹی چھوٹی لڑکیاں بھی ساتھ تھیں، اس وقت حضرت عائشہؓ بچپن کے پاس پکھنے تھا، ایک بھجو زمین پر پڑی ہوئی تھی وہی اٹھا کر دے دی، عورت نے بھجو کے دلکشے کئے اور دونوں میں برادر تسلیم کر دیا، آنحضرت ﷺ باہر سے تشریف لائے تو حضرت عائشہؓ بچپن کے پیارے اقمعہ مسلمانیا، ارشاد دہوا کہ ”جس کو خدا اولاد کی محبت میں ڈالے اور وہ ان کا حق بجالائے وہ دوزخ سے محفوظ رہے گا۔“ \* حضرت انسؓ فرمائے کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ فرماتے تھے: ”میں نماز شروع کرتا ہوں اور ارادہ ہوتا ہے کہ دیر میں ختم کروں گا، دعائنا صاف سے کسی بچے کے رونے کی آواز آتی ہے اور محض کرو دیتا ہوں کہ اس کی ماں کو تکلیف ہوتی ہوگی۔“ \*

یہ محبت اور شفقتِ مسلمان بچوں تک محدود نہ تھی بلکہ مشرکین کے بچوں پر بھی اسی طرح الطاف فرماتے تھے، ایک دفعہ ایک غزوہ میں چند بچے بھپٹ میں آ کر مارے گئے، آپ کو خبر ہوئی تو نہایت آزارہ ہوئے، ایک صاحب نے کہا: یا رسول اللہ! مشرکین کے بچے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”مشرکین کے بچے بھی تم سے بہتر ہیں، خبردار! بچوں کو قتل نہ کرو، خبردار، بچوں کو قتل نہ کرو، ہر جان خدا ہی کی فطرت پر پیدا ہوتی ہے۔“ \*

معمول تھا کہ جب فصل کا نیامیوہ کوئی خدمتِ اقدس میں پیش کرتا، تو حاضرین میں جو سب سے زیادہ کم عمر بچہ ہوتا اس کو عنایت فرماتے۔ \* بچوں کو چوتھے اور ان کو پیار کرتے تھے، ایک دفعہ آپ ﷺ اسی طرح بچوں کو پیار کر رہے تھے لایک بدی آیا، اس نے کہا: تم لوگ بچوں کو پیار کرتے ہو، میرے دل بچے میں گраб تک میں نے کسی کو پیار نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ اگر تمہارے دل سے محبت کو چھین لے تو میں کیا کروں۔“ \*

جابر بن سمرہؓ صحابی تھے، وہ اپنے بچپن کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے آنحضرت ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی، نماز سے فارغ ہو کر آپ اپنے گھر کی طرف چلے میں بھی ساتھ ہو لیا کہ

\* ابو داود، کتابِ الجهاد، باب من قال إنه يأكل مما استقط: ۲۶۲۲۔ \* بخاری، کتابِ الادب، باب رحمة الولد، وتقبيله ومعانقته: ۵۹۹۵۔ \* بخاری، کتابِ الاذان، باب من اخف الصلاة عند بقاء الصبي: ۷۱۰، ۷۰۹۔ \* مسند احمد، ج ۳، ص: ۴۳۵۔ \* معجم صغیر طبرانی، باب المیم معجم محمد، ص: ۱۶۳۔ \* صحيح بخاری، کتابِ الادب، باب رحمة الولد وتقبيله ومعانقته: ۵۹۹۸ و مسلم کتاب الفضائل، باب رحمة الصبيان: ۶۰۲۷، ۶۰۲۸۔

ادھر سے چند لڑکے نکل آئے، آپ ﷺ نے سب کو پیار کیا اور مجھے بھی پیار کیا۔ ❸ ہجرت کے موقع پر جب مذینہ میں آپ کا داخلہ ہوا تھا، انصار کی چھوٹی لڑکیاں خوشی سے دروازوں سے نکل کر گیت گا رہی تھیں، جب آپ کا ادھر گزر ہوا، فرمایا: ”اے لڑکیو! تم مجھے پیار کرتی ہوں۔“ سب نے کہا: ہاں یا رسول اللہ ﷺ افرمایا: ”میں بھی تمہیں پیار کرتا ہوں۔“ ❹

حضرت عائشہؓ کسی میں بیاہ کر آئی تھیں، مخلدہ کی لڑکیوں کے ساتھ وہ کھیلا کرتی تھیں، آپ جب گھر میں تشریف لاتے تو لڑکیاں آپ کا لحاظ کر کے ادھر ادھر چھپ جاتیں، آپ تکین دیتے اور کھلنے کو کہتے۔ ❻

### غلاموں پر شفقت

آنحضرت ﷺ نلاموں پر خصوصیت کے ساتھ شفقت فرماتے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ ”یہ تمہارے بھائی ہیں جو خود کھاتے ہو وہ ان کو کھلاؤ اور جو خود پہنچتے ہو وہ ان کو پہناؤ۔“ ❸ آنحضرت ﷺ کی ملکیت میں جو غلام آتے، ان کو آپ ہمیشہ آزاد فرمادیتے تھے لیکن وہ حضور کے احسان و کرم کی زنجیر سے آزاد ہیں ہو سکتے تھے ماں، باپ، قبیلہ، رشتہ کو چھوڑ کر عمر بھر آپ کی غلامی کو شرف جانتے تھے، زید بن حارثہؓ غلام تھے، آنحضرت ﷺ نے ان کو آزاد کر دیا، ان کے باپ ان کو لینے آئے لیکن وہ اس آستانہ رحمت پر باپ کے ظل عاطفت کو ترجیح نہ دے سکے اور اپنے جانے سے قطعاً انکار کر دیا، ❹ زید کے بیٹے اسماء سے آپ اس قدر محبت کرتے تھے کہ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے: ”اگر اسماء بیٹی ہوتی تو میں اس کو زیور پہناتا، خود اپنے دست مبارک سے ان کی ناک صاف کرتے تھے۔“ ❺

غلاموں کو لفظ ”غلام“ کا سن کر اپنی نظر میں اپنی آپ ذات محسوس ہوتی تھی۔ آنحضرت ﷺ کو ان کی یہ تکلیف بھی گوارا تھی، فرمایا: ”کوئی ”میر غلام“، ”میری لوگدی“ نہ کہے ”میرا بچہ“، ”میری بیجی“ کہہ اور غلام بھی اپنے آقا کو خداوند نہ کہیں، خداوند خدا ہے، آقا کہیں۔“ ❻ آنحضرت ﷺ کو غلاموں پر شفقت اتنی ملاحظتی کہ مرض الموت میں سب سے آخری یہ وصیت فرمائی کہ ”غلاموں کے معاملہ میں خدا سے ڈرا کرنا۔“ ❾

حضرت ابوذرؓ بہت قدیم الاسلام صحابی تھے، آنحضرت ﷺ ان کی راست گوئی کی مدح فرماتے تھے، ایک دفعہ انہوں نے ایک بھی آزاد غلام کو برا بھلا کہا، غلام نے آنحضرت ﷺ سے جا کر شکایت کی، آپ ﷺ نے ابوذرؓ کو زجر فرمایا کہ ”تم میں اب تک جہالت باقی ہے، یہ غلام تمہارے

❶ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب طبیب رائحة النبی ﷺ: ٦٥٢۔

❷ سیرت جلد اول ہجرت، ص: ۱۸۹ (طبع جدید: ۱۹۹۷ء) اور طبع هذا ۲۰۱۲ء، ج ۱، ص: ۲۰۲۔

❸ ابو داود، کتاب الادب، باب الملع بالبنات: ۴۹۳۱۔ ❹ الادب المفرد، باب لا يكلف العبد من العمل: ۱۹۹۲ء۔ ❺ فتح الباری، ج ۷، ص: ۶۷۹۔ ❻ طبقات ابن سعد، جزاً أول، قسم ثانی، ص: ۴۳۔

❼ الادب المفرد، باب لا يقول عبدی: ۲۰۹، ۲۱۰۔ ❽ ابو داود، کتاب الادب، باب فی حق الملعون: ۵۱۶۔

بھائی ہیں خدا نے تم کو ان پر فضیلت عطا کی ہے، اگر وہ تمہارے مزاج کے موافق نہ ہوں تو ان کو فروخت کر ڈالو، خدا کی مخلوق کو ستیانہ کر دو، جو خود کھا دو وہ ان کو کھلا دو، جو خود پہنچو وہ ان کو پہنچا دو، ان کو اتنا کام نہ دو جو وہ نہ کر سکیں اور اگر اتنا کام دو تو خود بھی ان کی اعانت کر دو۔\*

ایک دفعہ ابو مسعود النصاریؓ نے غلام کو مارہے تھے کہ پیچھے سے آواز آئی ”ابو مسعود اتم کو حس قدر اس غلام پر اختیار ہے، خدا کو اس سے زیادہ تم پر اختیار ہے۔“ ابو مسعودؓ نے مزکر دیکھا تو آنحضرت ﷺ تھے، عرض کی: یا رسول اللہ! میں نے لجہ اللہ اس غلام کو آزاد کیا فرمایا: ”اگر تم ایسا نہ کرتے تو آتشِ وزخ تم کو چولیتی۔“ \*

ایک شخص خدمتِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوا عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! میں غلاموں کا قصورِ کتنی دفعہ معاف کر دو؟ آپ خاموش رہے، اس نے پھر عرض کی، آپ نے پھر خاموشی اختیار کی، اس نے تیسری بار عرض کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہر روز ستر بار معاف کیا کرو۔“ \* آنحضرت ﷺ کے عہد میں ایک خاندان میں سات آدمی تھے اور سات آدمیوں کے بیچ میں ایک ہی لوٹی تھی، ایک دفعہ ان میں سے ایک نے اس لوٹی کو تھپڑا رکھا، آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس کو آزاد کر دو۔“ لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہم سات آدمیوں کے بیچ میں یہی ایک خادم ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اچھا اس وقت تک خدمتِ گزاری کرے جب تک تم اس سے بے نیاز نہ ہو جاؤ، جب حاجت نہ ہے تو آزاد ہے۔“ \*

ایک صاحب کے پاس دو غلام تھے، جن کے وہ بہت شاکی تھے، وہ ان کو مارتے تھے، بر ابھلکتے تھے، لیکن وہ دونوں بازنہ آتے تھے، انہوں نے آ کر آنحضرت ﷺ سے شکایت کی اور اس کا علاج پوچھا، آپ ﷺ نے فرمایا: ”تمہاری سزا اگران کے قصور کے برابر ہو گی تو خیر، ورسا سزا کی جو مقدار ازائد ہو گی اس کے برابر تمہیں بھی خدا سزادے گا۔“ یہ سن کر وہ بیقرار ہو گئے اور گریہ وزاری شروع کی، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”یہ شخص قرآن نہیں پڑھتا، ﴿وَنَصَّعُ الْمُوَارِينَ الْقُسْطَ﴾“ (۲۱/الابیاء: ۴۷) یہ سن کر انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! بہتر یہ ہے کہ میں ان کو اپنے سے جدا کر دوں۔ آپ گواہ رہیں کہ اب وہ آزاد ہیں۔ \* غلاموں کا لوگ بیاہ کر دیتے تھے اور پھر جب چاہتے تھے جبڑا ان میں تفریق کر دیتے تھے، چنانچہ ایک شخص نے اپنی لوٹی سے اپنے غلام کا عقد کر دیا اور پھر دونوں میں علیحدگی کرنی چاہی غلام نے خدمتِ نبوی میں آ کر شکایت کی آپ ﷺ نے منبر پر خطبہ دیا کہ ”لوگ کیوں غلاموں کا نکاح کر کے پھر تفریق کرانا چاہتے ہیں نکاح و طلاق کا حق صرف شوہر کو ہے۔“ \*

\* بخاری، کتاب الایمان، باب المعاصری من امر الجahلیة: ۳۰، ۲۵۴۵ وابوداود، کتاب الادب، باب فی حن المملوک: ۵۱۵۷۔ \* ابوداود، کتاب الادب، باب حق المملوک: ۵۱۵۹۔ \* ایضاً: ۵۱۶۴۔

\* ایضاً: ۵۱۶۷۔ \* مسند احمد، ج ۶، ص: ۲۸۰۔ \* سنن ابن ماجہ، کتاب الطلاق، باب طلاق العبد: ۲۰۸۱۔

اسی رحم و شفقت کا اثر تھا کہ کافروں کے غلام بھاگ کر آنحضرت علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، اور آپ انہیں آزاد فرمادیتے تھے، ﴿ماں نیمت جب قسم ہوتا تو آپ اس میں سے غلاموں کو بھی حصہ دیتے تھے﴾ جو غلام نئے آزاد ہوتے تھے، چونکہ ان کے پاس کوئی مالی سرمایہ نہیں ہوتا تھا اس لیے جو امدی وصول ہوتی تھی اس میں سب سے پہلا آپ انہیں کو عنایت فرماتے تھے۔  
مستورات کے ساتھ برتاوہ

دنیا میں یہ صنف ضعیف (عورتیں) چونکہ بیش ذلیل رہی ہیں، اس لئے کسی نامو؎ شخص کے حالات میں یہ پہلو کبھی پیش نظر نہیں رہا کہ اس مظلوم گروہ کے ساتھ اس کا طریق معاشرت کیا تھا، اسلام دنیا کا سب سے پہلانہ ہب ہے جس نے عورتوں کی حق کی اور عزت و منزلت کے دربار میں ان کو مردوں کے برابر جگہ دی، اس لئے شارع اسلام کے واقعات زندگی میں ہم کو یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ مستورات کے ساتھ ان کا طرز عمل کیا تھا۔ صحیح بخاری میں آنحضرت علیہ السلام کے ایلاء (ازدواج مطہرات سے چند روز علیحدگی) کی جو روایت مذکور ہے اس میں حضرت عمر بن الخطاب کا یہ قول نقل کیا ہے کہ مکہ میں ہم لوگ عورتوں کو بالکل ناقابل الفتن سمجھتے تھے مدینہ میں سبھا عورتوں کی قدر تھی لیکن نہ اس قدر جس کی وہ مستحق تھیں ﴿آنحضرت علیہ السلام نے جس طرح اپنے ارشاد و احکام سے ان کے حقوق قائم کئے۔ آپ کے برتاوہ نے اور زیادہ اس کو قوی اور نمایاں کر دیا۔ ازواج مطہرات کے واقعات مستقل اذکور ہیں۔ یہاں ہم عام واقعات لکھتے ہیں﴾

آنحضرت علیہ السلام کے دربار میں چونکہ ہر وقت مردوں کا جھوم رہتا تھا عورتوں کو وعظ و پند سننے اور مسائل کے دریافت کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ مستورات نے آکر درخواست کی کہ مردوں سے ہم عہدہ برآئیں ہو سکتیں اس لیے ہمارے لیے ایک خاص دن مقرر کر دیا جائے، آنحضرت علیہ السلام نے ان کی درخواست قبول فرمائی، اور ان کے دربار کا ایک خاص دن مقرر ہو گیا۔ ﴿

جن لوگوں نے آغاز اسلام میں جوش کو بھرت کی تھی ان میں اسماء بنت عمیس ؓ بھی تھیں۔ خیر کی فتح کے زمانہ میں مہاجرین جوش مدینہ میں آئے، تو وہ بھی آئیں۔ ایک دن وہ حضرت حصہ ؓ سے ملنے گئیں اتفاق یہ کہ اس وقت حضرت عمر بن الخطابؓ بھی موجود تھے، ان کو دیکھ کر پوچھا: یہ کون ہیں؟ حضرت حصہ ؓ نے نام بتایا، حضرت عمر بن الخطابؓ نے کہا: ”ہاں وہ جوش والی وہ سمندر والی۔“ اسماء بنت عمیس ؓ نے کہا: ہاں وہی۔ حضرت عمر بن الخطابؓ نے کہا: ہم نے تم لوگوں سے پہلے بھرت کی اور اس لیے رسول اللہ علیہ السلام پر ہمارا زیادہ حق

﴿ابوداؤد، کتاب الجهاد، باب فی عبید المشرکین يلحقون بال المسلمين: ۲۷۰، و مسند احمد، ج ۱، ص: ۲۴۳۔﴾

﴿ابوداؤد، کتاب الخراج والاماارة، باب فی قسم الفيء: ۲۹۵۲، ۲۹۵۱۔﴾

﴿صحیح بخاری، کتاب التفسیر تفسیر سورۃ التحریم: ۴۹۱۳۔﴾

﴿صحیح بخاری، کتاب العلم، هل يجعل للنساء يوماً على حدة: ۱۰۱۔﴾

ہے۔ اسماءؓؑ کو خفت غصہ آیا، بولیں: ہرگز نہیں تم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہتے تھے، وہ بھوکوں کو کھلاتے تھے، ہمارا یہ حال تھا کہ گھر سے دور بیگانے جبشیوں میں رہتے تھے لوگ ہم کو ستاتے تھے اور ہر وقت جان کا ذر لگا رہتا تھا۔ یہ بتیں ہو رہی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ آگئے۔ اسماء نے کہا، یا رسول اللہ ﷺ! عمرؓؑ نے یہ کہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم نے کیا جواب دیا۔“ انہوں نے ماجرستایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”عمرؓؑ حق مجھ پر تم سے زیادہ نہیں ہے۔“ عمرؓؑ اور ان کے ساتھیوں نے صرف ایک بھرت کی اور تم لوگوں نے دو بھرتیں کیں۔“ اس واقعہ کا چرچا پھیلا تو مہاجرین جبش جو حق در جو حق اسماءؓؑ کے پاس آتے اور آنحضرت ﷺ کے الفاظ ان سے بار بار دہرو اکرنے۔ حضرت اسماءؓؑ کا بیان ہے کہ مہاجرین جبش کے لیے دنیا میں کوئی چیز آنحضرت ﷺ کے ان الفاظ سے زیادہ تر مسرت انگیز نہ تھی۔ \*

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جو خادم خاص تھے، ان کی خالہ کا نام ام حرام تھا۔ (جو رضاعت کے رشتہ سے آپ ﷺ کی بھی خالہ تھیں) معمول تھا جب آپ قبا تشریف لے جاتے تو ان کے پاس ضرور جاتے وہ اکثر کھانا لا کر پیش کرتیں اور آپ نوش فرماتے۔ آپ سو جاتے تو بالوں میں سے جو میں نکلتیں۔ \*

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ام سلیمؓؑ سے آپ ﷺ کو نہایت محبت تھی، آپ اکثر ان کے گھر تشریف لے جاتے۔ وہ بچھوٹا بچھا دیتیں، آپ آرام فرماتے، جب سو کرائختے تو وہ آپ کا پیسہ ایک شیشی میں جمع کر لیتیں۔ مرتبہ وقت وصیت کی کلفن میں حنوٹ ملایا جائے تو عرق مبارک کے ساتھ ملایا جائے۔ \*

ایک دفعہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی دادی ملیکہ نے آپ ﷺ کی دعوت کی۔ کھانا خود تیار کیا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے کھانا نوش فرما کر فرمایا: ”آؤ میں تم کونماز پڑھاؤں۔“ گھر میں صرف ایک چٹائی تھی اور وہ بھی پرانی ہو کر سیاہ ہو گئی تھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے پہلے اس کو پانی سے دھویا اور پھر نماز کے لیے بچھایا۔ آنحضرت ﷺ نے امامت کی، حضرت انس رضی اللہ عنہ اور ان کی دادی اور پیغمبر (غلام) صف باندھ کر کھڑے ہوئے۔ آپ نے دور کعت نماز ادا کی اور واپس آئے۔ \*

حضرت ابو بکر کی صاحبزادی (اسماءؓؑ) جو حضرت عائشہؓؑ کی علاقی بہن تھیں، حضرت زیر رضی اللہ عنہ سے بیانی تھیں، مدینہ میں آئیں تو اس وقت حضرت زیر رضی اللہ عنہ کی یہ حالت تھی کہ ایک گھوڑے کے سوا اور پچھے نہ تھا، حضرت اسماءؓؑ خود ہی گھوڑے کے لیے جنگل سے گھاس لاتیں اور کھانا پکا تیں، حضرت زیر رضی اللہ عنہ کو

\* صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر، ۴۲۳۱، ۴۲۳۰۔ \* بخاری، کتاب الجہاد، باب الدعاء بالجهاد: ۲۷۸۸، ۲۷۸۹۔ \* بخاری، کتاب الاستذان، باب من زار قوماً فقاتل عندهم: ۶۲۸۱۔ \* بخاری، کتاب الصلوة، باب الصلوة علی الحصیر: ۳۸۰۔

جوز میں آنحضرت ﷺ نے عطا فرمائی تھی اور جو مدینہ سے دو میل پر تھی وہاں سے کھجور کی گھٹلیاں سر پر لاد کر لاتیں، ایک دن وہ گھٹلیاں لیے ہوئے آرہی تھیں کہ آنحضرت ﷺ نے دیکھا، آپ اس وقت اونٹ پر سوار تھے، اونٹ کو بھاوا کر کے وہ سوار ہو لیں۔ حضرت اسماعیلؑ شرما میں۔ آنحضرت ﷺ نے یہ دیکھ کر وہ جواب کرتی ہیں کچھ نہیں فرمایا اور ان کو چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔ حضرت اسماعیلؑ کا بیان ہے کہ اس کے بعد حضرت ابو بکر ؓ نے ایک خادم بھیجا جو گھوڑے کی خدمت کرتا تھا مجھ کو اس قدر رغیمت معلوم ہوا کہ گویا میں غلامی سے آزاد ہو گئی۔ ❶

ایک بار قرابت کی بہت سی بیباں بیٹھی ہوئی آنحضرت ﷺ سے بڑھ کر باتیں کر رہی تھیں، حضرت عمر بن الخطابؓ آئے تو سب اٹھ کر جل دیں آنحضرت ﷺ نہیں پڑے۔ حضرت عمر بن الخطابؓ نے کہا: خدا آپ ﷺ کو خندان رکھے کیوں نہیں؟ فرمایا: ”مجھے ان عورتوں پر تعجب ہوا کہ تمہاری آواز سنتے ہی سب آڑ میں چھپ گئیں۔“ حضرت عمر بن الخطابؓ نے ان کی طرف مخاطب ہو کر کہا: اے اپنی جان کی دشمنو! مجھ سے ڈرتی ہو اور آنحضرت ﷺ سے نہیں ڈرتیں۔ سب نے کہا: تم رسول اللہ ﷺ کی نسبت سخت سزا ہو۔

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ کے گھر میں آپ منہڈ ہانک کر سوئے ہوئے تھے عید کا دن تھا، چھوکریاں گا بجا رہی تھیں، حضرت ابو بکر ؓ آئے تو ان کو دانٹا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”ان کو گانے دو یہاں کی صاحبہ نہیں کو ان کی اس جرأت پر حیرت ہوتی تھی لیکن آپ کسی قسم کی ناگواری نہیں ظاہر فرماتے تھے۔ چونکہ عورتیں عموماً نازک طبع اور ضعیف القلب ہوتی ہیں ان کی خاطرداری کا نہایت خیال رکھتے تھے۔ انجشہ نام ایک جوشی غلام حدی خوان تھے یعنی اونٹ کے آگے حدی پڑھتے جاتے تھے۔ ایک دفعہ سفر میں ازواد مطہرات ساتھ تھیں۔ انجوہ حدی پڑھتے جاتے تھے اونٹ زیادہ تیز چلنے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”انجوہ ادیکھنا شایش (عورتیں) ٹوٹنے پائیں۔“ ❷

### حیوانات پر حرم

حیوانات پر نہایت حرم فرماتے تھے۔ ان بے زبانوں پر جو ظلم مدت سے عرب میں چلے آتے تھے موقوف کر دیے۔ اونٹ کے گلے میں قلاude لکانے کا عام دستور تھا اس کو روک دیا۔ ❸ (زمدہ جانور کے بدن

❶ بخاری، کتاب النکاح، باب الغیرة: ۵۲۴۔ ❷ صحيح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبي ﷺ، باب مناقب عمر ابن الخطاب: ۳۶۸۳۔ ❸ مسلم، کتاب العیدین، باب الرخصة في اللعب: ۲۰۶۳۔

❹ صحيح بخاری، کتاب الادب، باب ماجاء في قول الرجل ويلك: ٦١٦١۔

❺ صحيح مسلم، کتاب اللباس والزينة، باب كراهة فلادة الوتر في رقبة البعير: ٥٥٤٩۔

سے گوشت کا لوچڑا کاٹ لیتے تھے اور اس کو پکا کر کھاتے تھے، اس کو منع کر دیا۔ ۴ جانور کی دم اور ایال کا شے سے بھی منع کیا اور فرمایا کہ ”دم ان کا مورچھل اور ایال ان کا لخاف ہے۔“ ۵ جانوروں کو دیریک ساز میں باندھ کر کھڑا رکھنے کی بھی ممانعت کی اور فرمایا کہ ”جانوروں کی پیٹھوں کو اپنی نشست گاہ اور کرسی نہ بناؤ۔“ ۶ اسی طرح جانوروں کو باہم لڑانا بھی ناجائز بتایا۔ ایک بے رحمی کا دستور یہ تھا کہ کسی جانور کو باندھ کر اس کا نشانہ بناتے تھے اور مشق تیراندازی کرتے تھے اس سندگلی کی بھی قطعاً ممانعت کر دی۔ ۷

ایک دفعہ ایک گدھاراہ میں نظر پڑا جس کا چہرہ داغاً گیا تھا، فرمایا کہ ”جس نے اس کا چہرہ داغا ہے اس پر خدا کی لعنت ہے۔“ ۸ علامت یا بعض دیگر ضرورتوں کی وجہ سے اونتوں اور بکریوں کو داغنا پڑتا تھا ایسی حالت میں آپ ﷺ ان اعضاء کو داغنے جو زیادہ نازک نہیں ہوتے۔ حضرت انس ﷺ کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ بکریوں کے رویوں میں گیا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ بکریوں کے کان داغ رہے ہیں۔ ۹

ایک بار آپ ﷺ کسی سفر میں جا رہے تھے لوگوں نے مقام پر منزل کیا، وہاں ایک پرندہ نے انداد دیا تھا، ایک شخص نے وہ انداد اٹھایا، چیزیا بے قرار ہو کر پرمارہ بھی تھی، آنحضرت ﷺ نے دریافت کیا کہ ”اس کا انداد چھین کر کس نے اس کو اذیت پہنچائی۔“ ان صاحب نے کہا: یا رسول اللہ! مجھ سے یہ حرکت ہوئی ہے آپ ﷺ نے فرمایا: ”جاوہ اور پھول کو وہیں پھر رکھاؤ۔“ ۱۰

ایک صحابی ﷺ خدمتِ القدس میں حاضر ہوئے ان کے باتح میں چادر سے چھپے ہوئے کسی پرندہ کے پچے تھے، آپ نے دریافت فرمایا تو عرض کی کہ ایک جھاڑی سے آواز آرہی تھی، آنحضرت ﷺ نے دیکھا تو پچے تھے میں نے ان کو نکال لیا، پرندہ نے یعنی ان پھول کی ماں نے یہ دیکھا تو وہ میرے سر پر منڈلانے لگی، آپ ﷺ نے فرمایا: ”جاوہ اور پھول کو وہیں پھر رکھاؤ۔“ ۱۱

ایک بار راستے میں ایک اونٹ نظرے گزرا جس کے پیٹ اور پیٹھ شدت گرگئی سے ایک ہو گئے تھے، فرمایا کہ ”ان بے زبانوں کے متعلق خدا سے ڈرو۔“ ۱۲ ایک دفعہ ایک انصاری کے باغ میں آپ تشریف لے گئے، ایک گرسنة اونٹ نظر آیا، آپ کو دیکھ کر بلبلایا، آپ نے شفقت سے اس پر ہاتھ پھیرا، پھر لوگوں سے اس کے مالک کا نام پوچھا، معلوم ہوا کہ ایک انصاری کا ہے۔ ان سے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اس جانور کے

۱۳ ترمذی، ابواب الصید، باب ماجاء ماقطع من الحجی فهو ميت: ۱۴۸۰۔ ۱۴ ابو داود، کتاب الجهاد، باب فی كراهة جز نواصی الخيل وأذابها: ۲۵۴۲۔ ۱۵ ابو داود، کتاب الجهاد، باب فی الوقوف على الدابة: ۲۵۶۷۔ ۱۶ مسلم، کتاب الصید، باب النهي عن ضرب البهائم: ۵۰۷۵ تا ۵۰۶۳۔ ۱۷ مسلم، کتاب اللباس، باب النهي عن ضرب الحيوان في وجهه، ووسمه فيه: ۵۰۵۲۔ ۱۸ مسلم، کتاب اللباس، باب جواز وسم الحيوان... الخ: ۵۵۶۔ ۱۹ الادب المفرد امام بخاری، باب اخذ البيض من الحمرة: ۳۸۲۔

۲۰ ابو داود، کتاب الجنائز، باب الأمراض المكفرة للذنب: ۳۰۸۹۔

۲۱ ابو داود، کتاب الجهاد، باب ما يؤمر به من القيام على الدوآب: ۲۵۴۸۔

معاملہ میں تم خدا سے نہیں ڈرتے۔” \*

### رحمت و محبت عام

حضرور انور علیہ السلام کی ذات پاک تمام دنیا کے لیے رحمت بن کر آئی تھی حضرت مسیح علیہ السلام نے کہا تھا کہ ”میں امن کا شہزادہ ہوں،“ لیکن شہزادہ امن کی اخلاقی حکومت کا ایک کارنامہ بھی اس کے ثبوت میں محفوظ نہیں لیکن امن کے شہنشاہ کو خداوند ازل ہی نے خطاب کیا:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ﴾ (۲۱) / الانبیاء: ۱۰۷﴾

”محمد علیہ السلام! ہم نے تمھے کو تمام دنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔“

تم آنحضرت علیہ السلام کے حلم و غفو، مساحت و درگز رکے سینکڑوں واقعات پڑھ چکے، نظر آیا ہو گا کہ اس خزانہ رحمت میں دوست دشمن، کافر مسلم، بوڑھے، بچے، عورت مرد، آقا و غلام، انسان و حیوان ہر ایک صنف ہستی برابر کی حصہ دار تھی۔ ایک صاحب نے آپ علیہ السلام سے کسی پر بد دعا کرنے کی درخواست کی تو غلبناک ہو کر فرمایا کہ ”میں دنیا میں لعنت کے لیے نہیں آیا ہوں۔“ \* رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں، آپ علیہ السلام نے دنیا کو پیغام دیا:

((لا تبغضوا ولا تحاسدوا ولا تداربوا و كونوا عباد الله اخوانا)) \*

”ایک دوسرے پر بغض و حسد نہ کرو۔ ایک دوسرے سے منہ نہ پھیرو اور اے خدا کے بندو! سب آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔“

ایک اور حدیث میں حکم فرمایا:

((احب للناس ماتحب لنفسك تکن مسلما)) \*

”لوگوں کے لیے وہی چاہو جانے لیے چاہتے ہو تو مسلم بنو گے۔“

حضرت انس علیہ السلام سے مردی ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا:

((لا يؤمن أحدكم حتى يحب للناس ما يحب لنفسه وحتى يحب المرء لا يحبه الا للله عزوجل)) \*

”تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ سب لوگوں کے لیے وہی محبوب نہ رکھے جو اپنے لیے رکھتا ہے اور جب تک وہ دوسرے کو بغرض صرف خدا کے

\* ایضاً - ۲۵۴۹۔ \* صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والأدب، باب النهي عن لعن الدواب وغيرها: ۶۶۱۳ زرقانی، ج ۴، ص: ۲۸۹۔ \* صحیح بخاری، کتاب الادب، باب المھرجۃ: ۶۰۷۶۔

\* جامع ترمذی، ابواب الزهد، باب من اتفق المحارم فهو عبد الناس: ۲۳۰۵ بسنده غریب۔

\* سنند احمد بن حنبل، ج ۲، ص: ۲۷۲۔

لیے پیارہ نہ کرے۔“

ایک شخص نے مسجد نبوی میں آ کر دعا کی: خدا! مجھ کو اور محمد ﷺ کو مغفرت عطا کر۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”خدا کی وسیع رحمت کو تم نے تنگ کر دیا۔“ ❸ ایک اور روایت میں ہے کہ ایک اعرابی مسجد نبوی میں آیا اور آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی، نماز پڑھ کر اپنے اونٹ پر سوار ہوا، اور بولا: خداوند! مجھ پر اور محمد ﷺ پر رحمت بخش، اور ہماری رحمت میں کسی اور کوشش کی نہ کر۔ آپ ﷺ نے صاحبہ ثقہؓ کی طرف خطاب کر کے فرمایا: ”تاویہ زیادہ را بھولا ہوا ہے یا اس کا اونٹ؟“ ❹ یعنی آپ نے اس قسم کی دعا کو ناپندر فرمایا۔

### رقیق القلی

آنحضرت ﷺ نہایت نرم دل اور رقیق القلب تھے مالک بن حوریث ؓ یہ وفد کے رکن بن کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تھے، ان کو بیس دن تک مجلس نبوی میں شرکت کا موقع ملا تھا، وہ فرماتے تھے:

کان رسول اللہ ﷺ رحیماً رفیقاً۔ ❻

”آنحضرت ﷺ رحیم المزاج اور رقیق القلب تھے۔“

حضرت نبی ﷺ کا بچہ مرنے لگا تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کو بلا بھیجا اور قسم دلائی کہ ضرور تشریف لائیے، مجبوراً آپ ﷺ تشریف لے گئے، حضرت سعد بن عبادہ، معاذ بن جبل، ابی بن کعب، زید بن ثابت ﷺ بھی ساتھ تھے۔ بچہ کو لوگ ہاتھ میں لے کر سامنے لائے وہ دم توڑ رہا تھا بے اختیار آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضرت سعد ؓ کو تعجب ہوا کہ یا رسول اللہ ای کیا، فرمایا: ”خدا انہی بندوں پر حرم کرتا ہے جو اوروں پر حرم کرتے ہیں۔“ ❽ غزہؓ احمد کے بعد جب آپ مدینہ میں تشریف لائے تو گھر گھر شہیدوں کا ماتم برپا تھا۔ مستورات اپنے اپنے شہیدوں پر نوحہ کر رہی تھیں۔ یہ دلکھ کر آپ ﷺ کا دل بھرا یا اور فرمایا: ”حزرہ (عمر رسول اللہ ﷺ) کا کوئی نوح خواں نہیں۔“ ❾

ایک بار ایک صحابی ؓ جاہلیت کا اپنا ایک قصہ بیان کر رہے تھے کہ میری ایک چھوٹی لڑکی تھی، عرب میں لڑکوں کے مارڈانے کا کہیں کہیں دستور تھا، میں نے بھی اپنی لڑکی کو زندہ رہیں میں گاڑ دیا، وہ ابا ابا کہہ کر پکار رہی تھی اور میں اس پر مٹی کے ڈھیلے ڈال رہا تھا۔ اس بے درودی کو من کر آنحضرت ﷺ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اس قصہ کو پھر دہراو۔“ ان صحابی ؓ نے اس دردناک ماجرے کو دوبارہ بیان کیا، آپ بے اختیار روئے یہاں تک کہ روئے روئے محاسن مبارک تر ہو گئے۔ ❿

❶ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب رحمة الناس والبهائم: ٦٠١٠۔ ❷ ابو داود کتاب الادب، باب من لیست له غيبة: ٤٨٨٥؛ ثابن یہ دنوں والتفہ ایک ہوں۔ ❸ بخاری، کتاب الادب، باب رحمة الناس والبهائم: ٦٠٠٨۔

❹ صحیح بخاری، کتاب المرضی، باب عيادة الصبيان: ٥٦٥٥۔ ❺ سیرۃ حج، ۱، ذکر احمد بحوالہ مسند احمد، حج، ۲، ص: ٨٤۔ ❻ مسند دارالمری، باب ما كان عليه الناس قبل مبعث النبي ﷺ: رقم الحدیث: (۲)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ بدر میں گرفتار ہو کر آئے تو لوگوں نے ان کے ہاتھ پاؤں بہت جکڑ کر باندھ دیے تھے اور وہ درد سے کراہتے تھے، ان کے کراہنے کی آواز گوش مبارک میں بار بار پتختی رہی تھی لیکن اس خیال سے ان کے ہاتھ نہیں کھولتے تھے کہ لوگ کہیں گے کہ یہ اپنے عزیز کے ساتھ غیر مساویانہ حمدی ہے تاہم نیند نہیں آتی تھی، آپ بے چیلن ہو ہو کر روٹھیں بدل رہے تھے، لوگوں نے بے قراری کا سبب سمجھ کر گریں ڈھیل کر دیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی کرب اور بے چیلن رفع ہوئی تو آپ نے استراحت فرمایا۔

مصعب بن عسیر رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے جو اسلام سے پہلے بہت ناز دعوت میں پڑے تھے، ان کے والدین بیش قیمت سے بیش قیمت لباس ان کو پہنانے تھے خدا نے ان کو اسلام کی توفیق عطا فرمائی اور وہ مسلمان ہو گئے، یہ دلکھ کر لڑکے نے اپنے آبائی مذہب کو ترک کر دیا، والدین کی محبت دفعتہ عداوت میں بدل گئی۔ ایک دفعہ وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت مبارک میں اس حال میں آئے کہ وہ جسم جو حریر و قاقم میں ملبوس رہتا تھا اس پر پیوند سے ایک کپڑا اسلام نہ تھا۔ یہ پراثر منظر دیکھ کر آپ آبدیدہ ہو گئے۔

### عیادت و تعزیت و غم خواری

بیماروں کی عیادت میں دوست شمن، موسوں کافرسی کی تخصیص نہ تھی۔ (سنن نسائی میں ہے کان النبی ﷺ احسن شیء عبادۃ للمریض۔) آنحضرت ﷺ بیمار کی عیادت کا بہت اچھی طرح خیال رکھا کرتے تھے۔ بخاری و ابو داود وغیرہ میں روایت ہے کہ ایک یہودی غلام مرض الموت میں بیمار ہوا تو آپ عیادت کو تشریف لے گئے۔

عبداللہ بن ثابت رضی اللہ عنہ جب بیمار ہوئے اور آپ عیادت کو گئے تو ان پر غشی طاری تھی، آوازوی وہ خبر نہ ہوئے۔ فرمایا: ”افسوں ابوالریج! تم پر ہمارا زور اب نہیں چلتا۔“ یہ سن کر عورتیں بے اختیار چیخ انجیس اور رونے لگیں، لوگوں نے روکا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اس وقت رو نے دو، مر نے کے بعد البتہ رو نا نہیں چاہیے۔“ عبداللہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کی لڑکی نے کہا: مجھ کو ان کی شہادت کی امید تھی کیونکہ جہاد کے سب سامان تیار کر لیے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”ان کو نیت کا ثواب مل چکا۔“

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو اگرچہ ان کا گھر فاصلہ پر تھا، بیادہ پا ان کی عیادت کو جایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ وہ بیمار ہوئے تو آپ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر بیدل ان کی عیادت کو گئے، ان پر غشی طاری تھی، پانی منگلا کروضوکیا اور بچے ہوئے پانی کو ان کے منہ پر چھڑکا۔ جابر رضی اللہ عنہ بوش میں آگئے، اور عرض کی یا رسول اللہ!

\* طبقات ابن سعد، جزء ۴، قسم اول، ص: ۷۔ **2** ترمذی، ابواب صفة القيامة، باب حدیث على فی ذکر مصعب بن عمر: ۲۴۷۶ و مسند ابویعلی: ۲۴۱/۱۔ **3** سنن نسائی، کتاب الجنائز، باب عدد التکبیر علی الجنائز: ۱۹۸۳۔ **4** صحيح بخاری، کتاب المرضی، باب عبادة المشرک: ۵۶۵۷؛ ابو داود، کتاب الجنائز: ۳۰۹۵۔ **5** ابو داود، کتاب الجنائز، باب فی فضل من مات فی الطاعون: ۳۱۱۔ **6** ایضاً، باب المشی فی العيادة: ۳۰۹۶۔

اپنا ترکہ کس کو دوں، اس پر یہ آیت اتری: ﴿يُوْصِيَكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ﴾ (٤/ النساء: ١١) ایک صاحب بیمار ہوئے آپ ﷺ چند رفع ان کی عیادت کو گئے جب انہوں نے انتقال کیا تو لوگوں نے اس خیال سے کہ اندھیری رات ہے آپ کو تکلیف ہو گی، خبر نہ کی اور فون کر دیا، صحیح کو معلوم ہوا تو آپ نے شکایت کی اور قبر پر جا کر نماز جنازہ پڑھی۔

عبداللہ بن عمر و بن عثیمین نے غزوہ أحد میں شہادت پائی تھی اور کافروں نے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے تھے، ان کی لاش آنحضرت ﷺ کے سامنے لا کر رکھی گئی اور اس پر چادر ڈال دی گئی ان کے صاحبزادے (جابر) آئے اور جوش محبت میں چاہا کہ کپڑا اٹھا کر دیکھیں، حاضرین نے روکا انہوں نے دوبارہ ہاتھ بڑھایا، لوگوں نے پھر دک دیا، آنحضرت ﷺ نے ورد پری کے خیال سے حکم دیا کہ چادر اٹھا دی جائے، چادر کا اٹھانا تھا کہ عبد اللہ کی بہن بے اختیار چلا اٹھیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”رونے کی بات نہیں فرشتے ان کو اپنے پروں کے سایہ میں لے گئے۔“

ایک دفعہ حضرت سعد بن عبادہ ؓ بیمار ہوئے آپ عیادت کو تشریف لے گئے، ان کو دیکھ کر آپ پر رقت طاری ہوئی اور آنکھوں سے آنسو نکل آئے آپ کو روتا دیکھ کر سب روپڑے۔

ایک جوشی مسجد میں جھاڑ دیا کرتا تھا، مر گیا تو لوگوں نے آپ کو خبر نہ کی، ایک دن آپ نے اس کا حال دریافت فرمایا، لوگوں نے کہا: وہ انتقال کر گیا ارشاد ہوا: ”تم نے مجھ کو خبر نہ کی۔“ لوگوں نے اس کی تحقیق کی (یعنی وہ اس قابل نہ تھا کہ آپ ﷺ کو اس کے مرنے کی خبر کی جائی) آپ ﷺ نے لوگوں سے اس کی قبر دریافت کی اور جا کر جنازہ کی نماز پڑھی۔

جنازہ جاتا تو آپ ﷺ کھڑے ہو جاتے۔ بخاری میں روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ”جنازہ جاتا ہو تو اس کے ساتھ جاؤ ورنہ کم از کم کھڑے ہو جاؤ اور اس وقت تک کھڑے رہو کہ سامنے سے نکل جائے۔“ اگرچہ آپ ﷺ نہایت رقیق القلب اور متاثر الطبع تھے خصوصاً اعزہ کی وفات کا آپ ﷺ کوخت صدمہ ہوتا تھا تاہم نوح اور ماتم کو نہایت ناپسند فرماتے تھے۔ حضرت جعفر ؓ (حضرت علی ؓ کے بھائی تھے) سے آپ کو نہایت محبت تھی، جب ان کی شہادت کی خبر آئی تو آپ مجلس ماتم میں بیٹھے۔ اسی حالت میں کسی نے

۱) صحيح بخاری، كتاب التفسير، تفسير آيت مذكور: ٤٥٧٧۔ ۲) بخاری، كتاب الجنائز، باب صفوف الصبيان مع الرجال في الجنائز: ١٣٢١۔ ۳) بخاري، كتاب الجنائز، باب الدخول على الميت بعد الموت إذا أدرج في أكفانه: ١٢٤٤۔ ۴) بخاري، كتاب الجنائز، باب البكاء عند المريض: ١٣٠٤۔

۵) بخاري، كتاب الصلوة، باب الصلوة على القبر: ١٣٣٧ میں ابو هریرہ ؓ کی روایت کے اوپر نے شک کیا ہے کہ یہ مرد تھا یا عورت لیکن دوسرا روایتوں میں اس کا عورت ہوتا ہے تحقیق ذکر ہے۔ (ام مجن اس کا نام تھا)۔

۶) بخاري، كتاب الجنائز، باب القيام للجنائز: ١٣٠٧، ١٣٠٨۔

آ کر کہا کہ جعفر کی عورتیں رورہی ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: ”جا کر منع کر دو۔“ وہ گئے اور واپس آ کر کہا کہ میں نے منع کیا لیکن وہ باز نہیں آ تیں، آپ ﷺ نے دوبارہ منع کرا بھیجا، پھر بھی وہ باز نہ آئیں، سہ بارہ منع کرنے پر بھی جب وہ باز نہ آئیں تو فرمایا: ”جا کر ان کے منہ میں خاک ڈال دو۔“

### لطف طبع

بھی کبھی ظرافت کی باتیں فرماتے۔ ایک دفعہ حضرت انس ﷺ کو پکارا تو فرمایا: ”اوہ کان والے۔“ اس میں یہ نہیں بھی تھا کہ حضرت انس ﷺ نہیا بت اطاعت شعار تھے اور ہر وقت آنحضرت ﷺ کے ارشاد پر کان لگائے رکھتے تھے۔ حضرت انس ﷺ کے چھوٹے بھائی کا نام ابو عمیر ﷺ تھا وہ کمن تھے اور ایک مولا پال رکھا تھا، اتفاق سے وہ مر گیا، ابو عمیر ﷺ کو بہت رنج ہوا آپ ﷺ نے ان کو غمزدہ دیکھا تو فرمایا: (ابا عمیر ما فعل التغیر) یعنی ”ابو عمیر تمہارے مولے نے کیا کیا۔“

ایک شخص نے خدمت القدس میں عرض کی کہ مجھ کو کوئی سواری عنایت ہو۔ ارشاد ہوا کہ ”میں تم کو اونٹی کا بچہ دوں گا۔“ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میں اونٹی کا بچہ لے کر کیا کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”کوئی اونٹ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو اونٹی کا بچہ نہ ہو۔“

ایک بڑھیا خدمت القدس میں آئی کہ حضور ﷺ میرے لیے دعا فرمائیں کہ مجھ کو بہشت نصیب ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”بڑھیا، بہشت میں نہ جائیں گی۔“ اس کو بہت صدمہ ہوا اور وہی ہوئی واپس چلی، آپ ﷺ نے صحابہ ﷺ سے فرمایا: ”اسے کہہ دو کہ بڑھیا جنت میں جائیں گی لیکن جوان ہو کر جائیں گی۔“

ایک بدھی صاحبی تھے جن کا نام زاہر ﷺ تھا، وہ دھرات کی چیزیں آپ کی خدمت میں ہدیہ بھیجا کرتے تھے، ایک دفعہ وہ شہر میں آئے، گاؤں سے جو چیزیں لائے تھے ان کو بازار میں فروخت کر رہے تھے، اتفاقاً آپ ادھر سے گزرے، زاہر ﷺ کے پیچھے جاگے ان کو گود میں دبایا، انہوں نے کہا: کون ہے چھوڑ دو، مز کردیکھا تو سرور عالم ﷺ تھے، اپنی پیٹھا اور بھی آنحضرت ﷺ کے سینے سے لپٹا دی، آپ ﷺ نے فرمایا: ”کوئی اس غلام کو خریدتا ہے۔“ وہ بولے کہ یا رسول اللہ ﷺ! مجھ ہی سے غلام کو جو شخص خریدے گا نقصان اٹھائے گا، آپ ﷺ نے فرمایا: ”لیکن خدا کے نزدیک تمہارے دام زیادہ ہیں۔“

ایک شخص نے آ کر شکایت کی کہ میرے بھائی کے شکم میں گرفتی ہے۔ فرمایا: ”شہد پلاو۔“ وہ دوبارہ آئے کہ شہد پلایا لیکن شکایت اب بھی باقی ہے، آپ ﷺ نے پھر شہد پلانے کی ہدایت کی، سہ بارہ آئے پھر وہی جواب ملا، پوچھی دفعہ آئے تو ارشاد فرمایا: ”خدا سچا ہے (قرآن مجید میں ہے کہ شہد میں شفا ہے) لیکن

\* بخاری، کتاب الجنائز، باب من جلس عند المصيبة يعرف فيه العزن: ۱۲۹۹۔

\* شماں ترمذی: ۲۳۴۔ \* صحيح بخاری، کتاب الادب، باب الانبساط الى الناس: ۶۱۲۹۔

\* شماں ترمذی: ۲۳۷۔ \* شماں ترمذی: ۲۳۹۔ \* شماں ترمذی: ۲۳۸۔

تمہارے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے، جا کر شہد پلاؤ۔ اب کی بار پلایا تو شفا ہو گی۔ ۲۰ معدہ میں مادہ فاسد کثرت سے موجود تھا جب پورا ترقیہ ہو گیا تو گرانی جاتی رہی۔ اولاد سے محبت

اولاد سے نہایت محبت تھی، معمول تھا جب بھی سفر فرماتے تو سب سے آخر میں حضرت فاطمہؓ کے پاس جاتے اور سفر سے واپس آتے تو جو شخص سب سے پہلے باریاب خدمت ہوتا وہ بھی حضرت فاطمہؓ ہوتیں۔ ایک دفعہ کی غزہ میں گئے اس اثنی میں حضرت فاطمہؓ نے دونوں صاحبزادوں (حسین بن علیؑ) کے لیے چاندی کے لکنگن بنوانے اور دروازہ پر پردے لٹکائے، آنحضرتؑ نے اپنے تشریف لائے تو خلاف معمول حضرت فاطمہؓ کے گھر نہیں گئے وہ سمجھ گئیں، فوراً پردوں کو چاک کر ڈالا اور صاحبزادوں کے ہاتھ سے لکنگن اتار لیے، صاحبزادے روئے ہوئے خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے، آپؑ نے اپنے تشریف لے کر بازار میں بھیج دیے کہ ان کے بد لے ہاتھی دانت کے لکنگن لا دو۔ ۲۱ حضرت فاطمہؓ جب آپؑ کی خدمت میں تشریف لاتیں تو آپ کھڑے ہو جاتے، ان کی پیشانی چوتے اور اپنی نشست گاہ سے ہٹ کر اپنی جگہ بٹھاتے۔

ابوقادرؓ کا بیان ہے کہ ہم لوگ مسجدِ نبوی میں حاضر تھے کہ دفعۃ رسول اللہؐ امامہ (آنحضرتؑ) کی نواسی تھیں) کو کندھے پر چڑھائے ہوئے تشریف لائے اور اسی حالت میں نماز پڑھائی۔ جب کوع میں جاتے تو ان کو اتار دیتے پھر کھڑے ہوئے تو چڑھائیتے، اسی طرح پوری نماز ادا کی۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے کسی کو اپنے خاندان سے آئی محبت کرتے نہیں دیکھا جس قدر آپؑ کرتے تھے۔ آپؑ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم عوالي میں پروش پاتے تھے جو مذینہ سے تین چار میل ہے ان کے دیکھنے کیلئے مدینہ سے پیادہ پا جاتے، گھر میں دھواں ہوتا رہتا تھا، گھر میں جاتے پچ کوانا کے ہاتھ سے لے لیتے اور منہ چوتے پھر مذینہ کو واپس آتے۔

ایک دفعہ اقرع بن حابس عرب کے ایک رکیس خدمتِ اقدس میں آئے، آپؑ حضرت حسین بن علیؓ کامنہ جوم رہے تھے، عرض کی کہ میرے دس بچے ہیں میں نے بھی کسی کو بوسنیں دیا، ارشاد فرمایا کہ ”جو اوروں پر حنین کرتا اس پر بھی حرم نہیں کیا جاتا۔“ ۲۲ (یعنی خدا اس پر حرم نہیں کرتا) حسین بن علیؓ سے بے انتہا محبت تھی فرماتے تھے: ”یہ میرے گلڈتے ہیں۔“ حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے جاتے تو فرماتے:

- ۱ بخاری، کتاب الطب، باب الدواء بالعمل: ۵۶۸۴۔ ۲ ابو داود، کتاب الترجل، باب فی الانتفاع بالصالح: ۴۲۱۳۔ ۳ ابو داود، کتاب الادب، باب فی القیام: ۵۲۱۷۔ ۴ نسائی، کتاب المساجد، باب ادخال الصبيان فی المساجد: ۷۱۲۔ صحیح بخاری: ۵۱۶ میں بھی یہ حدیث مذکور ہے۔ ۵ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب رحمة الصبيان والعيال: ۶۰۲۶۔ ۶ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب رحمة الصبيان: ۶۰۲۸۔ ۷ ابو داود، کتاب الادب، باب رحمة الولد: ۵۲۱۸۔

”میرے بھوں کولانا۔“ وہ صاحبزادوں کو لاتیں، آپ ﷺ ان کو سوچتے اور سینہ سے لپٹاتے۔ \* ایک دفعہ مسجد میں خطبہ فرمائے تھے، اتفاق سے حسینؑ سرخ کرتے پہنے ہوئے آئے، کمنی کی وجہ سے ہر قدم پر لاکھڑا تے جاتے تھے، آپ ﷺ ضبط نہ کر سکے میرے اتر کر گود میں اٹھایا اور اپنے سامنے بٹھایا، پھر فرمایا: ”خدانے سچ کہا ہے: «إِنَّمَا أَعُوْلَ الْكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ»“، فرمایا کرتے تھے: ”حسین میرا ہے اور میں حسین کا ہوں خدا، اس سے محبت رکھے جو حسین سے محبت رکھتا ہے۔“ \* ایک دفعہ امام حسن یا حسینؑ دو شہزادوں مبارک پر سوار تھے۔ کسی نے کہا: کیا سواری ہاتھ آئی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”اور سوار بھی کیسا ہے۔“ \* ایک دفعہ امام حسن یا حسینؑ (راوی کو تین یادیں رہا) آپ ﷺ کے قدم پر قدم رکھ کر کھڑے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”اوپر چڑھاؤ۔“ انہوں نے آپ کے سینہ پر قدم رکھ دیے، آپ ﷺ نے منہ چوم کر فرمایا: ”اے خدا! میں اس سے محبت رکھتا ہوں تو بھی رکھ۔“ \*

ایک دفعہ آپ ﷺ کہیں دعوت میں جا رہے تھے، امام حسنؑ راہ میں کھیل رہے تھے، آپ ﷺ نے آگے بڑھ کر ہاتھ پھیلایا، وہ بہت ہوئے پاس آ آ کر نکل جاتے تھے، بالآخر آپ نے ان کو پکڑ لیا، ایک ہاتھ ان کی ٹھوڑی پر اور ایک سر پر رکھ کر سینہ سے لپٹالیا، پھر فرمایا: ”حسین میرا ہے اور میں اس کا ہوں۔“ \*

اکثر امام حسنؑ کو گود میں لیتے اور ان کے منہ ڈالتے اور فرماتے: ”خدا یا! میں اس کو چاہتا ہوں اور اس کو بھی چاہتا ہوں جو اس کو چاہے۔“ آپ ﷺ کے داماد (حضرت زینبؓ کے شوہر) جب بدر سے قید ہو کر آئے تو فدیہ کی رقم ادا نہ کر سکے تو گھر کھلا بھیجا، حضرت زینبؓ اپنے گلے کا ہار بھیج دیا، یہ وہ بارہ قا کہ حضرت زینبؓ کے جیزیر میں حضرت خدیجہؓ نے ان کو دیا تھا، آنحضرت ﷺ نے ہار دیکھا تو بے تاب ہو گئے اور آنکھوں سے آنسو نکل آئے پھر صاحبہؓ سے فرمایا: ”اگر تمہاری مرضی ہو تو یہ ہار زینبؓ کو بھیج دو۔“ سب نے بسر و چشم منظور کیا۔ \*

حضرت زینبؓ کی کسن صاحبزادی کا نام امامہ تھا، ان سے آپ ﷺ کو بہت محبت تھی، آپ نماز پڑھتے ہوئے بھی ان کو ساتھ رکھتے، جب آپ نماز پڑھتے تو وہ دو شہزادوں مبارک پر سوار ہو جاتیں، رکوع کے وقت

\* ترمذی، ابواب المناقب: ۳۷۷۲۔ \* ابو داود، کتاب الصلوٰۃ، باب الامام يقطع الخطبة للأمر بحدث: ۱۱۰۹ ترمذی: ۳۷۷۴۔ \* ی تمام روایتیں ترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب الحسین: ۳۷۸۴ میں مذکور ہیں، اخیر حدیث کے ایک راوی کی نسبت ترمذی نے لکھا ہے کہ بعض اہل علم نے اس کو ضعیف الحافظ کہا ہے۔

\* الادب المفرد، باب الانساط الى الناس: ۲۴۹۔

\* الادب المفرد، باب معانقة الصبي: ۳۶۴۔

\* ابو داود، کتاب الجهاد، باب فداء الاسير بالمال: ۲۶۹۲۔

آپ ان کو کاندھے سے اتار دیتے، پھر کھڑے ہوتے تو وہ پھر سوار ہو جاتیں۔ ﴿ رواتوں کے الفاظ سے مفہوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ خود ان کو کاندھوں پر بخالیتے اور اتار دیتے تھے لیکن ان القیم ﷺ نے لکھا ہے کہ یہ عمل کثیر ہے، وہ خود سوار ہو جاتی ہوں گی اور منع نہ فرماتے ہوں گے۔

آپ ﷺ کی ایک نواسی حالتِ زرع میں تھیں، صاحبزادی نے بلا بھیجا، آپ تشریف لے گئے تو لڑکی اسی حالت میں آغوش مبارک میں رکھ دی گئی، آپ نے اس کی حالت دیکھی تو آنکھوں سے آنسو باری ہو گئے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ رحم ہے جس کو خدا نے اپنے بندوں کے دلوں میں ڈال دیا ہے۔“ ﴿

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات میں بھی آپ ﷺ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا تھا: ”آنکھیں آنسو بھاری ہیں دل غمزدہ ہو رہا ہے لیکن منہ سے ہم وہی باتیں کہیں گے جس کو خدا پسند کرتا ہے۔“ ﴿ لیکن یہ محبت صرف اپنے ہی آل و اولاد تک کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ عموماً پھوپھوں سے آپ ﷺ کو اُس تھا۔

﴿ بخاری، کتاب الصلوٰة، باب اذا حمل جارية صفيرة على عنقه: ۵۱۶﴾

﴿ بخاری، کتاب المرضی، باب عبادة الصبيان: ۵۶۵﴾

﴿ بخاری، کتاب الجنائز، باب قول النبي ﷺ انا بک لمحزونون: ۱۳۰۳﴾

## ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہم

### حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا

مسلم نسب یہ ہے، خدیجہ بنت خویلہ بن اسد بن عبد العزیز بن قصی پر پہنچ کر ان کا خاندان رسول اللہ ﷺ کے خاندان سے مل جاتا ہے، آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے وہ طاہرہ کے لقب سے مشہور تھیں۔ ان کی والدہ فاطمہ بنت زائد تھیں، ان کے والد اپنے قبیلہ میں متاز تھے، مکہ میں آنحضرت اختیار کی اور بنو عبد الدار کے حلیف بنے، ۲۰ عامر بن لوی کے خاندان میں فاطمہ بنت زائد سے نکاح کیا، ان کے بطن سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں، ان کی پہلی شادی ابوالله بن زرارہ تھی سے ہوئی، ان سے دوڑ کے پیدا ہوئے ایک کا نام ہند تھا ۲۱ اور دوسرے کا حارث۔ ابوالله کے انتقال کے بعد عقیق بن عایذ مخزوی کے عقد نکاح میں آئیں، ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی، اس کا نام بھی ہند تھا، اسی بنا پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نام ہند کے نام سے پکاری جاتی تھیں، ہند نے اول اسلام قبول کیا۔ آنحضرت ﷺ کا مفصل حلیہ انہی کی روایت سے منقول ہے۔ نہایت فصح و بلاغ تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ جمل میں شریک تھے اور شہید ہوئے۔ ۲۲

عقیق کے انتقال کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے عقد نکاح میں آئیں، جس کے مفصل حالات گزار پکے۔ آنحضرت ﷺ سے چھ اوپا دیں ہوئیں اور دوسرا جزادے کے دونوں بھپن میں انتقال کر گئے اور چار صاحبزادیاں حضرت فاطمہ زہرا، حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہم۔ ان سب کے حالات آگے آئیں گے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ایک بہن ہالہ تھیں، وہ اسلام لا میں اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد تک زندہ رہیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت ﷺ کو بے انتہا محبت تھی، وہ جب عقد نکاح میں آئیں تو ان کی عمر چالیس سال کی تھی اور آنحضرت ﷺ کی پیس سال کے تھے، نکاح کے بعد وہ پھیس برس تک زندہ رہیں ان کی زندگی تک آنحضرت ﷺ نے دوسری شادی نہیں کی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد آپ کا معمول تھا کہ جب کبھی گھر میں کوئی جانور دن ہوتا، تو آپ ڈھونڈ ڈھونڈ کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ہم نشین عورتوں کے پاس گوشت بھجواتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: کہ گوئی نے خدیجہ رضی اللہ عنہا کو نہیں دیکھا لیکن مجھ کو جس قدر ان پر رشک آتا تھا کسی اور پر نہیں آتا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ ہمیشہ ان کا ذکر کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ میں نے اس پر آپ ﷺ کو نجیدہ کیا لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”خدانے مجھ کو ان کی محبت دی ہے۔“ ۲۳

۱ طبقات ابن سعد، ذکر خدیجۃ، کتاب النساء، ج ۸، ص ۸۔ ۲ اضافہ ذکر ہند، ج ۳، ص ۶۱۱۔ ۳ صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب تزویج النبی ﷺ خدیجۃ وفضلها: ۳۸۱۸۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب فضائل خدیجۃ: ۶۲۸۱، ۶۲۸۷۔

ایک دفعہ ان کے انتقال کے بعد ان کی بہن ہالہ آنحضرت ﷺ سے ملنے آئیں اور استیدز ان کے قaudہ سے اندر آنے کی اجازت مانگی، ان کی آواز حضرت خدیجہ ؓ نبی ﷺ سے ملتی تھی، آپ کے کافوں میں آواز پڑی تو حضرت خدیجہ ؓ نبی ﷺ یاد آگئیں اور آپ ﷺ بے جھک اٹھے اور فرمایا کہ ”ہالہ ہوں گی۔“ حضرت عائشہ ؓ نبی ﷺ بھی موجود تھیں، ان کو نہایت رشک ہوا بولیں کہ آپ کیا ایک بڑھیا کو یاد کرتے ہیں جو مرچکیں اور خدا نے ان سے اچھی بیویاں دیں۔ **صحیح بخاری** میں یہ روایت یہیں تک ہے لیکن استیعاب میں ہے کہ جواب میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”ہرگز نہیں جب لوگوں نے میری تکذیب کی تو انہوں نے تصدیق کی، جب لوگ کافر تھے، تو وہ اسلام لا کیں، جب میرا کوئی معین نہ تھا تو انہوں نے میری مدد کی۔“  **صحیح مسلم**

### حضرت سودہ ؓ نبی ﷺ بنت زمعہ

ازدواج مطہرات میں یہ فضیلت صرف حضرت سودہ ؓ نبی ﷺ کو حاصل ہے کہ حضرت خدیجہ ؓ نبی ﷺ کے انتقال کے بعد سب سے پہلے وہی آنحضرت ﷺ کے عقد نکاح میں آئیں۔ وہ ابتدائے نبوت میں مشرف بالسلام ہو چکی تھیں، اس بنا پر ان کو قدیم الاصلام ہونے کا شرف حاصل ہے۔ ان کی شادی پہلے سکران بن عمرو ؓ نبی ﷺ سے ہوئی تھی، حضرت سودہ ؓ نبی ﷺ ائمہ کے ساتھ اسلام لا کیں اور انہی کے ساتھ جب شہ کی طرف ہجرت (ہجرت ثانیہ) کی، جب شہ سے مکہ کو واپس آئیں، سکران نے پکھوں کے بعد وفات پائی اور ایک لڑکا یاد گار چھوڑا، جس کا نام عبد الرحمن ؓ نبی ﷺ تھا، انہوں نے جنگ جلواء میں شہادت حاصل کی۔

حضرت خدیجہ ؓ نبی ﷺ کے انتقال سے آنحضرت ﷺ نہایت پریشان و غمگین تھے یہ حالت دیکھ کر خولہ بنت حکیم ؓ نبی ﷺ نے عرض کی کہ آپ کو ایک منس ور فیق کی ضرورت ہے آپ ﷺ نے فرمایا :”ہاں۔“ گھر یار بال بچوں کا انتظام سب خدیجہ ؓ نبی ﷺ کے متعلق تھا آپ کے ایسا سے وہ حضرت سودہ ؓ نبی ﷺ کے والد کے پاس گئیں اور جاہلیت کے طریقہ پر سلام کیا: انعم صبا حا پھر نکاح کا پیغام سنایا انہوں نے کہاں ہاں محمد ﷺ خود شریف کفوہیں لیکن سودہ ؓ نبی ﷺ سے بھی تو ریافت کرو۔ غرض سب مراتب طے ہو گئے تو آنحضرت ﷺ خود تشریف لے گئے اور سودہ ؓ نبی ﷺ کے والد نے نکاح پڑھایا۔  **صحیح مسلم** مهر قرار پایا، نکاح کے بعد عبد اللہ بن زمعہ (ؓ نبی ﷺ) (حضرت سودہ ؓ نبی ﷺ کے بھائی) جو اس وقت کافر تھے، آئے اور ان کو یہ حال معلوم ہوا تو سر پر خاک ڈال لی کہ کیا غصب بوجیا، چنانچہ اسلام لانے کے بعد اپنی اس حماقت شعاری پر ہمیشہ افسوس آتا تھا۔ حضرت عائشہ اور سودہ ؓ نبی ﷺ کا خطبہ اور نکاح چونکہ قریب ایک ہی زمانہ میں ہوا اس لیے موئرخین میں

**1** صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب تزویج النبی ﷺ حدیجه و فضلها: ۳۸۲۱؛ مسلم: ۶۲۸۲۔

**2** مسند احمد، ۱۱۸/۶؛ اسد الغابة، ج ۷، ص: ۸۶۔ **3** طبقات ابن سعد، ج ۸، ص: ۳۶ میں ہے کہ رمضان اچھیں ان کا نکاح ہوا، زر قانی نے جو گی لکھا ہے، یا اختلاف اس بنا پر ہے کہ خود حضرت خدیجہ ؓ نبی ﷺ کے وفات کے سر میں اختلاف ہے۔

اختلاف ہے کہ کس کو قدم حاصل ہے۔ ابن اسحاق کی روایت ہے کہ سودہؓؑ کو قدم ہے، عبداللہ بن محمد بن عقیل کا قول ہے کہ وہ حضرت عائشہؓؑ کے بعد کام میں آئیں۔

### شکل و شباہت

حضرت سودہؓؑ بلند بالا اور فربہ اندام تھیں اور اس وجہ سے تیزی کے ساتھ چل پھر نہیں سکتی تھیں، جو جو الوداع میں جب مزدلفہ سے روانہ ہونے کا وقت آیا تو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اسی بنا پر سب سے پہلے چلنے کی اجازت مانگی کہ ان کو بھیڑ بھاڑ میں چلنے سے تکلیف ہوگی۔ ❶ آیتِ حجاب سے پہلے عرب کے قدیم طریق پر ازواج مطہرات قضائے حاجت کے لیے صحراء کو جایا کرتی تھیں، حضرت عمرؓؑ کو یہ ناگوار ہوتا تھا، اس بنا پر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پردہ کی تحریک کرتے رہتے تھے، لیکن ابھی ان کی استدعا قبول نہیں ہوئی تھی کہ حضرت سودہؓؑ رات کے وقت قضائے حاجت کے لیے نکلیں چونکہ ان کا قد نمایاں تھا حضرت عمرؓؑ نے کہا سودہؓؑ کو ہم نے پیچان لیا۔ اسی واقعہ کے بعد آیتِ حجاب نازل ہوئی۔ ❷

### اخلاق و عادات

آنحضرت ﷺ کے اخلاق و عادات میں سخاوت و فیاضی ایک نمایاں وصف تھا اس بنا پر صحابہؓؑ سے میں جس کو آپ سے جس قدر تقرب حاصل تھا اسی قدر اس پر اس وصف خاص کا زیادہ اثر پڑتا تھا۔ ازدواج مطہرات کو آپ کے اخلاق و عادات و فیض صحبت سے متین ہونے کا سب سے زیادہ موقع حاصل تھا اس لیے یہ وصف ان میں عموماً نظر آتا ہے۔ حضرت سودہؓؑ اس وصف میں باستثنائے حضرت عائشہؓؑ سب سے ممتاز تھیں، ایک دفعہ حضرت عمرؓؑ نے ان کی خدمت میں ایک تھیلی بھیجی، لانے والے سے پوچھا اس میں کیا ہے؟ بولا: درہم، بولیں: سکھور کی طرح تھیلی میں درہم بھیجے جاتے ہیں، یہ کہہ کر اسی وقت سب کو تقسیم کر دیا۔ ❸ اطاعت اور فرمائی برداری بھی ان کا خاص وصف ہے اور اس وصف میں وہ تمام ازدواج مطہراتؓؑ سے

\*\*\*\*\*

❶ الاصابة، ج ٤، ص: ٤٣٨۔ ❷ بخاری، کتاب الوضوء، باب خروج النساء الى البراز: ١٤٦: آیتِ حجاب کے شانزہول میں بخت اختلاف ہے، ایک روایت تو یہی ہے، دوسرا روایت یہ ہے کہ حضرت عمرؓؑ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ آپ کے بیان یہکہ و بدبر قسم کے لوگ آتے ہیں، کاش! آپ ان کو پردے کا حکم دیتے۔ (بخاری، کتاب التفسیر: ٤٧٩٠) انہیں جریئے اپنی تفسیر میں مجاہد سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ کھانا کھار ہے تھے، حضرت عائشہؓؑ کی شریک طعام تھیں، ایک آدمی کا ہاتھ حضرت عائشہؓؑ کے ہاتھ سے چھوگیا، رسول اللہ ﷺ کو ناگوار گزرا، اس پر آیتِ حجابتی، عالم طور پر مشہور ہے کہ حضرت زینبؓؑ کے ہاتھ سے ڈھونٹ دیا گیا، اسی وقت دیمہ میں آیتِ حجابتی نازل ہوئی، (بخاری، کتاب التفسیر: ٤٧٩٣) چنانچہ صحاح میں یہ واقعہ تفصیل موجود ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ان روایتوں میں یہ تبیین دی ہے کہ آیتِ حجابتی کے نزول کے بعد اس بات تھی جن میں آخری سب حضرت زینبؓؑ کا واقعہ تھا اور وہی آیت کا شانزہول ہے کیونکہ خود آیت میں واقع کی طرف اشارے پائے جاتے ہیں (فتح الباری، ج ۱، ص: ۲۱۹) ❸ الاصابة، ج ٤، ص: ٣٣٩۔

متاز تحسیں۔

### روایت حدیث

ان کے ذریعے سے صرف پانچ<sup>(۵)</sup> حدیثیں مروی ہیں جن میں سے بخاری میں صرف ایک ہے صحابہ رضی اللہ عنہم میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ او ریحی بن عبد الرحمن بن اسد بن زرارہ نے ان سے روایت کی ہے۔

### وفات

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے سنہ وفات میں اختلاف ہے۔ واقعہ کے نزدیک انہوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت ۴۵ھ میں وفات پائی، حافظ ابن حجر عسقلانیہ ان کا سال وفات ۴۵ھ قرار دیتے ہیں، امام بخاری رضی اللہ عنہ نے تاریخ میں بہ سند صحیح روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں انتقال کیا۔ ذہبی رضی اللہ عنہ نے تاریخ کبیر میں اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری زمانہ میں وفات کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ۲۳ھ میں وفات پائی ہے اس لیے ان کا زمانہ خلافت ۲۲ھ ہو گا، جیسیں میں ہے کہ یہی روایت سب سے زیادہ صحیح ہے۔

### حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

عائشہ رضی اللہ عنہا نام تھا اگرچہ ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی تاہم اپنے بھانجے عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ کے تعلق سے ام عبد اللہ کنیت کرتی تھیں۔ ماں کا نام زینب اور ام رومان کنیت تھی۔ بعثت کے چار برس بعد پیدا ہوئیں۔ ان بیوی میں آنحضرت ملیٹیزم کے ساتھ نکاح ہوا، اس وقت شش سالہ تھیں آنحضرت ملیٹیزم سے پہلے جیبر بن مطعم کے صاحزادے سے منسوب تھیں، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد خولہ بنت حکیم نے آنحضرت ملیٹیزم سے نکاح کی تحریک کی، آپ ملیٹیزم نے رضا مندی خاہر کی، خولہ نے ام رومان سے کہا، انہوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مذکور کیا، بولے کہ جیبر بن مطعم سے وعدہ کر چکا ہوں اور میں نے کبھی وعدہ خلافی نہیں کی لیکن مطعم نے خود اس بنا پر انکار کر دیا کہ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کے گھر میں آگئیں تو گھر میں اسلام کا قدم آ جائے گا، بہر حال حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے خولہ کے ذریعے آنحضرت ملیٹیزم سے عقد کر دیا، چار سو درہم مہر قرار پایا<sup>۱</sup> لیکن مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ازواج مطہرات کا مہر پانچ سو درہم ہوتا تھا۔

<sup>۱</sup> زرقانی، ج ۳، ص: ۲۶۲ میں پرتفصیل مذکور ہے، طبقات ابن سعد، ج ۸، ص: ۳۷ میں صرف چهل روایت نقل کی ہے۔

<sup>۲</sup> حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حالات اور خصوصائیں علمی کمالات کے لئے الگ مستقل تصنیف درکار ہے، یہاں صرف ضروری سوانح زندگی لکھ دیتے گئے ہیں۔ <sup>۳</sup> صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب تزویج الصغار: ۵۰۸۱؛ محدث امام احمد، ص: ۲۵۔ <sup>۴</sup> طبقات ابن سعد، ج ۸، ص: ۴۲۔

<sup>۵</sup> صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب الصداق: ۳۴۸۹۔

نکاح کے بعد مکہ میں آنحضرت ﷺ کا قیام ۳ سال تک رہا۔ نبوی میں آپ ﷺ نے ہجرت کی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ساتھ تھے، اہل و عیال کو مکہ چھوڑ آئے تھے، جب مدینہ میں اطمینان ہوا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ بن اریقط رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ ام رومان، اسماء اور عائشہ رضی اللہ عنہم کو لے آئیں، آنحضرت ﷺ نے بھی زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور ابو رافع رضی اللہ عنہ کو حضرت فاطمہ، ام کلثوم اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہم وغیرہ کے لانے کے لیے روانہ فرمایا۔ مدینہ آ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سخت بخار میں بنتا ہوئیں، اشتد امراض سے سر کے بال تک جھٹر گئے، ۱ صحت ہوئی تو ام رومان کو رسم عروی ادا کرنے کا خیال آیا، اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۹ سال کی تھی، سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھیں کہ ام رومان نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو آواز دی، ان کو اس واقعہ کی خبر تک نہ تھی، ماں کے پاس آئیں، انہوں نے منہ دھویا، بال درست کئے، گھر میں لے گئیں، انصار کی عورتیں انتظار میں تھیں، یہ گھر میں داخل ہوئیں تو سب نے مبارک بادوی۔ چاشت کے وقت آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور رسم عروی ادا ہوئی۔ ۲ شوال میں نکاح ہوا تو شوال ہی میں یہ رسم بھی ادا کی گئی۔ زمانہ قدیم میں اس مہینہ میں طاعون آیا تھا اس بنا پر اہل عرب اس مہینہ کو اس تقریب کے لئے مکروہ خیال کرتے تھے۔ اس خیال کے منانے کے لیے غالباً یہ مہینہ اختیاب کیا گیا تھا۔ ۳

### وفات

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ ۶ برس تک زندگی بسر کی۔ نو سال کی عمر میں وہ آپ کے پاس آئیں اور جب آنحضرت ﷺ نے انتقال فرمایا تو ان کی عمر ۱۸ برس کی تھی۔ ۴ آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا قریباً ۲۸ سال تک زندہ رہیں، ۵ میں وفات پائی اس وقت ان کی عمر ۶۶ سال کی تھی۔ وصیت کے مطابق جنت الواقع میں رات کے وقت دن ہوئیں۔ قاسم بن محمد، عبد اللہ بن عبد الرحمن، عبد اللہ بن ابی عتیق، عروہ بن زیر اور عبد اللہ بن زیر جنہیں ﷺ نے قبر میں ایثارا۔ اس وقت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مردوان بن حکم کی طرف سے مدینہ کے حاکم تھے، اس لیے انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی۔ ۶

آنحضرت ﷺ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بہت محبت تھی، اس محبت سے آپ نے مرض الموت میں تمام ازواج مطہرات سے اجازت لی اور اپنی زندگی کے آخری دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں بر کئے، اس محبت کا اظہار جن طریقوں سے ہوتا تھا ان کے متعلق احادیث و سیر میں نہایت کثرت سے واقعات

۱ صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب تزویج النبی ﷺ عائشہ: ۳۸۹۴۔

۲ صحیح بخاری، باب تزویج النبی ﷺ عائشہ و قدوتها المدینہ و بنائہ بہا: ۳۸۹۴؛ مسلم: ۳۴۷۹۔

۳ صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب التزویج فی شوال: ۳۴۸۳۔

۴ صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب التزویج الاب البکر الصغیرۃ: ۳۴۸۰۔ ۵۵۲۱ تا ۳۴۸۰۔

۵ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص: ۵۵۔

درج ہیں۔  
علمی زندگی

حضرت عائشہؓ کی علمی زندگی بھی نمایاں خلیلیت رکھتی ہے، حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں فتویٰ دیتی تھیں۔ اکابر صحابہؓ پر انہوں نے واقعی اعتراضات کیے ہیں جن کو علامہ سیوطیؓ نے ایک رسالہ میں جمع کر دیا ہے، ۱۷۲۰ حدیثیں مردوی ہیں جن میں ۱۷۲۸ حدیثوں پر شخین نے اتفاق کیا ہے۔ بخاری نے مفرضاً ان سے ۵۷۰ حدیثیں روایت کی ہیں۔ ۶۸ حدیثوں میں امام مسلم منفرد ہیں۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ احکام شرعیہ میں سے ایک چوتھائی ان سے منقول ہے۔ ترمذی میں ہے کہ صحابہؓ کے سامنے جب کوئی مشکل سوال پیش آ جاتا تھا تو اس کو حضرت عائشہؓ کی حل کرتی تھیں، ۱۷۲۹ ان کے شاگردوں کا بیان ہے کہ ہم نے ان سے زیادہ خوش تقریبیں دیکھا، تفسیر، حدیث، اسرار شریعت، خطابات اور ادب و انساب میں ان کو مکمال تھا۔ شعر اکے بڑے بڑے قصیدے ان کو زبانی یاد تھے۔ حاکم نے مسدر ک (ج ۱۷۲۹، ذکر عائشہؓ) میں اور ابن سعد نے طبقات (ج ۱۷۸۰ ذکر عائشہؓ) میں ۱۷ تفصیل ان واقعات کو لکھا ہے اور مسند ابن حبیل وغیرہ میں بھی جستہ جستہ ان کے فضل و مکمال کے دلائل و شواہد ملتے ہیں۔

### حضرت حصہؓ

حضرت حصہؓ حضرت عمرؓ کی بیٹی تھیں، ماں کا نام نسب بنت مظعون تھا۔ بعثت سے پانچ برس پہلے میں اس سال جب قریش خانہ کعبہ کو تعمیر کر رہے تھے پیدا ہوئیں، ان کی شادی تھیں، بن حذافہؓ سے ہوئی اور انہی کے ساتھ مدینہ کو ہجرت کی، تھیںؓ نے غزوہ بدر میں زخم کھائے اور واپس آ کر انہی زخمیوں کی وجہ سے شہادت پائی۔ ۱۷۳۰ تھیںؓ نے اپنی یادگار میں حضرت حصہؓ کے بطن سے کوئی اولاد نہیں چھوڑی، ۱۷۳۱ حضرت حصہؓ کے یوہ ہو جانے کے بعد حضرت عمرؓ کو ان کے نکاح کی فکر ہوئی، سوئے اتفاق سے اسی زمانہ میں حضرت رقیؓ کا انتقال ہو چکا تھا اس بنا پر سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے ان کے نکاح کی خواہش حضرت عثمانؓ سے کی۔ انہوں نے کہا کہ اس معاملہ میں غور کروں گا، حضرت

۱۷۳۲ یہ رسالہؓ بھی سیرت عائشہؓ کے اخیر میں منتقل ہے۔ ۱۷۳۳ جامع ترمذی، ابواب المناقب، باب من فضل عائشة: ۳۸۸۳۔ ۱۷۳۴ زرقانی، ج ۲، ص: ۲۷۰ عام طور پر یہی مشہور ہے لیکن اصحاب میں ہے کہ غزوہ بدر کے احمد میں شہید ہوئے، (ج ۱۷۳۵) حافظ ابن حجرؓ نے اپنی الباری میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے رقیؓ کا انتقال کے بعد حضرت عثمانؓ سے ان کے نکاح کی خواہش کی تھی اور یہ مسلم ہے کہ حضرت رقیؓ کا انتقال غزوہ بدر کے بعد وہ اور اسی وجہ سے حضرت عثمانؓ کو شریک غزوہ بدر نہ ہو سکے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تھیںؓ نے غزوہ بدر کے بعد وفات پائی، وسری روابط میں ہے کہ حضرت عثمانؓ نے مفہوم بیٹھنے تھے حضرت عمرؓ اور ہر سے گزرے اور پوچھا حصہؓ کے نکاح کرتے ہو؟ اس کی عدت گزگی، اگر تھیںؓ نے احمد میں شہادت پائی ہوئی تو ان کی عدت کازماں ۳۳ ہوتا حالانکہ نکاح ۳۳ میں ہوا فتح الباری، ج ۹، ص: ۱۵۲۔ ۱۷۳۶ طبری، ج ۴، ص: ۱۷۷۱۔

عمر بن الخطاب نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا، انہوں نے خاموشی اختیار کی، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو ان کی بےاتفاقی سے رنج ہوا، اس کے بعد خود جناب رسالت پناہ نے حضرت حصہ بن الخطاب سے نکاح کی خواہش کی، نکاح کی ہو گیا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر بن الخطاب سے ملے اور کہا کہ جب تم نے مجھ سے حصہ بن الخطاب کے نکاح کی درخواست کی اور میں خاموش رہا تو تم کو ناگوار گزرا لیکن میں نے اسی بنا پر کچھ جواب نہیں دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ذکر کیا تھا اور میں آپ کا راز فاش کرنے نہیں چاہتا تھا، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح نہ کر لیا ہوتا تو میں اس کے لئے آمادہ تھا۔ \* حضرت حصہ آخ حضرت عمر بن الخطاب کی بیٹی تھیں اس لیے مزادج میں ذرا تیزی تھی۔ صحیح بخاری میں واقعہ ایلاء کے متعلق خود حضرت عمر بن الخطاب کا بیان ہے کہ ”هم لوگ زمانہ جاہلیت میں عورتوں کو کوئی چیز نہیں سمجھتے تھے، میں ایک دن کسی معاملات میں غور کر رہا تھا، اتفاق سے میری بی بی نے مجھ کو مشورہ دیا، میں نے کہا: تم کو ان معاملات میں کیا دخل ہے، بولیں کہ تم میری بات پسند نہیں کرتے حالانکہ تمہاری بیٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برادر کا جواب دیتی ہے، میں اخھا اور حصہ بن الخطاب کے پاس آیا میں نے کہا: بیٹی! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فریفیتہ کر لیا ہے۔“ \* (یعنی عائشہ بن الخطاب) ترمذی میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت صفیہ بن الخطاب و رہی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ورنے کی وجہ پوچھی، انہوں نے کہا: مجھ کو حضرت حصہ بن الخطاب نے کہا ہے کہ تم یہودی کی بیٹی ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم نبی کی بیٹی ہو، تمہارا اچھا پیغمبر ہے اور پیغمبر کے نکاح میں ہو۔ حصہ تم پر کس بات میں خدا سکتی ہے؟“ \*

ایک بار حضرت عائشہ اور حصہ بن الخطاب نے حضرت صفیہ بن الخطاب سے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک تم سے زیادہ محترم ہیں، ہم آپ کی بیوی بھی ہیں اور بچا زاد بہن بھی۔ حضرت صفیہ بن الخطاب کو ناگوار گزرا، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ تم مجھ سے زیادہ کیوں کم معزز ہو سکتی ہو، میرے شوہر محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے باپ ہارون عليه السلام اور میرے پچا موسیٰ عليه السلام ہیں۔“ \*

حضرت عائشہ اور حضرت حصہ بن الخطاب حضرت ابو بکر اور عمر بن الخطاب کی بیٹی تھیں جو تقرب نبوی میں دو شبدوں تھے، اس بنا پر حضرت عائشہ اور حضرت حصہ بن الخطاب دیگر ازاوج کے مقابلہ میں باہم ایک تھیں لیکن کبھی کبھی خود بھی باہم رشک و رقبت کا اظہار ہو جایا کرتا تھا، ایک مرتبہ حضرت عائشہ اور حضرت حصہ بن الخطاب

\* بخاری، کتاب النکاح، باب عرض الانسان ابته: ۵۱۲۲۔

\* صحیح بخاری، کتاب التفسیر سورۃ التحریر: ۴۹۱۳۔

\* ترمذی، ابواب المناقب، باب فضل ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ۳۸۹۴۔ \* ایضاً: ۳۸۹۲۔

دونوں آنحضرت ﷺ کے ساتھ سفر میں تھیں۔ رسول اللہ ﷺ راتوں کو حضرت عائشہؓ کے اوٹ پر چلتے تھے اور ان سے باتیں کرتے تھے ایک دن حضور خصہؓ نے حضرت عائشہؓ کے کہا کہ آج رات کو تم میرے اوٹ پر اور میں تمہارے اوٹ پر سوار ہوں، تاکہ مختلف مناظر دیکھنے میں آئیں، حضرت عائشہؓ اپنی راضی ہو گئی، آنحضرت ﷺ حضرت عائشہؓ کے اوٹ کے پاس آئے جس پر خصہؓ سوار تھیں جب منزل پر پہنچ اور حضرت عائشہؓ نے آپ کو نہیں پایا تو اپنے پاؤں کو اڈخ (ایک گھاس ہے جس میں سانپ بچور بتتے ہیں) کے درمیان لٹکا کر کہنے لگیں: خداوند! اسکی بچوں یا سانپ کو تعین کر جو مجھے ڈس جائے۔ ❶

## وفات

حضرت خصہؓ نے ۲۵ھ میں جو امیر معاویہ کی خلافت کا زمانہ تھا، وفات پائی۔ وفات سے پیشتر اپنے بھائی عبدالرحمن بن عمر سے اس وصیت کی تجدید کی جو حضرت عمرؓ نے ان کو کی تھی۔ کچھ جانکاری وقف کی اور کچھ مال صدقہ میں دیا روان بن حکم نے جو اس وقت مدینہ کا گورنر زبانا ز جنازہ پڑھائی اور بنی حزم کے گھر سے مغیرہ بن شعبہ کے گھر تک جنازہ کو کامنڈھادیا، بیساں سے قبر تک حضرت ابو ہریرہؓ جنازہ کو لے گئے، ان کے بھائی عبد اللہ، عاصم، سالم، عبد اللہ، حمزہ، عبد اللہ بن عمرؓ کے لذکوں نے قبر میں اتارا۔ ❷

## حضرت زینب ام المساکین خبیثہ

زینب نام تھا، چونکہ فقر اوس مساکین کو نہیات فیاضی کے ساتھ کھانا کھاتیں تھیں، اس لیے ام المساکین کی کنیت کے ساتھ مشہور ہو گئیں۔ آنحضرت ﷺ سے پہلے عبد اللہ بن جحشؓ کے نکاح میں تھیں، عبد اللہ بن جحشؓ نے جنگ احمد ۳ھ میں شہادت پائی اور آنحضرت ﷺ نے اسی سال ان سے نکاح کر لیا، نکاح کے بعد آنحضرت ﷺ کے پاس صرف دو تین مہینے رہنے پائی تھیں کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ کی زندگی میں حضرت خدیجہؓ کے بعد صرف یہی ایک بی بی تھیں جنہوں نے وفات پائی۔ آنحضرت ﷺ نے

❸ بخاری، کتاب السنکاح، باب القرعة بين النساء: ۵۲۱۱: مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب في فضائل عائشة: ۶۲۹۸۔ اس امر کا خاص طور پر لکھا کھانا چاہیے کہ ازاد امیر طبریات شائعہ میں اس شرم کی روایت صرف حضور خصہؓ و عائشہؓ کے متعلق نہ کرو ہیں اس لئے اس کے اسباب کی خلاش کرنی چاہیے۔ حضرت ابو ہریرہؓ حضرت عائشہؓ کے ساتھ مذاقہنیں کو جو عدالت تھی وہ قابل لحاظ ہے۔ ❹ حضرت خصہؓ کے بھی سروفات میں اختلاف ہے، ایک روایت ہے کہ انہوں نے جمادی الاول ۲۵ھ میں وفات پائی، اس وقت ان کا سنہ ۴۵ سال کا تھا لیکن اگر سروفات میں اختلاف ہے تو ان کی سنہ ۲۳ سال کی ہو گی، ایک روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کی خلافت میں ۲۷ھ میں انتقال کیا، یہ روایت اس بنا پر یہید اسکی کوہہ بنے این ماںک سے روایت کی کہ جس سال افریقہؓ فتح ہوا حصہؓ نے اسی سال وفات پائی اور افریقہؓ حضرت عثمانؓ کی خلافت میں ۲۷ھ میں فتح ہوا، لیکن یہ ختن غلطی ہے، افریقہؓ دو مرتبہ فتح ہوا ہے، اس دوسری فتح کا فخر معاویہ بن خدیجؓ کو حاصل ہے اور یہ فتح ۲۵ھ میں ہوئی، وہہ بن ماںک نے حصہؓ کا سال وفات اسی فتح کے سر کو قرار دیا ہے۔

خود نماز جنازہ پڑھائی اور جنت لبیقیع میں فن ہوئیں۔ وفات کے وقت ان کی عمر ۳۰ سال کی تھی۔

### حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا

ہند نام، اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کنیت تھی، باپ کا نام سہیل اور ماں کا عائشہ تھا، پہلے عبد اللہ بن الاسد کے نکاح میں آئیں، جو زیادہ تر ابو سلمہ کے نام سے مشہور ہیں اور جوان کے چچا زاد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی تھے، اپنے شوہر ہی کے ساتھ اسلام لائیں اور ان کے ساتھ سب سے پہلے جب شہ کی طرف بھرت کی، چنانچہ سلمہ ان کے بیٹے جب شہ ہی میں پیدا ہوئے، جب شہ سے مکہ میں آئیں اور یہاں سے مدینہ کو بھرت کی، بھرت میں ان کو یہ فضیلت حاصل ہوئی کہ اہل سیر کے نزدیک وہ پہلی عورت ہیں جو بھرت کر کے مدینہ میں آئیں۔ ان کے پہلے شوہر ابو سلمہ رضی اللہ عنہا بڑے شہسوار تھے، مشہور غزادت بدر و احمد میں شریک ہوئے، غزادہ احمد میں چند رزم کھائے جن کے صدمہ سے جانب رہ ہو سکے اور جمادی الثانی ۲۲ھ میں وفات پائی، ان کے جنازہ کی نماز نہایت اہتمام سے پڑھی گئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تکبیریں کہیں، لوگوں نے نماز کے بعد پوچھا: یا رسول اللہ! آپ کو سہوتونہیں ہوا، فرمایا: ”یہ ہزار تک مستحق تھے“، ابو سلمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے وقت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا حاملہ تھیں، وضع حمل کے بعد جب عدت گزر گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کرنا چاہا تو انہوں نے چند عذر پیش کئے:

- ① میں خخت غیور عورت ہوں۔ ② صاحب عیال ہوں۔ ③ میراں زیادہ ہے۔  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب زحمتوں کو گوارا کیا۔

### وفات

اہل سیر متفق الفاظ ہیں کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم میں سب کے بعد حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی، لیکن ان کے سنہ وفات میں نہایت اختلاف ہے۔ واقدی نے ۹۵ھ بتایا ہے، ابراہیم حربی کے نزدیک ۲۲ھ ہے اور تقریب میں اسی کو صحیح کہا ہے۔ امام بخاری رضی اللہ عنہ نے تاریخ کبیر میں لکھا ہے کہ ۹۵ھ میں وفات پائی، بعض روایتوں میں ہے کہ ۱۲۷ھ میں جب امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر آئی اس وقت ان کا انتقال ہوا ہے، ابن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے اس روایت کی صحیحیت کی ہے۔

اس اختلاف روایت کی حالت میں سنہ وفات کی تعین مشکل ہے تاہم یہ یقینی ہے کہ وہ واقعہ حرہ تک زندہ تھیں، مسلم میں ہے کہ حارث بن عبد اللہ بن ابی رجیہ اور عبد اللہ بن صفوان رضی اللہ عنہم اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس لشکر کا حال پوچھا جو ز میں میں ڈھنس جائے گا، یہ سوال اس وقت کیا گیا تھا جب یزید نے مسلم بن عقبہ کو لشکر شام کے ساتھ مدینہ کی طرف بھیجا تھا اور واقعہ حرہ پیش آیا تھا، واقعہ حرہ ۱۲۷ھ میں پیش آیا ہے

\* زرقانی، ج ۲، ص ۲۷۶۔ \* مسلم، کتاب الفتنه، باب الخسف بالجیش الذي يوم الیت: ۷۲۴۰۔

اس لئے اس سے پہلے ان کی وفات کی تمام روایتیں صحیح نہیں۔ ابن عبد البر نے لکھا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی وصیت کی بنی پر سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی لیکن اس روایت کی صحیت میں کلام ہے، سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے باختلاف روایت ۵۲ ھ یا ۵۵ ھ میں انتقال کیا ہے اور یقین طور پر ثابت ہے کہ اس وقت ام سلمہ رضی اللہ عنہا زندہ تھیں، والقدی نے لکھا ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان کا جنازہ پڑھایا اگر ان کی وفات کے وقت سعید بن زید زندہ ہوتے تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خلاف وصیت کیونکر جنازہ پڑھا سکتے تھے، بہر حال ازواج مطہرات میں سب کے بعد حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی اور وفات کے وقت ان کی عمر ۸۲ سال کی تھی۔ \*

### فضل و کمال

ازوچ مطہرات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بعد فضل و کمال میں انہیں کا درجہ ہے، اس سعد نے طبقات میں اس کی تصریح کی ہے، روایت حدیث اور نقل احکام میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا اور تمام یہ بیویوں پر ان کو فضیلت حاصل ہے۔ صلح حدیبیہ میں صاحبہ رضی اللہ عنہم کو مکہ سے باہر حلق اور قربانی میں تال تھا تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی تدبیر سے یہ مشکل حل ہوئی اور یہ ان کی دانش مندی و ذہانت کی سب سے بہتر مثال ہے، یہ واقعہ صحیح بخاری میں یہ تفصیل موجود ہے۔ \*

### حضرت زینب رضی اللہ عنہا

ازوچ مطہرات میں جو یہ بیاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہمسری کا دعویٰ رکھتی تھیں ان میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی تھیں خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: کانست تسامینی۔ \* یعنی وہ میر ا مقابلہ کرتی تھیں اور ان کو اس کا حق بھی تھا، بھی حیثیت سے وہ آنحضرت علیہ السلام کی پھوپی زاد بہن تھیں، جمال میں بھی متاز تھیں، آنحضرت علیہ السلام کو بھی ان سے نہایت محبت تھی، زہد و تروع میں یہ حال تھا کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر اتهام لگایا گیا اور اس اتهام میں خود حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی بہن حسنہ رضی اللہ عنہا شریک تھیں تو آنحضرت علیہ السلام نے ان سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اغراقی حالت دریافت کی تو انہوں نے صاف لفظوں میں کہا دیا:

ماعلمتم الا خیرا۔ \* ”مجھ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بھلانی کے سوا کسی چیز کا علم نہیں۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کے اس صدق و اقرار حق کا خود اعتراف کرنا پڑا۔

عبادت میں نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ مشغول رہتی تھیں، جب آنحضرت علیہ السلام نے ان کو عقد میں لانا چاہا تو انہوں نے کہا کہ میں بغیر استخارہ کے کوئی رائے قائم نہیں کرتی۔ ایک دفعہ آپ علیہ السلام مہاجرین

\* زرقانی، ج ۳، ص: ۲۷۶۔ ② بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد: ۲۷۳۱، ۲۷۳۲۔

③ بخاری، کتاب المغازی، باب حدیث الافق: ۴۱۴۱۔

④ بخاری، کتاب المغازی، باب حدیث الافق: ۴۱۴۱۔

پر کچھ مال تقسیم کر رہے تھے، حضرت زینب رضی اللہ عنہا اس معاملہ میں کچھ بول انھیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ڈالنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ان سے درگز رکرو یہ اداہ ہیں۔“ (یعنی خاشع و متصرع ہیں) نہایت قانع اور فیاض طبع تھیں، خود اپنے دست و بازو سے معاش پیدا کرتی تھیں اور اس کو خدا کی راہ میں لانا وہ تھیں۔ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا سالانہ نفقہ بھیجا انہوں نے اس پر ایک کپڑا اذال دیا اور بزرہ بنت رافع کو حکم دیا میرے خاندانی رشتہ داروں اور قیمبوں کو تقسیم کر دو، بزرہ نے کہا: آخراً ہمارا بھی کچھ حق ہے، انہوں نے کہا کہ کپڑے کے نیچے جو کچھ ہو وہ تمہارا ہے، دیکھا تو پچاس درہم لٹک، جب تمام مال تقسیم ہو چکا تو دعا کی کہ خدا یا! اس سال کے بعد میں عمر رضی اللہ عنہ کے عطیہ سے فائدہ نہ اٹھاؤں، یہ دعا مقبول ہوئی اور اسی سال ان کا انتقال ہو گیا۔

### وفات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے فرمایا تھا:

((سرعکن لحقابی اطولکن ید)) \* “تم میں مجھ سے جلد وہ ملے گی جس کا ہاتھ لباہو گا۔“ یہ استغارة فیاض کی طرف اشارہ تھا لیکن ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اس کو حقیقت سمجھیں، چنانچہ یا ہم اپنے ہاتھوں کو ناپا کرتی تھیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنی فیاضی کی بنا پر اس پیشین گولی کا مصدقہ ثابت ہوئیں اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سب سے پہلے انتقال کیا۔ کفن کا خود سامان کر لیا تھا اور وصیت کی تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی کفن دیں تو ان میں سے ایک کو مصدقہ کر دینا، چنانچہ وصیت پوری کی گئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی، اس کے بعد ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے دریافت کیا کہ کون قبر میں داخل ہو گا، انہوں نے کہا: وہ شخص جوان کے گھر میں داخل ہوا کرتا تھا، (چنانچہ اسماء، محمد بن عبد اللہ بن جحش، عبد اللہ بن ابی احمد بن جحش نے ان کو قبر میں اترائی ۲۰ ہے میں انتقال کیا اور ۵۳ برس کی عمر پائی۔ واقعی نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جس وقت لکاح ہوا اس وقت ۳۵ سال کی تھیں۔

### حضرت جویر یہ رضی اللہ عنہا

حضرت جویر یہ رضی اللہ عنہا حارث بن ضرار کی بیٹی تھیں، جو قبیلہ بنی مصطلق کا سردار تھا۔ مسافع بن صفوان سے شادی ہوئی تھی، جو غزوہ مریمیج میں قتل ہوا، اس لڑائی میں کثرت سے لوئندی غلام مسلمانوں کے ہاتھ آئے، ان ہی لوئندیوں میں حضرت جویر یہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ جب مال غنیمت کی تقسیم ہوئی تو وہ ثابت بن قیس بن شناس النصاری رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئیں۔

اسلام میں اگر آقاراضی ہو تو لوئندی غلام کچھ رقم ادا کر کے آزاد ہو سکتے ہیں، اس طریقہ کو فقہا کی اصطلاح میں ”کتابت“ کہتے ہیں، اسی اصول کے موافق حضرت جویر یہ رضی اللہ عنہا مکاتیہ بن گنیس، ان کو شرط کے

\* مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل زینب: ۶۳۱۶۔

موافق ۶۔ او قیہ سونا ادا کرنا تھا لیکن یہ رقم ان کی استطاعت سے بہت زیادہ تھی، وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور کہا: یا رسول اللہ ﷺ امیں مسلمان ملکہ گورت جویریہ، حارث کی بیٹی ہوں جو اپنی قوم کا سردار ہے، مجھ پر جو مصیبتیں آئیں وہ آپ ﷺ سے مخفی نہیں، میں ثابت بن قیس ؓ کے حصہ میں آئی اور نواویہ سونے پر ان سے عہد کتابت کیا، یہ رقم میرے امکان میں نہ تھی لیکن میں نے آپ کے بھروسہ پر اس کو منظور کر لیا اور اب آپ سے اس کا سوال کرنے کے لیے آئی ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: ”تو کیا تم کو اس سے بہتر چیز کی خواہ نہیں؟“ انہوں نے کہا: وہ کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں یہ رقم ادا کر دیتا ہوں اور تم سے نکاح کر لیتا ہوں۔“ وہ راضی ہو گئیں، آپ نے ثابت بن قیس کو بلا یادِ بھی راضی ہو گئے، آپ نے رقم ادا کی اور ان کو آزاد کر کے نکاح کر لیا، یہ چرچا پھیلاؤ لوگوں نے قبلہ بنی مصطلق کے تمام اونٹی غلام کو اس بنا پر آزاد کر دیا کہ آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں سے رشتہ مصاہرات قائم کر لیا۔ ۳ آزاد شدہ غلاموں کی تعداد ایک روایت میں سات سو ہتھی اگئی ہے، حضرت عائشہ ؓ کہتی ہیں: ”جویریہ ؓ کی برکت سے سینکڑوں گھرانے آزاد کر دیے گئے۔“ ۴ بعض روایتوں میں ہے کہ آنحضرت ﷺ سے خود حضرت جویریہ ؓ کی برکت نے یہ خواہ ظاہر کی تھی اور آپ ﷺ نے تمام قیدیوں کو ان پر بہہ کر دیا تھا۔

حضرت جویریہ ؓ نے ۵۰ هیں وفات پائی اور جنتِ البقع میں دفن ہوئیں اس وقت ان کا سن

برس کا تھا۔ ۵

### حضرت اُم جبیبہ رضی اللہ عنہا

رملہ نام اور ام جبیبہ کنیت تھی، آنحضرت ﷺ کی بعثت سے اسال پہلے پیدا ہوئیں اور عبد اللہ بن جحش سے عقد ہو گیا، آنحضرت ﷺ میں معمول ہوئے تو دونوں مشرف بالسلام ہوئے اور جب شہ کی طرف بھرت ثانیہ کی۔ ایک روایت ہے کہ ان کی بیٹی جن کی کنیت کے ساتھ وہ مشہور ہیں، جب شہی میں پیدا ہوئیں، جب شہ میں جا کر عبد اللہ بن جحش ؓ نے عیسائیت قبول کر لیکن ام جبیبہ رضی اللہ عنہا اسلام پر قائم رہیں، اختلافِ مذہب کی بنا پر عبد اللہ بن جحش نے ان سے علیحدگی اختیار کر لی اور اب وہ وقت آگیا کہ ان کو اسلام اور بھرت کی فضیلت کے ساتھ امام المؤمنین بنے کا شرف بھی حاصل ہو، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے عمر و بن امیہ الصمری کو نجاشی کی خدمت میں بفرض نکاح بھیجا، جب وہ نجاشی کے پاس پہنچے تو نجاشی نے ام جبیبہ رضی اللہ عنہا کو اپنی اونٹی ابرہہ کے ذریعہ سے پیغام دیا کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ کو تمہارے نکاح کے لئے لکھا ہے، انہوں نے خالد بن سعید اموی کو وکیل مقرر کیا اور اس مژدہ کے صدر میں ابرہہ کو چاندی کے دو لگن اور انگوٹھیاں دیں، جب شام ہوئی تو

۱ ابو داود، کتاب العتق، باب فی بيع المکاتب اذا فسخت المکاتبة: ۲۹۳۱۔

۲ الاصابہ، ج ۸، ص ۴۴؛ اسد الغابة، ج ۵، ص ۴۲۰۔ ۳ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۸۵۔

نجاشی نے جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور وہاں کے مسلمانوں کو جمع کر کے خود نکاح پڑھایا ۴ اور آنحضرت ﷺ کی طرف سے چار سو دینار مہر ادا کیا۔ ۵

تمام لوگوں کے سامنے خالد بن سعید کو یہ رقم دی گئی تو لوگوں نے بعد نکاح اٹھنا چاہا، لیکن نجاشی نے کہا: دعوت ولیم تمام پیغمبروں کی سنت ہے ابھی بیٹھنا چاہیے، چنانچہ کھانا آیا لوگ دعوت کھا کے رخصت ہوئے، جب مہر کی رقم امام حبیبہ رضی اللہ عنہ کوئی تو انہوں نے پچاس دینار ابرہہ کو دی لیکن اس نے اس رقم کو اس لفگن کے ساتھ جو پہلے دیے گئے تھے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ بادشاہ نے مجھ کو منع کر دیا ہے، دوسرے روز ان کی خدمت میں عود، زعفران، عنبر وغیرہ لے کر آئی، جن کو وہ اپنے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لا کیں، جب نکاح کے تمام رسومات ادا ہو گئے، تو نجاشی نے ان کو شمشیل بن حشنة رضی اللہ عنہ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں روانہ کیا۔ ۶ امام حبیبہ رضی اللہ عنہ نے ۲۷ ھجری میں وفات پائی ۷ اور مدینہ میں دفن ہوئیں۔

### حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا

میمونہ نام، باپ کا نام حارث اور ماں کا نام بندھا، پہلے مسعود بن عمر و بن عییر اشتفی کے نکاح میں تھیں، مسعود نے طلاق دے دی تو ابو رهم بن عبد العزیز نے نکاح کر لیا، ابو رهم کے انتقال کے بعد رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں آئیں۔ ۸ نکاح کے متعلق مختلف روایتیں ہیں، ایک روایت ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو ہبہ کیا۔ دوسری روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مدینہ سے اپنے غلام ابو رافع کو اوس بن خولی کے ساتھ دیکھ لیا کہ بھیجا اور انہوں نے ایجاد و قبول کیا، لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس نکاح کی تحریک کی اور انہوں نے نکاح پڑھایا۔ ۹

### وفات

یہ عجیب حسن اتفاق ہے کہ مقام سرف میں ان کا نکاح ہوا تھا اور سرف ہی میں انہوں نے انتقال بھی ۱۰

۱ سال نکاح میں اختلاف ہے۔ مشہور یہ ہے کہ ۱۰ سال نکاح ہوا لیکن بعض روایتوں میں ۱۱ ہی بھی بیان کیا گیا ہے ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عمر و بن امیرہ الفخری کو بغرض نکاح بھیجا ہوا درے ۱۱ میں نکاح پڑھایا گیا ہو، اس میں بھی اختلاف ہے کہ نکاح کہاں ہوا اور کس نے پڑھایا لیکن صحیح یہ ہے کہ حشر میں نکاح ہوا اور نجاشی نے نکاح پڑھایا۔ ۱۲ صحیح روایت یہ ہے لیکن اور بھی مختلف تعداد بیان کی گئی ہے، بعض روایتوں میں فسود بیان رہا ہے، بعضوں کے نزدیک چار ہزار درے ہے، ابسو داود، کتاب الشکاح، باب الصداق: ۲۱۰۸ میں دینار کی بجائے چار ہزار درے ہم ہے، ہزاری کی روایت میں چالیس اوپری کی تعداد کا ذکر ہے، اس لیے اگر چاندی ہو گی تو اس کے سولہ سورہ ہوتے ہیں۔ ۱۳ مسند امام احمد، ج ۶، ص: ۴۲۷۔ ۱۴ بعضوں نے سال وفات ۲۲ لکھا ہے، انہیں عیشہ کے نزدیک ان کا سال وفات ۵۹ ہے، بعض لوگوں نے ۵۰ ہا اور بعضوں نے ۵۵ ہا بیان کیا ہے، ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ مشتعل میں مذوق ہوئیں۔ زرقانی، ج ۳، ص: ۲۹۲۔ ۱۵ حضرت امین عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہ سے حالت احرام میں نکاح کیا۔ بخاری، کتاب جزاء الصید، باب تزویج المحرم: ۱۸۳۷۔ ۱۶ زرقانی، ج ۳، ص: ۲۹۹۔ ۱۷ بخاری، کتاب المغازی، باب عمرة القضاء: ۴۲۵۸۔

کیا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور قبر میں اتارا۔ صحابہ میں ہے کہ جب ان کا جنازہ اٹھایا گیا تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ رسول اللہ ﷺ کی بی بی ہیں جنازہ کو زیادہ حرکت نہ دو، با ادب آہت لے چلو۔ ۱ سال وفات کے متعلق اگرچہ اختلاف ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ انہوں نے ۱۵ چھوٹ میں وفات پائی۔ ۲

### حضرت صفیہ رضی اللہ عنہما

صفیہ رضی اللہ عنہما اصل نام نہ تھا، زرقانی نے لکھا ہے کہ عرب میں مال غنیمت کا جو بہترین حصہ امام بیبا دشاد کے لیے مخصوص ہو جاتا تھا اس کو صفیہ کہتے تھے، چونکہ وہ جنگ خیر میں اسی طریقہ کے موافق آنحضرت ﷺ کے نکاح میں آئی تھیں، اس لیے صفیہ رضی اللہ عنہما کے نام سے مشہور ہو گئیں، ورنہ اصلی نام نہیں تھا۔ باپ کا نام جی بن اخطب اور ماں کا نام ضرہ تھا، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہما کو باپ اور ماں دونوں کی جانب سے سیادت حاصل تھی، باپ قبیلہ بنو النصر کا سردار اور ماں قریظہ کے رکیس کی بیٹی تھی۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہما کی شادی پہلے سلام بن مشکم القرظی سے ہوئی تھی، انہیں مشکم نے طلاق دی تو کنانہ بن ابی الحقیق کے نکاح میں آئیں، کنانہ جنگ خیر میں مقتول ہوا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہما کے باپ اور بھائی بھی کام آئے اور خود بھی گرفتار ہوئیں، جب خیر کے تمام مقیدی جمع کے گئے تو دیجہ بھی نے آنحضرت ﷺ سے ایک لوڈی کی درخواست کی، آنحضرت ﷺ نے انتخاب کرنے کی اجازت دی، انہوں نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہما کو منتخب کیا، لیکن ایک صحابی رضی اللہ عنہما نے آپ کی خدمت میں آ کر عرض کی کہ آپ نے رئیس بنو نضیر و قریظہ کو دیدیا، وہ تو صرف آپ کے قابل ہے۔ آپ نے حکم دیا کہ دیجہ اس عورت کے ساتھ حاضر ہوں، وہ صفیہ کو لیکر آئے تو آپ نے ان کو دوسرا لوڈی عنایت فرمائی اور صفیہ کو آزاد کر کے نکاح کھلایا۔ ۳ خیر سے روانہ ہوئے تو مقام صہبہ میں رسم عروی ادا کی اور جو کچھ سامان لوگوں کے پاس تھا، اس کو جمع کر کے دعوت ولیم فرمائی، وہاں سے روانہ ہوئے تو آپ نے ان کو خود اپنے اونٹ پر سوار کر لیا اور اپنے عباس سے ان پر پردہ کیا یہ گویا اس بات کا اعلان تھا کہ وہ ازواج مطہرات میں داخل ہو گئیں۔ ۴

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ آنحضرت ﷺ کو نہایت محبت تھی اور ہر موقع پر ان کی دلجوئی فرماتے تھے۔ ایک بار آپ سفر میں تھے، ازواج مطہرات بھی ساتھ تھیں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہما کا اونٹ سوئے اتفاق سے بیار ہو گیا، حضرت نہیں رضی اللہ عنہما کے پاس ضرورت سے زیادہ اونٹ تھے، آپ نے ان سے کہا کہ ایک اونٹ صفیہ رضی اللہ عنہما کو دے دو، انہوں نے کہا: کیا میں اس یہودی کو اپنا اونٹ دوں؟ اس پر آنحضرت ﷺ ان سے

۱ بخاری، کتاب النکاح، باب کثرة النساء: ۵۰۶۷۔ ۲ زرقانی، ج ۲، ص: ۳۰۲۔

۳ بخاری، کتاب الصلوة، باب ما یذکر فی الفخذ: ۳۷۱۔

۴ بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیر: ۴۲۱۱۔

اس قدر ناراض ہوئے کہ دو مہینے تک ان کے پاس نہ گئے۔ ﴿ ایک بار آپ ﷺ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے دیکھا کہ رورہی ہیں، آپ نے رونے کی وجہ پوچھی، انہوں نے کہا کہ عائشہ اور نسب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ہم تمام ازواج میں افضل ہیں، ہم آپ کی زوجہ ہونے کے ساتھ آپ کی چیزاں ادیں بھی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ ہارون علیہ السلام میرے باپ، موسیٰ علیہ السلام میرے چچا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے شوہر ہیں اس لیے تم لوگ کیونکر مجھ سے افضل ہو سکتی ہو؟ ” ﴿

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے ۵۰ ھ میں وفات پائی اور جنتِ اربعین میں دفن ہوئیں۔ ﴿

﴿ زرقانی، ج ۲، ص ۳۰۶۔ ۳۰۷، ۳۰۶۔ ﴾ جامع ترمذی، ابواب المناقب، باب فضل ازواج النبی ﷺ ۳۸۹۴ اس روابط میں حضرت نسب کے بجائے حضرت حصہ کا نام نہ کوئے۔ ”رضی“ ﴿ زرقانی، ج ۲، ص ۳۱۰۔ ۳۱۰۔ ۳۱۰۔

## اولاد

آنحضرت ﷺ کی اولاد کی تعداد میں سخت اختلاف ہے۔ متفق علیہ روایت یہ ہے کہ آپ کے چھ اولاد یں تھیں، قاسم رضی اللہ عنہ ابراہیم رضی اللہ عنہ، زینب، رقیہ، ام کلثوم، قاطمہ شویگن ان تمام لڑکیوں نے اسلام کا زمانہ پاپا اور بھرت سے شرف اندوں ہوئیں لیکن ابن اسحاق نے دو صاحبوں کا نام اور لیا ہے طاہر، طیب رضی اللہ عنہما ۱۳۰۸ اس بن پاپ اولاد مکور کی تعداد لڑکیوں کے برابر ہو جاتی ہے۔ اس بارہ میں تمام اقوال کے جمع کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بارہ اولاد یں تھیں جن میں آٹھ لڑکے اور چار لڑکیاں تھیں لڑکیوں کی تعداد میں کسی قسم کا اختلاف نہیں، البته صاحبوں کی تعداد میں سخت اختلاف ہے، مجموعی تعداد آٹھ تک پہنچتی ہے، جن میں قاسم اور ابراہیم رضی اللہ عنہما پر تمام راویوں کا اتفاق ہے۔ حضرت ابراہیم ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہما سے اور بقیہ اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہما سے تھیں۔ ۱۳۰۹

حضرت قاسم رضی اللہ عنہ

آپ ﷺ کی اولاد میں سب سے پہلے حضرت قاسم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے (اور غالباً بُنوت سے گیارہ برس پہلے پیدا ہوئے ہوں گے) مجاہد کے نزدیک یہ صرف سات دن زندہ رہے، ابن سعد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسال تک زندہ ہے، ۱۳۰۹ ابن فارس نے لکھا ہے کہ سن تمیز کو پہنچ گئے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی اولاد میں جس طرح یہ سب سے پہلے پیدا ہوئے تھے اسی طرح سب سے پہلے انتقال بھی کیا۔ عام روایت یہ ہے کہ قبل بعثت وفات پائی، آنحضرت ﷺ کی نیت ابو القاسم انہیں کے انتساب سے ہے، آپ اس نیت کو بہت پسند فرماتے تھے، صحابہ رضی اللہ عنہما بھی جب آپ کا محبت سے نام لیتے ابو القاسم ہی کہتے۔ ایک دن آپ بازار سے گزر رہے تھے کہ چیچے سے کسی نے با ابو القاسم کہہ کر آواز دی، آپ نے مزکر دیکھا تو اس نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ میں اسی نام کے ایک اور شخص کو پکار رہا ہوں، رفع الشتبہ کے لیے پھر آپ ﷺ نے منع فرمایا کہ کوئی یہ نیت نہ رکھے۔ ۱۳۱۰

حضرت زینب رضی اللہ عنہما

اہل سیر کا اتفاق ہے کہ لڑکیوں میں سب سے بڑی تھیں۔ زیر بن بکار کا قول ہے کہ حضرت قاسم رضی اللہ عنہ کے بعد پیدا ہوئیں لیکن ابن کلبی کے نزدیک آنحضرت ﷺ کی سب سے پہلی اولاد حضرت زینب رضی اللہ عنہما ہیں۔ بعثت سے دس برس پہلے جب آنحضرت ﷺ کی عمر ۳۰ سال کی تھی پیدا ہوئیں۔ آنحضرت ﷺ نے

۱۳۰۸ کتاب الاستیعاب بر حاشیہ اصحابہ، ج ۱، ص ۲۸، ۲۱۔ ۱۳۰۹ زرقانی، ج ۲، ص ۲۲۱۔

۱۳۱۰ طبقات ابن سعد، جز اول، ق ۱، ص ۸۵۔ ۱۳۱۱ صحیح مسلم، کتاب الاداب، باب النهي عن التکنی بائی القاسم: ۵۵۸۶۔

جب کہ معظمه سے بھرت فرمائی تو اہل و عیال مکہ میں رہ گئے تھے۔ حضرت زینبؓ کی شادی ان کے خالہ زاد بھائی ابوالعاص بن رجع بن قطیع سے ہوئی۔ غزوہ بدر میں ابوالعاص گرفتار ہو گئے، جب یہ رہا کئے گئے تو ان سے وعدہ لیا گیا کہ مکہ جا کر حضرت زینبؓ کو بھیج دیں گے، ابوالعاص نے مکہ جا کر اپنے بھائی کنانہ کے ساتھ ان کو مدینہ کی طرف روانہ کیا چونکہ کفار کے تعریض کا خوف تھا، کنانہ نے تھیمار ساتھ لے لیے تھے، مقام ذی طوی میں پہنچے تو کفار قریش کے چند آدمیوں نے تعاقب کیا، ہمار بن اسود نے حضرت زینبؓ کو نیزے سے سے زمین پر گردادیا، وہ حاملہ تھیں، جمل ساقط ہو گیا، کنانہ نے ترشیش سے تیر نکالے اور کہا کہ اب اگر کوئی قریب آیا تو ان تیروں کا نشانہ ہو گا۔ لوگ ہٹ گئے تو ابوسفیان سردار ان قریش کے ساتھ آیا اور کہا: تیر روک لو ہم کو کچھ گفتگو کرنی بے انہوں نے تیر ترشیش میں ڈال دیے، ابوسفیان نے کہا: محمد ﷺ کے ہاتھ سے جو مصیبیں پہنچی ہیں تم کو معلوم ہیں اب اگر تم اعلانیہ ان کی لڑکی کو ہمارے قبضے سے نکال کر لے گے تو لوگ کہیں گے کہ ہماری کمزوری ہے، ہم کو زینبؓ کے رونے کی ضرورت نہیں، جب شور و ہنگامہ کم ہو جائے اس وقت چوری چھپے لے جانا۔ کنانہ نے یہ رائے تسلیم کی اور چند روز کے بعد ان کورات کے وقت لے کر روانہ ہوئے۔ زید بن حارثہ ؓ کو حضرت علیؓ نے پہلے بھیج دیا تھا، وہ بطنِ یاج میں تھے، کنانہ نے زینبؓ کو ان کے حوالے کیا، وہ ان کو لیکر روانہ ہو گئے۔

حضرت زینبؓ مدینہ میں آئیں اور اپنے شوہر ابوالعاص کو حالت شرک میں چھوڑا۔ ابوالعاص دوبارہ ایک سریہ میں گرفتار ہوئے۔ اس وقت بھی حضرت زینبؓ نے ان کو پناہ دی، مکہ جا کر انہوں نے لوگوں کی امامتیں حوالے کیں اور اسلام لائے، اسلام لانے کے بعد بھرت کر کے مدینہ میں آئے، حضرت زینبؓ نے ان کو حالت شرک میں چھوڑا تھا اس لیے دونوں میں باہم تفریق ہو گئی تھی، وہ مدینہ آئے تو حضرت زینبؓ دوبارہ ان کے نکاح میں آئیں۔ ترمذی وغیرہ میں حضرت ابن عباسؓ نے دوسری روایت ہے کہ کوئی جدید نکاح نہیں ہوا لیکن دوسری روایت میں جدید نکاح کی تصریح ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی روایت ہے اگرچہ اسناد کے لحاظ سے دوسری روایت پر ترجیح ہے لیکن فقہاء نے دوسری روایت پر عمل کیا ہے اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی یہ تاویل کی ہے کہ نکاح جدید کے مہرا و شرائط وغیرہ میں کسی قسم کا تغیر نہ ہوا ہو گا، اس لیے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے اس کو نکاح اول سے تبیر کیا اور نہ بعد

زرفانی، ج ۳، ص: ۲۲۳۔ اصحاب میں ہے کہ ابوالعاص قریش کے ایک قائد کے ساتھ جادی الاول ۶ ہیں روانہ ہوئے۔ آنحضرت علیؓ نے زید بن حارثہ کو ۷ اسواروں کے ساتھ بھجوایا۔ مقام عیص میں قافلہ ملا، پچھے لوگ گرفتار کیے گئے اور مال و اسیاب لوٹ میں آیا، ان ہی میں ابوالعاص تھے۔ ابوالعاص آئے تو حضرت زینبؓ نے ان کو پناہ دی اور ان کی سفارش سے آنحضرت علیؓ نے ان کا مال بھی واپس کر دیا۔ (ج ۴، ص: ۳۱۲) مستدرک حاکم، ص: ۳۱۲ / ۳؛ دلائل النبوة، ج ۴، ص: ۸۴۔

ترمذی، ابواب النکاح، باب فی الزوجین المشرکین یسلم احدهما: ۱۱۴۲۔

تفریق نکاح ثانی ضروری ہے۔

ابوالعاص نے حضرت نسب علیہ السلام کے ساتھ نہایت شریفانہ برتاو کیا اور آنحضرت علیہ السلام نے ان کے شریفانہ تعلقات کی تعریف کی، نکاح جدید کے بعد حضرت نسب علیہ السلام بہت کم زندہ رہیں۔ کے ۲۲۷ میں (باختلاف روایت) ابوالعاص اسلام لائے تھے اور اس لیے ۲۲۸ میں حضرت نسب علیہ السلام نے انتقال کیا۔ ام ایکن، حضرت سودہ بنت زمعہ اور امام سلمہ علیہ السلام نے عسل دیا اور آنحضرت علیہ السلام نے نماز جنازہ پڑھائی ابوالعاص اور آنحضرت علیہ السلام نے قبر میں اتارا۔ ﴿ حضرت نسب علیہ السلام نے دواولاد چھوڑ کی۔ امامہ اور علیؑ کی نسبت ایک روایت ہے کہ یہیں میں وفات پائی تھیں عام روایت یہ ہے کہ سن رشد کو پہنچ۔ اب ان عمار کرنے لکھا ہے کہ یہ موک کے معمر کمیں شہادت پائی۔ ﴾

امامہ سے آنحضرت علیہ السلام کو نہایت محبت تھی، آپ ان کو اوقات نماز میں بھی جدا نہیں کرتے تھے۔ صحابہ میں ہے کہ آپ علیہ السلام ان کو کامنہ ہے پر رکھ کر نماز پڑھتے تھے، جب کوئی میں جاتے تو دش مبارک سے اتاردیتے، جب بجہہ سے سر اٹھاتے تو پھر سوار کر لیتے۔ آنحضرت علیہ السلام کی خدمت میں ایک مرتبہ کسی نے کچھ چیزیں ہدیے میں بھیجنیں جن میں ایک زریں ہار بھی تھا، امامہ ایک گوشہ میں کھیل رہی تھیں، آپ علیہ السلام نے فرمایا: ”میں اس کو اپنی محبوب ترین اہل کو دوں گا۔“ ازواج نے سمجھا کہ یہ شرف حضرت عائشہ علیہ السلام کو حاصل ہو گا لیکن آپ علیہ السلام نے امامہ کو بلا کروہ ہار خود ان کے گلے میں ڈال دیا۔ ابوالعاص نے حضرت زیر بن عموم علیہ السلام کو امامہ علیہ السلام کے نکاح کی وصیت کی تھی، حضرت فاطمہ علیہ السلام کا انتقال ہوا تو انہوں نے حضرت علیہ السلام سے ان کا نکاح کر دیا۔ حضرت علیہ السلام نے شہادت پائی تو مغیرہ کو وصیت کر گئے کہ امامہ علیہ السلام سے نکاح کر لیں مغیرہ علیہ السلام نے نکاح کیا اور ان سے ایک بچہ بیدار ہوا جس کا نام تیکی تھا لیکن بعض روایتوں میں ہے کہ امامہ علیہ السلام کے کوئی اولاد نہیں ہوئی، امامہ علیہ السلام نے مغیرہ کے باہ وفات پائی۔ ﴾

### حضرت رقیہ علیہ السلام

جر جانی نے لکھا ہے کہ آنحضرت علیہ السلام کی لڑکیوں میں سب سے چھوٹی تھیں ﴿ لیکن مشہور روایت یہ ہے کہ حضرت نسب علیہ السلام کے بعد قل نبوت میں بیدا ہوئیں، پہلے ابوالہب کے بیٹے عقبہ سے شادی ہوئی۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ یہ شادی قبل نبوت ہوئی تھی۔ ﴾ آنحضرت علیہ السلام کی دوسرا صاحزادی امام کاشم کی شادی بھی ابوالہب کے دوسرے لڑکے عقبہ سے ہوئی تھی، جب آنحضرت علیہ السلام کی بعثت ہوئی اور آپ نے دعوت اسلام کا اظہار کیا، ابوالہب نے بیٹوں کو جمع کر کے کہا: اگر تم محمد (علیہ السلام) کی بیٹیوں سے علیحدگی اختیار نہیں کرتے تو تمہارے ساتھ میرا سونا بیٹھنا حرام ہے۔ دونوں فرزندوں نے باپ کے حکم کی تعییل کی، آنحضرت علیہ السلام نے

﴿ زرقانی، ج ۳، ص: ۲۲۳۔ ﴾ ایضاً، ص: ۲۳۵۔ ﴾ زرقانی، ج ۳، ص: ۲۳۵۔ ﴾

﴿ ایضاً، ص: ۲۳۶۔ ﴾ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص: ۲۴۔ ﴾

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دی۔

دولابی نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کا نکاح زمانہ جامیت میں ہوا لیکن خود ایک روایت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مردی ہے جس میں زمانہ اسلام کی تصریح ہے، نکاح کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جوش کی طرف بھرت کی، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہ بھی ساتھ گئیں۔ مدت تک آنحضرت ملیکہ کو ان کا کچھ حال معلوم نہ ہوا، ایک عورت نے آنکر خبر دی کہ میں نے ان دونوں کو دیکھا ہے آنحضرت ملیکہ نے دعا دی اور فرمایا کہ ”ابراہیم اور لوط علیہما السلام“ کے بعد عثمان پہلے شخص ہیں جنہوں نے بی بی کو لے کر بھرت کی ہے۔

جوش میں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہ کے ایک بچہ پیدا ہوا، جس کا نام عبد اللہ تھا لیکن صرف ۲ سال زندہ رہا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جوش سے مکہ کو واپس آئے اور وہاں سے مدینہ کی طرف بھرت کی۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہ مد نہ میں آ کر بیجا ہوئیں یہ غزوہ مد کار مانہ تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان کی تمارداری کی وجہ سے شریک جہاد نہ ہو سکے، عین اسی دن جس روز زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ آ کر قلعہ کا مژده سنایا، وفات پائی۔ غزوہ بدر کی وجہ سے آنحضرت ملیکہ ان کے جنازہ میں شریک نہ ہو سکے۔

### حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا

کنیت ہی کے نام سے مشہور ہیں۔ اسھی میں جو غزوہ بدر کا سال تھا جب حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو ربیع الاول میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کر لیا۔ بخاری میں ہے کہ جب حضرت خصہ رضی اللہ عنہ یوہ ہوئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکاح کا پیغام دیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تامل کیا۔ لیکن دوسری روایتوں میں ہے کہ جب آنحضرت ملیکہ کو یہ خبر معلوم ہوئی تو آپ ملیکہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: ”میں تم کو عثمان سے بہتر شخص کا پوتہ دیتا ہوں اور عثمان کے لیے تم سے بہتر شخص ڈھونڈتا ہوں تم اپنی لڑکی کی شادی مجھ سے کر دو، میں اپنی لڑکی کی شادی عثمان سے کر دیتا ہوں۔“ بہر حال نکاح ہوا، اور نکاح کے بعد حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا برس تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہیں شعبان ۹ھ میں انتقال کیا۔ آنحضرت ملیکہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت علی، حضرت فضل بن عباس، حضرت اسماء بن زید رضی اللہ عنہم نے قبر میں اتارا۔

### حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا

فاطمہ نام، زہرا القب، سمندادت میں اختلاف ہے، ایک روایت ہے کہ اسھی بعثت میں پیدا ہوئیں۔

طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۴۔ اسد الغاب، ج ۵، ص ۴۲۷، الطبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۴۔

زرقاوی، ح ۳، ص ۲۳۶، ۲۳۷۔ بخاری، کتاب النکاح، باب عرض الانسان ابته: ۵۱۲۲۔

مسند امام احمد، ج ۲، ص ۲۸۳۔ اسد الغاب، ج ۷، ص ۶۷؛ زرقاوی، ج ۲، ص ۲۲۸۔

انصا، ص ۲۲۹۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ ابراہیم کے علاوہ آپ ﷺ کی تمام اولاد بیل نبوت پیدا ہوئی۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت چالیس سال کی عمر میں ہوئی تھی اس بنا پر بعضوں نے دونوں روایتوں میں یہ تعلیق دی ہے کہ بعثت کے آغاز میں حضرت فاطمہؓ پیدا ہوئی ہوں گی اور چونکہ دونوں کی مدت میں بہت فاصلہ سے اس لیے یہ اختلاف روایت ہو گیا ہو گا، ابن جوزی نے لکھا ہے کہ بعثت سے پانچ برس پہلے حب خانہ کعبہ کی تعمیر ہو۔ یہ تھی پیدا ہوئیں بعض، واتیوں میں ہے کہ تقریباً ایک سال پیشتر پیدا ہوئیں۔ \* حضرت فاطمہؓ اگر ان کا سال ولادت <sup>۱</sup> بعثت صحیح سلیمان کر لیا جائے جب پندرہ سال سا ہے پانچ میئنے کی ہوئی تو <sup>۲</sup> ۲۶ میں آنحضرت ﷺ

نے حضرت علیؑ کے ساتھ نکاح کر دیا اس وقت حضرت علیؑ کا سن ۲۱ برس پانچ میئنے کا تھا، \* حضرت فاطمہؓ پیدا ہوئی سے عقد کی درخواست سب سے پہلے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کی تھی۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے کہ کچھ جواب نہیں دیا جب حضرت علیؑ نے خواہش کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”تمہارے پاس مہزادا کرنے کو کچھ ہے؟“ بولے: ایک گھوڑا اور زرہ کے سو، کچھ نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ”گھوڑا تو لڑائی کے لئے ضروری ہے زرہ کو فروخت کردار الو“ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ۳۸ درہم پر خریدی اور حضرت علیؑ نے قیمت لا کر آنحضرت ﷺ کے سامنے ڈال دی، آنحضرت ﷺ نے بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ بازار سے خوبصورائیں، عقد ہوا اور آنحضرت ﷺ نے جیزیر میں ایک پلنگ اور ایک بستر دیا۔ اصحاب میں لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے ایک چاہرہ، وچکاں اور ایک مشک بھی دی \* اور یہ بیجیب اتفاق ہے کہ یہی دو چیزیں عمر بھران کی رفیق رہیں۔

نکاح کے بعد رسم عروجی کا وقت آیا تو آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؑ سے کہا کہ ایک مکان لے لیں، چنانچہ حارش بن العماد بن زین العابدین رضی اللہ عنہ کا مکان ملا۔ و حضرت علیؑ نے حضرت فاطمہؓ پیدا ہوئی کے ساتھ اس میں قیام کیا۔ \* آنحضرت ﷺ ہمیشہ حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؓ پیدا کے تعلقات میں خوشگواری پیدا کرنے کی کوشش فرماتے، چنانچہ جب حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؓ پیدا میں کسی کھلی خالگی معاملات کے متعلق رنجش ہو جاتی تھی، تو آنحضرت ﷺ دونوں میں صلح کر دیتے تھے، ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا آپ ﷺ گھر میں تشریف لے گئے اور صفائی کر دی، گھر سے سرور نکلے لوگوں نے پوچھا آپ ﷺ گھر میں گئے تھے، تو اور حالت تھی اب آپ ﷺ اس قدر رخوش کیوں ہیں، فرمایا: ”میں نے ان دونوں میں مصالحت کر دی ہے جو مجھ کو محظوظ ہیں۔“ \*

ایک مرتبہ حضرت علیؑ نے ان پر کچھ خفتی کی، وہ آنحضرت ﷺ کے پاس شکایت لے کر چلیں، پہنچپے پہنچپے حضرت علیؑ بھی آئے، حضرت فاطمہؓ پیدا نے شکایت کی، آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں تم کو خود سمجھتا ہوں“ زرقانی، ج ۳، ص: ۲۴۱۔ \* حضرت علیؑ کے تعلق ایک روایت ہے کہ ۸ برس کی عمر میں اسلام لائے۔ میں کی بُ تیعنیں اسی روایت کی بنا پر ہے لیکن قول راجح یہ ہے کہ وہ دس سال کی عمر میں مشرف اسلام لائے۔ میں کی اس سے اس کا سوال ہے یہ ہمیں کا تھا۔ \* انصاء، ح ۹، ص: ۱۵۹۔ \* انصاء، ح ۱۵۸۔ \* انصاء، ص: ۱۶۰۔

چاہیے کہ کون شوہر اپنی بی بی کے پاس خاموش چلا آتا ہے۔ "حضرت علیؑ پر اس کا یہ اثر ہوا کہ انہوں نے حضرت فاطمہؓ سے کہا: اب میں تمہارے خلاف مراجع کوئی بات نہ کروں گا۔"

(ایک دفعہ حضرت علیؑ نے ایک دوسرا نکاح کرنا چاہا آنحضرتؑ کو معلوم ہوا تو سخت برہم ہوئے، آپؑ نے مسجد میں خطبہ دیا اس میں اپنی ناراضی ظاہر کی فرمایا: "میری بڑی میرا جگر گوشہ ہے، جس سے اس کو دکھ پہنچے گا، مجھے بھی اذیت ہوگی۔" چنانچہ حضرت علیؑ اس ارادہ سے بازاً گئے اور حضرت فاطمہؓ کی زندگی تک پھر بھی دوسرا نکاح نہ کیا۔)

حضرت فاطمہؓ کے پانچ اولادیں ہوئیں۔ حسن، حسین، حسن بن علیؑ، ام کلثوم، زینبؓ، حسن بن علیؑ نے بچپن ہی میں انتقال کیا۔ حضرت زینب، امام حسن، حسین اور ام کلثومؓ اہم واقعات کے لحاظ سے تاریخ اسلام میں مشہور ہیں۔ حضرت فاطمہؓ نے رمضان ۱۱ھ میں آنحضرتؑ کے انتقال کے ۶ ماہ بعد وفات پائی۔ اس وقت ان کا سن ۲۹ سال کا تھا، سن کی تعین میں سخت اختلاف ہے، بعض نے ۲۲ سال، بعض نے ۲۵ سال اور بعض نے ۳۰ سال بتایا ہے لیکن زرقانی نے لکھا ہے کہ پہلی روایت زیادہ صحیح ہے، اگر ۲۳ کو سال ولادت قرار دیا جائے تو اس وقت ان کا یہ سن نہیں ہو سکتا تھا، البتہ اگر ۲۲ سال کی عمر تسلیم کی جائے تو اس سن کو سال ولادت قرار دیا جا سکتا ہے لیکن اگر یہ روایت صحیح مان لی جائے کہ وہ پانچ برس قبل نبوت میں پیدا ہوئیں تو اس وقت ان کا سن ۲۹ سال کا ہو سکتا ہے۔

### حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ

آنحضرتؑ کی سب سے آخری اولاد ہیں۔ ذی الحجہ ۸ھ بمقام عالیہ جہاں حضرت ماریہ قبطیہؓ تھیں، پیدا ہوئے۔ اس بنا پر لوگ عالیہ کو مشربہ ابراہیم بھی کہنے لگے تھے۔ ابو رافع کی بی بی سلمیؓ نے جو آنحضرتؑ یا آپ کی پھوپھی صفیہ کی لوٹی تھیں، دایگری کی خدمت انجام دی۔ ابو رافع نے جب آنحضرتؑ کو ان کی ولادت کا مردہ سنایا تو آپ نے اس کے صدر میں ایک غلام عطا فرمایا۔ ساتویں دن عقیدہ ہوا، آپ نے بال کے بر ابر چاندی خیرات کی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام پر نام رکھا۔ دو دھپلانے کے لیے تمام انصار نے خواہش کی، لیکن آپ نے ان کو ام برود خولہ بنت منذر بن زید الانصاری کے حوالے کیا اور اس کے معاوضہ میں کھجور کے چند درخت دیئے۔ بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت

۱ اصحاب، ج ۴، ص: ۳۷۹۔ ۲ صحيح بخاری، کتاب المناقب، باب ذکر اصحاب النبي ﷺ: ۳۷۲۹۔

۳ اس میں بھی اختلاف ہے بعض نے لکھا ہے کہ آنحضرتؑ کے بعد صرف تین دن زندہ رہیں، بعض نے چار میہنے تباہی، بعضوں کے زدیک دو میہنے کے بعد انتقال ہوا، کسی نے ایک مہینہ کی نے ۳ میہنے بعد اور بعضوں نے ۳ میہنے ۵ دن بعد لکھا ہے لیکن صحاح میں حضرت عائشؓ کے ذریعہ سے ۲ میہنے والی روایت ذکور ہے۔ ۴ رزقانی، ج ۳، ص: ۲۴۵۔

ہے کہ آپ ﷺ نے یہ خدمت اُم سیف کے متعلق کی۔ \* قاضی عیاض رضی اللہ عنہ نے لکھا ہے کہ اُم سیف اور اُم بردہ ایک ہی ہیں، یہ تاویل کچھ مستبعد نہیں، لیکن ان کے شوہر کا نام براء بن اوس بتایا جاتا ہے اور وہ ابو سیف کی کنیت کے ساتھ مشہور نہیں۔ \* اُم سیف حوالی مدینہ میں رہتی تھیں۔ آنحضرت ﷺ فرم طبیعت سے وہاں جاتے، حضرت ابراہیمؑ کو گود میں لیتے اور چوتھے، اُم سیف کے شوہر لوہار تھے، اس لیے گھر دھوئیں سے بھرا رہتا تھا لیکن آنحضرت ﷺ باوجود نظافت طبع گوار فرماتے۔

ابراہیمؑ نے اُم سیفؓ کے بھاں انتقال کیا۔ آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے ساتھ تشریف لائے۔ نزع کی حالت تھی، گود میں اٹھایا، آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، عبد الرحمن بن عوف نے کہا: یا رسول اللہ! آپ کی یہ حالت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ رحمت ہے۔“ \*

عرب کا خیال تھا کہ جب کوئی بڑا شخص مر جاتا ہے تو چاند میں گہن لگ جاتا ہے، اتفاق سے جس روز حضرت ابراہیمؑ رضی اللہ عنہ نے وفات پائی۔ سورج میں گہن لگ گیا تھا۔ عام طور پر مشہور ہو گیا کہ یہ ان کی موت کا اثر ہے آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو فرمایا: ”چاند اور سورج خدا کی نشانیاں ہیں، کسی کی موت سے ان میں گہن نہیں لگتا۔“ \*

چھوٹی سی چارپائی پر جنازہ اٹھایا گیا۔ آنحضرت ﷺ نے خود نماز جنازہ پڑھائی، عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر کے متصل دفن ہوئے۔ قبر میں فضل بن عباس اور اسامہ رضی اللہ عنہا نے اتارا۔ آنحضرت ﷺ قبر کے کنارے کھڑے تھے، قبر پر پانی چھڑ کر گیا اور اس پر ایک اتیازی علامت قائم کی گئی۔ \* ابو داؤد اور یہقی کی روایت کے موافق دو مہینے دس دن کی عمر پائی۔ ذی الحجه ۸ھ میں پیدا ہوئے تھے، اس روایت کی بنابر ۹ھ میں انتقال ہوا۔ والدی کے نزدیک ماہ ربیع الاول ۱۰ھ میں وفات کی، اس لحاظ سے تقریباً پندرہ مہینے زندہ رہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ رسول مہینے آٹھوں کی عمر پائی، بعض لوگوں نے مدت حیات ایک برس دس ماہ چھوٹی کھٹکی ہے لیکن صحاح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابراہیمؑ کے ۱۸ مہینے تک زندہ رہے۔ \*

\* بخاری، کتاب الجنائز، باب قول النبي ﷺ: ... - ۱۳۰۳۔ ② زرقانی، ج ۳، ص: ۲۵۱۔

\* بخاری، کتاب الجنائز، باب قول النبي ﷺ لمحزونون: ... - ۱۳۰۳۔

\* بخاری، کتاب الكسوف، باب الصلة في كسوف الشمس: ۱۰۴۳۔

\* استیعاب بر حاشیہ اصحابہ ج ۱، ص: ۴۶۔ ④ زرقانی، ج ۲، ص: ۲۵۴ تا ۲۵۳۔

## از واج مطہراتِ ضئیلیت کے ساتھ معاشرت

از واج مطہرات کی تعداد تک پہنچی تھی، ان میں عام اصول فطرت کے موافق ہر مراج اور ہر طبیعت کی عورتیں تھیں، باہم رٹک اور منافست بھی تھی۔ آنحضرت ﷺ چونکہ ہمیشہ فقر و فاقہ سے برکرتے تھے، ان کی خورد و پوشش کا انتظام بھی خاطر خواہ نہیں ہو سکتا تھا، اس لیے ان کو شکایت کا موقع ملتا تھا۔ ان تمام حالات کے ساتھ بھی آپ ﷺ کی جیں خلق پر کبھی شکن نہیں پڑتی تھی۔

حضرت خدیجہؓ کے ساتھ آپ ﷺ کو بے انتہا محبت تھی، جب وہ عقد نکاح میں آئیں تو آنحضرت ﷺ کاریavan شباب اور ان کا بڑھا پا تھا انہم آپ ﷺ نے ان کی وفات تک کوئی شادی نہیں کی۔ وفات کے بعد بھی جب کبھی ان کا دکر آ جاتا تو آپ جوش محبت سے بے تاب ہو جاتے۔ (تفصیل اور گزرنچی ہے)

حضرت خدیجہؓ کے بعد حضرت عائشہؓ از واج مطہرات میں سب سے محبوب تھیں لیکن محبت کے اس باد وہ نہ تھے جو عام انسانوں میں پائے جاتے ہیں۔ حسن صورت میں حضرت صفیہؓ ان سے بڑھ کر تھیں اور کمن بھی تھیں، دیگر ظاہری حasan میں بھی دیگر از واج ان سے کم نہ تھیں، لیکن حضرت عائشہؓ کی قابلیت، ذہانت، قوت اجتہاد، دقتِ نظر، وسعت معلومات ایسے اوصاف تھے جو ان کی ترجیح کا اصلی سبب تھے۔ ایک دفعہ چند از واج مطہرات میں نے حضرت فاطمہؓ ہر انہیں کو سفیر بننا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا، جناب سیدہؓ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں۔ دستور کے موافق پہلے اذن طلب کیا، اجازہ یہ ملی تو سامنے آئیں اور عرض کی کہ از واج مطہرات میں نے مجھ کو وکیل بنا کر بھیجا ہے کہ آپ ﷺ کی ابو بکرؓ کی بیٹی کو ہم پر کیوں ترجیح دیتے ہیں، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جان پدر! کیا تم اس کوئیں چاہتیں جس کو میں چاہتا ہوں۔“ جناب سیدہؓ کے لیے اتنا ہی کافی تھا اپس جا کر از واج مطہرات سے کہا میں اس معاملہ میں دخل نہ دوں گی۔

اب اس خدمت (سفارت) کے لیے حضرت زینبؓ اختاب کی گئیں کیونکہ از واج میں سے حضرت زینبؓ کو خصوصیت کے ساتھ حضرت عائشہؓ کی ہمسری کا دعویٰ تھا، اس لیے وہی اس خدمت کے لیے زیادہ موزوں تھیں، انہوں نے یہ پیغام بڑی دلیری سے ادا کیا اور بڑے زور کے ساتھ یہ ثابت کرنا چاہا کہ حضرت عائشہؓ اس رتبہ کی مستحق نہیں ہیں۔ حضرت عائشہؓ چپ سر رہی تھیں اور رسول اللہ ﷺ کے چہرہ کی طرف دیکھتی جاتی تھیں، حضرت زینبؓ اسراج تقریر کر چکیں تو مرضی پا کر کھڑی ہوئیں اور اس زورو شور کے ساتھ تقریر کی کہ حضرت زینبؓ لا جواب ہو کرہ گئیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”کیوں نہ ہو ابو بکرؓ کی

بیٹی ہے۔\*

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: ”شادی کرنے کے لیے عورت کا انتخاب چار اوصاف کی بنا پر ہو سکتا ہے، مال، نسب، حسن، دینداری، سو تم دیندار عورت تلاش کرو۔“ \* آنحضرت ﷺ کو ہر کام میں سب سے مقدم جو چیز پیش نظر ہوتی تھی وہ دین ہوتا تھا اس لیے ازواج میں بھی وہی زیادہ منظور نظر ہوتی تھیں جن سے دین کی خدمت زیادہ ادا ہو سکتی تھی۔ ازواج مطہرات شائستہ کو باریابی کا زیادہ موقع ملتا تھا۔ وہ خلوت و جلوت کی شریک صحبت تھیں اس لیے مذہبی احکام و مسائل کے علم و اطلاع کا بھی ان کو سب سے زیادہ موقع مل سکتا تھا لیکن ساتھ ہی اس کی ضرورت تھی کہ مسائل کے بھجھنے اور نکات شریعت کی تینک پہنچنے کی بھی قابلیت جس قدر زیادہ ہوتی اسی قدر زیادہ تفہیم اپنے اٹھا سکتا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مجتہدہ دل و دماغ رکھتی تھیں، اس لیے قرب و صحبت سے اس قدر فائدہ اٹھائیں کہ بڑے بڑے نازک اور دغیق مسائل میں وہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے خالقت کرتی تھیں اور انصاف بالائے طاعت است اکثر مسئللوں میں ان کی فہم و وقت نظر کا پلہ بھاری نظر آتا ہے، چنانچہ اس کی کسی قدر تفصیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حالات میں گزر جوکی ہے۔

معمول تھا کہ ہر روز آپ ﷺ تمام ازواج مطہرات کے گھروں میں (جو پاس پاس تھے) تشریف لے جاتے، ایک ایک کے پاس تھوڑی تھوڑی دیر ٹھہر تے، جب ان کا گھر آ جاتا جن کی باری ہوتی تو شب کو وہیں قیام فرماتے۔ \* یہ ابو داؤد کی روایت ہے۔ زرقانی میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حال میں لکھا ہے کہ عصر کا وقت ہوتا تھا اور ابتداء حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ہوتی تھی۔ \* بعض روایتوں میں ہے کہ جن کی باری ہوتی تھی انہی کے گھر پر تمام ازواج مطہرات آ جاتی تھیں اور دیر تک صحبت رہتی تھی، کچھ رات گئے سب رخصت ہو جاتی تھیں۔ اس سے ظاہر ہو گا کہ گوا ازواج میں کبھی کبھی منافست کا انطباع ہوتا تھا لیکن دل صاف تھے اور باہم مل کر لطف صحبت اپنی تھیں۔ آنحضرت ﷺ کے شرف صحبت نے جس طرح ان آئینوں کو جلا دی تھیں اس کا اندازہ افک کے واقعہ سے ہو سکتا ہے۔ جس میں جناب عائشہ رضی اللہ عنہا کو منافقین نے متهم کیا تھا اس سے بڑھ کر حریفوں کے لیے انقام کا کیا موقع مل سکتا تھا لیکن باوجود واس کے کوئی متعلق لوگ تھت لگانے

\* یہ اعد پوری تفصیل کے ساتھ بخاری، کتاب الہبة، باب من أهدي إلى صاحبه: ۲۵۸۱؛ مسلم، کتاب الفضائل، باب فی فضل عائشة: ۶۲۹۰ اور دیگر حادیث کی کتابوں میں ہے۔ الفاظ دادر ہوتا ہے کہ دنوں فریض نے صرف کچھ جنیں اور ایک دوسرے کی کرسیان کی تھی جیسا کہ عام طور پر سوکنیں ہاہم خانگی جھگروں میں کریں ہیں لیکن یہ کم نظری ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ترجیح کی وہ مسکت ولیمیں بیان کی ہوں گی جس کا جواب سکوت کے سوا اور کچھ بھروسہ ہو سکتے ہو گا۔ \* بخاری، کتاب النکاح، باب الائکنا، فی الدین: ۵۰۹۰؛ مسلم، کتاب الرضاع، باب استحباب نکاح ذات الدین: ۳۶۳۵۔

\* ابو داؤد، کتاب النکاح، باب القسم بین النساء: ۲۱۳۵۔ \* زرقانی، ج ۳، ص: ۲۸۸۔

میں آلوہ ہو گئے تھے تاہم ازواج مطہرات کا دامن صاف رہا۔ حضرت عائشہؓ کی بڑی حریف حضرت نسبؓ تھیں۔ لیکن جب رسول اللہ ﷺ نے ان سے استفسار فرمایا تو انہوں نے کانوں پر ہاتھ رکھا کہ حاشیاً یہ محض تہمت ہے۔ حضرت عائشہؓ جب واقعہ افک کا ذکر کرتی تھیں تو ہمیشہ حضرت نسبؓ کی پاک باطنی کی شکرگزاری ظاہر کرتی تھیں، چنانچہ بخاری کی متعدد روایتوں میں تفصیل انہوں کے ذکر ہے۔

آنحضرت علیہ السلام جس طرح ازواج مطہراتؓ کی خاطرداری فرماتے اور ان کی نازک مزاجیاں برداشت کرتے تھے اس کا اندازہ ذمیل کے واقعات سے ہوگا۔

ایک دفعہ از واج مطہرات شیخن سفر میں تھیں۔ ساربان، اونٹ کوتیز ہا نکنے لگے، آپ علیشیم نے فرمایا: ”دیکھنا آگئے (شیخ) ہے۔“ \*

حضرت صفیہؓ کھانا نہایت عمدہ پکاتی تھیں، ایک دن انہوں نے کھانا پکا کر آنحضرتؓ کے پاس بیجوا، آپ اس وقت حضرت عائشہؓ کے گھر میں شریف رکھتے تھے، حضرت عائشہؓ نے خادم کے ہاتھ سے پیالہ چھین کر زمین پر دے مارا، آنحضرتؓ نے پیالے کے ٹکڑے چن کر بیکجا کیے اور ان کو جوڑا پھر دوسرا پیالہ منگوا کر واپس کیا۔ ﴿

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے پہنچا آنحضرت ﷺ سے برمم ہو کر بلند آواز سے با تیس کرہی تھیں، اتفاقاً حضرت ابو بکر ؓ آگئے، حضرت عائشہؓ کو پکڑ کر تھپٹ مارنا چاہا کہ تو رسول اللہ ﷺ سے چلا کر بولتی ہے، آنحضرت ﷺ نجی میں آگئے اور حضرت عائشہؓ کے آڑے آگئے، حضرت ابو بکر ؓ غصہ میں بھرے ہوئے باہر چلے گئے، آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے کہا: ”کیوں؟ کس طرح تم کو بجا لیا۔“ چند روز کے بعد حضرت ابو بکر ؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے تو وہ حالت بدل چکی تھی، بولے: محو کو بھی صلح میں شریک کیجئے۔ جیسا کہ اس موقع پر میں نے جنگ میں شرکت کی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”بہ اور باں۔“

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ ”تو مجھ سے جب ناراض ہوتی ہے تو میں کبھی جاتا ہوں۔“ بولیں: کیونکر؟ ارشاد ہوا: ”جب تو خوش رہتی ہے (اور کسی بات پر قسم کھانی ہوتی ہے) تو یوں قسم کھاتی ہے۔ محمد ﷺ کے خدا کی قسم! اور جب ناراض ہو جاتی ہے تو کہتی ہے ابراہیم علیہ السلام کے خدا کی قسم!“

حضرت عائشہؓ نے کہا، ہاں پار رسول اللہؐ میں صرف آپ کا نام چھوڑ دیتی ہوں۔

٦٢٨٥ - ٥ - صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب فضل عائشة

حضرت عائشہؓ کے وقت بہت کسی تھیں اور لڑکیوں کے ساتھ کھیلا کرتی تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے اتفاقاً آجاتے تو لڑکیاں بھاگ جاتیں، آپ ﷺ نے ان کو بلا کر حضرت عائشہؓ کے پاس بھیج دیا کرتے۔ \*

جبشی ایک چھوٹا سا نیزہ رکھتے ہیں جس کو حراب کہتے ہیں اور جس طرح ہمارے ملک میں پہنچاتے ہیں جبشی اس سے کھیلتے ہیں، ایک دفعہ عید کے دن جبشی یہ تماشا دکھار ہے تھے، حضرت عائشہؓ نے دیکھنے کی خواہش خاہر کی، آنحضرت ﷺ آگے کھڑے ہو گئے، حضرت عائشہؓ نے دو شہزادے کو رکھ کر تماشا دیکھنے لگیں اور دیر تک دیکھتی رہیں یہاں تک کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”کیوں ابھی تک تم سیر نہیں ہوئیں؟“ بولیں نہیں آپ ﷺ چپ ہو رہے ہیں تک کہ خود تھک کرہتے گئیں۔ \*

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ گڑیوں سے کھیل رہی تھیں، آنحضرت ﷺ باہر سے تشریف لائے گڑیوں میں ایک گھوڑا بھی تھا جس کے پر بھی تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ کیا ہے؟“ بولیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑوں کے پر بھی تھے، آپ نے قسم فرمایا۔ \* عوام میں مشہور ہے کہ پہلے گھوڑوں کے پر ہوتے تھے، حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس بنا پر کہ گھوڑوں کی سیر میں ان کی نماز قضا ہو گئی تھی پر کٹوادیے، اس وقت سے پر جاتے رہے لیکن نشان اب بھی باقی ہے، حضرت عائشہؓ نے اسی واقعی طرف اشارہ کیا تھا۔

ایک دفعہ آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ ”آؤ تیز قدی میں مقابلہ کریں۔“ حضرت عائشہؓ اس وقت تک دبی پتی تھیں آگے نکل گئیں، جب سن زیادہ ہوا اور پر اندا姆 ہو گئیں تو پھر مسابقت کی نوبت آئی، اب کے وہ پیچھے رہ گئیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ اس دن کا جواب ہے۔“ \*

### ازواج مطہرات اور اہل و عیال کی سادہ زندگی

انسان بذات خود فاقہ کشی کر سکتا ہے، سخت سے سخت تکلیفیں اٹھا سکتا ہے، زخارف دنیوی کو ملکتہ چھوڑ سکتا ہے لیکن وہ اپنے اعزہ و اقرباً یا مخصوص عزیز ترین اولاد کو اس قسم کی سادہ اور متفاخانہ زندگی بسر کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا ہے۔ سبی وجہ ہے کہ دنیا میں جن لوگوں نے راہبائی زندگی بسر کی ہے انہوں نے اپنے آپ کو ہمیشہ اہل و عیال کے گھوڑوں سے الگ رکھا ہے دنیا کی مذہبی تاریخ میں صرف آنحضرت ﷺ کی زندگی اس کلیہ کی ایک مشتمل مثال ہے۔ آپ ﷺ کے ۹ یہاں تھیں جن میں بعض ناز و نعمت میں پلی تھیں اور کثر معزر گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں، اس لیے ان کا قدر تی میلان غذا ہائے لطیف اور لباس ہائے فاخرہ کی طرف ہو سکتا تھا، متعدد صغير اسن پچھے تھے جن کو کھانے پہنچ کی ہر خوشگوار اور خوشمند چیز اپنی طرف مائل کر سکتی تھی۔

\* ایضاً: ۶۲۸۷۔ مسلم، کتاب صلاة العبدین، باب الرخصة في اللعب الذي لا معصية فيه:

- ۲۰۶۵، ۲۰۶۴ - ابو داود کتاب الادب، باب اللعب بالبنات: ۴۹۳۲۔

\* ابو داود، کتاب الجهاد، باب فی السبق علی الرجل: ۲۵۷۸۔

آنحضرت ﷺ کو جیسا کہ اوپر کے واقعات سے معلوم ہوا ہوگا اعزہ، اولاً اور از اون مطہرات ﷺ کے ساتھ سخت محبت تھی آپ نے رہبائیت کا بھی قلع قلع کر دیا تھا اور فتوحات کی کثرت مدینہ میں مال و زر کے خزانے لئا رہی تھی لیکن با ایں ہم آنحضرت ﷺ نے اپنی ذات کی طرح ان کو بھی زخارف دنیوی کا خونر نہیں بنایا بلکہ ہر موقع پر رُوك کی، اس بناء پر آپ کے تمام خاندان کی زندگی آپ کے اسوہ حسنہ کا اعلیٰ ترین مظہر بن گئی۔

حضرت فاطمہ ؓ آپ ﷺ کی محبوب ترین اولاد تھیں، لیکن انہوں نے آپ کی محبت سے کوئی دنیوی فائدہ نہیں اٹھایا، ان کی عام خانگی زندگی یہ تھی کہ اس قدر پچھی پیشی تھیں کہ ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے، بار بار مشک میں پانی بھر بھر کر لانے سے بینے پر گئے پڑ گئے تھے، گھر میں جھاڑ دو دیتے کپڑے چیکٹ ہو جاتے تھے، چولہے کے پاس بیٹھتے بیٹھتے کپڑے دھوئیں سے سیاہ ہو جاتے تھے ۔ لیکن با ایں ہمہ جب انہوں نے آنحضرت ﷺ سے ایک بار گھر کے کار و بار کیلئے ایک لوڈی ماگی اور ہاتھ کے چھالے دکھائے تو آپ ﷺ نے صاف انکار کر دیا کہ یہ فقر اور یتامی کا حق ہے۔

ایک دفعہ حضرت فاطمہ ؓ کے پاس آئے دیکھا کہ انہوں نے ناداری سے اس قدر چھوٹا دو پڑھا ہے کہ سڑھانکتی میں تو پاؤں کھل جاتے ہیں اور پاؤں چھپاتی ہیں تو سر برہندرہ جاتا ہے۔ ۱

صرف یہی نہیں کہ خود عام طریقہ اظہار محبت کے خلاف ان کو آرائش و زیب و زینت کی کوئی چیز نہیں دیتے تھے بلکہ اس قسم کی جو چیزیں ان کو دوسرا ذرائع سے ملتی تھیں، ان کو بھی ناپسند فرماتے تھے، چنانچہ ایک دفعہ حضرت علیؑ نے ان کو سونے کا ایک ہار دیا، آپ ﷺ کو معلوم ہوا تو فرمایا: ”کیوں فاطمہ! کیا لوگوں سے یہ کھلونا چاہتی ہو کہ رسول اللہ ﷺ کی آگ کا ہار پہنچتی ہے۔“ چنانچہ حضرت فاطمہ ؓ نے اس کو فوراً بچ کر اس کی قیمت سے ایک غلام خرید لیا۔ ۲

ایک دفعہ آپ ﷺ کسی غزوہ سے تشریف لائے، حضرت فاطمہ ؓ نے بطور خیر مقدم کے گھر کے دروازوں پر پردہ لگایا اور امام حسن و امام حسینؑ کو چاندی کے لکنگ پہنائے۔ آپ ﷺ حب معمول حضرت فاطمہ ؓ کے بیہاں آئے تو اس دنیوی ساز و سامان کو دیکھ کر واپس گئے، حضرت فاطمہ ؓ کو آپ کی ناپسندیدگی کا حال معلوم ہوا تو پردہ چاک کر دیا اور بچوں کے ہاتھ سے لکنگ نکال ڈالے، بنچے آپ کی خدمت میں روٹے ہوئے آئے، آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ مرے اہل بیت میں میں یہ نہیں چاہتا کہ وہاں

۱ ابو داود، کتاب الادب، باب فی التسبیح فی النوم: ۵۰۶۳۔

۲ ابو داود، کتاب اللباس، باب فی العبد ينظر الى شعر مولاته: ۴۱۰۶۔

۳ نسانی، کتاب الزينة، باب الکراہیۃ للنساء فی اظهار الحالی: ۵۱۴۳۔

زخارف دنیا سے آلو دہ ہوں، اس کے بد لے فاطمہؓ کے لیے ایک عصب کا ہار اور ہاتھی دانت کے دلگن خرید لاؤ۔<sup>۱</sup> ازدواج مطہرات کے ساتھ آپ ﷺ کو جو محبت تھی اس کا اظہار کبھی دنیا دارانہ طریقے سے نہیں ہوتا تھا، چنانچہ ازدواج مطہرات نے جب اپنے کھانے اور اپنے لباس کی خواہش ظاہر کی تو آپ ﷺ نے ان سے ایسا کر لیا۔ تمام ازدواج میں آپ ﷺ کو حضرت عائشہؓ سب سے زیادہ محبوب تھیں لیکن یہ محبت رنگین لباس اور سنہرے زیوروں کی صورت میں کبھی نہیں ظاہر ہوئی۔ تمام یہیوں کا جو لباس تھا وہی حضرت عائشہؓ کا بھی تھا چنانچہ وہ خود فرماتی تھیں:

ما کانت لا حدانا الا ثوب واحد۔<sup>۲</sup>

”هم تمام یہیوں کے پاس صرف ایک ایک جوڑا کپڑا اتھا۔“

اگر کبھی اس کے خلاف ان کے بدن پر دنیوی آرائش کے سرو سامان نظر آتے تو آنحضرت ﷺ ان کو منع فرماتے۔ ایک مرتبہ انہوں نے سونے کے لگن پہنے (مسکہ) آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر ورس کے لگن زعفران سے رنگ کر پہنتیں تو بہتر ہوتا۔“<sup>۳</sup> (تمام اہل دعیال و خانوادہ نبوت کو ممانعت تھی کہ وہ پر تکلف و ریشمی لباس اور سونے کے زیور استعمال کریں۔ آپ ﷺ ان سے فرمایا کرتے تھے کہ ”اگر تم کو اس کی تمنا ہے کہ یہ چیزیں جنت میں ملیں تو دنیا میں ان کے پہنے سے پر ہیز کردو۔“<sup>۴</sup>

### انتظام خانگی

اگرچہ ازدواج مطہرات کی تعداد ایک زمانہ میں ۹ تک پہنچ گئی تھی اور اس وجہ سے خانہ داری کے بہت سے بکھرے تھے تاہم آپ ﷺ کو خود نے نفس نہیں ان چیزوں سے سرو کارنہ تھا، اپنی ذات کی نسبت تو التزام تھا کہ جو کچھ آتا دن کے دن صرف ہو جاتا، یہاں تک کہ اگر دے دلا کر کچھ باقی رہ جاتا تو آپ اس وقت تک گھر میں نہ جاتے جب تک وہ بھی کارخیر میں صرف نہ ہو جاتا لیکن ازدواج مطہرات اور مہمانوں کے کھانے پینے، رہنے سنبھلے کا انتظام حضرت باللہ علیہ السلام کے متعلق تھا۔ ابو داؤد میں عبد اللہ ہوزنیؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت باللہ علیہ السلام سے پوچھا کہ رسول اللہ علیہ السلام کے خانگی انتظام کا کیا حال تھا؟ انہوں نے کہا: آنحضرت ﷺ کا تمام کاروبار میرے پرداختا اور آغاز سے اخیر زمانہ وفات تک میرے ہاتھ میں رہا تھا۔ معمول تھا کہ جب کوئی نادر مسلمان آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا، تو مجھ کو ارشاد ہوتا، میں جا کر کہیں سے

<sup>۱</sup> ابو داؤد، کتاب الترجل، باب ماجاء فی الانتفاع بالعلاج: ۴۲۱۳۔

<sup>۲</sup> بخاری، کتاب الحیض، باب هل تصلی المرأة فی ثوب حاضت فیه: ۳۱۲۔

<sup>۳</sup> نسائی، کتاب الزینة، باب کراہیۃ للنساء فی اظہار الحلال: ۵۱۴۶۔

<sup>۴</sup> نسائی، کتاب الزینة، باب کراہیۃ للنساء فی اظہار الحلال: ۵۱۳۹۔

فرض لاتا اور اس کے کھانے کپڑے کا انتظام کر دیتا۔ ❷  
اہل و عیال کے مصارف کا انتظام

ازواج مطہرات شیخؒ کے لیے یہ انتظام تھا کہ بونصیر کے نگستان میں ان کا حصہ مقرر کر دیا گیا تھا، وہ فروخت کر دیا جاتا جو سال بھر کے مصارف کے لیے کافی ہوتا۔ ❸ خبر فتح ہوا تو تمام ازواد کے لیے فی کس ۸۰ وسق کھجور اور ۲۰ وسق جو سالانہ مقرر ہو گیا تھا۔ وسق ۲۰ صاع کا ہوتا ہے۔ حضرت عمر بن الخطابؓ کے زمانہ میں بعض ازواد نے جن میں حضرت عائشہؓ پر بھی تھیں پیداوار کے بد لز من لے لی۔ ❹

تم المجلدُ الثانى من السيرة النبوية على أصحابها الصلوة والتحية -

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

- 
- ❶ ابو داود، کتاب الخراج، باب فی الامام يقبل هدايا المشرکین: ۳۰۵۵۔
  - ❷ بخاری، کتاب فرض الخس: ۳۰۹۴۔
  - ❸ بخاری، کتاب الحرج والمزارعة، باب المزارعة بالشطر: ۲۳۲۸۔





سَبِّيلُ الرَّبِيعِ